ماہنامہ

حجاب

کراچی

June 2016

بیاد — زینب النساء
فرحت آراء

مدیر اعلیٰ — مشتاق احمد قریشی
مدیرہ — قیصر آرا
نائب مدیرہ — سعیدہ نثار
مدیرہ معاونین — ندا رضوان
مدیر خصوصی — طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	01
شمارہ	08
جون	2016

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infoohijab@gmail.com

aanchalpk.com

اِس شمارے میں

ابتدائیہ

امہات المومنین

ذکراس پری وش کا

رخ سخن

آغوش مادر

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی ۔74400
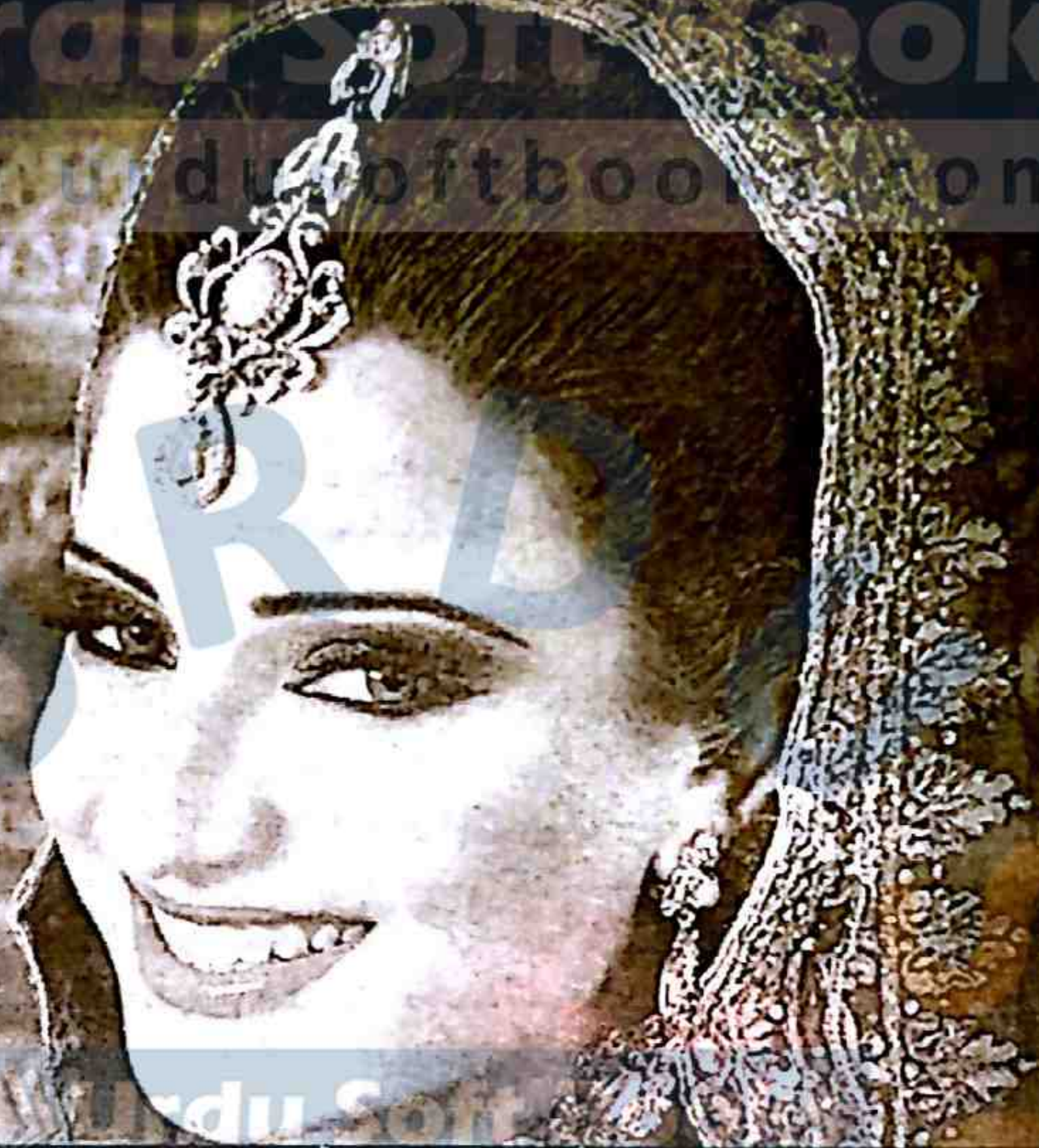
سرورق: رابیل......آرائش: سلیک بیوٹی پارلر، لاہور......عکاسی: ایم کاشف

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل Infoohijab@gmail.com

editor_aa@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات چیت

مدیرہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
جون ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

ملتِ اسلامیہ کو ماہِ رمضان مبارک

ماہِ رمضان کے بابرکت مہینے کی آمدآمد ہے۔اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ رمضان شریف ہمارے ملک کے لیے امن' برکت اور خیر کا مہینہ ثابت ہو (آمین)

آیئے اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا کریں۔

''یااللہ!'' آپ نے ۲۷رمضان المبارک کو کتاب ہدایت قرآن حکیم کی تکمیل کی اور اسی تاریخ کو دنیا کے نقشے پر مسلمانوں کے لیے ایک ملک کا قیام فرمایا۔آپ کا بے حد شکریہ۔لیکن ہم بدنصیب آپ کے احسان کو بھول کر فسق وفجور میں مبتلا ہوگئے۔آپ نے سنبھلنے کا موقع دیا' انتظار بھی کیا' بالآخر آپ کے قانون کے مطابق' زلزلوں' آفات' آسمان وزمین اچانک اموات' قتل وغارت گری' تمام بنیادی سہولیات کی کمی یعنی بجلی' گیس' پانی اور بارشیں' غیر مسلموں کی غلامی اور محتاجی' الغرض ہر قسم کی آفات نے پاکستان گھیرلیا۔یارب اللعالمین! ہم جیسے بھی ہیں تیرے محبوب ﷺ کی امت میں سے ہیں ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما کر ہماری بخشش کا سامان فرما' ہمیں اس ماہ مبارک کی تمام برکات عطا فرما اور پاکستان کو اپنا پیرا' ایک پروقار ملک بنادے' جو دوسروں کی امداد سے بے نیاز ہوجائے (آمین)۔

حجاب کے ای میل ایڈریس کچھ وجوہات کی بنا پر جزوی طور پر بند کردیے گئے ہیں آپ بہنوں سے گزارش ہے کہ حجاب کے لیے اپنی نگارشات ماہنامہ آنچل کے ای میل ایڈریس پر ارسال کریں لیکن جس ماہنامہ کے لیے آپ اپنی تحریر بھیج رہی ہیں اس کا نام ضرور لکھیں تاکہ آپ کی نگارشات آنچل وحجاب کے شعبوں تک باآسانی پہنچ سکے۔

تمام بہنیں نوٹ فرمالیں کہ جولائی کا شمارہ عید نمبر ہوگا اس لیے اپنی نگارشات اور عید نمبر کے حوالے سے تحریریں جلد از جلد ارسال فرمادیں تاکہ سب بہنوں کی شرکت یقینی بنائی جاسکے۔

اس ماہ کے ستارے

☆وفا کے دودانوں کی تسبیح — تدبیر اور تقدیر کے جال میں الجھی محبت کی پریم کہانی بسمہ قریشی کے دلفریب انداز بیاں میں۔
☆دل ضدی بچہ — محبت وچاہت کے انوکھے انداز میں دل کا احوال قلمبند کرتی طلعت نظامی کی منفرد تحریر۔
☆آرزوئے جاں — محبت وچاہت کے رنگوں کی عکاسی کرتا سیدہ بہبہ بخاری کا دلکش ناول۔
☆عاشق نامراد — عشق کا جادو کیسے سر چڑھ کر بولتا ہے جانئے زریں قمر کے ناولٹ میں۔
☆اُجالے لٹادے گیا — تاریکیوں میں روشنی بکھیرنے والے شخص کی کہانی نفیسہ سعید کی زبانی۔
☆پرچھائیں — زمانے کے تلخ حقائق اور محبت کی روایت کو پیش کرتی رابعہ نیازی کا مکمل ناول۔
☆آگہی کے بعد — آگہی کے در وا کرتی ہمارا اوطویل عرصے بعد حاضر ہیں۔
☆ڈیل — وانفقوفی سبیل اللہ کی عملی تفسیر پیش کرتی نظیر فاطمہ کی موثر تحریر۔
☆محبت خوشبو کی مانند — محبت میں درپیش شکوک وشبہات شکوے اور شکایات لیے مہناز یوسف جلوہ گر ہیں۔
☆خدا کی رحمت — نمود ونمائش میں ڈوبے لوگوں کا احوال پیش کرتی اقرا انگلزار پہلی مرتبہ شریک محفل ہیں۔
☆گڑیا — کھیل کھلونوں کی خواہش لیے ایک گڑیا کی کہانی سیدہ برجیس رباب کے قلم سے۔
☆ضد ہار گئی — خودپسندی وخودغرضی میں لپٹی ایسی تحریر جو آپ کو بھی سوچنے پر مجبور کردے گی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو
قیصر آرا

حمد

لائق حمد تری ذات کہ محمود ہے تُو
لائق سجدہ تری ذات کہ مسجود ہے تُو

انکساری مرا مقسوم کہ بندہ ہوں میں
خود نمائی ترا دستور کہ معبود ہے تُو

بعد اتنا کہ کبھی آنکھ نے دیکھا نہ تجھے
قرب اتنا کہ مری جان میں موجود ہے تُو

ہے وراء حدِ تعین سے تری ذات قدیم
کون کہتا ہے کہ کسی سمت میں محدود ہے تُو

حسن پردے میں بھی بے پردہ نظر آتا ہے
اتنا چھپنے پہ بھی منظور ہے مشہود ہے تُو

میری کیا بود کہ معدوم تھا معدوم ہوں میں
تیری کیا شان کہ موجود تھا موجود ہے تُو

ایک اعظم ہی نہیں عاشق ناچیز ترا
سب کا مطلوب ہے محبوب ہے مقصود ہے تُو

محمد اعظم چشتی

نعت

یہ کہتی تھیں گھر گھر میں جا کر حلیمہ مرے گھر میں خیر الوریٰ آ گئے ہیں
بڑے اوج پر ہے مرا اب مقدر مرے گھر حبیب خدا آ گئے ہیں

اٹھیں چار سو رحمتوں کی گھٹائیں معطر معطر ہیں ساری فضائیں
خوشی میں یہ جبریلؑ نغمے سنائیں وہ شافع روز جزا آ گئے ہیں

یہ ظلمت سے کہہ دو کہ ڈیرے اٹھالے کہ ہیں ہر طرف اب اجالے اجالے
کہا جن کو رب نے سراجاً منیراً مرے گھر وہ نورِ خدا آ گئے ہیں

یہ سن کر سخی آپ کا آستانہ ہے دامن پسارے ہوئے سب زمانہ
نواسوں کا صدقہ نگاہِ کرم ہو ترے در پہ ترے گدا آ گئے ہیں

مقرب ہیں بے شک خلیلؑ و نجیؑ بھی بڑی شان والے کلیمؑ و مسیحؑ بھی
لیے عرش نے جن کے قدموں کے بوسے وہ امی لقب ﷺ آ گئے ہیں

نکیرین جب میری تربت پہ آ کر کہیں گے زیارت کا مژدہ سنا کر
اٹھو بہر تعظیم نور الحسن اب لحد میں رسول خدا ﷺ آ گئے ہیں

نور الحسن

امہات المومنین

ندا رضوان

حضرت جویریہ بنت حارث

غزوہ بنی مصطلق یا مریسیع میں دو ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں مال غنیمت میں ملیں اور دو سو گھروں کے چھ سو مرد، عورتیں اور بچے اسیر ہوئے جن میں رئیس قبیلہ کی بیٹی برہ بھی شامل تھیں، مال غنیمت کو مجاہدین میں بانٹ دیا گیا اور قیدیوں کو لوگوں میں تقسیم کر دیا گیا برہ بنت حارث، حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس بن شماس اور ان کے چچا زاد بھائی کے حصہ میں آئیں۔

حالات نے ایک مشہور و معروف رئیس کی بیٹی کو کنیز بنا دیا تھا یہ صورت حال ان کے لیے بڑی پریشان کن اور سوہان روح تھی۔

"میں آپ کی مکاتبہ بننے کے لیے تیار ہوں۔" برہ بنت حارث نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس انصاری سے کہا۔

"ٹھیک ہے، آپ مجھے نو اوقیہ سونا دے دیں میں آپ کو آزاد کر دوں گا۔" حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس نے وعدہ کر لیا۔

برہ بنت حارث بہت خوش تھیں کہ نو اوقیہ سونا جس کی رقم چار ہزار درہم بنتی تھی ادا کر کے آزاد ہو جائیں گی لیکن معاً خیال آیا "بحالت کنیز نو اوقیہ سونا کہاں سے آئے گا؟ اگر کسی سے مانگوں تو کون دے گا؟"

وہ سوچنے لگیں۔ "مجھے لوگوں سے مکاتب کی رقم مانگ کر ادا کر دینی چاہیے۔" ایک خیال ذہن میں ابھرا غلامی کی حالت میں اس سے بہتر کوئی اور حل نظر نہیں آتا تھا۔

"مجھے سب سے پہلے رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر دستک دینا چاہیے جہاں سے کبھی کوئی نامراد نہیں لوٹا۔" ایک اور خیال ان کے دل و دماغ میں لہرایا، اس سے اطمینان و سکون کی کیفیت نے جلوہ گری کی۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں ملیں گے؟" برہ بنت حارث نے حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس سے دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ آپ گھر سے باہر نکلیں اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑیں۔

جب آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو حضرت صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہاں تشریف رکھتی تھیں۔ برہ بنت حارث ادب سے بیٹھ گئیں۔

"کون ہو اور کیسے آئی ہو؟" ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان ہونے کے لیے حاضر خدمت ہوئی ہوں۔" برہ بنت حارث نے عرض کیا اور کلمہ پڑھا "اشہد ان لا الہ الا اللہ و انک رسولہ۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پر خوشی کی لہر ابھری، برہ پھر بولیں۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حارث بن ضرار کی بیٹی ہوں جو اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ اب لشکر اسلام کے ہاتھوں قید ہوں اور (حضرت) ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن قیس کے حصے میں آ گئی ہوں، انہوں نے مجھے نو اوقیہ سونے پر مکاتبہ بنایا ہے میں اسے ادا نہیں کر سکتی میری اعانت و مدد فرمائیں تاکہ کتابت کی رقم ادا کر سکوں۔"

حارث بن ابی ضرار جو غزوہ بنی مصطلق کے وقت بھاگ گیا تھا اسے جب پتا چلا کہ اس کی بیٹی کو کنیز بنا کر لے گئے ہیں تو وہ اپنی بیٹی کے فدیہ میں چند اونٹ لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا۔ جو اونٹ وہ لے کر چلا تھا ان میں سے دو اونٹ اسے بہت پسند تھے لہٰذا وہ

اس نے وادی کی گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی میں چھپا دیے اور باقی اونٹ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا۔

جب وہ مدینہ منورہ پہنچا تو اس سے پہلے اس کی بیٹی رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کی درخواست کرچکی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو حارث بن ابی ضرار نے عرض کی۔ ''میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی میری شان اس سے بالاتر ہے میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو آزاد کردیں اور زرفدیہ لے لیں۔''

''وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم راستے میں چھپا آئے ہو؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا اور اس گھاٹی کا نام بھی بتادیا جہاں انہیں چھپایا گیا تھا۔

''آپ کو کس نے اطلاع دی؟''

''میرے رب نے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔'' حارث بن ضرار نے کہا اور مسلمان ہوگیا دوسرے کئی افراد بھی مسلمان ہوگئے اور پھر انہوں نے گھاٹی میں چھپائے ہوئے دو اونٹ بھی لاکر پیش خدمت کردیے۔

برہ بنت حارث جب آزاد ہوگئیں تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں ہی رہنے کو فوقیت دی اور والد کے ساتھ جانے سے انکار کردیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ بن ابی ضرار کو برہ سے نکاح کا پیغام بھیجا جو انہوں نے بصد خوشی قبول کرلیا اور چار سو درہم حق مہر پر اپنی بیٹی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں دے دی اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی مزید مہربانی فرماتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت برہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلے کے چالیس غلام بھی آزاد کردیے آپ نے برہ کا نام بدل کر جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رکھ دیا اور اس طرح حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ خواب سچا ثابت ہوا جو انہوں نے کئی سال پہلے دیکھا تھا کہ مدینہ سے چلتا ہوا چاند ان کی آغوش میں آگیا ہے اور جو تعبیر انہوں نے اس وقت نکال تھی وہی نکلی۔

جب لوگوں کو علم ہوا کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرلی تو لوگ بولے۔

''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے غلام بنائے جائیں گے۔ ہرگز نہیں یہ محبت کے منافی ہے۔''

لہٰذا لوگوں نے بنی مصطلق کے تمام قیدی آزاد کردیے اس نکاح کی یہ برکت ہوئی کہ سو خاندان آزاد ہوگئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔

''میں نے کسی عورت کو جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے حق میں مبارک نہیں دیکھا ان کے سبب بنو مصطلق کے تمام گھرانے آزاد کردیے گئے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

''جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی شیریں، موزوں اندام، ملیح اور صاحب حسن و جمال عورت تھیں جو کوئی دیکھتا فریفتہ ہوجاتا تھا۔''

ظاہری حسن و جمال کے علاوہ آپ باطنی حسن سے بھی مالا مال تھیں۔ بڑی زاہدہ، راست باز، عبادت گزار، قناعت پسند، مجسمہ صبر و رضا، بردبار و حلیم اور جود وسخا، عجز و انکساری، ایثار و اخلاص اور ذکر و تلاوت میں یکتا تھیں اور یہ سب خوبیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اور تعلق سے نکھر کر ابھری تھیں۔

ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ

عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کی نور و نکہت سے بھرپور فضاؤں اور بے مثل زندگی گزار رہی تھیں۔ ہر لحظہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے میں گزر رہا تھا۔ اپنے بے مثل شوہر نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذرا سی تکلیف پر ماہی بے آب کی طرح مضطرب و بے چین ہوجاتی تھیں۔ وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ حسین وخوشگوار زندگی صرف چھ سالوں پر محیط ہے اور اس کے بعد وہ بیوگی و جدائی کا داغ دے کر اپنے رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے جائیں گے۔ جب رسالت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو دنیا اندھیر ہوگئی، یقین نہیں آتا تھا کہ آنکھیں جو دیکھ رہی ہیں وہ حقیقت ہے۔ دل میں ہول اٹھتا تھا آنکھوں سے اشک رواں تھے لیکن لبوں پر یہ الفاظ تھے۔

''اے باری تعالیٰ تو جس حال میں مجھے رکھے میں ویسے ہی راضی ہوں مجھے حوصلہ عطا فرما۔''

اس وقت ان کی عمر مبارک چھبیس سال تھی۔ زندگی کی طویل راہیں سامنے پھیلی ہوئی تھیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں محبت کرنے والے شوہر، محبوب خدا، رحمتہ اللعالمین اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ابدی آرام فرمارہے تھے۔ جب فراق و جدائی کی کسک بہت بے تاب کردیتی اور ملاقات کو دل چاہتا تو ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے حجرے سے نکل کر حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تشریف لے جاتیں سلام عرض کرتیں، قدموں میں بیٹھ جاتیں، بے اختیار آنکھوں میں آنسوؤں کے ستارے جھلملانے لگتے۔ دل میں باتیں کرنے لگتیں۔ یوں احساس ہوتا جیسے محبوب رب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قریب بیٹھے باتیں سن رہے ہوں، دل تو نہیں چاہتا تھا کہ وہاں سے اٹھیں لیکن بادل نخواستہ اٹھنا پڑتا۔ پھر اپنے حجرے میں تشریف لے جاتیں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوجاتیں۔

حالات کچھ بھی تھے لیکن امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم جو موجود تھیں ان کی بدرجہ اولیٰ عزت و تکریم کی گئی۔ ان کی ضروریات کا دھیان رکھا گیا ان سے رہنمائی حاصل کی گئی اور ہر خلیفہ کی یہ کوشش رہی کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی خدمت باعث افتخار وسعادت سمجھتے تھے۔ انہوں نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار مقرر کر رکھا تھا اس کے علاوہ بھی تحائف ارسال کرتے رہتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدہ حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جدا ہوئے پینتالیس سال ہوگئے۔ اس وقت ان کی عمراے سال تھی یہ ربیع الاول ۵۶ ہجری کا واقعہ ہے سوچ رہی تھیں کہ اسی مہینے میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی ہوئی تھی یہاں پہنچ کر ان کی سوچیں گہری ہوگئیں۔

''محبت اور اتباع کی یہ بھی تو صورت ہے کہ اسی مہینے بلاوا آجائے۔'' اور پھر بلاوا آگیا طویل جدائی کے بعد اب وصل کا وقت آگیا تھا آپ پہلے ہی سے تیار تھیں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

ان دنوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ میں مروان بن الحکم حاکم تھا اس نے ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جنت البقیع میں آسودہ خواب ہوگئیں۔

کتب معتبرہ میں ان سے سات احادیث مروی ہیں، جن میں سے دو بخاری شریف میں، دو مسلم شریف میں اور تین دیگر کتب میں درج ہیں۔

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

صفیہ مزمل

آنچل اور حجاب پڑھنے والے تمام ہنستے بستے چہروں کو ہمارا پیار بھرا اسلام قبول ہو‘ اللہ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ میرا نام صفیہ مزمل ہے‘ میرا تعلق سرائے عالمگیر کے نواحی گاؤں سعادت پور سے ہے۔ تاریخ پیدائش 23 ستمبر کراچی ہے‘ کاسٹ گجر ہے۔ ایل ایل ایم پی کیا ہے‘ ہم سات بہن بھائی ہیں سب سے بڑی ثوبیہ حبیب (جتنی زمین کے اوپر ہے اتنی زمین کے نیچے)۔ (بقول چاچی جی) صوفیہ مجید بہت گھنی اور سینی ہے۔ (بقول چاچی) سمیعہ احسان میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے سمیعہ جیسی بہو ملی۔ (بہو بیا سو اماں) سدرہ قیصر بہت منہ پھٹ ہے (بقول پوری فیملی) پھر دونوں بھائی وری نائس ہیں‘ آخر میں میرا نمبر۔ اب آتے ہیں میری طرف ہاں جی‘ میرا اسٹار سنبلہ ہے‘ آنچل پڑھنے کا شوق ہے۔ پسندیدہ رائٹرز میں نازیہ‘ سمیرا‘ ام مریم‘ اقراء صغیر‘ عشناء کوثر‘ سندس جبین‘ سعدیہ اہل کاشف‘ ماہا ملک‘ سباس گل‘ عفت سحر‘ عمیرہ احمد اور میری موسٹ فیورٹ رائٹر نمرہ احمد ہے۔ پسندیدہ ناول میں بساط دل زندگی اک روشنی‘ خوشبو کا کوئی گھر نہیں‘ شہر دل کے دروازے‘ تیرے نام کی شہرت آئینوں کا شہر‘ پھلاں دے رنگ کالے‘ جنت کے پتے اور میرا فیورٹ ناول ”نمل“ اور ”جو چلے تو جاں سے گزر گئے“۔ میرا مشغلہ آنچل‘ حجاب‘ پاکیزہ‘ شعاع‘ خواتین‘ کرن‘ حنا پڑھنا ہے۔ اسلامی کتابیں بھی پڑھنے کا شوق ہے‘ میرے پسندیدہ مصنفین محترم مولانا سعود اظہر صاحب‘ مولانا طارق جمیل صاحب اور ڈاکٹر طاہر صاحب شامل ہیں۔ فیورٹ کتاب قرآن کتاب اور زاویہ ہے۔ فیورٹ شہر کراچی ہے‘ فیورٹ ملک پاکستان‘ ترکی ہے۔ کھانے میں چائنیز رائس‘ میٹھے میں کسٹرڈ پسند ہے۔ کھٹی چیزیں بہت پسند ہیں‘ گول گپے‘ پاپڑ املی وغیرہ۔ بارش بہت انجوائے کرتی ہوں‘ خاص کر سردیوں کی۔ گھومنے کا بہت شوق ہے لیکن صرف ماموں جان کے ساتھ اللہ میرے ماموں کو صحت عطا فرمائے آمین۔ فیورٹ پھول رات کی رانی‘ موتیا‘ گلاب ہے۔ فیورٹ پھل انار اور آلوچہ ہے‘ فیورٹ رنگ نیلا اور سفید ہے۔ فیورٹ جیولری لاکٹ‘ بریسلیٹ ہے۔ فیورٹ شاعر احمد فراز‘ محسن نقوی‘ وصی شاہ‘ پروین شاکر اور بلھے شاہ ہیں۔ فیورٹ شخصیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم‘ میاں محمد بخش ہے۔ فیورٹ سیاستدان عمران خان ہے‘ فیورٹ اینکر صنم بلوچ‘ صنم جنگ ہے۔ فیورٹ آر جے واصف علی خان ہے۔ فیورٹ دوست کرن صبا‘ امبر گوبھی‘ رمشا رستم‘ جویریہ نعمان‘ ادیبہ شبنم صبا رشید‘ رضوانہ رشید‘ عالیہ‘ کلثوم‘ رفعت‘ میمونہ اور لاج ہے۔ فیورٹ کھیل بیڈمنٹن ہے‘ فیورٹ اداکار فہد مصطفیٰ اور عروہ الوقبیٰ ہے۔ فیورٹ سنگر نصرت فتح علی خان ہے‘ فیورٹ خوشبو Doit ہے۔ فیورٹ ٹیچر میڈم نسیم اور میڈم غزالہ ہے‘ فیورٹ موسم سردی ہے۔ فیورٹ ہیرو شاہ رخ خان ہے‘ فیورٹ صحافی وسیم بادامی ہے‘ فیورٹ کام لوگوں کو تنگ کرنا ہے۔ میک اپ میں لپ اسٹک پسند ہے‘ فیورٹ شربت انار کا جوس ہے۔ فیورٹ کھلاڑی شاہد آفریدی‘ شعیب ملک ہیں۔ شادی بیاہ کی تمام رسمیں پسند ہیں‘ مہندی بہت اچھی لگتی ہے‘ تھوڑی سی شرارتی ہوں‘ باتیں بہت زیادہ کرتی ہوں‘ زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکتی مگر امی کہتی ہیں کہ مجھ میں نہ عقل ہے اور نہ دماغ یعنی کہ موج ہی موج‘ ہمارے گھر میں ایک کرکٹ ٹیم بھی ہے پاکستانی ٹیم سے بھی چار ہاتھ آگے‘ مطلب بھانجی‘ بھانجا جی ہاں سب سے پہلے ماریہ بتول‘ منیب گجر‘ میمونہ چوہدری‘ عفت شفق‘ معید گجر‘ عتیق الرحمن‘ نقیب الرحمن‘ معارج فاطمہ‘ عبدالہادی‘ ام ہانیہ‘ ظل سبحان اور عبداللہ شہزاد ہے۔ ہمارے آنگن کی رونق‘ اللہ پاک ہمیشہ انہیں قائم و دائم رکھے آمین جب تنگ کرتے ہیں تو دل کرتا ہے کہیں چلے جاؤ جہاں ان کی شکل بھی نظر نہ آئے۔ میں سدرہ سے بہت پیار کرتی ہوں‘ اللہ اس کو صحت اور تندرستی عطا فرمائے اور اس کے بچوں کو بھی‘ آمین۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ میرے دل اور دنیا میں رہنے والے لوگوں کو ہمیشہ صحت والی زندگی‘ خوشیاں دے کر اپنے حفظ و امان میں رکھے‘ انہیں تادیر صحت والی زندگی دے آمین۔ اللہ حافظ۔

عدیلہ رانی

سب سے پہلے تو تمام آنچل وحجاب کے قارئین کو میرا سلام۔ میرا نام عدیلہ ہے سب اسی نام سے پکارتے ہیں سوائے ایک فرینڈ رباب کہ جو اکثر مجھے آدی کے نام سے پکارتی ہے۔ میرا تعلق گجرات کے ایک گاؤں لکھنوال سے ہے، تو جناب پیدا تو یکم نومبر کو ہوئی تھی لیکن برتھ سرٹیفکیٹ میں غلطی سے 2 فروری لکھ دی گئی اور میری فرینڈز اسی تاریخ پر مجھے وش کرتی ہیں۔ ہم پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں، دونوں بھائی بڑے ہیں اور بہنیں چھوٹی ہیں اور مابدولت سب سے چھوٹی ہیں۔ گھر بھر کی لاڈلی رہی ہوں خاص طور پر امی ابو کی۔ اب میری جگہ میرے بھتیجے بھتیجیوں نے لے لی ہے، ایسا تو ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے مگر میرے ابو اب بھی میرے بہت لاڈ اٹھاتے، اگر کبھی ناراض ہو جاؤں تو ابو مجھے مناتے ہیں اور میں مان بھی جاتی ہوں۔ تعلیم ایف اے ہے اور ایک پرائیوٹ اسکول میں ٹیچنگ کرتی ہوں، کھانے میں اروی کے علاوہ سب کچھ کھالیتی ہوں۔ آئس کریم اور گول گپے بڑے شوق سے کھاتی ہوں اگر فرینڈز ساتھ ہوں تو کیا بات ہے۔ جیولری میں لاکٹ رنگ اور ہاتھوں میں بریسلیٹ یا گھڑی پہننا اچھا لگتا ہے۔ فیورٹ کلر بلیک اینڈ وائٹ۔ دوستی کے رشتے پر بہت یقین رکھتی ہوں، اسکول لائف کی فرینڈز عشرت، شمیم ہیں جن سے ابھی بھی دوستی برقرار ہے اور جب اسکول میں پڑھانا شروع کیا تو وہاں بھی فرینڈز بنائیں جن میں رباب، مہک، سدرہ، ثنیا شامل ہیں۔ اب آتے ہیں اچھائی اور برائی کی طرف سب سے پہلے تو میری ہنسی کی طرف جو پوری فیملی میں مشہور ہے کہ میں بہت زیادہ ہنستی ہوں اب آپ اسے میری اچھائی کہہ لیں یا برائی۔ بہت زیادہ صفائی پسند ہوں، فرینڈز کے مطابق ہر ایک کے ساتھ بہت جلد فری ہو جاتی ہوں اور ہر ایک پر بہت جلد بھروسہ کرلیتی ہوں کیونکہ میں بہت خوش اخلاق ہوں۔ اپنی فیملی کو ہمیشہ ایک ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، آنچل پڑھنا اور گانے سننا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ فیورٹ سنگرز امانت علی اور راحت فتح علی خان ہیں۔ اب آنچل کی طرف آتے ہیں جو کہ میٹرک کے بعد 2010ء میں پڑھنا شروع کیا، ہمارے ہاں ڈائجسٹ نہیں پڑھا جاتا تھا ایک دفعہ بڑی بھابی کسی سے لے کر پڑھ رہی تھیں تو میں نے ان سے لے کر وقت گزاری کے لیے پڑھنے لگی لیکن مجھے اچھا لگا اس وقت "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کی اسٹوری چل رہی تھی پھر بہت مشکل سے امی سے اجازت لے کر آنچل پڑھنا شروع کیا اور اپنی فرینڈ زرباب کو بھی آنچل پڑھنے کی یہ عادت ڈالی 2010ء سے لے کر تمام آنچل ڈائجسٹ میرے پاس موجود ہیں، اسی وجہ سے میرے گھر والے کہتے ہیں یہ تمام ڈائجسٹ اور ناول اپنے ساتھ اپنے جہیز میں لے جانا (تو ٹھیک ہے نا اگر سسرال اچھا مل گیا تو وہاں جا کر بھی شوق پورا کرلوں گی)۔ اب دیکھیں صبح اٹھ کر نماز پڑھنا پھر ناشتا کر کے اسکول جانے سے پہلے گھر کی صفائی پھر اسکول جانا، اسکول سے واپس آ کر ٹیوشن پڑھانا، اتنی ٹف روٹین میں آنچل پڑھنے کا ٹائم کہاں ملے گا مگر آنچل پڑھے بغیر نیند کہاں سے آئے۔ رات گئے تک ڈائجسٹ پڑھنے کی وجہ سے کئی دفعہ امی سے ڈانٹ کھا چکی ہوں پر ڈانٹ کھانے سے ڈائجسٹ پڑھنا بند کردوں۔ آنچل میں میری فرسٹ موسٹ فیورٹ اسٹوری ہے جو کہ زینیا چوہدری نے لکھی ہے جو 2008ء کے آنچل میں شائع ہوئی تھی (میں تنہا تھا مگر) جس میں ہیروئن شنزا احسن کی موت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ "یہ چاہتیں یہ شدتیں، اور کچھ خواب" میرے فیورٹ ناول ہیں فیورٹ ہیرو ہیروئن "جھیل، کنارہ کنکر" کے میکال اور ہانیہ ہیں اور کچھ خواب کا معارج تغلق بھی فیورٹ ہیرو ہے، فیورٹ رائٹر سمیرا شریف طور، نازیہ کنول نازی، عشنا کوثر سردار ہیں اس کے علاوہ نمرہ احمد، سعدیہ امل کاشف اور راحت جبین کے ناول بھی پڑھتی ہوں۔ تعارف تو میرا کافی لمبا ہو گیا ہے لیکن آپ کا دل دیکھنا ہے کہ کتنا بڑا ہے کہ ہمیں اپنے آنچل میں جگہ دے کر آئندہ لکھنے کا حوصلہ دے گا۔ اس دعا کے ساتھ آنچل وحجاب ہمیشہ کی طرح آگے جا کر بھی ترقی کی راہ پر گامزن رہیں آمین ہمیشہ آنچل وحجاب کے لیے ہم دعا گو ہیں، اللہ حافظ۔

ملالہ اسلم

السلام علیکم! آنچل وحجاب اسٹاف' ریڈرز' رائٹرز اور تمام دوستوں کو ملالہ کی طرف سے محبت بھرا' چاہتوں سے لبریز سلام قبول ہو۔ جی تو جناب کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ نام سے تو آپ واقف ہو ہی چکے ہیں اصل نام منزہ بتول ہے مگر ملالہ میرے موسٹ فیورٹ ٹیچر سر عمران نے رکھا ہے اور مجھے بھی یہی کہلوانا اچھا لگتا ہے۔ ماشاء اللہ ہم سات بہن بھائی ہیں' بڑے بھائی اور آپی کی شادی ہوگئی ہے' تین کیوٹ سی بھتیجیاں بھی ہیں' ایک بھائی کی ڈیتھ ہوگئی ہے جسے ہم آج بھی بہت یاد کرتے ہیں۔ مون بھائی کے بعد مابدولت سردیوں کی ٹھٹھرتی اور اداس شاموں میں سے ایک ایسی ہی یخ بستہ رات 12 دسمبر 1996ء کو اس دنیا میں تشریف لائی۔ میرے بعد میری پیاری دو معصوم سی پریاں جو کہ 8th کے بعد ابو کی خواہش پر حافظ قرآن بن رہی ہیں' انہی کے توسط سے میرے پیارے مون بھائی نے قرآن پاک حفظ کرلیا ہے آخر میں' ہم سب کا سوہنی بھائی ہے۔ آپی پیار سے گڑیا بلاتی ہیں' ویسے تو میرے بہت سے نام ہے' ماہا مجھے مانو کہتی ہے۔ اسٹار قوس ہے' پڑھنے کا بے حد شوق ہے مگر میری مما کو نہیں پسند' میٹرک کے بعد چودہ ماہ کا نرسنگ کورس یا آرٹ کا ارادہ ہے مطالعہ کرتی ہوں چاہے وہ کچھ بھی ہو' کاسٹ سیال ہے۔ پینٹنگ کرتی ہوں' بات ہو پسند ناپسند کی' پزا' انڈا' چنے کی دال شوق سے کھاتی ہوں۔ میٹھے میں آئس کریم' مینگو فلیور اور چوکلیٹ فلیور بہت پسند ہے۔ چائے تو میری جان ہے' میک اپ میں کاجل اور جیولری میں رنگز اور ٹاپس پسند ہیں۔ ڈریسز میں ڈیپ ریڈ فراک پیروں کو چھوتی ہوئی پسند ہے اور ساڑھی باندھنا تو گویا میری حسرت ہی رہ جائے گی (مما کو جو نہیں پسند)۔ ڈائری لکھتی ہوں' پرفیوم میں Love اور ڈیلیشیا پسند ہے۔ فیورٹ ایکٹرس میں عمران عباس' صبا قمر' سلمان خان' عامر خان بے حد پسند ہیں۔ نیشنل سونگز اچھے لگتے ہیں' اسلام آباد بہت پسند ہے۔ کرکٹ اور ٹینس جنون کی حد تک لائک کرتی ہوں' فیورٹ ناول "من وسلویٰ" اور "جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا" ہے۔ فیورٹ رائٹرز میں سمیرا آپی' ماہا ملک' نازیہ آپی' نمرہ احمد ہیں۔ خوبیاں مجھ میں بہت ہیں مگر آپ کو نظر ہی نہیں آتیں۔ صاف گو ہوں' منہ پھٹ ہوں' موڈی ہوں' جذباتی جلد ہوجاتی ہوں' غصہ آجائے تو خود کو نقصان پہنچانے سے نہیں روکتی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو انا کا مسئلہ بنالیتی ہوں' سب سے بڑی خامی اعتبار جلد کرلیتی ہوں' جلد فرینک ہوجاتی ہوں۔ مکار اور جھوٹے لوگ پسند نہیں' فرینڈز کے معاملے میں بہت لکی ہوں آمنہ' میم صائمہ' خیرؤ فرزانہ' نایاب' شبانہ' رئیسہ' بریرہ' ثانیہ عثمان' ثمرہ' ثناء' مصباح' مہک' مینا' اقصیٰ' حرا' ریحانہ' ماریہ بہت پُرخلوص ہیں سب۔ میرے دل کے قریب رہنے والوں میں سے ماہا روف اور سویرا فیصل جو مجھے بہت عزیز ہیں۔ میرے لیے ماہا ایک معصوم سا کردار ہے' صرف ایک بات نے اٹریکٹ کیا اور میری دوستی کا شرف حاصل کیا۔ ماہا روف اگر تم یہ پڑھ رہی ہو تو صرف اتنا کہوں گی کہ میرے لیے تم آج بھی ویسی ہو جیسے میں نے پہلی ملاقات میں کہا تھا جس نے کبھی چاہتے ہوئے مجھے انکار نہ کرنے دیا' میری زندگی میں کتنے خوشگوار لمحات آئے' کتنے انمول پل آئے تم تو جانتی ہو نا؟ گواہ رہنا یار! مجھے آج بھی اگر اس دنیا میں جینے کا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لاکر ہر وقت باتیں کرنے کا گر یاد ہے' بھولی نہیں ہوں کیونکہ تم نے ٹھیک کہا ہے یہ دنیا ظالم ہے' ہم جیسے لوگ یہاں صرف مسکراسکتے ہیں' اپنا خیال رکھا کرو۔ شکریہ آنچل مجھے اتنی اچھی فرینڈز دیں' اریبہ شاہ' لاڈو ملک' شاہ زندگی آپ سب بتانا کیسا لگا مجھ سے مل کر' والسلام۔

عائشہ کنول

السلام علیکم! آنچل وحجاب کے پیارے اسٹاف اور قارئین کو مابدولت کی طرف سے سلام اور ڈھروں دعائیں۔ ماشاء اللہ سے ہم دس بہن بھائی ہیں' بھائی دو مجھ سے بڑے ہیں اور تین چھوٹے۔ اپنے امی ابو اور سب بہن بھائیوں سے بے حد پیار ہے' مابدولت کو اپنی تاریخ پیدائش تو یاد نہیں مگر پسندیدہ مہینہ اکتوبر ہے۔ ویسے میں تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوتی مگر کچھ وجوہات کی بناء پر صرف فرسٹ ائیر تک تعلیم مکمل

کرسکی ہوں۔ کافی حد تک سنجیدہ ہوں (مگر کوئی مانتا ہی نہیں) ہماری کاسٹ (آرائیں اور بھٹی ہیں بقول امی کے میں آرائیں ہوں اور ابو بھٹی) مجھے آنچل اتنا پسند ہے کہ آپ اندازہ لگالیں جب ہمارے گھر آتا ہے تو سب سے پہلے ہماری نظرِ رحمت سے مکمل ہوکر گزرتا ہے پھر دوسری بہنوں کی باری آتی ہے اور حجاب بہنوں کے بعد میرے پاس آتا ہے۔ بس دعا ہے میرا پیارا رحیم اللہ اپنی تمام تر رحمتیں میرے آنچل کے اسٹاف، رائٹرز، قارئین اور آنچل دوستوں پر لٹاتا رہے آمین۔ میری فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی، اقراء صغیر احمد اور ام مریم ہیں لیکن یہ جان کر دلی صدمہ کہ ہماری ام مریم ہم سے ناراض ہوگئی ہیں، کیا وہ اپنے پیارے دوستوں اور قارئین کے لیے بھی نہیں لکھ سکتیں۔ نازیہ کنول نازی کی سوچ اور احساسات اور قلم سے پیار ہے، ہم ہمیشہ ان کے لیے دعاگو رہیں گے اور اقراء آپ نے اپنے بارے میں ہمیں کچھ نہیں بتایا، ہم نے تو ذہن میں خاکہ بھی تیار کرلیا، آپ بہت اچھی ہیں، سدا ہنستی مسکراتی اور قلم سے روشنی بکھیرتی جائیں آمین۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اقراء صغیر احمد کا بھی انٹرویو حجاب کے لیے ضرور لیں، یہ تو تھے ہمارے پیارے رائٹرز اب اپنی ذاتی زندگی کچھ شیئر کرتے ہیں 22 جولائی کا دن میرے لیے اہم ترین دن ہے، دو بڑی بہنیں شادی شدہ ہیں۔ ایک ایک بیٹا ہے دونوں کا جو ماشاء اللہ سے اتنے پیارے ہیں کہ بس میں تو لکھتی جاؤں۔ آپی کے بیٹے کا نام محمد اذان زید ہے اور دوسری آپی کے بیٹے کا نام شعیب اختر، دونوں ہی بہت کیوٹ اور سویٹ ہیں، اللہ میرے پیارے بھانجوں کو ہر نظرِ بد سے بچائے۔ جی تو ہمارا فیورٹ مشغلہ بکس کی ریڈنگ چاہے نسیم حجازی کی ہوں یا جہاد کی سب کتابوں کا دل سے مطالعہ کرتے ہیں۔ فیورٹ کتاب ویسے تو مجھے قرآن پاک سے محبت ہونی چاہیے مگر نہ جانے کیوں ہم اپنے اللہ سے بے تحاشہ دور ہوتے جارہے ہیں اور کتابیں پڑھ لیتی ہوں مگر قرآن پاک بس آپ تہہ دل سے دعا کریں کہ اپنے اللہ سے بے تحاشہ محبت ہوجائے۔ فیورٹ کلر وائٹ، بلیک اور پنک ہے۔ فیورٹ سبزی گوبھی، بھنڈی اور آلو کا شوربہ جو میری امی بہت لذیذ بناتی ہیں۔ میٹھے میں کسٹرڈ اور فرنی، فیورٹ پھل امرود، فیورٹ کرکٹرز محمد حفیظ، عمر اکمل اور احمد شہزاد۔ فیورٹ ایکٹر اور ایکٹرس احسن خان، عمران عباس، فیصل قریشی، ہمایوں سعید اور ریشم ہیں۔ ہنستے ہوئے چہرے بہت اچھے لگتے ہیں، خود بھی کافی حد تک ہنس مکھ ہوں، میری ٹیچر مجھے مسکان بلایا کرتی تھیں۔ پیارے مناظر بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔ پاکستان کی سیر کا بے انتہا شوق ہے، اب تک پشاور، کوہاٹ، کراچی، ملتان، بہاولپور اور اپنا پیارا ظاہر پیر ہی دیکھا ہے، ان شاء اللہ، اللہ نے چاہا تو میں اپنے ملک کا کونہ کونہ دیکھوں گی۔ ساون کا موسم بے انتہا پسند ہے، سیڈ سونگ بہت پسند ہیں۔ بہت حساس ہوں کوئی دکھ اور تکلیف برداشت نہیں کرسکتی، چاہے وہ کسی کا بھی ہو۔ اس لیے ہم نے دعائے سحر کو اپنی فرینڈ بنانا ہے کیا ہم سے دوستی کرنا پسند کریں گی، ضرور بتائیے گا۔ خامی یہ ہے کہ کافی حد تک ضدی طبیعت کی مالک ہوں، اپنی من مانی کرتی ہوں۔ جیولری میں رنگ، کلپس اور چوڑیاں، چھوٹی چھوٹی بالیاں پسند ہیں۔ لانگ شرٹ اور ٹراؤزر بہت اچھے لگتے ہیں۔ فیورٹ ناول "کروں سجدہ ایک خدا کو" سیدہ غزل زیدی آئی لائک یو، صدا ہنستی مسکراتی اور قلم سے روشنی بکھیرتی جائیں۔ بہت سی دوستوں کے دل توڑے ہیں جنہوں نے دوستی کی آفر کی ان سب سے معذرت خواہ ہوں آئی ایم ریئلی سوری۔ حمیرا ذوالفقار، حمیرا ریاض، سمیرا شفیق، عائشہ صدیقہ اور بھی ہیں جن سے تہہ دل سے معافی چاہتی ہوں، گفٹ دینا اور لینا دونوں پسند ہیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ پاک ہر مسلمان کو صراطِ مستقیم پر چلائے اور قیامت کے دن ہم امتیوں کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخروئی نصیب فرمائے آمین۔

رخ سخن

سباس گل

عفت سحر طاہر

اسلام علیکم!

آج میں بہت زیادہ ایکسائیٹڈ ہوں کیونکہ آج ہمارے ساتھ جو رائٹر موجود ہیں ان سے دلی وابستگی اس لیے بھی ہے کہ جب میں نے ناولز پڑھنا شروع کیا تو وہ

ان کے ناول سے کیا۔ مجھے یاد ہے کہ آنچل ڈائجسٹ میں اس وقت ''محبت دل پہ دستک'' چل رہا تھا اور میں نے جب وہ پڑھا تو پتا چلا کے یہ سلسلے وار ہے اور اس کی قسط نہ صرف آئندہ ماہ ہوگی بلکہ کچھ اقساط ہو بھی گئی ہیں پھر تو ہر ماہ ہی خوب خوب انتظار کیا اور رہ جانے والی اقساط میں نے ابھی کچھ عرصہ پہلے پڑھی تو میرے دل پہ دستک اسی نے دی ناول کے نام سے آپ جان گئے ہوں گے ہمارے ساتھ عفت سحر طاہر موجود ہیں۔

☆ السلام علیکم ڈیئر! کیسی ہیں آپ؟

جواب: وعلیکم السلام اللہ کا خاص کرم اور آپ سب کی محبت۔

☆ اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں اپنے فینز کو کچھ بتائیں؟ (نام، تعلیم، بچپن، شادی، ملازمت وغیرہ)

جواب: نام سے تو آپ سب واقف ہی ہیں شادی سے پہلے عفت سحر پاشا تھا اور اب عفت سحر طاہر ہوگئی ہوں تعلیم اتنی خاص نہیں کے یوں کھلے عام بتائی جائے لیکن جاہل ہونے سے بہتر ہے یعنی گریجویشن بچپن اللہ کا شکر بہت اچھا گزرا بتانے بیٹھوں تو انٹرویو اسی سے بھر جائے جاب کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی کبھی کیونکہ شادی ہوگئی تو طاہر کی صورت میں ایک اچھا انسان ملا بائے فیس تو بہت سے انسان پیارے ہوتے ہیں لیکن یہ بندہ جو اللہ نے میرے نصیب میں لکھا ہے دل کا بھی بہت اچھا ہے اللہ نظر بد سے بچائے ہماری ارینج میرج کم لو میرج زیادہ لگتی ہے۔

☆ مزاجاً کیسی ہیں؟

جواب: مزاج...... میری تحریروں سے جو ہلکا پھلکا فریش سا تاثر ملتا ہے میں بھی ایسی ہی ہوں ہاں حساس بھی بہت ہوں شادی کے بعد میاں کے لاڈ پیار نے بگاڑ دیا ہے شاید۔

☆ سادگی پسند ہیں یا بننا سنورنا اچھا لگتا ہے؟

جواب: بہت زیادہ فیشن نہیں کرتی جو دل کو اچھا لگے۔

☆ لکھنا کب شروع کیا کیا بچپن سے شوق تھا یا اتفاقاً اس فیلڈ کی طرف آئیں؟

جواب: پہلے تو پڑھنے کا عشق لگا پانچویں کلاس میں سارے ڈائجسٹ پڑھتی تھی لکھنے کا جنون ایف اے کے دوران ہوا۔ بی اے کے رزلٹ کے بعد آنچل ڈائجسٹ میں افسانہ شائع ہوا تو پھر ریڈرز کی محبتوں نے ہاتھ سے قلم رکھنے ہی نہیں دیا۔

☆ فیملی نے سپورٹ کیا یا مخالفت کی؟

جواب: اللہ کا کرم ہے فیملی میں سے کسی نے مخالفت

نہیں کی تھی کسی نے تنقید نہیں کی ہے سبھی کے لیے اسٹارٹ سے ہی نارمل سا ہے میرا لکھنا کیونکہ میں پڑھتی بھی بہت تھی ایک سے ایک بدذوق بھرا ہوا تھا گھر میں۔ بھائی کو رشوت دے کے اپنا افسانہ پڑھانے کی کوشش کی تو بھی اس نے نہیں پڑھا تھا یعنی گھر کی مرغی دال برابر۔

☆ سب سے پہلا ناول افسانہ یا ناولٹ کون سا تھا اور کس ڈائجسٹ میں شائع ہوا تھا؟

جواب: سب سے پہلا افسانہ آنچل ڈائجسٹ میں ''یارڈاڈی عشق آتش'' کے نام سے شائع ہوا۔

☆ پہلی تحریر شائع ہوئی تو کیا فیلنگز تھیں؟

جواب: پہلا افسانہ بھیجتے ہی شائع ہوگیا تھا تو خوشی کی انتہا نہیں تھی۔

☆ اپنے ناولز میں سے کوئی ایسا ناول جو زیادہ دل کے قریب ہو؟

جواب: میری محبت بھی ''محبت دل پہ دستک'' ہی ہے۔

☆ کبھی کوئی تحریر مسترد ہوئی؟

جواب: اللہ کا شکر ہے پہلی تحریر ہی شائع ہوگئی تھی آنچل میں۔ جب خواتین میں پہلا ناول از میر بٹ والا بھیجا تو وہ وہاں پہلی تحریر تھی وہ بھی شائع ہوگئی تھی۔

☆ آپ سلسلے وار ناولز بھی لکھتی ہیں کبھی ایسا ہوا کے قسط دینی ہو ادارے کو لیکن کوشش کے باوجود لکھا نہ جا رہا ہو کیسا فیل کرتی ہیں؟

جواب: بہت بار ایسا ہوا ہے یار شادی کے بعد کیونکہ جب لکھنے کا بہت موڈ ہو تو ٹائم نہیں ہوتا اور جب فری ہوتی ہوں تو لکھنے کا موڈ نہیں بنتا بڑی بے بسی کی کیفیت ہوتی ہے اور پریشانی کی بھی۔

☆ اگر رائٹر نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟

جواب: مجھے رائٹنگ کے علاوہ کچھ نہیں آتا مجھے لکھنے سے عشق ہے میں رائٹر کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتی۔

☆ اگر لکھنے سے روک دیا جائے تو؟

جواب: اول تو کسی کے روکنے کا چانس نہیں اگر ایسا ہوا تو میں آدھی رہ جاؤں گی۔

☆ کوئی ایسی ساتھی رائٹر جس کا کام آپ کو پسند ہو اور آپ سمجھتی ہیں وہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں؟

جواب: آف کورس سمیرا حمید اور سائرہ رضا آر بیسٹ۔

☆ کیا لگتا ہے کے افسانہ' ناول' ناولٹ یا سلسلے وار ناول کیا لکھنا زیادہ آسان ہے اور آپ کو کیا پسند ہے؟

جواب: مجھے ناول اور قسط وار لکھنا آسان لگتا ہے لمبی باتیں کرنے کی عادی جو ہوں۔

☆ اب ناولز پہ ڈرامے بھی بن رہے ہیں آپ کے خیال میں ایسا ہونا چاہئے اگر آپ کو آفر ہو تو قبول کریں گی؟

جواب: ایک ڈرامہ عبداللہ قادوانی کے لیے لکھ چکی ہوں مگر ابھی تک ہولڈ پہ ہے دیکھو کیا بنتا ہے یعنی ابھی وہ شوٹ پہ نہیں گیا اس کے بعد اے آر وائے کی ٹیم میرے گھر بھی آئی مگر میرا لکھنے کا دل ہی نہیں چاہا۔

☆ ناول کیا سوچ کے لکھتی ہیں کیا کوئی ٹاپک سلیکٹ کرتی ہیں یا اچانک ہی گردوپیش کو دیکھ کے ڈیسائیڈ کرتی ہیں کے اب اس ٹاپک پہ لکھنا ہے؟

جواب: میں ہمیشہ ٹاپک لے کے لکھتی ہوں ہاں کوئی بھی چونکانے والی بات ٹاپک بن سکتی ہے۔

☆ ناول لکھنے سے پہلے کمپلیٹ پلاٹ کردار اور موضوع سوچ لیتی ہیں اور اسی کو فالو کرتی ہیں یا لکھتے ہوئے فینز کی رائے کو مدنظر رکھ کے چینجز لاتی رہتی ہیں؟

جواب: فینز کی رائے پڑھتی ضرور ہوں مگر یار اتنی ساری فرمائشوں کو پورا کریں تو کہانی کہیں کی کہیں نکل جائے سو خود کی لائن پہ ہی چلتی ہوں آوٹ لائن تو بنا لیتی ہوں مگر سچویشن کے مطابق بیچ میں چینجز تو لازمی ہیں۔

☆ آپ کے ناول ''محبت دل پہ دستک'' میں انس کی ڈیتھ ہوگئی تھی اُف بہت روئی تھی میں کیا آپ کو اپنے کرداروں سے انسیت ہو جاتی ہے؟

جواب: جی آپ لوگ جن کرداروں کو پڑھ کے

روتے ہیں تا اکثر رائٹر ان کو رو کے لکھتا ہے مجھے بھی کردار اپنا آپ لگتے ہیں کیونکہ ہر کردار رائٹر کے ہاتھ کی کٹھ پتلی ہوتا ہے اس کا انداز اس کے الفاظ اس کا بی ہیویر یہ رائٹر خود ہوتا ہے تو پھر کسی کردار کے بچھڑنے پہ رونا کیوں نہیں آئے گا لیکن جس کردار کی ڈیتھ کو لکھتے ہوئے میں آج سے بہت سال پہلے روتی جارہی تھی وہ ''دل دریا سمندر ڈونگھے'' کا ارقم نیازی تھا میرا یہ ناولٹ آنچل میں شائع ہوا تھا۔

☆ جب پہلی تحریر شائع ہوئی تھی تو سوچا تھا کے کبھی اتنی بڑی رائٹر بن جاؤں گی؟

جواب: رائٹر بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا اچھا یا برا لکھنے والا ہوتا ہے بہت بڑے رائٹرز کی بعض تحریریں بعض اوقات پسند نہیں آتیں سو مجھے تو کم از کم اپنے بارے میں ایسی کوئی غلط فہمی نہیں 2000 کے ایرا میں لوگ مجھے بہت جانتے تھے اب تو کسی کو پتا ہی نہیں کے عفت سحر طاہر کبھی عفت سحر پاشا کے نام سے لکھا کرتی تھیں کیونکہ بیچ میں آٹھ سال کا گیپ ہے۔

☆ پہلے عفت سحر پاشا کے نام سے لکھتی تھیں پھر نام چینج کر دیا اس وقت جب آپ اس نام سے کافی مشہور ہو گئیں اس سے رائٹنگ کیریر پر کوئی فرق پڑا؟

جواب: نام چینج کرنے سے کافی فرق پڑا ریڈرز کی عادت ہوتی ہے اپنے فیورٹ رائٹر کی تحریر سب سے پہلے نکال کے پڑھتے ہیں تو اب زیادہ لوگ پوچھتے ہیں کے آپ وہی عفت سحر پاشا ہی ہیں لیکن مجھے طاہر کے نام سے جانا جائے مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔

☆ آپ کے کتنے ناول کتابی شکل میں مارکیٹ میں دستیاب ہیں؟

جواب: فیم ڈیئر میرے پانچ ناولز کتابی شکل میں آچکے ہیں اس کے بعد لکھا ہی نہیں تو یہ سلسلہ رک گیا۔

☆ اپنی تحریروں کو کس ڈائجسٹ میں پبلش کروانا زیادہ پسند ہے؟

جواب: میری سب سے بڑی خواہش تھی کے خواتین میں میری کہانی شائع ہو اور اللہ کی رضا سے یہ خواہش پوری ہوگئی۔

☆ زندگی کا کوئی خوب صورت اور بدصورت فیز جو آپ کو ہمیشہ یاد رہے گا؟

جواب: زندگی کا بدصورت فیز...... جب میرا بھائی الگ ہوا اور خوب صورت فیز جو میں طاہر اور بچوں کے ساتھ گزار رہی ہوں ہاں اسکول اور کالج لائف تو بھلانے لائق ہے ہی نہیں۔

☆ آپ کی زندگی کی کوئی خواہش؟

جواب: میری زندگی کا مقصد اپنے بچوں کو ایک اچھا انسان اور مکمل مسلمان دیکھنا۔

☆ عفت اگر زندگی کو اپنے لحاظ سے بیان کریں تو زندگی کیا ہے؟

جواب: زندگی محبت ہے اور صرف محبت اگر انسان محبت کرنے میں مصروف ہو جائے تو کسی کو نفرت کے لیے وقت ہی نہ ملے دھیان رہے کہ یہ اپنے محرم رشتوں والی محبت کی بات ہو رہی ہے۔

☆ عفت سحر کی زندگی کن چیزوں کے گرد گھومتی ہے؟

جواب: میں میرا گھر طاہر اور بچے الحمدللہ اور ہماری محبت جو نو سال نہیں نو دن پرانی لگتی ہے۔

☆ عفت کی زندگی کا سب سے عزیز رشتہ؟

جواب: رشتہ نہیں ڈیئر رشتے کہو محبتوں کو الگ الگ سانچے میں ڈال کے دیکھا جائے تو اپنی ماں سے اور بچوں سے تو روح کا رشتہ ہے نا دل کی سب تاریں طاہر کے دل سے جڑی ہیں باقی یہ کہ میں رشتوں کی رسپیکٹ کرتی ہوں۔

☆ محبت پہ یقین رکھتی ہیں؟

جواب: مجھے ہمیشہ سے شادی کے بعد والی محبت پہ یقین ہے اور یقین کریں میں نے کی بھی طاہر سے (اپنے ہیسبنڈ سے)۔

☆ اپنی لائف کا کوئی فنی یا انٹرسٹنگ واقعہ جو فینز

سے شیئر کرنا چاہتی ہوں؟
جواب: میرے بچپن کے اتنے مزے کے واقعات ہیں کہ ختم نہ ہوں لیکن شادی کے نئے دنوں کی بات ہے میں کمرے میں تھی اور طاہر واش بیسن کے سامنے رگڑ رگڑ کے شیو بنا رہے تھے اچانک انہیں ہچکی آنا شروع ہوگئی اور اتنی دیر تک رہی کے میرا دل تنگ پڑ گیا میں نے تھوڑا ویٹ کیا پھر ان کے پاس جاکے کہا" طاہر میرے پرس میں سے روپے غائب ہیں آپ نے لیے ہیں؟" میں کیوں لینے لگا وہیں ہوں گے طاہر کے لہجے میں ناگواری سی آئی تو میں نے کہا اگر آپ کو ضرورت تھی تو مجھ سے کہہ دیتے پرس میں سے نکالنے کی کیا ضرورت تھی طاہر کے چہرے پہ غصے کی لالی آ گئی بولے بڑے افسوس کی بات ہے تم میرے بارے میں ایسا سوچتی ہو پھر میری جو ہنسی نکلی میں نے کہا پانچ ہزار کو چھوڑیں یہ بتائیں آپ کی ہچکی کہاں گئی؟ پانچ ہزار کے الزام کے بعد کون سی ہچکی اب بھی طاہر کو یاد کروا کے ہنستی ہوں اور تب سے وہ مجھے جھوٹی کہنے لگے۔
☆ کوئی ایسی بات جس پہ پچھتاوا ہو؟
جواب: اللہ کو کم یاد کرنے کا بہت پچھتاوا ہے اللہ مجھے پانچ وقت کا نمازی بنادے سب کہو آمین۔
☆ کوئی ایسی بات جس سے چڑ ہو؟
جواب: منہ پہ کچھ اور پیچھے کچھ ایسے لوگوں سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔
☆ اپنی اچھی یا بری عادتیں؟
جواب: اچھی عادتوں میں اپنے پیاروں کو ہر لحاظ سے سپورٹ اور ہیلپ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ بری عادتیں کافی ہیں سب سے پہلے نمبر پہ سونا (گولڈ نہیں، نیند والا سونا) جواب رات کے چند گھنٹے ہی نصیب ہوتا ہے۔
☆ غصہ آتا ہے اور کس بات پہ سب سے زیادہ غصہ آتا ہے؟
جواب: سب سے زیادہ غصہ اس شخص پہ آتا ہے جو چھوٹی سی بات کو بڑھا چڑھا کے آگے پہنچا کے آپ کا امیج خراب کرتا ہے۔
☆ کسی کو کوئی نصیحت کرنی ہو تو کیا کریں گی؟
جواب: نصیحت ان لوگوں کے لیے ہے جو سامنے بہت میٹھے مگر پیٹھ پیچھے آپ کی برائی کرنے والے ہوتے ہیں وہ غیبت کے مرتکب ہیں اور غیبت کر کے نیکیاں گنواتے رہتے ہیں۔
☆ موسم کون سا پسند ہے؟
جواب: مجھے سردی کا موسم پسند ہے اور پنجاب میں شدید سردی پڑتی ہے اللہ کا شکر ہے۔
☆ شاعری پسند ہے؟ فیورٹ شاعر؟
جواب: شاعری بہت پسند ہے مرزا غالب، فیض احمد فیض، احمد فراز تو بہت بڑے نام ہیں کالج میں سعد اللہ شاہ، فرحت عباس، پروین شاکر اور وصی شاہ کی ہر کتاب پڑھی۔
☆ فارغ وقت میں کیا کرتی ہیں؟
جواب: فارغ وقت ملتا ہی کہاں ہے فیم ڈیئر کبھی قسمت مہربان ہو ہی جائے تو کوئی بھی ادھورا کام کمپلیٹ کرلیتی ہوں۔
☆ کوئی پسندیدہ مصنف اور تصنیف؟
جواب: بہت سے پسندیدہ رائٹرز ہیں عمیرہ احمد، سمیرا حمید اور سائرہ رضا۔ تصنیف پیر کامل صلی اللہ علیہ وسلم۔
☆ فیس بک گروپس اور پیجز کے بارے میں کیا کہیں گی فینز کی ایک دم سے رائے آپ تک پہنچ جاتی ہے؟
جواب: ایف بی پہ مجھے سب کچھ فیک لگتا ہے کیوں کے یہاں کسی نے بھی اپنی آئی ڈی سچ میں شو نہیں کی ہوتی اس لئے اعتبار کرنے کو دل نہیں کرتا آپ جسے ارسلہ سمجھ کے بات کریں وہ ارسلان بھی نکل سکتا ہے۔
پیجز پہ ٹاپک کے علاوہ ہر بات پہ ڈسکشن ہوتی ہے سیریسلی کسی بات کو نہیں لیا جاتا بعض بہت اچھی رائٹرز پہ اتنی فضول سی تنقید دیکھ کے میں حیران ہوجاتی ہوں میرا

مطلب ہے تنقید برائے اصلاح کے بجائے رائٹرز کا مذاق اڑایا جاتا ہے چاہے خود ایک لائن بھی سیدھی لکھنی نہیں آتی ہو لیکن ایسے ریڈرز بھی ہیں جو واقعی صحیح تنقید کرتے ہیں۔

☆ آٹو گراف میں کیا لکھتی ہیں؟

جواب: آٹو گراف کبھی دیا نہیں مگر بہت سی اچھی کوٹیشنز یاد ہیں کبھی آپ میں سے کوئی ہاتھ لگا تو ضرور دوں گی۔

☆ فینز کے نام کوئی میسج؟

جواب: فینز کے لیے پیار میں تو ہمیشہ فرینڈز کہتی ہوں کیونکہ یہ سب فرینڈ ریکویسٹ کے ذریعے آپ کی دوست بنی ہیں ان کے لیے میسج ہے کے کسی کو گرانے والے نہ بنیں، ہاتھ پکڑ کے اٹھانے والے بنیں کیوں کے گرانے والے کو لوگ بھول جاتے ہیں مگر جو ہاتھ پکڑ کے آپ کو کھڑا کرتا ہے اسے آپ زندگی بھر نہیں بھولتے دعاؤں میں یاد رکھے گا۔

سباس کا بہت شکریہ کے اس نے مجھے آپ لوگوں کی فیورٹ رائٹرز میں جگہ دی اور مجھے آپ سے ملاقات کا موقع ملا آپ لوگوں کی محبتوں کا بہت شکریہ اللہ حافظ۔

عفت ڈیئر آپ کا بہت بہت شکریہ کے آپ نے اپنی مصروف زندگی میں سے ہمارے لیے وقت نکالا اللہ سے دعا ہے کے وہ آپ کو اسی طرح خوش وخرم رکھے اور آپ کے تمام خواب جو آپ نے اپنے کیریئر اور گھر کے حوالے سے دیکھے ہیں پورے کرے اور آپ اسی طرح اچھا اچھا لکھتی رہیں آمین۔

☆☆☆☆

نسیم نیازی

مجھے معاف کردینا

مجھے معاف کردینا
میں تیرا سزاوار ہوں جانم
میں تیرا خطاوار ہوں جانم
ابھی تو میں نے
تیری آنکھوں میں خواب سجائے تھے
ابھی تو تیرے لبوں پر پیار کے گیت سجانے تھے
ابھی اپنی محبتوں کے جام تجھ کو پلانے تھے
اور میں نے سوچا تھا
تیری آنکھوں میں سجے خوابوں کو زندگی دوں گا
تیرے ہونٹوں کو چوم کر تیری مانگ سجادوں گا
اپنی محبتوں سے تجھے آباد کروں گا
تیری زیست میں رہوں گا
اور تجھے شاداب کردوں گا
یہ میرا تجھ سے عہد تھا
اے میری زندگی اے میری محبت
اے میری جانے جاناں
مجھے معاف کردینا
میں تو بہت سے خواب سجائے تجھ تک
آنے کی چاہ میں دن گن رہا تھا
مگر وقت کے اجل ہاتھ نے
مجھ سے میرے خواب میرا عہد میرا وعدہ
چھین لیا
اور میں کسی دہشت گردی ستم گری میں
ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ہواؤں بکھر گیا
کسی ظالم نے مجھے مار ڈالا میرا ہر خواب توڑ ڈالا
(سانحہ اقبال پارک میں مرنے والے اس شخص کی آہ

وزاری جس کی عنقریب شادی تھی۔

قید

اجنبی ہمسفر
ایک چھت تلے
ایک بستر پر
کروٹیں بدلے
اپنے اپنے موبائل پر
میسج کی دنیا میں
مصروف......
ایک دوجے کے
دکھ سکھ سے
انجان......
ایک بندھن میں
قید......
زندگی کی سزا
کاٹ رہے ہیں

نسیم نیازی......لاہور

☆ وہ نام جو پہچان کا باعث بنا؟
جواب: نسیم نیازی۔

☆ وہ مقام جہاں سے آشنا ہو کر آنکھ کھولی؟
جواب: خوب صورت شاموں اور روشن دانوں کے شہر حیدرآباد۔
☆ زندگی کسی برج (اسٹار) کے زیر اثر ہے؟
جواب: سپاس جی! ویسے تو برجوں پر جب یقین کرنے کی عمر تھی تب بھی ان پر یقین نہیں کیا 14 دسمبر کے حوالے سے ہم قوس ٹھہرے۔
☆ علم کی کتنی دولت کمائی اور کہاں سے؟
جواب: ویسے تو آج کے مقابلے کی دوڑ دیکھ کر خود کو عالم فاضل نہیں سمجھتی لیکن اگر ڈگری کے حوالے سے بات ہے۔ اردو میں سندھ یونیورسٹی سے ماسٹر کیا ہے مگر اب اتنے عرصے سے پڑھنے لکھنے سے دوری نے تو یہ احساس دلانا شروع کر دیا ہے کہ ہم جاہل ہیں اب تو۔
☆ لکھنے کا محرک کیا رہا' شاعری یا نثر کہاں زیادہ نام کمایا؟
جواب: چونکہ ہمارے گھر میں پڑھنے کی حد تک سب ہی کو ڈائجسٹ پڑھنے کا خوب شوق تھا خاص کر میرے ابا جی اور بھائی اسلم کو تو ہمارے گھر بے شمار ڈائجسٹ آیا کرتے تھے۔ ابا جی اردو ڈائجسٹ' سیارہ ڈائجسٹ' حکایت ڈائجسٹ کے علاوہ اسلامی کتابیں بہت جنون سے پڑھا کرتے تھے اور بھائی سسپنس' سرگزشت' آداب عرض' جاسوسی ڈائجسٹ پڑھا کرتے تھے۔ تو فتھ کلاس میں آ کر ہمیں بھی بچوں کی دنیا' نونہال' تعلیم و تربیت سے آشنائی ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک دوست عظمیٰ کے طفیل ان کی امی کے سنبھالے ہوئے بہت پرانے زیب نساء حور کا ڈھیر ہمارے ہاتھ لگا تو مانو ہم نئی دنیا سے روشناس ہوئے اور پھر پاکیزہ' خواتین' گھرانہ' حنا' آنچل' دوشیزہ' شعاع' کرن' غرض پاکستان سے نکلنے والے خواتین کے ہر پرچے سے دوستی کر لی اور نائنتھ کلاس تک آتے آتے اتنا بہت پڑھ لیا کہ دل نے کہا کہ ایسا بہت تو نہیں مگر کچھ کم تو تم بھی لکھ سکتی ہو سو ہم نے کاغذ قلم سنبھال لیا اور سب سے پہلے حنا

میں ایک افسانہ لکھ بھیجا اور جب دوسرے مہینے ہی افسانہ حنا کے صفحات پر لگا دیکھا تو مانو ہم نے جی بھر کے دھمال ڈالا' دنوں تو میں اڑی اڑی جاواں کی تفسیر بنی رہی پھر کیا تھا ہم کمر کس کر اس میدان میں کود پڑے۔ افسانے' ناولٹ' مکمل ناول' تبصرے' انٹرویوز' شاعری' سچی کہانیاں بھی خوب لکھیں اور پھر ہمارے نام کا بھی خوب ڈنکا بجنے لگا۔ نائنتھ کلاس سے لے کر ماسٹر کے زمانے تک ہم کم ازکم دو سو کے قریب افسانے ناولٹ مکمل ناول' سچی کہانیاں لکھ کر خوب نام کمانے میں کامیاب ہوئے تو وہی مختلف پرچوں میں شاعری تبصرے کے حوالوں سے بھی خوب نام کمایا۔ لکھنے کا محرک وہی ازلی عورت کے دکھ محرومیاں' معاشرتی تلخیاں ہی رہا۔

☆ گھر والے تو آپ کی تحریریں پڑھتے ہوں گے؟

جواب: میاں جی ہمارے لکھنے پر خوش تو جی بھر کے ہوتے مگر پڑھتے نہیں ہیں کہ پڑھنے کا' کتاب بینی کا انہیں شوق نہیں' البتہ ابا جی جب تک حیات تھے انہوں نے پڑھا بھی اور سراہا بھی۔

☆ آپ کی نظر میں لکھنا خداداد صلاحیت ہے یا محض شوق؟

جواب: سباس جی! ہر کام حکم خدا سے ہی انجام پاتا ہے اگر میں یہ کہتی ہوں تو اس خیال کو میرے اندر ڈالنے والا بھی میرا رب ہے ورنہ پڑھتے تو بہت سے لوگ ہیں ہر کوئی لکھاری نہیں۔ بن جاتا لکھاری صرف وہ ہی بن پاتا ہے جس سے میرا رب کچھ لکھوانا چاہتا ہے۔

☆ تعریف یا تنقید کس حد تک ہوئی؟

جواب: شکر ہے کہ بے تحاشہ بھی نہیں لکھا مگر جتنا لکھا سب کا سب جوں کا توں چھپا بھی اور تعریف زیادہ ہوئی تنقید بہت کم گو کہ میں اب تک خود کو لکھنے کے آغاز سفر میں ہی سمجھتی ہوں۔

☆ لکھنے کے لیے موڈ بنانا ضروری ہے کیا؟

جواب: سباس! بالکل میرے لیے تو بہت ضروری ہے موڈ بن جائے تو میں دنوں لکھتی رہتی ہوں نہ بنے تو پھر سالوں نہیں لکھ پاتی اور آج کل بھی موڈ نہیں بن رہا تو میں اب نہ خط نہ شاعری' نہ افسانہ یعنی ہر طرف خاموشی کا راج ہے مجھے دوست احباب اکساتے ہیں۔ شرمندہ کرتے ہیں مگر موڈ پر منوں مٹی پڑی ہے جو ہٹ ہی نہیں رہی۔ دوستوں دعا کرو کہ میرا قلم پھر سے چل پڑے۔

☆ خاتون اور مرد کے لکھنے میں بنیادی فرق کیا ہے؟

جواب: سباس جی! خواتین چونکہ خود بھی ڈھکی چھپی ہوتی ہیں تو ان کے لکھنے میں بھی ایک حیا ہوتی ہے وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی سات پردوں میں چھپا کر بیان کرتی ہیں۔ مرد ٹھہرا بے باک تو اس کا قلم بھی بعض اوقات بہت حد تک عریاں ہو جاتا ہے۔ بات یہی ہے کہ عورت اور مرد کے خیالات میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ عورت نازک' کومل احساس کے لبادوں میں چھپی حساس جنس ہے چونکہ مردوں کے پاس ایک وسیع دنیا ہوتی ہے سو وہ کھل کر لکھتا ہے کھل کر اظہار کرتا ہے۔ عورت کی زیادہ تر دنیا گھر کی چار دیواری میں ہی گزرتی ہے سو گھریلو مسائل پر اس کی گہری نظر ہوتی ہے۔

☆ آپ کس رائٹر سے متاثر ہیں اور آغاز سفر میں کون کون پسند تھا؟

جواب: اگر پسند کی بات ڈائجسٹ رائٹر کی ہے تو میں نے آغاز سفر میں جس رائٹر کو بہت پسند کیا' بہت شوق سے پڑھا وہ صرف اور صرف اقبال بانو ہیں ان کی روایتی محبت میں ڈوبی تحریریں نوعمری میں دل کو بہت گدگداتی تھیں اور سچی بات کہوں میں نے شروع میں انہیں کاپی کرنے کی بھی بہت کوشش کی مگر اب وقت بدل چکا ہے اور بھی غم ہیں محبت کے سوا' سو اب روایتی محبت کی کہانیاں نہیں لکھی جا رہیں بلکہ حقیقی کہانیاں زمانے میں لکھی جا رہی ہیں سو آج کل عمیرہ احمد' عالیہ بخاری' فرحت اشتیاق' سمیرا حمید اور نمرہ احمد بہت پسند ہیں اور آج کل تو نمرہ کے نمل نے سارے پڑھے کو عام بنا دیا ہے بس اگر خاص ہے تو ''نمل''

☆ کس موضوع پر آپ کو لکھنا پسند ہے؟

جواب: میری تحریریں عموماً آج کی عورت کو درپیش داخلی و خارجی مسائل کے اردگرد گھومتی ہیں۔ بے رحم تجزیہ اور زندگی سے جڑی مکمل سچائی میری تحریروں کی نمایاں خوبی ہے۔ میری کہانیوں میں آپ کو زندگی کے کئی رنگ کھلتے دکھائی دیں گے۔ ان میں محبتوں کی خوشگواریت بھی ہے اور جدائی کا دکھ بھی' امیدوں کے چراغ بھی قطار در قطار جلتے دکھائی دیتے ہیں تو حسرتوں ناامیدوں کی راکھ بھی جا بجا اڑتی دکھائی دے گی۔

☆ لکھنے کا وہ لمحہ جو بہت خوشی کا باعث بنا؟

جواب: وہ لمحہ جب میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی صاحب کتاب ہونے کا خیال دور دور تک نہیں تھا اور میں القریش محمد علی بھائی کے پاس عالیہ بخاری کی کتاب کے لیے مواد دینے گئی تھی اور یونہی بنا سوچے سمجھے اپنی بھی چند منتخب تحریریں ساتھ لیتی گئی کہ شاید کو مین نے آج تک خود کو بہت سا لکھ کر بھی لکھاری نہیں سمجھا بس یونہی اور میرا یونہی اپنی تحریریں لے کر جانا میرے لیے کامیابی کا باعث بن گیا۔ جب محمد علی بھائی نے کچھ دنوں بعد ہی مجھے اطلاع دی کہ آپ کی کتاب بھی چھپ رہی ہے وہ صبر آزما مرحلہ بہت کٹھن تھا میرے لیے اور جب کتاب چھپ کر آئی تو مانو خوشی کے مارے میں دنوں جھومتی رہی اور کئی دن تک دن رات میں کئی بار اپنی کتاب کو دیکھتی اور جی بھر کے خوش ہوتی رہی۔ پہلی کتاب ''دکھ دریا کے بیچ'' القریش۔ دوسری ''آؤ دل برباد کریں'' تیسری ''تھک گئی آنکھیں خواب بنتے بنتے'' چوتھی ''چراغ دل جلاتے ہیں' خزینہ علم ادب۔ پانچویں ''خواب آنکھوں میں۔''

☆ کیا لکھنا آسان ہے؟

جواب: شدت شوق انتہاؤں پر ہو تو لکھنا بہت آسان ہوتا ہے ورنہ تو دل و دماغ کو ہلانا پڑتا ہے تو کچھ لکھا جاتا ہے۔ ورنہ تو......

یہ نشۂ یکتائی ٹوٹتا ہی نہیں

☆ زندگی کیا ہے آپ کی نگاہ میں؟

جواب: دکھ سکھ کا مجموعہ ہے زندگی' ایک امتحان گاہ جس کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے اور ایک خسارہ ہے زندگی۔

☆ دھنک کے سات رنگوں میں سے کون سا رنگ دل کو بھاتا ہے؟

جواب: مجھے سارے شوخ کلرز بھاتے ہیں' پہلے بلیو کلر بہت پسند تھا۔ اب بلیک' میرون' بلیو' ریڈ' فیروزی' پنک' لائٹ کلر مجھے پسند نہیں شاید میں بہت بوڑھی ہو کر بھی ڈل کلرز پسند نہ کروں۔

☆ لباس جگ بھاتا پہنتی ہیں یا من بھاتا؟

جواب: من بھاتا اور پیا من بھاتا۔

☆ بوریت دور کرنے کے لیے کیا کرتی ہیں؟

جواب: بہت پڑھتی ہوں اگر سردیوں کا موسم ہو تو رضائی تان کر آنکھیں موند لینا میرا من پسند مشغلہ ہے۔ میوزک سے اب لگاؤ نہیں رہا ہاں آج کل ٹاک شوز اور ڈراموں کا شوق عروج پر ہے سو بوریت کیسی۔

☆ دن کا کون سا پہر اچھا لگتا ہے؟

جواب: صبح کا ہلکا ہلکا روشن ہونے والا اجالا بہت اچھا لگتا ہے۔

☆ تنہائی پسند ہیں یا محفل پسند؟

جواب: دونوں سمجھ لیں اولین ترجیح تو محفل پسند کو دوں گی مگر آج کل تنہائی سے بہت دوستی ہونے لگی ہے اور اچھی لگنے لگی ہے۔

☆ حساس ہیں؟

جواب: ہاں کافی حد تک۔

☆ کون سے ایسے معاشرتی رویے ہیں جو آپ کے لیے دکھ اور پریشانی کا باعث بنتے ہیں؟

جواب: لوگوں کی منافقت اور دوغلا پن دل کو بہت سلگاتا اور جلاتا ہے۔

☆ دولت عزت' محبت' شہرت' صحت' اپنی ترجیح کے اعتبار سے ترتیب دیں؟

جواب: صرف عزت دولت۔

☆ پہلی ملاقات میں ملنے والے کی کس بات سے متاثر ہوتی ہیں؟

جواب: اخلاق، خلوص، محبت۔

☆ کرنٹ افیئر اور سیاست سے کس حد تک دلچسپی رکھتی ہیں؟

جواب: حالیہ اشوز کے بعد تو فی الحال کرنٹ افیئر سے اور سیاسی اتار چڑھاؤ سے دلچسپی بے حد بڑھ چکی ہے۔

☆ خودستائشی کی کس حد تک قائل ہیں؟

جواب: بالکل بھی نہیں۔

☆ یاد کا کوئی جگنو جو تنہائی میں روشنی کا باعث بنتا ہو؟

جواب: بہت سے جگنو ہیں جن میں شادی کے بعد آرمی لائف کا پہلا پہلا دور اور اسکردو کی حسین وادی کے دلکش نظارے، بلند و بالا پہاڑوں کا طویل سلسلہ، آبشاروں کا خوب صورت ترنم اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پڑی سفید برف کی چادر اور تین سالہ دور میں شدید برف باری، میری آنکھوں میں کل کی طرح قید ہے۔ مکہ کی سرزمین کو چھوتے میرے گناہ گار قدم، مدینہ منورہ میں گزری ساعتیں، مانو میری زندگی کا حاصل ہیں، جہاں بار بار جانے کی چاہ ہر دن ہر شب میری طلب میں شامل ہے۔

☆ غصے میں کیا کیفیت ہوتی ہے؟

جواب: پہلے پہل تو غصہ جسے کہتے ہیں وہ آیا ہی نہیں کرتا مگر اب بہت آنے لگا تو دکھ تکلیف کا باعث بن رہا ہے اور رب سے شرمسار ہوں کہ مجھے خسارے میں جانے سے بچالے، ہر لمحہ یہی دعا ہے میری آج کل۔

☆ لوگوں کی نظر میں آپ کی شخصیت کیسی ہے؟

جواب: جو اچھے ہیں، دوست ہیں ان کے لیے بہت اچھی مگر آج کل کچھ دوست خفا ہیں تو اب زندگی کے تکلف دہ لمحات بہت سے ہیں، ماں باپ کی جدائی، کچھ رشتوں کی منافقت، بدلتے حالات، بدلتے لہجے، بدلتے چہرے۔

☆ آپ آئیڈیل پر یقین رکھتی ہیں؟

جواب: نہیں کیونکہ میرے نزدیک کوئی بھی شخص مکمل

نہیں ہوتا جبکہ آئیڈیل کو ہم مکمل دیکھنا پسند کرتے ہیں۔
☆ خود آپ کسی کا آئیڈیل قرار پائیں؟
جواب: آج سے دس پندرہ سال پہلے بہت سی دوستوں کے لیے میری آنکھیں آئیڈیل ہوا کرتی تھیں۔
☆ کیا آپ اچھی رازداں ہیں؟
جواب: ہرگز نہیں' یہ میری امی کا خیال تھا تو یقیناً درست ہوگا۔
☆ زندگی کے معاملات میں آپ تقدیر کی قائل ہیں یا تدبیر کی؟
جواب: تقدیر' تقدیر اور صرف تقدیر۔
☆ شریک سفر میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں؟
جواب: لونگ کیئرنگ اور سوبر پرسنلٹی۔
☆ کبھی زندگی سے بے زاری ہوئی؟
جواب: آج کل تو بے حد ہوتی ہوں یوں لگتا ہے زندگی ٹھہر سی گئی ہے اور میں اسٹیشن پر بیٹھے سفر آخرت کی منتظر ہوں نہ کوئی خواب نہ خیال نہ ولولہ۔
☆ کوئی ایسی دعا جو ہر وقت لبوں پر رہتی ہو؟
جواب: کرم کی رحم کی فضل کی اور ہدایت کی۔ اپنے لیے' اپنے میاں جی کے لیے' بہن بھائیوں' دوست احباب کے لیے ہر گھڑی ہر لمحہ ہر پل بس یہی دعا ہے
☆ حرف آخر کیا کہنا چاہیں گی؟
جواب: یہی کہ دنیاوی گھر بنانے کی فکر کرنے والوں ابدی گھر کی بھی اب کچھ فکر کرلو کہ یہ زندگی چار دن کا میلہ ہے اور ہم سامان سو برس کا کیے جا رہے ہیں
جبکہ زندگی تو بے وفا ہے ایک دن ٹھکرائے گی
موت محبوب ہے آ کر گلے لگائے گی
☆ اپنی شاعری سے کچھ انتخاب:۔
جواب: قاری بہنوں میری اب تک مارکیٹ میں پانچ عدد کتابیں آ چکی ہیں اور صاحب کتاب نے میرے لکھنے کے شوق کو ختم کردیا کہ میری انتہا ہے۔

غزل

دل کو ذرا دکھا کر دیکھو
پھر ذرا مسکرا کر دیکھو
کیسے نبھائی تم نے وفا
خود کو آئینہ بنا کر دیکھو
بے لوث محبت سے منہ موڑ کر
اب عمر بھر پچھتا کر دیکھو
کیسے ہوئی ہیں ویران آنکھیں
خواب کوئی جلا کر دیکھو
میں بھولی بسری یاد سہی
نقش دل سے مٹا کر دیکھو
دیوتا کی مانند سجا کر رکھا ہے
اس دل میں کبھی آ کر دیکھو
کیسے مرتے ہیں محبت میں
زخم ہجر کھا کر دیکھو

غزل

داغ دل کے دھونے تھے
ابھی بہت غم رونے تھے
دل ہوا اپنا ہی آوارہ
یہ سلسلے تو ہونے تھے
ٹوٹی تعبیروں کی منڈیر پر
خواب سب کے سب کھلونے تھے
پھول سے بچوں کی خواہش میں
درد دعاؤں کے بھگونے تھے
یہ بھی لکھا تھا مقدر کا
سکھ سارے ہم نے کھونے تھے
غم ہی دل کی جاگیر رہا
عمر بھر کے بس یہی رونے تھے
ہر مقام پر ملی ہے تنہائی
ہم تو فقط کھلونے تھے

خوف

عجیب ہوا چل رہی ہے

خوف کی چادر تنی ہے
ہر سو
جانے کب کس لمحہ
حالات کس رخ پر چل پڑیں
اب کیا ہوگا
کب کیا ہو جائے
سوالیہ نشان
ہر ایک ذہن پر دستک دے رہا ہے
سوچ کے عذاب اترے ہیں
ہر ایک چہرے پر
ایسی ہواؤں میں
ایسی فضاؤں میں
آنے والی رتوں میں
کوئی نوید کیا ہوگی
عید تو ہوگی
مگر......
اس عید کی خوشی
کیا ہوگی

☆ اے ماں

ستارے بھی گم ہوگئے
چاند بھی ہے سو گیا
سارا جہاں
اے ماں!
تیرے بغیر اداس ہوگیا
دل لمحہ لمحہ پگھل رہا ہے
جیسے میرے اندر سب ہی
کچھ مر رہا ہے
میرے چار سو
تنہائی ہے ویرانی ہے
زندگی اپنی نہیں جیسے پرائی ہے
تیرے بعد میں ہر لمحہ جیتی
ہر لمحہ مری

کوئی اسم تو مجھے بتا جاتی
کوئی ہنر تو مجھے سکھا جاتی
کہ......
جن کی مائیں مر جاتی ہیں
وہ پھر کیسے خوش رہ پاتے ہیں
وہ پھر
کیسے جی پاتے ہیں

انا کے دکھ

اب
بھرے شہر میں
مجھے کہاں
ڈھونڈنے نکلو گے
لوگوں کا ایک ہجوم ہے
اور اس ہجوم میں
ایک چہرہ
ایک وجود
تلاشنا بہت مشکل ہے
کہ......
انا کے موڑ پر
بچھڑے ساتھی
کبھی کبھار
سامنے رہ کر بھی
عمر بھر نہیں ملتے

آغوشِ مادر

اریبہ اشال

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

قلم تو اٹھالیا ہے مگر اپنے جذبات کو لفظوں کی زباں کیسے دوں کیا میں احساسات کو رقم کرسکوں گی میرے لفظ تو تھم سے گئے ہیں مگر نہیں مجھے لکھنا ہے ضرور عیاں کرنا ہے ایک ماں کی محبت کو بیٹیوں کی چاہت کو بیٹیوں کے جذبات کو عورت ہر روپ میں عظیم ہے ماں ہے تو اس کے قدموں تلے جنت' بہن ہے تو بھائیوں کی مسکراہٹ وخوشی' بیوی ہے تو ایک خاندان کی تربیت کرتی ہے عورت ہر روپ میں سراپا دعا ہے۔

آج میں نے ایک ماں کی محبت کو اپنے قلم سے قرطاس پر عیاں کرنے کی کوشش کی ہے مجھے ذرا بھی یقین نہیں آرہا کہ شیریں ماں (میری نانی کی بہن) ایک دم اچانک سب کو چھوڑ کر چلی گئیں وہ تو بھلی چنگی تھیں مجھے کیا کسی کو بھی یقین نہ آیا کہ وہ آخری سفر پر روانہ ہوگئی ہیں جانا تو سب کو ہے آخر ابدی زندگی تو وہی ہے۔

وہ بہت اچھی ماں تھیں انہیں اپنے بیٹوں سے بہت پیار تھا وہ پوری دنیا کہ ہر شخص کو برا کہہ سکتی تھی مگر اپنی اولاد کو نہیں ان کے بیٹے جو کہتے وہی کرتیں وہ بہت شفیق اور صابر خاتون تھیں انہوں نے تنگدستی دیکھی تو خوشحالی بھی مگر ہر حال میں صابر وشاکر، بھوکا سونا گوارا کیا مگر کبھی سگی بہن سے کچھ نہ مانگا ہر پل رب کی رضا میں راضی رہیں۔

ہر پل اولاد کے لیے مجسم دعا ان کے گھر میں اب خوشحالی تھی قدرت نے ان کے صبر کو شکر میں بدل دیا دولت ان کے گھر کی باندی بن گئی اس ماں نے اپنے بچوں کی بہت اچھی تربیت کی خود ان پڑھ تھیں تو ماشاء اللہ ساری اولاد کو ویل ایجوکیٹڈ ویل مینرڈ چاروں بیٹے اچھے عہدوں پر فائز تھے بیٹے جب بھی جاب پر جانے کے لیے گھر سے نکلتے تو گھر کی گلی تک ان کے ساتھ جاتیں ان کے پیچھے دعا کرتی جاتیں اللہ میری امانت تیرے سپرد، دانش ور خاتون تھیں جانتی تھیں اللہ امانت میں خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا تو وہ امانت جو اللہ کے سپرد کی جائے اس میں خیانت کیسے ہوسکتی ہے بیٹے شام کو ضرور آ کر اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے بیٹے بھی ماں پر ہر دم فدا ہر پکار پر ''جی امی جی'' کیسی لذت ہے اس لفظ ''امی جی'' بیٹیوں کو بھی نصیحت کرتیں ہمیشہ اپنا گھر سنبھالے رکھنا اپنے شوہر کی نافرمانی نہ کرنا اور یہی نصیحت ہی تو بیٹیوں کا اصل زیور ہے۔ تربیت کی پہچان ہے وہ بہت نیک باکردار اور باحیا عورت تھی۔

وہ اپنے گھر اپنی دنیا میں خوش تھیں انہیں کسی کی کوئی

پروا نہیں تھی سوائے اولاد کے وہ اس صبح تو بالکل ٹھیک تھیں اپنی نواسی کے پاس گئیں اور کہا کہ تم میری پوتی زینب کو پکڑو میں نہا کر آتی ہوں اور اپنے گھر چلی گئیں بڑے بیٹے فاروق کی وائف نے پانی کے ٹب بھر کر رکھ دیے اتنے میں شیریں ماں نے سبزی کاٹ کر دی اور کہا کہ اب میں نہا لیتی ہوں تب تک تم سالن بنالو، پھر کپڑے اٹھا کر واش روم میں چلی گئیں ان کی بہو نے کہا کہ مجھے نہ جانے کیوں بے چینی سی ہوئی تو واش روم کے پاس چلی آئی دروازہ کھولا تو انہوں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا میں پھر واپس آ گئی کچھ دیر بعد مجھے لگا کوئی چیز گری ہے میں جلدی سے واش روم تک آئی دروازہ کھولا تو شیریں ماں گری ہوئی تھیں میں کانپ سی گئی اور بھاگ کر گھر سے کچھ فاصلے پر (جہاں سے کچھ دیر پہلے شیریں ماں آئی تھیں) کے گھر گئی اور انہیں بلا لائی ہم نے اسے باہر نکالا بڑی نواسی (فاطمہ) نے روتے ہوئے سر گود میں رکھا تو شیریں ماں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور پھر یہ آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔ ڈاکٹر آیا اور ان کے آخری سفر پر روانہ ہونے کی اطلاع دی تو سب جو پہلے کسی امید کا دامن تھامے ہوئے تھے ایک دم سے رونے لگے۔

کتنی معصومیت تھی چہرے پر ایسے جیسے ابھی اٹھے لگیں روتے بیٹوں کو چپ کرائیں گی۔ بیٹیوں کو سینے سے لگا لیں گی مگر نہیں اب انہیں جینا ہے ماں کے بنا ہی کہ اب یہ خوب صورت رشتہ ان سے بچھڑ گیا ہے۔

''ماں'' کتنی مٹھاس ہے اس لفظ میں کتنی اپنائیت ہے اس رشتہ میں کتنا خوب صورت ہے یہ انمول مقدس رشتہ وہ اپنے بیٹوں سے اتنا پیار کرتی تھیں کہ ان کی محبت کو بیان کرنا میرے بس میں ہی نہیں یہ تو ایک کوشش ہے کہ شاید ان کی محبت کو میں اپنے قلم سے رقم کرسکوں عیاں کرسکوں مجھے یقین ہے کہ وہ جنت کی مسافر تھیں اپنی منزل پا گئیں رب تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے ان کے خاندان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کی اولاد کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

ماں ساتھ ہے تو سایہ قدرت بھی ساتھ ہے
ماں کے بنا دن کا اجالا بھی رات ہے

بے شک ہر ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے مگر اچانک سے کوئی پیارا بچھڑے تو دنیا میں بہت سے لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی تنہائی محسوس ہوتی ہے مگر جانے والے یادیں ضرور پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور اچھے لوگ اچھی یادوں کے ساتھ بچھڑ کر بھی زندہ رہتے ہیں اور اسی طرح شیریں ماں مر کر بھی اپنی عظیم یادوں کے ساتھ زندہ ہیں۔

وفا کے دانوں کی تسبیح

بسمہ قریشی

عجیب سی گھٹن...... عجیب سی الجھن اسے اپنے حصار میں لیے ہوئی تھی...... چاہ کر بھی وہ کھل کر اپنے اندر کے طوفان کو باہر نہیں لا پا رہی تھی۔ وہ جس کے شانے پر سر رکھ کر رونا چاہ رہی تھی وہ شانہ اب نہیں تھا اور جو شانہ اسے میسر تھا اس کا سہارا لینا نہیں چاہتی تھی۔ اس کشمکش میں مبتلا بیڈ سے اتر کر ٹیرس کا دراوزہ کھول کر تاریکی میں گرل کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ سرد ہواؤں کے جھونکے اس کے وجود سے ہولے ہولے ٹکرا رہے تھے۔

''یااللہ...... یہ کیسی کشمکش میں ڈال دیا ہے تو نے مجھے...... میں کروں تو کیا کروں...... نہیں حسن...... آپ میری محبت' میری وفا کو خود غرضی کا نام کیسے دے سکتے ہیں...... آپ مجھ سے محبت کی اتنی بڑی قربانی کیسے مانگ سکتے ہیں' یہ جانتے ہوئے کہ یہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کی ماہ نور اتنی مضبوط نہیں کہ وہ ناممکن کو ممکن کر دکھائے...... پلیز مجھے اتنا مت آزمائیں' پلیز۔'' یہ کہہ کر وہ تکلیف سے اپنے سوجے ہوئے پپوٹوں کو اٹھا کر آسمان کو دیکھنے لگی۔ ایک خیال نے سرگوشی کی۔

''ماہ نور یہ تمہاری خود غرضی ہے کہ تم صرف یہ سوچ رہی ہو کہ تمہیں کتنی تکلیف ہو رہی ہے؟ ذرا یہ بھی سوچو کہ جہاں تم نے اپنا شوہر کھویا ہے وہاں کسی نے اپنا بیٹا' اپنا بھائی' اپنا باپ اور کسی نے نہ صرف اپنا بھائیوں جیسا دوست بلکہ سب کچھ گنوا دیا ہے۔'' کچھ دیر پہلے کہے گئے حسن کے الفاظ اس کی سماعت میں گونجے۔ اس نے اپنے بازو سینے پر باندھے اور آنکھیں زور سے بند کیں۔ آج اس کے زخم دوبارہ تازہ ہو گئے تھے اور ان میں سے خون رس رہا تھا۔

شدید ذہنی فشار کے بعد اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا وہ واپس کمرے میں چلی آئی۔ ان خیالات کو ذہن سے جھٹکنے کے لیے اس نے ایک نظر اپنے قریب سوئے ان ننھے فرشتوں پہ ڈالی' جھک کر دونوں کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ان کے معصوم چہروں کو بغور دیکھنے لگی جو کہ بہت کچھ کہہ رہے تھے۔

''مانو...... تم ایسی باتیں کیوں سوچتی ہو...... اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ایک خوشی سے محروم کر دے تو اس کی عطا کردہ اور بھی کافی ساری وجوہات ہیں...... ڈھیر ساری خوشیاں اور امیدیں ہیں جینے کے لیے۔'' حسن کے پُر امید لہجے میں کہے گئے یہ الفاظ اسے اس الجھن سے نکالنے کے لیے اس تاریکی میں مشعل بن کر آئے تھے۔ دل کے کسی گوشے میں ایک فیصلہ ہو چکا تھا۔ ان بچوں کو بغور دیکھتے ہوئے اس نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت سے آنسو صاف کیے اور آہستگی سے اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

''ٹھیک ہے' تم نے آج بھی ہاں کروا لی مجھ سے......''

......

''آفٹر آل ہے تو ریٹائرڈ آرمی آفیسر کی بیٹی ناں۔ ہر چیز ہی ریٹائرڈ ہو چکی ہے۔'' عثمان شجاع کی اس بات پر پورا گروپ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

ماہ نور ابرار جتنا اس سے کتراتی' وہ اتنا ہی اسے زچ کرتا' پتہ نہیں پچھلی کتنی مدتوں کا بدلہ لینا ہے کہاں وہ کمپیوٹر انجینئرنگ کا اسٹوڈنٹ اور کہاں یہ سائیکلوجی کے سیکنڈ ائر کی اسٹوڈنٹ لیکن ہمیشہ جیسے اسے تنگ کرنا اس کا مشن بن چکا تھا۔ یہ دو سال اس نے اس کو اتنا ستایا کہ اب اس کو بھی عثمان کے چہرے سے چڑ سی ہو گئی تھی۔ سینئر ہونے کا تو اس پر ایسا رعب جھاڑتا جیسے پورے کالج میں وہی اس سے جونیئر ہو' ان دونوں میں نہ تو اکیڈیمک ریکارڈ کا کوئی فرق تھا' فیملی بیک گراؤنڈ بھی ایک دوسرے سے ٹکرا اور خوب صورتی میں لاجواب۔

جب شروع میں عثمان شجاع اس کی فولنگ کرتا تو کالج کا ہاٹ ایشو ہی ان کا افیئر بن گیا تھا لیکن جب بھی ماہ نور ابرار کا غصہ اور عثمان کی انا ٹکراتی تو ایک ایٹم بم سے بڑا دھما کا

ہوتا لہٰذا یہ افواہ جلد ہی رد کردی گئی دراصل عثمان شجاع اس کے غرور کو روندھ کر خود کو تیس مار خان ثابت کرنا چاہتا تھا کیونکہ پورے کالج میں ماہ نور ''پراؤڈی گرل'' کے نام سے مشہور تھی اور کسی لڑکے کی جرأت نہ تھی کہ اس سے فالتو بات کرتا پھر ''ٹائم پاس کرنا'' تو بہت دور کی بات تھی۔ عثمان کو نہ ہی اس میں کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی ''ٹائم پاس'' کرنا مقصود تھا مگر اسے زچ کر کے ایک عجیب قسم کا سکون قلب حاصل ہوتا تھا۔ عثمان شجاع کی پرسنیلٹی تو کافی اچھی تھی، خوب صورتی کی تو شاید حد اس پر ختم ہوتی تھی مگر زمانے کے رنگین فیشنز کو وقت کا تقاضا سمجھ کر نبھانا خود پر وہ فرض کر چکا تھا جس کی وجہ سے کافی حسن پرست لڑکیاں ماہ نور پر بادل نخواستہ رشک کرتیں اور بہت سے جونیئر اور سنیئر لڑکے اس کو ایڈ مائیر کرتے تھے۔ عثمان شجاع، شجاع فیملی کا اکلوتا اور لاڈلا بیٹا تھا جبکہ اس کی شخصیت میں اتنی ہی بے پروائی، آوارگی اور دوستانہ پن تھا۔ گھونسلے جیسے گھنے بالوں نے اس کے کانوں کو چھپا رکھا تھا، لمبی لمبی قلمیں، لوز جینز اور موٹے بٹے والی نت نئی گھڑیاں اور دوسری کلائی پر ہمیشہ ایک بھاری بھرکم سی چین ہوتی تھی۔ جبکہ ماہ نور ابرار کے نت نئے فیشنز اور لیٹسٹ بوتیک اور مشہور ڈیزائنر کے کپڑے جن پر بڑے سلیقے سے اوڑھا ہوا دوپٹہ، اسٹیپ کٹنگ میں کٹے ہوئے بال اس پر بہت جچتے تھے۔ ستواں سی ناک اور گال پر کیوٹ سا ڈمپل اور بڑی بڑی براؤن آنکھیں۔

سارے کالج میں ماہ نور ابرار پراؤڈی گرل کے نام سے اس لیے مشہور تھی کیونکہ اس کو اپنے والد کے آرمی میں ہونے کا بے حد غرور تھا اور اس کا بھائی بھی آرمی میں سرونگ آفیسر تھا۔ مزید سونے پر سہاگہ یہ کہ اس کے ایک چاچو ائر فورس اور دوسرے بیوروکریٹ تھے جن کی مسز مشہور گائینا کالوجسٹ اور بیٹا بہت اچھا بزنس مین تھا جو کہ عثمان شجاع کے والد شجاع اکرم کے ساتھ کافی کانٹریکٹس کر رہا تھا۔

ماہ نور ابرار اپنے اسی غرور کی وجہ سے حسین خواب بنتی کہ اس کی شادی ایک پرفیکٹ آرمی آفیسر سے ہو جو کہ اس سے زیادہ اس سے پیار کرے اور اس سے بڑھ کر خوب صورت بھی ہو۔ لیکن اہم دعا تو وہ مانگنا ہی بھول جاتی، سننے والے نے بھی اپنے مرضی کے حرف پر قبولیت کی مہر لگادی اور وہ دیا ہی نہیں جو وہ مانگنا بھول گئی۔

*

''ماہ نور اٹھ ناں یار جلدی کر...... اگر سنیئر آ گئے نا تو پھڈا ہو جائے گا۔'' صائمہ اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتی جلدی جلدی بول رہی تھی۔ وہ بڑی بے پروائی اور سکون سے بکس اور نوٹس اکٹھے کرنے میں لگی تھی۔ اسی سکون سے بولی۔

''جسٹ چل یار...... سنیئرز ہیں کوئی یاجوج ماجوج تو نہیں کہ تمہیں کھا جائیں گے۔'' وہ اپنی دھن میں بولے جارہی تھی جب عثمان شجاع پاس آ کر سیٹ کے خالی ہونے کا انتظار کرنے لگا اور موقع پا کر بولا۔

''او ہیلو...... کلاس ختم نہیں ہوئی تمہاری ابھی تک......؟''

''وائنڈ آپ کررہی ہوں نظر نہیں آرہا' آپ کو؟''

جواب دینا تو شاید دونوں پر واجب تھا۔

''بیل ہوگئی ہے اور دس منٹ بھی ہو چکے ہیں۔ تمہیں شاید آواز نہیں آتی۔'' اس بار ماہ نور بغیر کچھ کہے باہر جانے لگی تو اس کے بیگ کا بکل نکل گیا۔ عثمان اور اس کے گروپ کو تو جیسے موقع مل گیا تھا۔

''آفٹر آل ہے تو ریٹائرڈ آرمی آفیسر کی بیٹی ناں، ہر چیز ریٹائر ہو چکی ہے۔'' ساری کلاس قہقہوں سے گونج اٹھی اور ماہ نور کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ کر صرف یہی کہہ پائی۔

''بی ہیف یور سیلف۔'' پھر ایک منٹ ضائع کیے بغیر وہ چھومنتر ہو گئی کہ مزید رکنا اور بحث کرنا خود کو ذلیل کرنے کے مترادف تھا۔

*

ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کرنل ابرار کا گھر آج ڈھیروں ڈھیر پھولوں سے سجایا جارہا تھا کیونکہ ان کے جگر کا ایک ٹکڑا کسی اور کی امانت ہونے کو تھا۔ انوشہ ابرار جو کہ بی ڈی ایس کے فائنل ائر میں تھی۔ کرنل ابرار کے کورس میٹ ریٹائرڈ کرنل حیدر کے بیٹے لیفٹیننٹ تیمور حیدر کی منکوحہ بننے جارہی تھی۔ جس نے اپنے والد کو اپنی خواہش سے آگاہ کردیا تھا کہ وہ کرنل ابرار کی بیٹی انوشہ ابرار سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ انوشہ ابرار نے بھی اپنے والد کے کورس کی ایک تقریب

میں لیفٹیننٹ تیمور کی دلچسپی محسوس کرلی تھی۔ لہٰذا جلد ہی رشتہ طے ہوا اور منگنی اور نکاح کی رسم اکٹھی کرنے کا فیصلہ ہوا۔ لہٰذا نکاح سے ایک روز قبل جب تمام رشتے دار اکٹھے ہوگئے تو کرنل ابرار کی خوب صورت حویلی میں بوگن ویلیا کی بیل سے ڈھکے ٹیرس پر تمام کزنز اکٹھی ہوگئیں' کوئی ڈھولکی کی تھاپ پر ناچ گا رہی تھی' کوئی مہندی لگا رہی تھی اور کہیں کوئی اپنے لیے ایسے دن کا تصور کررہی تھی جب وہ انوشہ کی جگہ ہوگی۔

''یار نوشی ان تیمور بھائی کے اور کتنے بھائی ہیں۔''

نزہت نے ماہ نور کو ٹھونگا مارتے ہوئے کہا۔

''ہوں گے کوئی سات' آٹھ' نو' دس...... تم سب کو پورے ہوجائیں گے۔ میرے بعد تم لوگوں کی ہی باری ہے۔'' انوشہ کھلکھلا کر بولی۔

''نہیں یار بھائی تو دو ہی ہیں...... بہرحال کزنز کا مجھے پتہ نہیں۔ اسی لیے غلط فہمیاں نہ ہی پالو تو بہتر ہے۔'' ماہ نور نے بھی پوائنٹ مارنے میں گریز نہ کیا۔

''مطلب ابھی تم دونوں بہنیں دیورانی' جٹھانی کے روپ میں ٹکراؤ گی۔ اب ان بے چاروں کا اللہ ہی حافظ ہے۔'' فائزہ نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں ایسا بھی ہوجاتا اگر موصوف آرمی میں ہوتے' مگر خالی مولی شکل کا اچار تو نہیں ڈالنا ناں......'' وہ مہندی کے خشک ہوتے ہی کوٹکس لگانے لگی۔

''تم سب ایک دوسرے سے بڑھ کر کمییاں ہو' پتہ ہے کیا اب اگلا جو بیج پاس آؤٹ ہوا ناں تو پورا کا پورا تم سب کے لیے بک کروالیں گے تاکہ ہر آفیسر کو دیکھ کر اس پر لائن نہ مارو۔'' سب زور زور سے ہنسنے لگیں۔

......❀......

انوشہ ابرار بے بی پنک اور بلیو کنٹراسٹ کی ساڑی میں ملبوس تھی جبکہ لیفٹیننٹ تیمور حیدر بلیک شیروانی میں ملبوس بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ وہ سچ مچ بہت خوب صورت اور ڈیسنٹ تھا۔ جس کے عقب میں انوشہ گھونگھٹ ڈالے بیٹھی تھی۔ ماہ نور کی خوب صورتی کو بھی گرین کلر کی ساڑی چار چاند لگا رہی تھی۔ انوشہ کے بعد ماہ نور سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ماہ نور' مائمہ' فائزہ اور تنزیلہ کی جوڑی بنی تھی۔

وہ سب ماہ نور کے جنون سے واقف تھیں۔ اس لیے ہر آرمی والے کی طرف بار بار توجہ کرواتی خواہ وہ ویٹر ہو' گیٹ کیپر ہو یا کوئی بھی۔ وہ پلیٹ سجا کر چائے لے کر پیچھے پلٹی تو کپ کا تقریباً چوتھائی حصہ ایک قدآور خوبرو نوجوان پر چھلک گیا۔ بوکھلاہٹ کے مارے آنکھیں پھیل گئیں اور جلد بازی میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے بغیر معصوم بچوں کی طرح شروع ہوگئی۔

''آئی ایم سوری' آئی ایم ایکسٹریملی سوری...... مجھے سچ میں پتہ نہیں چلا......''

''اٹس اوکے...... یو جسٹ ڈونٹ وری۔''

''صاف ہوجائے گا کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔''

''صاف ہوجائے گا...... کیا مطلب ہے؟ ابھی میرے سامنے ہی صاف کردیں ناں' ورنہ میری طبیعت ہی صاف کردی جائے گی۔'' آخری الفاظ ماہ نور نے منہ میں بڑبڑائے' وہ اتنی تمیز دار نہیں تھی۔ جتنا بابا جان کے خوف نے اس کو بنادیا تھا۔ وہ نوجوان عجیب سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے ٹشو سے اپنے کوٹ کو صاف کرنے لگا لیکن داغ تو گہرا ہوچکا تھا۔ ماہ نور جانتی تھی اگر اس معاملے کا ذرا سا بھی بابا جان کو علم ہوگیا تو اس کو اچھی خاصی ڈوز مل جائے گی۔ مارے پریشانی کے وہ اسے آہستگی سے بولی۔

''آپ آئیں ناں میرے ساتھ...... پلیز......'' وہ پہلے چونکا پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ ہال میں چند ایک لوگوں کی نظریں اسی منظر کا تعین کررہی تھیں۔ ماہ نور اس کو گیسٹ روم کی طرف لے گئی اور فوراً بولی۔ ''آپ یہ اتار کر مجھے دے دیں میں ابھی دھو دیتی ہوں۔''

''نہیں رہنے دیں۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ جو آپ اتنی پریشان ہورہی ہیں۔''

''اُفو آپ نہیں سمجھ رہے ناں۔'' ماہ نور اپنی ساڑھی کے پلو کو جلدی سے کندھے پر سمیٹتے ہوئے بولی۔

''چلیں آپ دھوئیں مت...... میں ایسا کرتا ہوں' اسے یہیں اتار جاتا ہوں۔'' اب وہ اسے بچوں کی طرح بہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے' ویسے بھی آپ کوٹ کے بغیر زیادہ اچھے لگیں گے۔'' ماہ نور تو مروت میں بول رہی تھی کہ اس کی

زبان پھسل گئی۔ اسے ماہ نور کے اس پُراعتماد لہجے پر حیرت ہوئی تو شریر سے لہجے میں بولا۔
"کیا آپ کو یقین ہے...... ویسے مجھے حسن عباس کہتے ہیں۔"
ماہ نور کے دماغ کی گھنٹی بجی اور یک دم معنی خیز مسکراہٹ چہرے پر آ گئی اور ساری ٹینشن اڑن چھو ہوگئی کیونکہ وہ آرمی میں سلیکٹ ہو چکا تھا۔
"اوہ...... میں ماہ نور...... ماہ نور ابرار۔" ماہ نور کی نظروں میں آشنائی آئی۔
"نائس ٹو میٹ یو۔" حسن نے مسکرا کر کہا۔
"چلیں اب نیچے اس سے پہلے کہ فنکشن......" ماہ نور بولتے بولتے دروازے کی طرف لپکی اور جلدی سے نیچے چلی گئی۔ جہاں اس کے کزنز کی نظریں اس کے شرم سے لال چہرے کا تعاقب کر رہی تھیں۔

......❀......

احسن صدیقی سائیکولوجی گروپ کا ایک لڑکا تھا۔ یہ واحد شخص تھا جو ماہ نور ابرار کی ہمدردی کا مرکز تھا۔ ماہ نور اکثر اس کی مدد کرتی اور کیفے میں جب فرینڈز کے ساتھ لنچ کے لیے جاتی تو اسے ساتھ لے جاتی۔ کیونکہ اس کے والد جو کیفے کے مالک تھے اسے اکثر یہاں بیٹھنے سے منع کرتے۔ اس لئے وہ آتے وقت جھجکتا مگر ماہ نور جب انکل سے کہتی تو وہ مان جاتے تھے۔ انکل کے بقول لڑکے لڑکیاں اسے بے وقوف بنا کر اس کے نام پر چیزیں لے جاتے ہیں اور وہ خاموشی سے فضول قسم کی دوستی کو نبھانے کے لیے پیسے ادا کرتا تھا۔
"او سائیکولوجسٹ...... سنا ہے تمہاری انگیجمنٹ ہوگئی ہے۔ بتایا کیوں نہیں؟" عثمان نے اس کا راستہ روکتے ہوئے ہنس کر کہا۔ اسے تنگ کرنے اور زچ کرنے کا موقع وہ ہاتھ سے کب جانے دیتا تھا۔
"نہیں میری نہیں ہوئی میری بہن کی ہوئی ہے۔" ماہ نور نے صاف جواب دے کر وہاں سے جانا چاہا مگر عثمان کی چہیتی صبا نے راستہ روک لیا۔
"یہ کہہ کر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تم ابھی بھی سنگل ہو۔"
"اگر ہوئی تو پہلا لڈو تمہارے منہ میں ہی ڈالوں گی۔" ماہ نور نے بات ختم کرنا چاہی۔ تو صبا یک دم بولی۔
"تو یہ جو تمہیں ڈراپ کرنے آیا تھا۔ اب یہ مت کہنا وہ نہیں ہے۔"
"اپنے دماغ کے تم اسکرو ٹائٹ کرلو جب انگیجمنٹ نہیں ہوئی تو فیانسی کہاں سے آ گیا اور یہ میرا کزن تھا جو آل ریڈی انگیج ہے۔ ناؤ لیو می پلیز۔" ماہ نور کے یہ کہنے پہ عثمان کھا جانے والی نظروں سے صبا کو دیکھنے لگا جو ماہ نور کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ عثمان دانت پیس کر بولا۔
"عقل کی اندھی...... خبر تو ٹھیک لایا کرو۔" اور چلا گیا جب کہ صبا کو اپنی ہتک محسوس ہوئی تھی۔

......❀......

ماہ نور ابرار صائمہ رضا اور احسن صدیقی کیفے ٹیریا میں ساتھ ساتھ بیٹھے لنچ کر رہے تھے۔ جب ہی صبا صائمہ سے مخاطب ہوئی۔
"یار تم کیوں کباب میں ہڈی بنی ہو...... ان دونوں کو اکیلے ٹائم گزارنے کرنے دو۔" ماہ نور کے تو جیسے پیروں تلے زمین نکل گئی۔
"جسٹ شٹ یور ماؤتھ......"
"سچ تو ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے نا۔" صبا نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"یو آر سک۔" ماہ نور کا خون کھولنے لگا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ احسن اس کا کلاس میٹ ہی نہیں بلکہ وہ اسے اپنا بھائی بھی سمجھتی تھی۔
"میرے سامنے چلاؤ مت پورے کالج کے سامنے تمہاری پول کھول دوں گی۔" صبا زہریلا چلائی۔ ماہ نور آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہ گئی۔
"کتنا لو اسٹینڈرڈ ہے تمہارا۔" کسی کی آواز آئی۔
"یار صبا تمہاری غلطی ہے۔ رومیو جیولیٹ کا رومانس چلنے دیتی ناں۔ ویسے بھی جب مجھ سے اسے لفٹ نہ ملی عمر سے نہ ملی تو بیچاری کو گھاس ڈالنے والا صرف احسن ہی ہے نا۔" ماہ نور کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے جبکہ عثمان کے چہرے پہ شرارت بھری مسکان ابھری۔
"مجھے ایک بار کہہ دیتی ایک دو ہفتے تم سے فلرٹ ہی

کرلیتا۔" ایک سناٹے دار تھپڑ نے اس کا منہ بند کرگیا۔ ماہ نور کی آنکھیں غصے سے لال ہورہی تھیں۔

"عثمان...... تمہاری بہت چھوٹی سوچ ہے' بہت گرے ہوئے گھٹیا انسان ہو تم' میں تو اپنی سینڈی کو بھی تمہارے قابل نہیں سمجھتی۔" ماہ نور ابرار نے اپنی پالتو کتیا کا نام لیتے ہوئے کہا۔ عثمان کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' ماہ نور کا ہاتھ پکڑا اور پوری قوت سے مروڑا اور اسے دیوار کی طرف دھکیلا۔ وہ اس وقت اتنا قریب تھا کہ اس کے تیز پرفیوم کی مہک سے ماہ نور کے سر میں درد شروع ہوگیا۔ پورے کیفے ٹیریا میں خاموشی چھا گئی۔

"سمجھتی کیا ہو تم خود کو......؟ دو دن میں یہ ثابت کرکے دکھاؤں گا کہ تمہارا اور احسن کا کوئی سین ہے' ورنہ......" عثمان کا پارہ ہائی تھا۔ ماہ نور کی کلائی سے خون بہنا شروع ہوگیا۔

"ورنہ کیا...... کیا کرلو گے؟" ماہ نور بمشکل بول پائی۔

"ورنہ میں تم سے شادی کرلوں گا۔" عثمان کی بات پر سارے کیفے میں سرگوشیاں شروع ہوگئیں مگر ماہ نور کا دماغ سن ہوگیا۔

"عثمان اس کا ہاتھ چھوڑو۔" عمر جو کہ عثمان کا کزن تھا۔ اونچی اور فکرمند آواز میں بولا مگر اس سے پہلے کہ عثمان اس کا ہاتھ چھوڑتا وہ اس کے اوپر ہی جاگری۔

"یہ تو بے ہوش ہوگئی۔" صبا بولی۔ مارے خوف کے عثمان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

"اس کو سک روم لے کر چلو میرے ساتھ۔"

......❀......
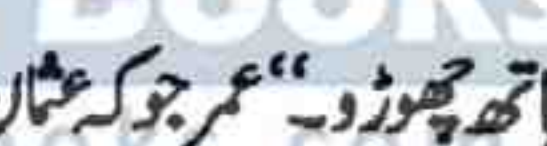
"میں نے بابا جان کو بتایا تھا کہ ایک ہک میری کلائی میں چبھ گیا تھا۔"

"وہ سب چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اب تو صرف کل کا دن رہ گیا ہے۔ تم کیا کرو گی' آر یا پار خطرہ دونوں طرف ہے۔" صائمہ نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔

"وہ ایسا کچھ نہیں کرسکتا اوقات ہی کیا ہے اس کی۔"

"اب تو عزت کی بات ہے وہ لازمی کچھ کرے گا۔" اومائمہ بولی۔

"دیکھ لیتے ہیں۔" ماہ نور نے ایک آہ بھر کر کہا۔

"ویسے اس دن بہت ہی رومنٹک سین ہوا تھا۔ ادھر اس نے شادی کا کہا ادھر تم دھڑام سے اس کے اوپر......!" صائمہ نے ہنسی ضبط کی۔

"کیا......!" ماہ نور بے چارگی اور شاک کے عالم میں بولی۔

"اور نہیں تو کیا...... اور تو اور پھر تمہیں سک روم بھی لے کر گیا تھا۔" ماہ نور پر حیرت کی انتہا ہوگئی۔

"واٹ دا ہیل...... تبھی وہ سب مجھے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ تم سب مرگئی تھیں کیا؟ دوست کو سہارا تک نہ دے سکیں۔"

"اس نے اتنا موقع ہی نہ دیا بلکہ اس کی شکل بھی دیکھنے والی تھی۔"

......❀......

"یار عثمان کہیں اپنے الفاظ پر شرمندہ تو نہیں ہے۔ شاید اسی وجہ سے وہ کالج بھی نہیں آرہا۔" فہد فکرمندانہ انداز میں صبا سے مخاطب ہوا۔

"نہیں عمر تو بتا رہا تھا کہ وہ آئی ایس ایس بی کے لیے کوہاٹ جاچکا ہے۔ تبھی دو مہینے سے اس کی تیاریاں کررہا تھا۔"

"عثمان اور آرمی میں۔ ہاؤ از اٹ پوسبل......" عرفان ایک زوردار قہقہہ لگا کر بولا تو پچھلے بینچ پر بیٹھی نور نے ماہ نور کو کہنی مارتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے...... وہ تو شادی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔"

"ہاں تبھی تو صاحبہ کی خواہش کے عین مطابق آرمی میں بھی اپلائی کرلیا ہے۔" نور بھی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"سوچ ماہ نور جب عثمان کیڈٹ کٹ میں یونیفارم میں ملبوس تمہیں آواز دے گا...... بیگم میں آفس......"

"چپ کرجاؤ یار...... ادھر میری سانس رکی جارہی ہے اور تم لوگ فضول کی باتیں کررہی ہو۔" ماہ نور جھنجلا کر بولی جبکہ وہ ہنس ہنس کے پاگل ہورہی تھیں۔

"یار تو...... تو لگی ہے' وہ شادی سے پہلے ہی جورو کا غلام بن گیا۔" اب کی بار رمشا بولی۔

"تم لوگ کتنی بکواس کرتی ہو۔" ماہ نور جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے ایک اجنبی سا خوف ستانے لگا۔

……
"نہیں سر پرسوں جوائن کروں گا" پاپا نے کہا آپ سے ملتا جاؤں اور نمبر بھی لے لوں آپ کا۔" حسن آج ابرار ہاؤس کے لان میں بیٹھا کیپٹن ارسلان کے ساتھ چائے پی رہا تھا۔

"ہاں...... آپ میرا نمبر نوٹ کرلو۔" یہ کہہ کر ماہ نور کے بھائی کیپٹن ارسلان نے اپنا نمبر نوٹ کروایا جب حسن عباس کی نظر بوگن ویلیا کی بیل سے بھرے ٹیرس پر پڑی جہاں ایک حسین پری روشن چہرہ لیے جو کہ سورج کی روشنی میں مزید چمک رہا تھا۔ اپنے بال خشک کررہی تھی اور ساتھ اپنی بہن سے اٹھکیلیاں کررہی تھی اور شرارت بھری مسکان سے سجا چہرہ حسن کی نظریں خود سے الگ نہ ہونے دے رہا تھا اور ایک کیوٹ سا ڈمپل بھی اس کشش کا سبب بن رہا تھا۔ بمشکل ارسلان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس نے دل میں گرہ لگائی یہ وہی ہے جس کو امی اور پاپا لوگ کہاں کہاں تلاش کررہے تھے۔

"انکل آنٹی کو میرا سلام دیجیے گا۔" یہ کہتے ہوئے ارسلان نے حسن کو رخصت کیا جب اچانک حسن اور ماہ نور کی نظریں دوبارہ ملیں، حسن آنکھوں ہی آنکھوں میں پیغام دے چکا تھا اور ماہ نور بھی سمجھ کر انجان بن گئی۔

……

"چلو اٹھو لائبریری چلیں ورنہ پھر سے عثمان کا سامنا کرنا پڑے گا۔" وہ گھاس پر بکھری کتابیں اور نوٹس سمیٹتے ہوئے کہنے لگی اور فوراً لائبریری کی طرف چل پڑی، آنے جانے والے تمام اسٹوڈنٹ اسے مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے لائبریری میں سب سے کونے والے شیلف کے پیچھے بڑے شیلف سے بکس دیکھنے کی ایکٹنگ کرنے لگی۔ لائبریری میں صرف وہ اور رمشا تھیں لائبریرین ٹی بریک کے لیے جاچکی تھی وہ رمشا کی منت سماجت کرنے پر انہیں چھوڑ گئیں۔

"ہیلو۔" ایک جانی پہچانی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا جب وہ پھرکی کی طرح گھومی تو وہ عثمان تو نہیں لگ رہا تھا البتہ اسی جیسا کوئی تھا اب وہ عثمان نہیں لیفٹیننٹ عثمان تھا۔

"پہچانا...... میں عثمان۔" اس نے یاد کرایا ماہ نور چونک سی گئی اب نہ وہ ہلکی سی داڑھی نہ گھونسلے جیسے بال نہ وہ لوز جینز اور نہ ہی وہ اوچھا انسان یہ کوئی اور ہی لگ رہا تھا کلین شیو، کیڈٹ کٹ، بلیک ڈریس پینٹ کے ساتھ ڈارک بلیو ڈریس شرٹ میں بہت ڈیسنٹ اور خوب صورت معلوم ہورہا تھا۔

"جی آپ اتنے عرصے کے بعد۔" ماہ نور نے کچھ اعتماد سے کہا۔

"ہاں بس سوچا فرینڈز سے مل آؤں۔" جواب دیتے ہی وہ رمشا کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں نے اس سے کوئی پرسنل بات کرنی ہے۔" رمشا نے ماہ نور کی بے چارگی کی طرف بھی نہ دیکھا اور چھومنتر ہوگئی۔

"مجھ سے کیا پرسنل بات کرنی ہے آپ کو؟" ماہ نور نے سوالیہ نظروں سے عثمان کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تم میرے الفاظ مت دہراؤ۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو ماہ نور کے دماغ میں الارم بجنے لگا۔

"مطلب؟ سیدھی بات کریں ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔"

"یہ نہیں پوچھوگی کہ ان دو سالوں میں میرے ساتھ کیا ہوا میں کہاں تھا کیوں تھا۔"

"مجھے سب پتا ہے۔" ماہ نور نے صاف جواب دیا۔

"تو پھر تمہیں یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ آج میں کیوں آیا ہوں۔"

"نہیں آپ نے خود ہی بتایا کہ اپنے فرینڈز سے......"

اس کی بات کاٹتے ہوئے عثمان نے کہا۔

"میں تم سے پیار کرتا ہوں۔" وہ بے دھڑک بول گیا۔

"یہ کیا ہے...... ہٹیں مجھے جانے دیں۔" ماہ نور لرز سی گئی، عثمان نے بغیر کسی جھجک کے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ وہی بات ہے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔"

"میرا ہاتھ چھوڑیں۔" ماہ نور سٹپٹائی۔

"یار میری پوری بات تو سن لو۔" عثمان نے اسے روکا۔

"میں واقعی تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اپنے ہوش میں ہو آپ کس سے کیا بات کررہے ہو۔"

ماہ نور نے ہاتھ کھینچ کر کہا۔
''مجھے اچھی طرح پتا ہے تم ایک بار ہاں تو کروں میں اپنے ماما پاپا کو تمہارا بتا دوں گا ہوں آج ہم تمہارے گھر آ جائیں گے۔'' عثمان نے بچوں کی طرح مچلتے ہوئے کہا۔
''میری منگنی ہو چکی ہے۔'' ماہ نور نے جھوٹ کا سہارا لیا۔
''تم جھوٹ بول رہی ہو، اگر ایسا ہے تو مجھے بھی اس سے ملاؤ میں بھی دیکھوں گا کون ہے وہ۔'' عثمان نے غصے سے کہا۔
''آپ ہو کون جس کو میں پروف دکھاؤں۔'' ماہ نور غصے سے کہتی ہوئی لائبریری سے باہر آ گئی جہاں بہت سے چہروں کو خود کا منتظر پایا۔

......❀......

''میں سوچ رہی تھی کیوں نہ اگلے ہفتے منگنی کی رسم کر دی جائے۔'' مسز عباس کے ان الفاظ پر ماہ نور چونک کر پلٹی اور ایک منٹ ضائع کیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بھاگی کہ راستے میں یک دم کسی سے بری طرح ٹکرائی۔
''آئی ایم سوری...... اوہ آپ۔'' یک دم وہ بول پڑا جو ارسلان بھائی کے ساتھ گھر دیکھ رہا تھا' جبکہ ارسلان بھائی کال اٹینڈ کرنے ٹیرس پر چلے گئے تھے۔
''آپ تو وہی ہیں نا......'' ایک ہی لمحے میں اس کے ذہن میں نکاح والا قصہ گھومنے لگا۔
''جی وہی جو کوٹ کے بغیر بہت اچھے لگتے ہیں۔'' حسن نے شرارت بھری مسکان چھپاتے ہوئے کہا۔ ماہ نور چونک سی گئی پھر اعتماد سے بولی۔
''جی یاد آ گئے۔''
''اب ہمیشہ یاد رکھیے گا ورنہ......''
''چلو حسن۔'' ارسلان کے کہتے ہی ماہ نور دور ہو کر کھڑی ہو گئی اور ان دونوں کے جاتے ہی حسن کے معنی خیز جملے پر مسکرا دی۔
جلد ہی وہ ماہ نور ابرار سے ماہ نور حسن عباس ہو گئی تھی۔ منگنی کی رسم کے بعد نکاح کر دیا گیا تھا۔ جب رات گئے تھک ہار کر ماہ نور کمرے میں واپس آئی تو فون چیک کیا جس پر چار مسڈ کال اور ایک ٹیکسٹ میسج تھا۔
''آر یو فری ریپلائی مُی آئی ایم ویٹنگ۔'' ماہ نور نے میسج پڑھ کر اسی نمبر پر کال بیک کی تو شائستگی سے ایک مردانہ آواز میں جواب دیا گیا۔
''جی...... کون؟'' ماہ نور نے تصدیق کرنی چاہی۔
''اوہ...... اچھا۔''
''اچھا پھر بھول گئیں......''
''نہیں میں بھولی نہیں' ایکچوئلی فون پر پہلی بار آپ کی آواز سنی ہے نا...... اسی لیے۔'' رسمی علیک سلیک کے بعد حسن نے موضوع بدلا۔
''بائی دی وے' ہر شادی شدہ لڑکی کو اپنے شوہر سے بہت امیدیں ہوتی ہیں' خاص کر تب جب لو میرج ہو آپ کی کیا......''
''ہماری تو لو میرج نہیں ہوئی......'' اس نے بات کاٹ کر کہا۔
''آپ کا مطلب...... یو ڈونٹ لومی۔''
''نو آئی ڈو...... لیکن اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں ہر کسی کی لو میرج ہوتی۔'' ماہ نور نے مسکرا کر کہا۔
''لیکن ہماری شادی جس سچویشن میں ہو رہی ہے' ہر کسی کی ویسے نہیں ہوتی ناں...... ہزاروں مخالفتوں کا مقابلہ کرنا......'' حسن نے لان میں ٹہلتے ہوئے مین ڈور پر نظر ڈالی جہاں کچھ دیر پہلے سنبل اسے طنزیہ نظروں سے دیکھ کر گئی تھی۔
''مطلب......؟'' ماہ نور نے حیرانی سے پوچھا۔
''دیکھیں میں آپ کو کسی معاملے میں ناآشنا نہیں رکھنا چاہتا۔ آپ سے شادی میری اپنی مرضی اور ضد تھی اور میرے گھر والوں کی مخالفت...... دراصل میرے گھر والوں کو اعتراض آپ لوگوں کی لبرل سوچ اور آزاد لائف اسٹائل سے تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات ان کے اعتراض کا سبب بننے کے قابل نہ تھی۔ البتہ آپ کے اخلاق کی وہ تعریف بھی کرتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے لیے آپ اتنا ضرور تو کرو گی کہ خود کو میری فیملی کے رنگ میں ڈھال سکو......'' حسن نے مختصر سی تمہید باندھنے کے بعد پورا معاملہ واضح کر دیا۔
''جی......'' ماہ نور نے بمشکل مسکرا کر کہا۔

''رہی میری بات تو مجھ سے آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی تو آپ سے بدلے میں تکلیف لینے کے لیے میں حاضر رہوں گا بغیر چوں چرا۔ آفٹر آل آپ میری چوتھی محبت جو ہیں۔''

''واٹ......؟'' ماہ نور پر جیسے حیرت کا ایک اور پہاڑ ٹوٹا۔

''آئی مین......میری پہلی محبت پاکستان......دوسری آرمی' تیسرا میرا ایک کورس میٹ' میرا جگر ہے اور ایٹ لاسٹ فائنل چوتھی آپ......'' حسن نے شریر مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے ایزی چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''یو ڈونٹ وری آپ کے بعد کوئی نہیں ہوگا۔''

''جی بالکل یہ سب تو میرا بھی عشق ہے۔'' اس نے زور دار قہقہے کے بعد کہا۔

* * *

''یہ کیسی عجیب رسم ہے کہ گھونگھٹ دلہا ہی اٹھائے گا۔ مہمان ولیمے کے روز ہی چہرہ دیکھیں گے۔ فائدہ کیا ہوا' ہزاروں کا میک اپ کروانے کا۔'' رمشاء ماہ نور اور انوشہ کے پاس آ کر سرگوشی کرنے لگی جہاں انوشہ کا گھونگھٹ کھلا اور ماہ نور کا گھونگھٹ بند تھا۔

''کتنے کنزرویٹو لوگ ہیں' تیرے سسرال والے نور۔''

''کنزرویٹو نہیں مذہبی کہتے ہیں۔'' ماہ نور نے کچھ سختی سے کہا تو انوشہ' رمشاء' فائزہ' اومائمہ اور تزیلہ نے شاک کے عالم میں ماہ نور کو دیکھا۔

''یار ذرا گھونگھٹ اٹھا کر چیک کروانا کہیں کوئی اور دلہن تو نہیں اٹھا لائے پارلر سے۔'' اومائمہ نے پوائنٹ مارا تو ساری ہنسنے لگیں۔

''اف میرا تو سانس بند ہو رہا ہے۔ آپی کی رخصتی بھی مجھ سے پہلے ہوگی۔'' ماہ نور نے گہری سانس بھر کر کہا تو ساری ہنس پڑیں' تبھی تیمور آ گئے اور انوشہ کے ساتھ براجمان ہوگئے اور رسموں کے بعد اس کی رخصتی ہوگئی۔ اب دہلیز پار کرنے کا نمبر ماہ نور کا تھا جب حسن ماہ نور کے ساتھ بیٹھے اور سرگوشی کرنے کے انداز میں کہنے لگے۔

''یہ ہے......میری تیسری محبت یعنی آپ کا دیور۔''

''السلام علیکم بھابی۔'' وہ بولا۔

''وعلیکم السلام۔'' ماہ نور نے کچھ آہستگی سے کہا۔

''بائی دی وے یہ کورڈ ورڈز میں کیا بات ہو رہی تھی۔ بھابی کہیں آپ سے یہ میری برائیاں تو نہیں کرتا۔'' وہ بڑی مصنوعی سی خفگی دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔

''جی کرتے تو ہیں لیکن اتنی لمبی لسٹ ہے کہ بتاتے ہوئے پورا دن گزر جائے گا۔'' ماہ نور نے ہنستے ہوئے کہا تو تینوں ہنس پڑے۔

* * *

میرون اور کوپر کلر کے کنٹراسٹ کا لہنگا اس پر بہت جچ رہا تھا۔ وہ لیفٹیننٹ حسن عباس کی شریک حیات بن چکی تھی اور حسن کے کمرے میں اسی کی منتظر بیٹھی تھی۔ بیڈ خوب صورت تازہ پھولوں سے سجایا گیا تھا اور کمرہ جو کہ کافی وسیع تھا باقی کئی باریک سجاوٹوں سے سجایا گیا تھا۔ ماہ نور اپنے کمرے میں بیٹھی گھونگھٹ کی آڑ سے کمرے کی سجاوٹ کا معائنہ کر رہی تھی کہ دروازے کی آہٹ سے چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔

حسن کمرے میں آئے اور بڑے پرسکون انداز میں اپنا بلیک کوٹ اتار کر وارڈ روب کے ہینڈل سے لٹکا دیا۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گئے وہاں سے ایئر فریشنر لے کر کمرے میں دھیمی سی خوشبو کا اسپرے کیا اور پھر ریموٹ سے اے سی کا ٹمپریچر نارمل کیا' ماہ نور ان ساری سرگرمیوں کو بغور دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ ماہ نور کی دائیں طرف والی سائیڈ ٹیبل کی طرف آیا اور اس کی دراز سے کچھ نکال کر بیڈ پر بیٹھ کر ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے گھونگھٹ اٹھایا اور پھر آہستگی سے کہا۔

''یار اگر تم مسکراؤ گی نہیں تو مجھے لگے گا جیسے میں نے کسی اور کی دلہن کا گھونگھٹ اٹھایا ہے جو کہ اب زبردست قسم کے تھپڑ سے میرا گال سجائے گی۔'' حسن نے ہنستے ہوئے کہا تو ماہ نور کھلکھلانے لگی۔ ''یہ ہوئی ناں بات......اب تم آج کے بعد ہمیشہ ایسے ہی مسکراتی رہنا......یہ زیادہ اچھا ہوگا اگر اس مسکان کا سبب بھی میں ہی ہوں۔''

''جی......''

''اور یونہی میری جی حضوری بھی کرتی رہنا۔'' حسن بولا۔

"جی؟" ماہ نور نے چونک کر نظریں اٹھا کر کہا تو حسن نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تو ماہ نور بھی مسکرادی۔
"میں نے تمہارا نک نیم رکھا ہے...... پتہ ہے کیا......؟ مانو وہ اس لیے کہ تمہاری آنکھیں بہت پیاری ہیں بالکل بلی کی طرح گول گول......"
"ویسے آنکھیں تو آپ کی بھی بہت خوب صورت ہیں۔ یونوواٹ...... آئی لو ہیزل آئیز......" یک دم شرمسار ہوکر نظریں جھکالیں' حسن مسکرانے لگا پھر اس نے اس گفٹ باکس میں سے ایک ڈائمنڈ کے پینڈنٹ والا لاکٹ نکالا اور ماہ نور کو آگے بڑھ کر پہنایا۔
"بیوٹی فل یونوواٹ...... آئی ایم سو لکی۔"
"می ٹو......" ماہ نور نے دل ہی دل میں کہا۔ حسن نے ماہ نور کے نازک سے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور نرمی سے کہنے لگا۔
"آج سے تم ماہ نور ابرار نہیں ماہ نور حسن عباس ہو' حسن عباس کی بیوی اور عباس فیملی کی بہو...... آئی ہوپ کہ تم مجھے اور میرے گھر والوں کو بھی شکایت کا موقع نہیں دوگی اور آج سے ہی تبدیلی کا سفر شروع کردیا ہوگا تم نے...... رائٹ۔"
"جی...... بالکل اب میں آپ کو لیفٹیننٹ حسن عباس کی بیوی اور عباس فیملی کی بہو بن کر دکھاؤں گی۔" ماہ نور نے مضبوط لہجے میں کہا۔
"تھینکس میم...... اب آپ حکم دیں......" حسن پیار سے بولا۔
"جی...... آرڈر یہ ہے کہ آپ کو پوری زندگی مجھ پر بھروسہ اور اعتماد کرنا ہے اور محبت تو آپ کرتے ہی ہیں۔" وہ دونوں مسکرانے لگے۔

......❁......

"یہ الارم کس نے لگایا ہے......؟" ماہ نور چونک کر اٹھی تو حسن بھی کمبل اتارتے ہوئے جمائیاں لیتے ہوئے بولے۔
"میں نے...... ایسا کرتے ہیں پہلے میں وضو کرلیتا ہوں پھر تم کرلو...... ٹھیک ہے۔"
"آج پہلا دن ہے بہت تھکی ہوئی ہوں' کل سے نماز پڑھنا شروع کریں گے ناں۔" یہ کہتے ہوئے ماہ نور دوبارہ

بستر میں دبک گئی۔
"مجھے پتہ ہے تم نماز پڑھو گی.....ظاہر ہے پہلے ہی دن تم میرا غصہ نہیں دیکھنا چاہو گی۔" حسن نے وارڈروب میں سے کرتا شلوار کا ہینگ شدہ سوٹ نکال کر معنی خیز انداز میں کہا تو ماہ نور اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"تو آپ مجھے دھمکا رہے ہیں....."
"ہاں.....کہا جاسکتا ہے۔"
"آپ ناراض ہو رہے ہیں مجھ سے؟" ماہ نور نے عاجزی سے کہا۔
"ماہ نور میں تو ناراض ہو کر راضی ہو جاؤں گا مگر اس رب کا کیا کرو گی جو ایک بار ناراض ہو تو انسان کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔" ماہ نور بے بسی کے عالم میں بازو باندھ کر بیٹھی تھی۔ حسن نے شریر مسکراہٹ سے دیکھا۔ جب ماہ نور وضو کر کے آئی تو اس کے چہرے کے گرد سفید کاٹن کا دوپٹہ لپٹا تھا جو کہ بہت نفیس اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد ماہ نور فوراً بستر پر بھاگی تو حسن نے اسے روکا نہیں بلکہ مسکراتے ہوئے دونوں جائے نمازیں تہہ کرنے لگا اور پھر کمرے کے ایک طرف موجود دروازہ کھولا جو کہ ٹیرس میں کھلتا تھا۔
"اب آپ کیا کر رہے ہیں....." ماہ نور نے الجھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کچھ نہیں تم سو جاؤ۔ ویسے تو میں نے سوچا تھا کہ دونوں ساتھ میں ٹیرس پر بیٹھ کر چائے پئیں گے، بٹ..... چلو آرام کرو کافی تھکی ہوئی ہو گی۔"
"رکیں میں بھی آتی ہوں۔" ماہ نور آہستگی سے بولتے ہوئے بیڈ سے نیچے اتری اور حسن کے ساتھ ٹیرس پر آ گئی۔
"ہم دنیا کے پہلے دلہا دلہن ہوں گے جو صبح کے اس پہر ٹیرس پر بیٹھے ہیں۔" ماہ نور نے اپنے بازوؤں کے گرد شال لپیٹی۔
"ہاں شاید.....!" حسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"آپ کی روز یہی روٹین ہوتی ہے۔"
"ہاں ویسے میں اس وقت چائے پی کر جاگنگ پر چلا جاتا ہوں مگر آج نہیں جاؤں گا ولیمہ جو ہے۔"
"ہاں شکر ہے آپ کو یاد تو آیا کہ آپ کی شادی ہوئی ہے کچھ گھنٹے پہلے۔" ماہ نور نے تمسخرانہ انداز میں کہا تو دونوں ہنس پڑے۔

٭.....٭.....٭

"یہ کیا ہوا..... کیوں ہو گیا.....؟" عثمان اپنا سر پکڑ کر بیٹھا تھا۔ جب حسن اس کے پاس آیا اور یہ خبر سن کر حیران رہ گیا۔
"تم نے اسے پرپوز بھی کیا تھا تو وہ کسی اور سے کیسے شادی کر سکتی ہے۔" حسن واقعی مایوس نظر آ رہا تھا۔
"یار میں اس میں انوالو ہو گیا تھا.....وہ تو نہیں ناں، پھر یہ تو اس کی اپنی مرضی ہے جس سے چاہے شادی کرے۔" عثمان نے جیسے خود کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"کیا کوئی لڑکی اتنی بھی سنگ دل ہو سکتی ہے کہ کسی کو ایسے تڑپتا چھوڑ جائے....." اس کا اس سنگ دل لڑکی کو شوٹ کرنے کا دل چاہا۔
"یار ہمیں ٹاپک چینج کرنا چاہیے۔ اب تو وہ کسی کی بیوی ہے اور شادی کو بھی دو ماہ ہو گئے۔" عثمان اپنی مایوسی چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔
"دو ماہ..... اور تو مجھے اب بتا رہا ہے۔" حسن نے حیرت سے کہا۔
"بس میں تجھے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تیرے ابھی خوش رہنے کے دن ہیں۔ ویسے بھی یہی چند دن ہیں خوش رہنے کے بعد میں آنسوؤں کے علاوہ اور کچھ نہیں....." عثمان نے حسن کو چھیڑنا چاہا۔
"تجھے پتہ ہے تو بہت کمینہ ہے۔" حسن نے بمشکل مسکرا کر کہا۔
"ویل بھابی کی سناؤ کیسی ہیں....."
"ٹھیک ہیں بالکل، ویسے تو ہمارے گھر کب آ رہا ہے.....اپنی بھابی سے مل لینا۔"
"ہاں ضرور چکر لگاؤں گا۔ چل کیوں نہ، کچھ ٹی بریک ہو جائے۔" عثمان ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔

٭.....٭.....٭

"حسن اٹھ جائیں لیٹ ہو رہے ہیں آپ۔" ماہ نور گھڑی دیکھ کر چونک کر بولی۔
"اٹھتا ہوں۔" حسن نے تکیے میں منہ دیتے ہوئے کہا

تو ماہ نور نے کمبل کھینچ لیا۔
"اب جلدی کریں میں ناشتہ لگاتی ہوں۔" یہ کہہ کر ماہ نور تقریباً بھاگتی ہوئی کچن کی طرف گئی۔ وہ ناشتہ بنا رہی تھی کہ ڈور بیل بجی، برتن لے کر دروازے کی طرف گئی۔
"آج.....آدھا کلو فالتو....."
"آ.....آ.....پ.....!" سامنے کھڑا شخص بھی اسی حیرت میں مبتلا تھا، جس میں ماہ نور تھی۔
"ت.....ت.....تم..... یہاں..... کیسے؟" عثمان کے چہرے پر بھی حیرت کے تاثرات نے حملہ کیا۔
"یہ میرا گھر ہے آپ یہاں کیا کر رہے ہیں اور مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں..... دروازے پر تو آپ آئے ہیں؟"
"تمہارا گھر ہے مطلب.....؟" عثمان کا دل بیٹھ گیا۔
"ماہ نور..... جلدی سے ناشتہ دو یار....." حسن نے آواز لگائی۔
"جی ابھی آئی....." ماہ نور بمشکل بول پائی۔
"تم آئی مین آپ حسن کی وائف ہیں۔" عثمان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔
"آپ حسن کو جانتے ہیں.....؟" ماہ نور کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔
"میں پھر کبھی آؤں گا۔" ابھی ماہ نور اسے جاتے دیکھ ہی رہی تھی کہ حسن آ گیا۔
"عثمان آیا تھا..... روکا کیوں نہیں اسے؟"
"وہ جلدی میں تھے۔"

❀ .... ❀ .... ❀

"اے میرے خدایا..... یہ تو نے کہاں لا کے کھڑا کر دیا، کس کشمکش میں ڈال دیا ہے مجھے؟" عثمان اپنے بازوؤں کو ٹیبل پر ٹکائے سوچ رہا تھا۔
"کیا وہ واقعی ماہ نور ہی ہے..... جس کو میں نے چاہا وہ حسن کی بیوی ہے، یہ بات میں نے پہلے کیوں نہیں سوچی کہ حسن جس کو مانو کہتا ہے وہ وہی ہے....."
"اوئے..... حیرت ہے صبح تو میری طرف آیا تھا..... ماہ نور بتا رہی تھی....." حسن نے اسے خیالوں کے سمندر سے باہر کھینچتے ہوئے کہا تو عثمان نے چونک کر اسے دیکھا۔
"ہاں..... بس سوچا تجھے ساتھ لے جاتا ہوں مگر تو تیار بھی نہیں ہوا تھا..... تو میں نے ماہ نور..... بھابی سے کہا کہ میں لیٹ ہو رہا ہوں، چلتا ہوں۔" عثمان بڑی مشکل سے مسکرا کر بولا۔
"اچھا..... چل ٹی منگوا....."
"تو بیٹ مین کہاں گیا۔" عثمان نے کان سے فون لگاتے ہوئے کہا۔
"میں نے نکال دیا ہے، جب گھر میں عورت ہے پکانے کے لیے تو بے ذوق مرد کے ہاتھ کا کھانا کیوں کھاؤں۔"
"اللہ نے ساری دنیا کی غیرت تجھ میں ہی بھر دی ہے....." عثمان نے فون پر ٹی کا بتانے کے بعد فون رکھتے ہوئے کہا۔
"بس کیا کروں..... اپنی پرائیویسی میں کسی کی بھی دخل اندازی شروع سے اچھی نہیں لگتی اور اب جب شادی ہوئی ہے تو مجھے یہ مناسب نہیں لگتا۔" عثمان نے حسن پر ایک گہری نظر ڈالی پھر سامنے پڑی فائل اپنی طرف کھینچ لی۔

❀ .... ❀ .... ❀

"اے اللہ پلیز پلیز عثمان حسن کو کچھ نہ بتائیں، میری زندگی ختم ہو جائے گی۔" ماہ نور لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ کر بے چینی سے سوچتی اور ہاتھوں کی پشت سے پسینہ صاف کرنے لگی۔ "اگر اس نے یہ بھی بتا دیا کہ میں اور وہ ایک ہی کالج میں تھے تو پھر حسن کا مجھ پر سے یقین ہی اٹھ جائے گا..... میں ایسا کروں گی آج حسن گھر آئیں گے تو میں خود ہی انہیں سب کچھ بتا دوں گی..... بس میرے اللہ عثمان اس بارے میں کچھ بھی بات نہ کرے۔"
"کون.....؟" ماہ نور نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔
"میں..... حسن....." ماہ نور نے دروازہ کھولتے ہوئے ایک گہری سانس بھری تو دیکھا کہ حسن کے ساتھ عثمان کے علاوہ تین نئے چہرے تھے۔ عثمان نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں جبکہ باقی چاروں بالکل نارمل تھے۔ اندر آ کر لاؤنج میں بیٹھتے ہی حسن نے تینوں دوستوں کا تعارف کروایا۔
"بھابی ہم نے سوچا اتنا اچھا موسم ہے..... تو آپ کے ہاتھ کے پکوڑے ٹرائی کر لیتے ہیں۔" سلمان نے کہا۔
"جی کیوں نہیں، میں ابھی بناتی ہوں۔" ماہ نور نے خود کو

نارمل کرنے کی سعی کی۔

''ویسے بھابی کی کوالیفیکیشن کیا ہے۔'' ماہ نور کی سانس اور قدم دونوں یک دم جم گئے جبکہ عثمان نے بھی حسن کو ایک دم دیکھا۔

''بی ایس سی آنرز کیا ہے سائیکولوجی میں۔'' حسن نے بتایا۔

''اچھا پھر بھابی عثمان کا پہلے علاج کرنا...... اسے پچھلے کچھ عرصے سے سائیکولوجسٹ یا سائیکاٹرسٹ کی کافی ضرورت ہے۔'' حماد نے عثمان کی طرف طنز بھری نظروں سے دیکھا۔ ماہ نور بمشکل مسکراتے ہوئے اندر آ گئی پھر وہ سب اپنی ہی باتوں میں مشغول ہوگئے۔ جب ماہ نور نے ٹرے سجا کر سامنے رکھی تو حماد کی نظر اس کی کلائی پر لگے سٹیچز کے نشان پر پڑی' نظر تو وہ سب کو آیا لیکن موضوع حماد نے شروع کیا۔

''یہ کیا ہوا بھابی...... کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ تو نہیں کافی گہری چوٹ لگتی ہے۔''

''نہیں دراصل کالج میں ایک سینئر کی پنش کی زد میں آ گئی تھی......'' ماہ نور نے حسن کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔

''اوہ اتنی ظالمانہ پنش۔'' سلیمان بولا۔

''غلطی بھی تو آپ کی اپنی تھی ناں۔'' عثمان جو نہیں بولنا چاہ رہا تھا بول گیا تو ہال میں سناٹا چھا گیا۔ حسن نے کپ ہونٹوں سے دور کیا اور ماہ نور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''وہ دراصل...... آپ تو میری جونیئر رہ چکی ہیں ناں...... تبھی پہلے بھی مجھے لگ رہا تھا کہ میں آپ کو پہلے کہیں دیکھ چکا ہوں۔ ویسے ہماری بھابی پورے کالج میں پراؤڈی گرل کے نام سے مشہور تھیں تو کافی لوگ ان سے جیلس بھی ہوتے تھے تو یہ واقعہ کافی مشہور ہوا تھا کہ ان سے کسی سنیئر لڑکے نے لوڈ ٹاک کی تھی تو بھابی کے تھپڑ مارنے پر اس نے ان کا ہاتھ مروڑ دیا تھا۔'' عثمان نے لمبی سی کہانی سنائی تو سارا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ جبکہ حسن بے تاثر ماہ نور کو دیکھ رہا تھا جو کہ بالکل بے حس وحرکت کھڑی تھی عثمان نے بھی حسن کی نظروں کا تعین کیا تو فوراً بولا۔

''ویسے ایک بات ہے بھابی کریکٹر کے لحاظ سے اتنی اسٹرانگ تھیں کہ جہاں ایک نقاب پوش لڑکی کو دوپٹہ گلے میں ڈالنا پڑتا تھا وہاں بھابی کا سر ہمیشہ دوپٹے سے ڈھکا رہتا اور نظریں ہمیشہ نیچی رہتیں...... کسی سے بھی فالتو بات نہ کرتیں......'' عثمان نے بھی جھوٹ کی انتہا کردی تو ماہ نور نے بھی مسکرانے کی کوشش کی کیونکہ اب حسن کی آنکھوں میں ایک فخریہ سی چمک تھی۔

......❀......

''نہیں آپی میں نے اس کو دیکھا ہے بات کی ہے' غلط فہمی کیسے ہوسکتی ہے۔''

''یہ تو حیرت کی بات ہے تم لوگ ملے بھی تو کس رشتے سے۔'' انوشہ نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

''بس حسن کو کچھ بھی پتہ نہ چل جائے' میری شادی شدہ زندگی میں فل اسٹاپ لگ جائے گا۔''

''تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔ کیا تم اس کے ساتھ کبھی ڈیٹ پر گئی ہو' اس کی گرل فرینڈ رہ چکی ہو یا نمبر ایکسچینج ہوئی تھی۔''

''توبہ...... ایسے نہ ہوا نہ ہوسکتا تھا۔''

''پھر اتنی ڈری ہوئی کیوں ہو؟ ڈرنا تو اسے چاہیے کہ اس نے تمہیں پرپوز کیا تھا...... اگر یہ اس کے دوست کو پتہ چل گیا تو اس کی دوستی کا کیا حال ہوسکتا ہے۔''

''لیکن آپ حسن کو نہیں جانتی...... جو حال ان کی دوستی کا ہوسکتا ہے اس سے برا ہماری شادی کا ہوسکتا ہے۔ آخر میں بیوی ہوں ان کی۔'' اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کردیا تھا۔

آج تو حسن کا انتظار کچھ زیادہ شدت سے کیا جا رہا تھا اور ہر لمحہ سست ہو رہا تھا' جیسے ماہ نور کی بے چینی اور انتظار سے لطف لے رہا ہو۔ چھ ماہ کی مدت میں ماہ نور نے بھی حسن کا اتنی شدت سے انتظار نہیں کیا تھا' آخر کار بیل بجی اور حسن آ گئے' کافی تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

''حسن...... وہ...... میں......'' ماہ نور سے اب رہا نہیں گیا حسن نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ماہ نور کی ہمت جواب دے گئی۔

''آپ چینج کرلیں...... میں کھانا لگا دیتی ہوں۔''

''ہاں...... پھر ایک کپ چائے کا بھی لوں گا۔ میرا سر

پھٹا جارہا ہے۔" حسن نے کن پٹیوں کو مسلتے ہوئے کہا اور کمرے میں چلا گیا کھانے کے دوران معمول کی باتیں چلتی رہیں جب ماہ نور کمرے میں چائے لے کر گئی تو حسن کوئی فائل چیک کرنے میں مشغول تھے۔

"آپ کو پتہ ہے آج میری طبیعت خراب ہورہی تھی تو میں ڈاکٹر کی طرف گئی۔" ماہ نور نے کپ تھماتے ہوئے کہا تو حسن نے یک دم اس کو دیکھا۔

"کیوں خیریت تھی کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

"کچھ خاص نہیں......بس یہی کہ کیپٹن حسن عباس اور مسز حسن عباس مما پاپا بننے والے ہیں۔" حسن نے فوراً سے فائل بند کی اور اپنے گھٹنوں پر کمبل ڈالتی ماہ نور کو دیکھا۔

"سچ......!" حسن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"مچ......!" ماہ نور نے بیڈ کی دوسری طرف بیٹھتے ہوئے کہا پھر یک دم جیسے اسے کچھ یاد آ گیا اٹھ کر جانے لگی تو حسن جلدی سے دروازے کے سامنے آ گئے۔

"اب تم کہاں جارہی ہو......؟"

"برتن دھولوں ناں جلدی سے پھر آتی ہوں۔"

"نہیں اب تم کوئی کام نہیں کروگی......صرف ریسٹ کروگی۔ یقیناً ڈاکٹر نے بھی یہی کہا ہوگا۔"

"ان کا کیا ہے......ہر پیشنٹ کو یہی کہتے ہوں گے۔"

"لیکن تم صرف ریسٹ ہی کروگی۔"

"اچھا جی......لیکن ابھی تو میں تھوڑا سا کام ختم کرلوں۔"

"میں ملازم رکھ لیتا ہوں۔" حسن بھی اب مسکرا رہا تھا آگے بڑھ کر ماہ نور کو سینے سے لگا لیا۔

"تمہیں پتہ نہیں ہے کہ ہمارا رشتہ کتنا مضبوط ہوگیا ہے۔"

"یعنی اب میں آپ سے کبھی بھی جدا نہیں ہوں گی۔" ماہ نور نے دل میں کہا۔

......❀......

اب شاید عثمان کو نہ ہی اس سے کوئی خوف تھا اور نہ ہی ماہ نور کو کوئی ڈر وہ بھی ان کے گھر بے تکلفی سے آنے جانے لگا تھا۔ حسن نے ایک دن باتوں باتوں میں کہا۔

"اگر تم میرا دل ہو تو......عثمان میرا گردا ہے اگر تم میری جان ہو تو عثمان میری روح۔"

ایک روز حسن نے بتایا کہ ان کے کورس کی گیٹ ٹو گیدر ہے اور ماہ نور کو بھی ساتھ چلنا ہے۔ ماہ نور نے بہت خوب صورت سلک کی بلیک ساڑی زیب تن کی جبکہ حسن نے بلیک پینٹ کوٹ اور بلیک ہی ٹائی بھی پہنی۔ دونوں خوب صورت لگ رہے تھے۔ تیار ہونے کے بعد حسن ماہ نور کے ساتھ شیشے کے پاس کھڑا ہوا اور فخریہ سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیسٹ کپل آف دی ورلڈ......"

"جی میں نے تو تعریف نہیں کی......آپ اپنے ہی منہ میاں مٹھو بن رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے ماہ نور لاؤنج کی طرف بھاگی کہ اچانک سے اس کا پاؤں ساڑی میں الجھ گیا اور زمین پر گرنے لگی حسن نے فوراً آگے بڑھ کر اسے تھاما اور گرنے سے بچالیا۔ جب دونوں کچھ لمحے کے بعد اس حیرت سے نکلے تو حسن چلا کر بولا۔

"تمہیں کتنی بار کہا ہے سنبھل کر چلا کرو مگر تم بھاگ رہی ہو۔ عقل تو بالکل ختم ہوچکی ہے ناں تم میں......مگر تم میری ہر بات ایک کان سے سنتی ہو اور دوسرے سے نکالتی ہو...... پتہ نہیں کب تم مجھے دوست نہیں شوہر تسلیم کروگی......" وہ تلخی سے بولا۔

"آئی ایم سوری حسن......" ماہ نور نرمی سے بولی۔

"نہیں تم میری بات مت سننا......ابھی تک تمہارا بچپن نہیں گیا......تم خود کو ابھی بھی تیرہ چودہ سال کی بچی سمجھتی ہو۔"

"سب ٹھیک ہے مجھے کچھ نہیں ہوا۔"

"اگر ہوجاتا تو؟"

"دوبارہ ایسا نہیں ہوگا......ٹھیک ہے۔" ماہ نور نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تم میری بالکل کیئر نہیں کرتی جن باتوں میں بچی ہوں تم وہی کرتی ہو۔"

"حسن اگر مجھ سے تھوڑی سی بے پروائی ہوگئی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں آپ کی کیئر نہیں کرتی۔" ماہ نور کی آنکھوں سے آنسو چھلک آئے۔

"یوں کہ اب میں غصہ کرنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا ہوں۔"
"آپ ہر بات کو غلط رنگ دیتے ہیں۔" ماہ نور بھیگے لہجے میں بولی۔
"اچھا اٹھو اب ہم لیٹ ہو رہے ہیں جلدی کرو......" حسن نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"میری طبیعت خراب ہے...... آپ اکیلے چلے جائیں۔"
"کوئی بات نہیں تھوڑی آؤٹنگ ہو جائے گی اچھا فیل کرو گی۔" حسن نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔
"آپ پلیز مجھ پر غصہ مت کیا کریں......" ماہ نور کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور آنسو جاری تھے۔
"ماہ نور تم میرے غصے کو نہیں اس کے پیچھے چھپے پیار کو دیکھا کرو۔" حسن نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا...... ماہ نور اب مسکرا رہی تھی۔

......❀......

آج رات کی یہ لڑائی ان کی پہلی لڑائی تھی اس کے بعد جب وہ گیزن کلب آئے جہاں سب پہنچ چکے تھے کچھ کنوارے، کپتان اور کچھ بچوں کے ساتھ وہاں پر بھی سب نے ان دونوں کی تعریف کی۔ جن میں عثمان بھی شامل تھا کھانے کے بعد میوزیکل ایوننگ کا اہتمام بھی کیا گیا ماہ نور کے لیے یہ سب نیا نہیں ہے کیونکہ وہ سب کچھ پہلے بھی اٹینڈ کرتی رہی تھی فرق صرف یہ تھا پہلے وہ آرمی آفیسر کی بیٹی کی حیثیت سے جاتی تھی اب وہ آرمی آفیسر کی بیوی کی حیثیت سے آئی تھی جو کہ اس کا بہت بڑا ارمان تھا خواب تھا۔
"آج سب سے پہلے میں ہمارے نئے شادی شدہ جوڑے کو ویلکم کرنا چاہتا ہوں پھر ہماری نئی بھابی مسز حسن سے ریکویسٹ ہے کہ اچھا سا گانا حسن کو ڈیڈیکیٹ کریں۔" عثمان کی اس اناؤسمنٹ پر ماہ نور نے سب کی تالیوں کی گونج سے گھبرا کر حسن کو دیکھا جو کہ اس کے سامنے بیٹھے اب مسکراتے ہوئے منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگا، ماہ نور نے اپنے پسندیدہ گانے کے چند بول سنا دیے۔
تجھ سے شروع ہوئی، تجھ پہ ہی ختم ہو
دنیا میری دنیا دنیا میری
یہ بات دل میں تھی نینوں نے بول دی
میں تیری، میں ہوں تیری
تجھ کو ہی یاد کر کے آہیں بھروں میں
مل کے مل نہ پاؤں اب کیا کروں میں
تیرے مست مست دو نین میرے دل کا لے گئے چین
اس پر بہت تالیاں بھی بجیں اور ہوٹنگ بھی ہوئی اس کے بعد ایک گیم ہوئی جس میں حسن پر ڈیئر آ گیا۔
"تم نے ایسا کرنا ہے یہاں بیٹھی تمام بھابیوں میں سے کسی ایک بھابی کو جو کہ سب سے پیاری لگ رہی ہوں ان کو یہ چاکلیٹ دینی ہے۔" لیفٹیننٹ کامران نے حسن کو ڈیئر دیا۔
"لیکن وہ بھابی آپ کی اپنی ہی ہونی چاہیے نہ کہ کسی اور کی۔" حسن کو دھمکانے والے انداز میں سلمان نے ہنس کر کہا سب ہنسنے لگے حسن نے اتنی دیر نہیں لگائی بلکہ فوراً جا کر چاکلیٹ تہمینہ یعنی مسز سلمان کو دے دی جو کہ اسکارف میں تھی لیکن بہت نفیس لگ رہی تھیں۔
"اچھا چلیں چھوڑیں نا، کہیں آئسکریم کھانے چلتے ہیں۔"
"مجھے نیند آ رہی ہے۔ سیدھا گھر چلیں گے۔" حسن نے سپاٹ لہجے میں کہا تو ماہ نور ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

......❀......

گھر آ کر یہی خاموشی رہی...... ماہ نور کپڑے لے کر ڈریسنگ روم کی طرف گئی۔ جب باہر آئی تو حسن بیڈ روم میں نہیں تھا۔ ماہ نور نے سوچا شاید واش روم میں ہوں کافی دیر انتظار کے بعد پتہ چلا کہ حسن واش روم میں تو کیا گھر میں ہی نہیں ہیں۔ مارے خوف کے ماہ نور نے حسن کو فون کیا' اب باہر بارش بھی تیز ہو چکی تھی۔ گرج چمک کے ساتھ' حسن فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ مسلسل بیل جا رہی تھی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ ماہ نور انتہائی خوف کے عالم میں تھی اتنے خوف ناک موسم میں حسن اسے اکیلے چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔ دو گھنٹے مسلسل گمشدگی کے بعد آخر نمبر مل گیا۔
"حسن آپ کہاں ہیں؟"

''میں بس آ رہا ہوں۔''
''آپ کہاں چلے گئے ہیں مجھے اس طرح چھوڑ کر......'' اب ماہ نور رونے لگی۔
''اچھا پلیز تم رومت میں پہنچ رہا ہوں ناں۔''
''آپ جلدی آ جائیں میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔''
''دو منٹ رک جاؤ میں بس پہنچ گیا ہوں۔'' حسن اب بچوں کی طرح اسے بہلا رہا تھا۔ پانچ منٹ بعد ڈور بیل بجی تو ماہ نور تقریباً بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف گئی وہ اس کے سینے سے لگنے ہی والی تھی کہ جھٹکے سے پیچھے ہوئی وہاں عثمان کھڑا تھا۔ جو اس کی بے چینی اور گھبراہٹ کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔
''کیا ہوا بھابی......؟''
''حسن کہاں ہیں...... وہ آپ کی طرف گئے تھے کیا......؟'' ماہ نور نے الٹا اس سے سوال کر دیا۔
''کیوں وہ گھر پر نہیں ہے...... اس وقت کہاں چلا گیا ہے وہ۔''
''میں نے ان کو فون کیا تھا کہہ رہے تھے ابھی پہنچ رہا ہوں، اتنا ٹائم تو ہو گیا ہے وہ ابھی تک نہیں آئے......'' ماہ نور نے مشکل سے اپنے آنسو روکتے ہوئے کہا۔
''آپ پریشان نہ ہوں...... میں دیکھ لیتا ہوں۔'' عثمان نے اس کو حوصلہ دینے کی کوشش کی اور پھر بارش سے بچتا ہوا گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔
عثمان کو گئے ہوئے پندرہ منٹ گزرے تھے کہ پھر سے ڈور بیل بجی۔ ماہ نور کا تو برا حال تھا پھر بھاگتی ہوئی گئی تو اب واقعی حسن ہی تھے۔ ماہ نور پہلے اس کے سینے سے لگ کر بہت روئی پھر جھٹکے سے پیچھے ہٹ کر بولی۔
''یہ طریقہ ہوتا ہے سبق سکھانے کا' آپ مجھے کیوں ہمیشہ آزماتے ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میں کیسے مر سکتی ہوں؟''
''کیا ہوا ہے ماہ نور...... میں ایک ضروری کام سے چلا گیا تھا۔ اب تمہارے سامنے کھڑا ہوں بالکل صحیح سالم......''
''لیکن بتا کر تو جا سکتے تھے ناں میں نے......''
''میں تو یہ لینے گیا تھا۔'' ماہ نور شکایت بھی پوری نہ کر سکی کہ حسن نے ایک شاپر آگے کرتے ہوئے اس کا منہ بند کر دیا۔ اس شاپر میں آئسکریم نہیں بلکہ حسن کا پیار تھا جو وہ ہر لمحے اس پر ظاہر کرنا چاہتے تھے۔
''تو مجھے آپ بتا تو دیتے۔''
''آئی ایم سوسوری۔'' حسن نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔ ''وہ اسلام آباد سے ٹیوٹی فروٹی فلیور نہ ملا تو مجھے پنڈی جانا پڑا۔''
''چلو اب چھوڑو ناں...... ہم آئسکریم انجوائے کرتے ہیں۔''

***

انوشہ اور تیمور آج ان سے ملنے سیدھے لاہور سے اسلام آباد آئے تھے۔ ساتھ میں عبداللہ بھی تھا بالکل تیمور پر گیا تھا اور حسن کو بہت اچھا لگتا تھا۔ چائے سرو کرتے ہوئے ماہ نور کی طبیعت خراب ہو گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ انوشہ اور تیمور نے بات کو زیادہ بگڑنے نہ دیا اور فوری طور پر ہسپتال پہنچا دیا اور حسن کو بھی انفارم کر دیا۔ ڈاکٹرز نے گھر والوں کو اس بات سے آگاہ رکھنا ضروری سمجھا کہ دونوں جانوں کو خطرہ ہے کسی ایک کو بچانا ممکن ہے۔ سنبل نے ایک دم کہا۔
''ہمیں ہمارا بھتیجا' بھتیجی چاہیے۔'' سب اس کی اس بات پر چونک گئے۔
''ماہ نور کو ہی بچائیں۔'' حسن نے ایک زہریلی نگاہ سنبل پر ڈالی' ابرار فیملی بھی آ گئی تھی۔ حسن کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں لیکن وہ سارا وقت کہاں تھا یہ صرف عثمان جانتا تھا' کیونکہ عثمان جب اس سے ملنے ہسپتال آیا تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا تو ڈھونڈنے پر دیکھا کہ حسن یونیفام میں ملبوس ایک پرائیویٹ روم میں جائے نماز پر بیٹھا ہچکیوں کے ساتھ رو رہا ہے اور اللہ کے حضور ماہ نور کی زندگی کی دعا مانگ رہا ہے۔
''اے اللہ تو میرے حصے کی خوشیاں اور زندگی بھی ماہ نور کے نصیب میں لکھ دے......'' حسن کی دعا پر عثمان ششدر رہ گیا۔ عثمان کو دیکھتے ہی حسن نے آنسو پونچھے اور بمشکل مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ آپریشن تھیٹر کی طرف آ گیا۔ عثمان کو دل ہی دل میں یہ بات عجیب سی کشمکش کی طرف لے گئی۔ اللہ نے ماہ نور ابرار کو اس کے نصیب میں کیوں نہ لکھا اس کا جواب وہ اب سے کچھ دیر

پہلے بخوبی سمجھ چکا تھا۔
''ابھی مسز حسن عباس کو ہوش نہیں آیا فی الحال ہم ان کو وارڈ میں شفٹ کررہے ہیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد آپ ان سے مل سکتے ہیں۔'' ڈاکٹرز نے باہر آتے ہی اطلاع دی تو سنبل ڈاکٹر کی طرف لپکتی ہوئی بولی۔
''اس کو چھوڑیں...... ہمارا بھتیجا کہاں ہے؟''
''معاف کیجیے گا...... مگر ہمارے بس میں صرف ایک ہی جان کو بچانا تھا۔''
''مطلب کہ آپ نے اس کی خاطر ہمارے بھتیجے کو موت کے گھاٹ اتار دیا......''
''سنبل خدا کا شکر کرو ماہ نور کو کچھ نہیں ہوا ورنہ......'' مسز عباس نے حسن کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے جلدی سے کہا۔
''ورنہ کیا...... ایسی......'' سنبل مزید کچھ بولنا چاہتی تھی۔
''میرے خیال میں امی آپ لوگ اس کو لے کر گھر چلے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔'' حسن کے بڑے بھائی ذیشان نے سنبل کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔ جو کہ انتہا درجے کی بدلحاظ لڑکی ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔
......❁......
''امی جان...... حسن کہاں ہیں۔'' ماہ نور کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ اپنی ساس سے حسن کا پوچھنے لگی۔
''پتہ نہیں بیٹا۔ تم فی الحال آرام کرو...... وہ آتا ہی ہوگا۔'' مسز عباس کے بھی آنسو جاری تھے۔
''پلیز انہیں بھیجیں ناں...... میرے دل کو کچھ ہوجائے گا۔'' ماہ نور نے اس بار اپنی ماں کا ہاتھ تھامتے ہوئے بچوں کی طرح ضد کی تو انہوں نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔
''میری جان...... تم آرام کرو...... وہ شاید آفس تک گئے ہوں...... آجائیں گے اور تم رومت' طبیعت خراب ہوجائے گی۔'' لاریب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
''حسن یقیناً مجھ سے ناراض ہیں۔'' ماہ نور نے زور سے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے دل میں سوچا۔
''پلیز آپ لوگ ایک ایک کرکے پیشنٹ سے ملیں۔'' نرس نے جلدی سے اندر آکر کہا تو سب باری باری ماہ نور کو پیار کرکے باہر چلے گئے صرف لاریب ہی اس کے پاس رہی۔
''بھابی آپ تو دیکھ لیں وہ کہاں ہیں...... ابھی تک کیوں نہیں آئے۔'' ماہ نور کو اندر ہی اندر ایک بے چینی کھائے جارہی تھی کچھ دیر بعد دوبارہ بولی۔
''ٹھہرو میں دیکھ کر آتی ہوں۔'' لاریب یہ کہہ کر چلی گئی لیکن سامنے سے آتے حسن کو دیکھ کر خود ویٹنگ ایریا میں جا کر بیٹھ گئی۔ حسن اندر داخل ہوا تو ماہ نور کی نگاہیں دروازے پر ہی تھیں' اسے دیکھ کر بمشکل ایک مسکراہٹ چہرے پر لائی۔
''حسن آپ...... آپ کہاں تھے؟'' ماہ نور نے آہستگی سے کہا تو حسن خاموشی سے اس کے پاس پڑے اسٹول پر بیٹھ گیا اور اس کا نازک سا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔
''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟''
''میں کیوں ناراض ہوں گا؟''
''آپ کو مجھ سے ناراض ہونا بھی چاہیے یہ سب کچھ صرف میری ہی بے پروائی سے تو ہوا......'' ماہ نور کے آنسو ٹپ ٹپ بہہ رہے تھے۔
''کیا مطلب ہے تمہاری بے پروائی سے...... یہ سب اللہ کے کام ہیں اس میں تمہاری میری بے پروائی یا ذمہ داری کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔''
''تو پھر آپ اتنی دیر سے کیوں آئے......؟''
''یار تم تو منٹ کی دوری برداشت نہیں کرسکتیں اللہ جانے آگے کیا ہوگا۔ تم ایک آرمی آفیسر کی بیوی ہو اور تمہیں پتہ ہے آرمی آفیسر کی بیوی اپنے شوہر سے ایک رینک آگے ہوتی ہے۔ یعنی کہ تم میجر ہو تو پھر خوف کس بات کا......'' حسن نے اس کو موضوع سے ہٹانے کی کوشش کی تو وہ ایک بار بہت گہری نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی' حسن اس کے آنسو پونچھنے لگا۔
......❁......
اس حادثے کو گزرے سال ہوگیا تھا ان کی اسلام آباد سے ایبٹ آباد پوسٹنگ ہوچکی تھی ایک خوب صورت شام میں حسن اور ماہ نور ٹیرس پر بیٹھے چائے پی رہے تھے اور لان کی خوب صورت سرسبز گھاس پر بارش کا پانی پڑ رہا تھا اور ہلکی

سی چھینٹیں ان کے چہرے پر پڑ رہی تھیں اور دونوں اس سے بے حد لطف اندوز ہورہے تھے ماہ نور اس منظر سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

''حسن...... آپ کو شروع سے ہی بارش سے اتنا لگاؤ ہے یا کبھی کبھی ہوجاتا ہے۔''

''نہیں مجھے تو واقعی ایسی خوش گوار ٹھنڈی شام بے حد پسند ہے کیونکہ اس سے انسان خود کو قدرت کے بہت قریب محسوس کرتا ہے۔''

''لیکن یہ کچھ ہی دیر کا مزہ ہے بعد میں اس میں دم گھٹنے لگتا ہے۔''

''ہاں دم ان کا گھٹتا ہے جن لوگوں میں مستقل مزاجی نہیں ہوتی۔''

''حسن پتہ ہے کل عبداللہ کی برتھ ڈے ہے...... ہم لوگ چلیں گے ناں۔''

''ہاں تم نے بتایا بھی تھا...... میں بھول گیا۔''

''پھر ہم چلیں گے ناں۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' حسن نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا تو ماہ نور خوش ہوگئی۔

......❀......

برتھ ڈے سے واپسی پر حسن نے اسلام آباد جانے کا پروگرام بنایا تاکہ اپنے گھر والوں سے مل آئے، گھر پر کھانے کے بعد جب ماہ نور اوپر اپنے کمرے میں تھی تو نیچے ہال کی کچھ آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں۔

''بیٹا اب یہ تیسرا سال ہونے کو ہے تمہاری شادی کو...... میرے خیال میں ضرور کوئی مسئلہ ہے نہ تم ہماری طرف اپنی بیوی کو رہنے دیتے ہو نہ خود آتے ہو کیا تم یہ قربانیاں اس لیے دے رہے ہوتا کہ سنبل اور ماہ نور ایک دوسرے سے دور رہیں یا پھر ماہ نور کا ہی دل نہیں ہے ہماری طرف رہنے کو۔''

''مما آپ کیسی باتیں کررہی ہیں آج کل میں بہت زیادہ مصروف رہتا ہوں اور ماہ نور بھی ٹیچنگ کرتی ہے۔''

''اچھا حسن بیوی کے لیے اتنی آزادی اور جب آج سے چھ سال پہلے میں نے بینک میں جاب کرنے کا پوچھا تھا تو تم نے اور بھائی نے کتنا شور مچایا تھا۔''

''سنبل...... وہ ایک یونیورسٹی میں پڑھاتی ہے اور شریف گھروں کی بہنیں بیٹیاں بینکس میں جاب نہیں کرتیں اور میں ماہ نور کو اس چیز کی بھی اجازت نہ دیتا اگر وہ مینٹلی طور پر ڈسٹرب نہ رہنے لگتی۔''

''سچ بولوں حسن تو، تم نے اس کو بہت ہی زیادہ سر پر چڑھالیا ہے یہ بالکل بھی جائز بات نہیں کر بیوی کی اس طرح آزادیاں برداشت کرو اور دوسری طرف بہن پر اتنی پابندیاں۔''

''ہاں تو تم بھی ٹیچنگ کرلو ناں منع کون کرتا ہے، مگر بینک والا قصہ ہی الگ ہے۔''

''ہاں ظاہر ہے اس کی بھی مجھے تب ہی اجازت ملے گی جب مسز ماہ نور پہلے جاب کریں گی۔''

''یار سنبل تم ہر بات میں اس کو کیوں گھسیٹتی ہو۔''

''ہاں ویسے وہ ٹیچنگ کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی ہے۔ ایک تمہیں پاپا مجھے پھوپو اور ماما بابا کو دادا دادی بننے کی خوشی ایک بار بھی نہ دے سکی تو اس سے اور امید بھی کیا کی جاسکتی ہے۔''

''سنبل ایک بات بتاؤں...... تمہیں طلاق بھی تمہاری انہی باتوں پر ہوئی ہے۔'' یہ کہہ کر حسن جھٹ سے اٹھا اور بولا۔

''بس امی ہم چلتے ہیں۔''

''اچھا تو اب میں سمجھی کہ آپ سب ہمیشہ سے ہی مجھے کم تر کیوں سمجھتے تھے آخر کار بیوہ اور طلاق یافتہ بہنوں کا یہی مستقبل ہوتا ہے اپنی سو کالڈ بھابیوں کی وجہ سے۔''

''ماہ نور...... ماہ نور جلدی کرو...... ہم جارہے ہیں۔'' حسن چلا کر بولا تو ماہ نور تقریباً بھاگتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے آئی۔

''یار حسن بیٹھو آرام سے اس کی باتیں مت سنو...... پتا نہیں کس مٹی سے بنی ہو تم سنبل کسی کے جذبات کسی کے دکھ کا تمہیں کوئی لحاظ بھی نہیں ہوتا۔'' ذیشان نے حسن کو زبردستی بازو سے پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی مگر حسن نہ مانا، ماہ نور سر جھکائے چادر لیے ایک ہاتھ میں ہینڈ بیگ پکڑے ساس سے آگے بڑھ کر ملی اپنی جیٹھانی یعنی رابعہ سے مل کر ذیشان کے سامنے سر نیچے کیا۔ اس نے بھی بے

بسی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ حسن تیز قدموں سے باہر جاچکا تھا ماہ نور آہستگی سے ہال سے نکلتے ہوئے ایک بار پھر پیچھے مڑی، سب کے چہروں پر پریشانی تھی سر جھکائے واپس گاڑی کی طرف چلی گئی۔

''ہم کہاں جارہے ہیں......؟'' ماہ نور نے ایک طویل خاموشی کے بعد حسن سے پوچھا۔

''عثمان کی طرف......'' حسن نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''حسن آپ سنبل کی باتوں کا برا مت مانا کریں۔ وہ بہتا وٹ اسپوکن ہے۔ پھر ہم بات کو کیوں بڑھائیں۔''

''ایسے لوگوں کو آؤٹ اسپوکن تمہاری ڈکشنری میں کہا جاتا ہوگا' میں ایسے لوگوں کو بددماغ اور بدتمیز کہتا ہوں۔''

''اچھا اب رہنے بھی دیں۔ آپ نے بھی حساب برابر کردیا ناں پھر غصہ کس بات کا۔''

''ہر بات برداشت کی جاسکتی ہے مگر......''

''مگر میری بے اولادی والی نہیں...... ہیں ناں۔'' ماہ نور نے اپنی دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی انگوٹھی سے کھیلتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''نہیں...... اس کو بے اولادی نہیں کہتے۔'' حسن نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں حسن یہ فیکٹ ہے اور ہمیں بھی اس کو ایکسیپٹ کرلینا چاہیے۔''

''تم کیوں مایوسی والی باتیں سوچ رہی ہو۔''

''حسن میں مایوس نہیں ہوئی تھی لیکن اب ہوگئی ہوں' کیونکہ آپ مجھ سے زیادہ مایوس ہوگئے ہیں۔''

''تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں تم سے......''

''کسی کے کہنے کی ضرورت ہے ہی نہیں۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ اگر مایوس نہ ہوتے تو سنبل کی اس بات پر اتنے ہائپر نہ ہوتے۔ اس حادثے کے بعد اتنے کم گو نہ ہوتے' عبداللہ سے آپ کا لگاؤ ختم نہ ہوجاتا۔ سمیرہ (تیمور کی بہن) کا ہمارے بچوں کا پوچھنے پر خاموشی سے سر نہ جھکا لیتے۔'' ماہ نور کی آواز بھرائی اور آنکھوں سے آنسو برسنے کو بے تاب ہونے لگے تھے لیکن حسن شاکڈ سا اس کی ہر بات غور سے سن رہا تھا۔

''ماہ نور یہ کب سے تمہارے اندر لاوا پک رہا تھا۔'' حسن نے شریر مسکان کے ساتھ اس کو روتے دیکھا۔

''تو کیا میں کچھ غلط کہہ رہی ہوں۔''

''جی میم...... آپ کچھ بھی نہیں بلکہ سب کچھ غلط کہہ رہی ہیں۔'' ماہ نور نے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسے دیکھا لیکن اب وہ فون پر کسی سے بات کررہا تھا۔

''ہاں...... ہم تیری ہی طرف آرہے ہیں۔ کھانا تیار کروالے۔''

''ٹھیک ہے پھر...... ہم پندرہ بیس منٹ تک پہنچ رہے ہیں۔''

''کس کا فون تھا......؟''

''عثمان کا تھا......''

''انہوں نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی......؟''

''اللہ اللہ کر کے تو اس نے منگنی کی ہے اور شادی کا فی الحال کوئی امکان نہیں۔''

''حسن......'' ماہ نور نے ایک بار پھر حسن کو اپنی جانب متوجہ کیا تو اس نے بھی مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی تھی ناں......''

''تم ایسی باتیں کیوں سوچتی ہو...... اگر اللہ ہمیں پوری زندگی بھی اس خوشی سے محروم رکھے تو اس کی عطا کی گئی اور بھی کافی وجوہات ہیں ڈھیر ساری خوشیاں اور امیدیں ہیں جینے کے لیے۔'' حسن کا لہجہ واقعی پُرامید تھا۔

ماہ نور آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں اور ایک پُرامید مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھنے لگی اور پھر حسن کے شانے پر سر رکھ کر کہنے لگی۔

''آپ ہی تو میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی' سب سے بڑی امید اور اہم وجہ ہیں۔'' حسن بھی مسکرادیا۔

......❁......

''ہاں میری بھی منگلہ پوسٹنگ ہوگئی ہے۔ میں تو خوش تھا یہاں پر ہی۔'' عثمان اب ان کے کمرے میں بیٹھا تھا جو کہ حسن نے ابھی ابھی بک کروایا تھا۔ ویٹر کچھ دیر پہلے کافی کا آرڈر لے کر گیا تھا۔

''یار آرڈیننس والوں کے یہی تو مزے ہیں۔ سوفٹ سوفٹ سارے کام ان کے حوالے ہوتے ہیں۔ آلو' پیاز' ٹماٹر وغیرہ۔'' حسن نے پاؤں سے جوتے اتارتے ہوئے

طنز مارا اور مسکرانے لگا۔

"اوہیلو..... جس کو آپ پیاز ٹماٹر کہہ رہے ہیں یہ سب بھی کافی ذمے داری والا کام ہوتا ہے۔"

"بہرحال آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آرٹلری والوں کی جتنی ٹف لائف ہے اتنی کسی چوبیس گھنٹے کام کرنے والے مزدور کی بھی نہیں ہوتی ہوگی۔"

"ہاں..... وہ تو میں دیکھتا ہی رہتا تھا تجھے تو جو آٹھ بجے اٹھ کر آرام آرام سے آفس کے لیے تیار ہوتا تھا اور ایک بجے گھر بھاگنے کی کرتا تھا۔" عثمان نے بھی حساب پورا کرنا فرض سمجھا۔

"اچھا مجھے بھی پتہ ہے جو آپ کی ٹف زندگیاں ہیں اور جتنے پابند ہیں آپ لوگ وقت کے....." ماہ نور نے ہنستے ہوئے ویٹر سے ٹرے لی اور ان دونوں کی طرف نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے تمہارے اپنے والد حضور بھی تو بلوچ رجمنٹ کے تھے ان کی بھی کافی آرام دہ زندگی تھی ناں۔"

"جی نہیں حسن..... بابا جب ایکسرسائز کے لیے جاتے تھے تو ہماری کیسی کنڈیشن ہوتی تھی، وہ آپ ہم سے پوچھیں۔"

"ہاں ویسے بلوچ رجمنٹ والے کیا سارے ہی آرمی والوں کی چاہے وہ آفیسرز ہوں یا جے سی اوز لائف ٹف ہوتی ہے۔"

"اور ماہ نور جب میں وارزون میں چلا گیا تو تب تب تمہارا کیا حال ہوگا۔" حسن نے کافی کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

"اللہ نہ کرے حسن..... اس بات کا امکان بھی نہیں ہے۔"

"نہیں امکان تو نہیں ویسے..... لیکن یہ پی ایم اے میں ٹاپ ٹین کی لسٹ میں آیا تھا اور اس بے وقوف نے آرٹلری کا سلیکشن کر کے پورے پلاٹون کو حیران کر دیا تھا بھابی۔" عثمان نے کپ اٹھاتے ہوئے ماہ نور کو ہلکے پھلکے سے انداز میں کہا تو ماہ نور نے حیرت سے حسن کو دیکھا۔

"اچھا..... تو یہ ٹاپ ٹن..... یعنی آپ والنٹیئر تھے رائٹ۔"

"خود کو خطرے کے لیے یعنی سیاچن وغیرہ کے لیے پیش کرے وہ والنٹیئر ہوگا۔ میں نے تو ایک پیٹریوادٹک (محبِ وطن) ہونے کے حوالے سے اس پُرجوش کور کا انتخاب کیا تھا لیکن شکر ہے کہ ابھی تک کسی ایسے خطرناک کام کا کوئی امکان نہیں۔" اب وہ تینوں ہنستے ہوئے کافی پی رہے تھے کچھ دیر بعد عثمان بھی چلا گیا۔

"شکر ہے کہ آپ کا موڈ ٹھیک ہوا۔"

"یار عثمان کی موجودگی میں بھلا میرا موڈ خراب رہ سکتا ہے۔"

.....❀.....

"نہیں امی..... ہم عبداللہ کی برتھ ڈے کے بعد سے یہیں اسلام آباد میں تھے۔ پھر آپ کی طرف نہ آسکے پھر واپس ایبٹ آباد چلے گئے۔" ماہ نور لاریب اور مسز ابرار کو بتا رہی تھی۔

"اچھا اچھا..... تمہارے سسرال میں خیریت ہے۔"

"جی امی..... بس ابو جی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔"

"اور سناؤ..... حسن کی پیکنگ کمپلیٹ ہوگئی۔" ارسلان اپنے یونیفارم کی کیپ سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کس چیز کے لیے.....؟" ماہ نور نے ہنستے ہوئے پوچھا حسن بوکھلا کر ارسلان کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"یار یہ وارزون پر جو.....!"

"سر..... آئیں ذرا باہر..... مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" حسن یک دم کھڑا ہو کر ارسلان سے بولا۔

"ایک منٹ..... پیکنگ وارزون..... حسن..... یہ کیا ہے..... حسن آپ لوگ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہ کریں..... مجھے بتائیں ناں..... آپ سچ میں وارزون جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔" ماہ نور شاکڈ سی جلدی جلدی بول رہی تھی۔

"ہاں لیکن یہ سب میں ابھی کسی کو نہیں بتانا چاہ رہا تھا..... تم اور امی دونوں وہمی ہو۔"

"تو آپ ہمیں بغیر بتائے جا رہے تھے۔"

"نہیں ابھی کل اور پرسوں کا دن ہے، فرائیڈے کو جانا ہے۔" ماہ نور پُرسکون مزاج سے بولتے حسن کو دیکھنے لگی۔

"پھر تو تھوڑا ٹائم ہے بیٹا تم لوگ پیکنگ کمپلیٹ

کرلو...... ورنہ بعد میں پرابلم ہوگی۔"
"جی آنٹی ہم ابھی نکل رہے ہیں...... کافی کام بھی پینڈنگ پڑے ہیں۔"

"ماہ نور تم نے اس طرح رونا شروع کردیا ہے جیسے میرے جانے کی نہیں شہید ہونے کی اطلاع سن......"
"حسن...... پلیز...... خدا کے لیے...... ایسی باتیں مت کریں۔" ماہ نور جو کہ گھٹنوں میں منہ دیئے رو رہی تھی یک دم عاجزی سے بولی۔
"تو پھر...... یہ تمہیں رونا کیوں آرہا ہے؟" حسن نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔
"حسن...... آپ تو چلے جائیں گے اور وہاں اپنی بہادری ودلیری کے خوب مظاہرے کریں گے...... لیکن یہاں میری جان سولی پہ لٹکی رہے گی جب تک آپ یوں ہی ہنستے مسکراتے واپس نہیں آجائیں گے اور تب تک میں نہ جانے کتنی باتیں رولوں گی۔" ماہ نور نے اپنے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں پونچھنے کی ناکام کوشش کی۔
"اچھا تو یہ ہے ساری بات دراصل...... میم یہ باتیں تو آپ کو ایک آرمی آفیسر سے شادی کرنے سے پہلے سوچنی چاہئے تھیں ناں...... اب کیا پچھتائے ہوت جب چڑیا چگ گئی کھیت۔"
"میں پچھتا نہیں رہی بلکہ فکر کررہی ہوں۔"
"بہرحال اگر تم مجھے یوں روتے ہوئے رخصت کروگی تو میں ضرور پچھتاؤں گا۔"
"اوہ پلیز حسن...... آپ میری فیلنگز کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کررہے ناں۔"
"کم آن ماہ نور...... میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ موت کے ڈر سے انسان سانس لینا چھوڑ دے کہیں یہ اس وقت ختم ہی نہ ہوجائے...... موت تو برحق ہے یہ چار دیواری کے اندر بھی آسکتی ہے اور باہر بھی' پھر ڈرنے کا فائدہ...... کام وہی اچھا جس میں فائدہ ہو لیکن نقصان نہ ہو...... پھر......" حسن نے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ بھرلیا تو وہ ٹپ ٹپ بہتے آنسوؤں کے ساتھ اس کی چمکتی آنکھوں کو دیکھنے لگی۔
"میں جانتی ہوں...... مگر اس وقت کا تصور بھی مجھے خوف زدہ کردیتا ہے کہ آپ کے بغیر......" حسن نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"بھابی تقریباً مہینہ ہوگیا ہے...... لیکن لگتا ہے صدیاں گزر گئیں ہیں۔" ماہ نور تہمینہ کو بتارہی تھی جو اپنے دونوں بیٹوں اور سلمان کے ہمراہ ماہ نور کی خبرگیری کے لیے آئی تھی۔
"ہاں...... جب یہ بھی سیاچن گئے تھے تو میری سانس ہر وقت اٹکی رہتی...... ویسے ماہ نور یہاں اکیلے ڈر نہیں لگتا اپنی امی کی طرف چلی جاتی ناں۔"
"نہیں بھابی...... ارادہ تو ان لاؤ میں رہنے کا تھا مگر ساس سسر عمرے کے لیے گئے ہیں۔ سنبل گاؤں چلی گئی ہیں اور رابعہ بھابی تو ذیشان بھائی کے امریکہ جانے کے بعد اپنی امی کی طرف چلی گئی تھیں تو میں نے اپنے گھر پر رہنا مناسب سمجھا۔"
"ہاں ویسے یہ بڑے حوصلے والی بات ہے' ورنہ میرے بھی یونٹ آفیسرز کی فیملیز ہیں' اسکول گوئنگ بچوں کو لے کر میکے یا سسرال جا بیٹھتی ہیں ہزبینڈ کے وارزون پر جاتے ہی۔" سلمان نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ماہ نور برتن لے کر کچن میں گئی تو تہمینہ بھی اس کے پیچھے آ گئی۔
"ویسے تم نے ابھی تک نہیں بتایا حسن بھائی کو...... چار مہینے تو ہونے کو ہیں' کیوں......؟" تہمینہ نے آہستگی سے کہا تو ماہ نور مسکرائی۔
"بس بھابی ڈر لگتا ہے زیادہ خوشی سے بھی مگر اس بار میں ان کو بتادوں گی۔"
"عجیب لڑکی ہو تم یار...... جن کو اتنے عرصے کے بعد ایسی خوشی ملے ان سے تو صبر ہی نہیں ہوتا' صحیح کہتے ہیں سلمان تم واقعی صبر والی ہو۔"
"بھابی پتہ ہے کہ میں نے حسن کو ایک بار چوٹ پہنچائی ہے وہی کافی ہے۔ خدانخواستہ اگر اس بار بھی ایسا کچھ ہوجائے تو میں حسن کا اعتماد اور حسن دونوں کو ہی کھودوں گی۔"
"اللہ نہ کرے ایسا کچھ ہو مایوسی کفر ہے۔" تہمینہ نے ماہ نور کو گلے سے لگایا۔

لانگ ویکینڈ پر حسن گھر آرہا تھا۔ ڈیڑھ ماہ بعد...... ماہ نور کے صبر کا پیمانہ لبریز ہورہا تھا۔ آج بھی انتظار کی گھڑیاں طویل تھیں۔ سورج سستی سے ڈھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا کہ کل پھر اس نے طلوع ہونا ہے۔ اس وقت کو خوش آمدید کہنا ہے جب حسن اپنے گھر آئے گا آخر حسن آ ہی گیا۔ یونیفارم میں ملبوس ہمیشہ کی طرح جگمگاتی آنکھیں اور مسکراتے روشن چہرے کے ساتھ۔ کھانے کے بعد حسن لاؤنج کے صوفے پر نیم دراز تھا۔ جب ماہ نور اس کے لیے چائے لے کرآئی۔

''حسن آپ اتنے کمزور ہو گئے ہیں؟'' ماہ نور فکر سے بولی۔

''مجھے چھوڑو...... تم کیوں موٹی ہوگئی ہو...... حالانکہ غم میں انسان کمزور ہوجاتا ہے مگر یہاں الٹا حساب ہے۔''

''وہ دراصل حسن...... آئی ایم ایکسپکٹنگ اگین......!'' ماہ نور نے محتاط طریقے سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ حسن جھٹ پٹ سیدھا ہوا۔

''ریئلی......؟'' ماہ نور نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن...... تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا......؟''

''ابھی صرف چار مہینے ہوئے ہیں۔ آئی ایم ریئلی سوری، بس میں نہیں ایکسپلین کرسکتی کہ میں نے آپ کو کیوں نہیں بتایا۔''

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے......''

''ماہ نور یو شڈ بی کیئر فل دس ٹائم۔'' حسن نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے نگاہیں نیچے کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''حسن...... میں پھر مما کی طرف چلی جاؤں۔'' حسن کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور اس نے سر جھکالیا۔

''نہیں ماہ نور...... تم میرے گھر پر رہو گی آئی مین اپنے گھر...... امی لوگ بھی واپس آگئے ہیں۔ سب تمہارا بہت خیال رکھیں گے۔ تم بھی جانتی ہو کہ امی کو تم سے یہی گلہ رہتا ہے کہ تم وہاں نہیں رہتیں اور اگر اس کنڈیشن میں تم اپنے میکے رہیں تو سب بہت مائنڈ کرسکتے ہیں۔''

''لیکن حسن...... میں بھی وہیں رہنا چاہ رہی تھی مگر امی کس کس کا خیال رکھیں گی...... میرا، رابعہ بھابی کا یا ابو جی کا۔''

''تم اس بات کی فکر نہ کرو۔ میں ایک ملازم کا انتظام کروا کر اسلام آباد بھیج دوں گا۔''

''ٹھیک ہے...... جیسے آپ بہتر سمجھیں۔''

***

سب سسرال والوں کی رضامندی اور حسن کی اجازت سے اس کے پاس مسز ابرار کو بھیج دیا گیا اب حسن کو گئے چوتھا مہینہ تھا۔ ان دنوں اسے بارڈر کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔ اگر ماہ نور کو سفر سے منع نہ کیا گیا ہوتا تو وہ بھی اسلام آباد ہی جاتی کیونکہ حسن کا اتنا کہنا ہی کافی تھا کہ ''جب تک تم میرے نکاح میں رہنا چاہتی ہو تب تک میرا گھر ہی تمہارا گھر ہوگا۔''

''بیٹا آج مجھے بہت ضروری کام ہے اسلام آباد میں...... اسی لیے مجھے جانا پڑے گا میں کل صبح واپس آجاؤں گی۔'' مسز عباس آج صبح سویرے ایمرجنسی میں ماہ نور سے یہ کہہ کر چلی گئیں۔

''پتہ نہیں...... کیا ہوا مما کو...... اللہ کرے خیریت ہو۔'' ماہ نور نے کچھ بے چینی سے سوچا۔

***

''بھابی...... آپ چلیں میرے ساتھ...... جلدی سے۔'' ظہر کی نماز پڑھ کر ماہ نور فارغ ہوئی تو تیز تیز گھنٹی بجنے لگی...... دروازے پر عثمان تھا۔ کچھ بوکھلایا ہوا جلدی سے ماہ نور سے بولا۔

''بتاؤ تو...... کیا ہوا...... سب خیریت تو ہے ناں۔''

''وہ ایکچوئیلی عباس انکل کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ بس آپ ضروری چیزیں لیں اور چلیں۔'' ماہ نور کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔ کچھ ماہ پہلے ان سے مل کر آئی تھی۔ بیمار تھے مگر اتنے زیادہ تو نہیں تھے کہ اس وقت کی تیاری کرلی جائے۔ بہرحال راستہ کافی طویل تھا پورے سفر میں عثمان نے ایک دفعہ بھی اس سے بات نہ کی۔

''میرے خیال میں مما بھی اسی وجہ سے جلدی گئی ہیں۔'' گھر پہنچی تو باہر بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ ماہ نور سمجھ گئی کہ ابو جی اب نہیں رہے۔ جلدی سے گاڑی سے اتر کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگی تو عثمان نے کہا۔

"بھابی...... پلیز آرام سے۔" اس کی آنکھیں سرخ اور آنسو جاری تھے۔ بے اختیار اس کے قدم میت کی طرف اٹھنے لگے تھے۔ ایک دم ہی وہ اپنی جگہ جم سی گئی۔ میت کی چارپائی پر ابو جی نہیں، حسن کا بے روح جسم وردی میں ملبوس پڑا تھا۔ ماہ نور لڑکھڑاتی ٹانگوں کے ساتھ میت کے پاس گئی، انوشہ نے اسے سہارا دیا۔

"حسن......! حسن......! اٹھیں...... اٹھیں ناں پلیز حسن، حسن آپ سن رہے ہیں...... یہ آپ کہاں لیٹے ہیں...... اٹھیں...... اٹھیں ناں...... میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔" ماہ نور نے اب اس کے کالر پکڑ لیے اور سینے پر سر رکھ کر چیخنے لگی۔

"حسن میں نے آپ سے کہا تھا ناں میں مر جاؤں گی...... اٹھیں ناں...... حسن...... یہ نہیں ہوسکتا...... حسن اٹھیں اور مجھے کہیں کہ خبردار جو ایسی بات منہ سے نکالی بھی تو...... آپ میری بات کیوں نہیں سن رہے...... ذیشان بھائی کہیں ناں ان کو...... مجھے جواب کیوں نہیں دے رہے...... حسن آپ تو بہت خوشی خوشی گئے تھے پھر یہ......"

"اس کو میت سے دور کریں اس کا میت کے پاس بیٹھنا زیادہ دیر کے لیے خطرناک ہے۔" ہر کوئی اس کے لیے فکرمند تھا۔

"کیا مطلب ہے میت...... شوہر ہیں یہ میرے...... امی...... مما، ابو جی، آپی...... بولیں ناں حسن کو......!"

"بس بچے، بس میری جان، اٹھو شاباش اٹھو...... یہاں آؤ......" کرنل ابرار نے زبردستی اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ اب میت لے جانے کا وقت آ گیا تھا۔ سب اسے اٹھانے کی کوشش کررہے تھے مگر وہ چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی، چھوڑیں ارسلان بھائی ان کو چھوڑیں ناں...... آپ کہیں نہیں لے کر جائیں گے ان کو...... میں بھی ان کے ساتھ جاؤں گی۔"

"ماہ نور...... اٹھ جاؤ بس......!" اس کے سسرال اور میکے والے سب اس کو اٹھانے لگے مگر اس نے حسن کے سینے سے سر نہ اٹھایا اور اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ کر سینے سے لگائے رکھا لیکن آخر جب میت کو اٹھایا گیا تو وہ چیختی ہوئی ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے کرنل ابرار کے سینے سے جا لگی۔ انوشہ اور سنبل نے اسے تھاما مگر وہ بے ہوش ہوگئی۔ تیمور نے جلدی سے ان دونوں کی مدد کرتے ہوئے اسے کمرے میں پہنچایا۔

......❁......

حسن کی شہادت کو ہفتہ گزر گیا تھا مگر ماہ نور اپنا خیال نہ خود رکھتی اور نہ کسی کو رکھنے دیتی۔

"ماہ نور کیوں خود کو برباد کررہی ہو...... ہونی کو کون ٹال سکتا ہے...... کیا تم اللہ سے مقابلہ کرو گی...... ٹھیک ہے اگر تم نہیں کچھ کرسکتی تو کم از کم اس ننھی سی جان کا ہی خیال کرلو...... اس سب میں بھلا اس کا کیا قصور؟" سب کے لاکھ سمجھانے پر نہ وہ بولتی، نہ روتی اور نہ ہی کھاتی پیتی، کیونکہ وہ حال سے بے خبر، مستقبل سے بے پروا صرف ماضی میں جی رہی تھی۔

آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ اس کی طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ آخر اس کی لاکھ ضد پر بھی کسی نے گھٹنے نہ ٹیکے، گھر کی عورتیں تھک ہار گئیں تو سب مرد جمع ہوئے، کرنل ابرار، عباس، حیدر، ارسلان، ذیشان اور تیمور۔

"دیکھو ماہ نور، حسن کی شہادت کو تقریباً مہینہ سے زیادہ ہوگیا ہے...... کب تک آخر یوں تم اپنی ذات کو، اپنے والدین کو، ساس، سسر کو سب کو اذیت پہنچاؤ گی۔ کسی کے چلے جانے سے نہ وقت رکتا ہے اور نہ لوگ بدلتے ہیں۔ تمہارے دکھ کو ہم اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں مگر یہ ناراضگی تم کس کو دکھا رہی ہو...... تم خود نہیں جانتی...... اگر تم خود مضبوط نہیں رہو گی تو کیسے چلے گا۔" آخر طویل وقت کے بعد ماہ نور کی چپ ٹوٹی اور روندھے لہجے میں بولی۔

"میرے اندر اتنی برداشت نہیں ہے...... نہیں ہے میرا دل اتنا بڑا...... کاش ایسا ہوتا...... مگر ابو جی آپ کے بہادر بیٹے کو بڑی بزدل بیوی ملی ہے۔ ایک کمزور اور بزدل لڑکی ہے آپ کی بہو...... بابا جان اتنا بڑا شاک میں کیسے برداشت کروں میرا دل پھٹ جائے گا بابا...... میں جس حال میں ہوں ٹھیک ہوں...... آپ لوگ میری فکر نہ کریں......"

"ماہ نور اب یہ بات تم بھی اچھے سے جانتی ہو کہ تم اب صرف اپنی اکیلی جان کا خیال رکھنے والی نہیں ہو......

تمہارے سر اللہ نے ایک اور ذمہ داری ڈال دی ہے۔ اپنا نہیں تو حسن کی آخری نشانی کا ہی سوچ لو...... زندگی ایسے نہیں گزر سکتی؟'' ماہ نور ارسلان کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''بھائی میں...... میں کیسے کروں...... مجھ سے نہیں ہوگا......میری زندگی کا جو سبب تھا وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے اللہ میری زندگی بھی ان کو دے دیتا کم از کم ان میں اتنی برداشت تو تھی کہ یہ دکھ بھی برداشت کر لیتے۔''

''ماہ نور اس طرح مت کہو...... حسن کی روح تڑپتی ہوگی...... تمہیں تو فخر ہونا چاہیے کہ تم آرمی آفیسر اور شہید کی بیوہ ہو۔'' ارسلان کے ان الفاظ نے اس میں بہت تبدیلی لائی' کیونکہ یہ حسن کے منہ سے کہے گئے الفاظ کا راز فاش کررہے تھے۔ پوری رات حسن کے کہے گئے مختلف جملے اس کے کانوں میں گونجتے رہے۔

''یار ماہ نور...... تم تو مجھ سے دو منٹ کی دوری تک برداشت نہیں کرسکتیں' اللہ جانے آگے کیا ہوگا؟ تم ایک آرمی آفیسر کی بیوی ہو اور بیوی شوہر سے ایک رینک آگے ہوتی ہے یعنی تم میجر...... پھر کس بات کا ڈر...... میم آپ کو یہ باتیں مجھ سے شادی کرنے سے پہلے سوچنی چاہئے تھیں۔ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئیں کھیت۔''

''بہر حال اگر تم مجھ کو یوں روتے ہوئے رخصت کروگی تو میں ضرور پچھتاؤں گا۔''

''ماہ نور...... موت کے ڈر سے انسان سانس لینا چھوڑ دے...... موت تو برحق ہے ناں۔''

''کیا حسن یہ سب جانتے تھے کہ انہیں اپنی منزل اس بھرپور جوانی میں نصیب ہوجائے گی...... یا پھر وہ اللہ کی طرف سے میرے لیے آزمائش بن کر آئے تھے۔''

❋

''ڈاکٹر سب ٹھیک تو ہے ناں......'' ماہ نور نے ہوش میں آتے ہی بوکھلاہٹ سے پوچھا۔

''جی مسز حسن عباس...... اللہ نے آپ کو صحت مند اولاد دی ہے۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی...... دونوں بالکل نارمل اور تندرست ہیں...... ورنہ کیس کافی مشکل تھا اس لیے آپ کو ڈھیر سارا ریسٹ کرنا ہے اور اچھی ڈائیٹ لینی ہے۔''

''اوکے۔''

''کیا میں اپنے بچوں سے مل سکتی ہوں؟''

''وائی ناٹ...... نرس ان کی فیملی کو اندر بھیجیں مگر ون بائی ون آپ کی امی کے پاس ہیں بچے ابھی۔''

سب باری باری اندر آئے اور بہت مبارک باد دینے کے ساتھ کہیں نہ کہیں دکھ پوشیدہ تھا۔ وقت ایسے موڑ پر تھا کسی کو کیا معلوم تھا۔ دونوں کی شکل ماں باپ سے ملتی تھی۔ ماہ نور نے ان کو سینے سے لگایا کیونکہ یہ حسن کی آخری اور انمول نشانیاں تھیں۔ جب نام رکھنے کی باری آئی تو حسن کی خواہش کے مطابق بیٹی کا نام ''مریم'' اور بیٹے کا نام سنبل کی مرضی سے ہونا چاہیے تھا اس لیے سنبل نے اس کا نام حمزہ رکھا۔

❋
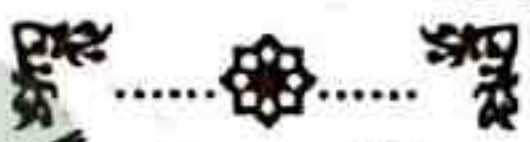
''آپ کو ڈسچارج تو کیا جارہا ہے مگر ابھی بھی کافی ریسٹ کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر نے ماہ نور کے بے حد اسرار پر پانچویں دن اسے ڈسچارج کردیا۔

''ماہ نور...... تم اپنے ہی گھر چلوگی ناں......''

''ہاں...... اپنے گھر'' ماہ نور نے آخری الفاظ پر قدرے زور دے کر کہا اور ایک گہری سوچ میں محو ہوگئی ایک پرُکشش آواز نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

''جب تک تم میرے نکاح میں رہنا چاہتی ہو تب تک میرا گھر ہی تمہارا گھر ہوگا۔''

''ڈرائیور...... ابرار ہاؤس ہی چلو...... سنبل نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔

''سنبل مجھے اپنے گھر جانا ہے...... عباس ہاؤس۔'' ماہ نور نے جلدی سے کہا تو سنبل نے چونک کر دیکھا۔

''مگر ماہ نور......!'' سنبل نے کچھ کہنا چاہا۔

''نہیں...... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں...... ہم نے عباس ہاؤس چلنا ہے۔'' اور ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی موڑ لی۔

❋

''بیٹا...... چلو اپنے گھر چلیں...... اب تو مریم اور حمزہ بھی تین ماہ کے ہوگئے ہیں۔ اب فیصلہ کرلو۔''

''مما...... جب بیٹی بیاہ دی جاتی ہے تو وہ اپنے شوہر

کے گھر میں ہی اچھی لگتی ہے۔ پھر آپ کیوں مجھے بار بار فورس کررہی ہیں۔"
"بیٹا اب حسن اس دنیا میں نہیں رہا۔"
"کون کہتا ہے..... مما..... کون کہتا ہے کہ حسن اس دنیا میں نہیں..... وہ یہیں ہیں میرے پاس..... اپنے بچوں کے پاس..... کیونکہ شہید کبھی مرا نہیں کرتے....." ماہ نور کے اس جواب پر مسز ابرار شکستہ سی اسے دیکھنے لگی۔
"لیکن کب تک بچے، کب تک تم یہاں اس طرح سے رہ سکتی ہو۔"
"مما جب تک میری آخری سانس باقی ہے۔"
"یہ نہ ہو ماہ نور بعد میں تم اس فیصلے پر پچھتاؤ۔"
"آپ فکر نہ کریں مما، اب میں کبھی نہیں پچھتاؤں گی کیونکہ میں مطمئن ہوں۔"

......❁......

عثمان اپنے والدین کے ہمراہ حمزہ اور مریم کو دیکھنے آیا تھا۔ عثمان کو گھر کا ماحول بہت ویران اور خوف ناک سا معلوم ہوا۔ وہاں انسان تو بس رہے تھے مگر روحیں نہیں تھیں ان میں، وہاں بچے تو تھے مگر خاموش گڑیا گڈے کی طرح۔ ڈائننگ ٹیبل پر کھانا کھاتے ہوئے بھی کوئی بات نہیں کررہا تھا۔
"اور سناؤ عثمان، کہاں ہوآج کل؟"
"منگلہ میں ہوں انکل۔"
"اچھا..... اچھا، وہاں کیسے گزر رہا ہے ٹائم.....؟"
"بہت برا انکل..... ویسے بھی زندگی کون سی اچھی جارہی ہے کہ کچھ اچھا لگے گا۔"
"تو تم شادی کیوں نہیں کررہے، حسن تمہارے ساتھ کا تھا اس کے دو بچے ہیں اب ماشاء اللہ....." عباس یہ بات کہہ کر کچھ خاموش ہوگئے، پہلے تو ماہ نور نے ایک دفعہ ان کو دیکھا پھر آہستگی سے اٹھ گئی۔
"ایکسکیوزمی..... میرے خیال میں بچے رو رہے ہیں۔" سب نے یک دم ماہ نور کو جاتے دیکھا۔
"نہیں انکل..... اب میں اس بارے میں کبھی شاید سیریس ہی نہ ہوسکوں۔"
"اس سے تو عباس صاحب اس بارے میں بات کرنا ہی فضول ہے۔ اکلوتے بیٹے کی شادی کے ہم نے بھی کتنے خواب دیکھے تھے مگر اس سر پھرے نے منگنی بھی توڑ دی۔"
"کیا ہم کسی اور موضوع پر بات نہیں کرسکتے۔" عثمان نے چاول کا چمچ منہ میں رکھ کر کہا تو سب خاموش ہوگئے۔

......❁......

"بیٹا..... تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"
"جی پاپا بولیں۔" عثمان نے بیڈ کے عین سامنے پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"بیٹا..... یہ حسن کی وائف تو وہی ہے ناں، تمہاری کالج والی، ماہ نور ابرار۔"
"جی پاپا....." عثمان نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ کر کہا۔
"جس کے بارے میں تم نے ہمیں بتایا بھی تھا۔"
"جی..... لیکن یہ سب پوچھنا ابھی پوچھنے کا مطلب؟"
"کیا تم اب اس کا ہاتھ تھامنا چاہتے ہو؟" شجاع کے ایسے کہنے پر عثمان شاکڈ سا اٹھ کھڑا ہوا۔
"پاپا..... یہ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں۔ بھابی ہے وہ میری..... میرے دوست حسن کی بیوہ..... میں بھلا اس کے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہوں۔"
"لیکن بیٹا..... اس کو کسی سہارے کی ضرورت ہے، اس جوانی میں، وہ بیوہ ہوگئی ہے۔ اس دنیا کا تنہا وہ کیسے مقابلہ کرسکتی ہے۔ اسے کسی مرد کے سہارے کی سخت ضرورت ہے۔"
"تو ٹھیک ہے پاپا، میں ایک دیور کی حیثیت سے، ایک بھائی بن کر بھی تو ساری عمر اس کی کفالت کرسکتا ہوں۔"
"بیٹا کفالت کرنے والے بہت لوگ ہیں اس کے، اسے ایک کفیل کی نہیں سہارے کی ضرورت ہے۔"
"لیکن پاپا.....!"
"بیٹا..... یہ اب بھی وہی ماہ نور ہے جس کے لیے تم کیسے دیوانے ہورہے تھے، بھلا تم سے زیادہ اچھی طرح اسے کون سمجھ سکتا ہے۔ چلو اگر تم اسے اپنی محبت کے روپ میں قبول نہیں کرسکتے تو کم از کم انسانیت اور ہمدردی کی خاطر اپنے دوست کی بیوہ سے شادی کرلو۔" اس بار عثمان کی امی نزہت بیگم بولیں۔

"وہ سب ٹھیک ہے مما...... مگر میں جانتا ہوں کہ اگر میں مان بھی جاؤں تو وہ کبھی اس شادی کے لیے راضی نہیں ہوگی۔"

"مطلب کہ تمہاری طرف سے ہاں ہے۔ باقی سب تم ہم پر چھوڑ دو۔ بس دو تین دنوں تک ہم اس کا ہاتھ مانگنے جائیں گے۔"

"لیکن امی پلیز' بی کیئرفل...... کالج کے وقت کی کوئی بات نہیں کریں گے آپ لوگ۔" عثمان کے خوف پر شجاع اور نزہت دونوں ہنس پڑے۔

"بلکہ آپ لوگ پہلے...... ماہ نور سے اکیلے میں بات کرلیں' تاکہ اس کے اختلافات سمجھ سکیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔"

......❀......

"آنٹی جی پلیز...... میں آپ کی' آپ کی سوچ اور جذبات کی دل سے عزت کرتی ہوں مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں زندگی نئے طریقے سے گزارنے کی کوشش کروں۔ کسی اور کو حسن کی جگہ دے دوں...... اپنے بچوں کے سر پر سوتیلے باپ کا سایہ ڈال دوں......" آج گھر پر جب صرف آمنہ یعنی مسز عباس اور ماہ نور تھیں تو نزہت بیگم نے موقع سنہرا جانا اور ماہ نور سے بات کرنے آگئیں۔ ان کی ساری گفتگو میں آمنہ بیگم بالکل خاموش تھیں اور بغور دونوں کی باتیں سن رہی تھیں۔

"لیکن بیٹا...... عثمان نہ ہی سوتیلا باپ بننا چاہتا ہے اور نہ ہی حسن کی جگہ لینا چاہتا ہے' ہمارے مجبور کرنے پر اس نے پہلے تمہارے جواب کا کہا ہے' بیٹا تم میرا یقین کرو' میری نیت میں خلوص ہے تمہارے لیے اور جتنی اچھی طرح سے تمہیں عثمان سمجھ سکتا ہے اتنی اچھی طرح سے کوئی نہیں سمجھ پائے گا۔"

"کسی کو ضرورت نہیں ہے مجھے سمجھنے کی' میں جیسے ہوں ویسے ہی ٹھیک ہوں۔ نہ میں ہمدردی کے قابل ہوں نہ مجھے ساتھ چاہیے اور نہ میرے بچوں کو۔"

"ماہ نور...... میرے خیال میں نزہت بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تمہیں آج نہیں تو کل فیصلہ کرنا پڑے گا تو پھر عثمان کے ساتھ کیوں نہیں۔" آمنہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

"کیا آپ لوگ میرے ساتھ اس طرح کی باتیں کیوں کررہے ہیں؟ ابھی حسن کی وفات کو مشکل سے سال ہوا ہے اور میں دوسری شادی کرلوں۔"

"تو تمہیں وقت چاہیے؟ ٹھیک ہے جتنا وقت چاہئے لو مگر یہ سوچ لینا کہ تمہارے جواب کے ساتھ بہت سے لوگوں کی امیدیں جڑی ہیں۔ تم بچوں کی زندگیاں کیوں خراب کرنا چاہتی ہو اپنی ضد کی آڑ میں۔" ماہ نور خاموش ہوگئی۔

"لیکن آنٹی...... یہ وقت جو آپ مجھے سوچنے کے لیے دے رہی ہیں' ممکن ہے کہ چند لمحوں کا ہو یا پھر شاید پوری زندگی کا...... کیا آپ تب تک عثمان کی کہیں شادی نہیں کریں گی؟ میرے جواب کی منتظر رہیں گی...... اور اس انتظار میں اس کی زندگی خراب کردیں گی۔"

"بیٹا انتظار تو ہم کریں گے' لیکن جواب دینے سے پہلے تم یہ باتیں سوچ لینا' اب میں چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر نزہت نے گلاس ٹیبل پر رکھا اور مل کر چلی گئیں جبکہ ماہ نور گہری سوچ میں گم ہوگئی۔

......❀......

ماہ نور ڈھلکے کندھوں کے ساتھ شکستہ سی حالت میں لڑکھڑاتی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اپنے کمرے میں آئی تو کمرے میں جس چیز کی طرف پہلے اس کی نظر پڑی وہ حسن کی وردی میں ملبوس فریم شدہ تصویر تھی جو سائیڈ ٹیبل پر پڑی تھی۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے بہت کچھ کہنا چاہ رہا ہو' کیا حسن کی زندگی کا چیپٹر اتنا مختصر تھا' ماہ نور اس تصویر کی طرف لپکی اور اسے سینے سے لگایا اور زمین پر ہی بیٹھ کر بیڈ سے ٹیک لگائے رونے لگی۔

"حسن آپ کے بغیر میری زندگی کا باب اتنا سیاہ ہوگا...... میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا...... مریم اور حمزہ...... ہمارے بچے پیدائش سے پہلے ہی باپ کے سائے سے محروم ہوجائیں گے' سب کچھ اس طرح سے پلک جھپکتے ہی اتنا خوف ناک ہوگا' کیا یہی میری تقدیر تھی' یا اللہ ابھی تک میں حسن کی موت کو تسلیم نہیں کرپارہی ہوں اور دنیا مجھے نئی زندگی حسن کے علاوہ کسی اور انسان کو بطور شوہر

قبول کرکے گزارنے پر مجبور کررہی ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے میرے ساتھ۔" ماہ نور نے گھٹنوں میں منہ دے دیا۔
"نہیں ماہ نور یہ ظلم نہیں ہے...... اسی میں تمہاری اور ہمارے بچوں کی بھلائی ہے۔" ماہ نور نے چونک کر دیکھا یہ حسن تھے اپنے یونیفارم میں ملبوس روشن اور چمکتے چہرے کے ساتھ بالکل سامنے کھڑے کہہ رہے تھے۔ اس کا چہرہ اس قدر روشن تھا کہ ماہ نور کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ وہ جھٹ سے کھڑی ہوگئی اور عاجزی سے بولی۔
"لیکن کیوں...... حسن کیا اس احساس سے میری زندگی نہیں گزر سکتی کہ آپ میرے اتنے پاس ہیں؟"
"ماہ نور یہ تمہاری خودغرضی ہے کہ تم صرف یہ سوچ رہی ہو کہ تمہیں کتنی تکلیف ہورہی ہے تم نے کیسے زندگی گزارنی ہے تمہارے لیے کیا ٹھیک ہے ذرا یہ بھی سوچو جہاں تم نے اپنا شوہر کھویا ہے وہاں کسی نے اپنا بیٹا کسی نے اپنا بھائی کسی نے اپنا باپ اور کسی نے صرف اپنا بھائیوں جیسا دوست ہی نہیں بلکہ شاید سب کچھ کھودیا ہے...... میں سب جانتا ہوں ماہ نور...... لیکن صرف بچوں کا سوچو...... کیا تم چاہتی ہو کہ وہ اس احساس کمتری میں پرورش پائیں کہ سب کے پاپا ہیں ہمارے کیوں نہیں ہیں؟ فلاں کے پاپا یہ لاکر دیتے ہیں یہ کرتے ہیں ہمارے پاپا کہاں ہیں اور کیوں ہیں؟ ٹھیک ہے اگر تم اسے میری جگہ دینے کی کوشش نہیں کرسکتی ہو تو بھی ایڈجسٹ کرلوگی۔ فی الحال تمہیں یہ نکاح صرف بچوں کی بہتری کے لیے کرنا ہے۔" اس بار ماہ نور خاموشی سے اسے دیکھنے لگی وہ آہستگی سے چلتے ہوئے بیڈ کے قریب گئے اور دونوں بچوں کو پیار کیا پھر دوبارہ ماہ نور کے پاس آئے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور پیار سے بولے۔
"مجھے تم پر یقین ہے کہ تم جو بھی فیصلہ لوگی سب کی بہتری سمجھتے ہوئے درست ہی لوگی اپنا خیال رکھنا۔" یہ کہہ کر وہ اس سے دور ہوئے اور وہ پکارتی رہ گئی۔
"حسن...... حسن......!" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھ کھل گئی وہ وہیں بیڈ سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھی تھی۔ باقی پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔

......❀......

"امی...... میں اس نکاح کے لیے تیار ہوں۔ آپ ان لوگوں تک میرا جواب پہنچادیں۔" ڈائننگ ہال میں ماہ نور کے ان الفاظ نے یک دم سناٹا طاری کردیا۔
"مجھے خوشی ہے ماہ نور کہ تم نے بالکل درست فیصلہ کیا۔" ذیشان بھائی نے اس کو مسکراتے ہوئے کہا۔
"لیکن مما کیا حمزہ اور مریم بھی ان کے ساتھ چلے جائیں گے۔" ردا اپنی ماں سے بولی۔
"ہاں...... بچے تو اپنی مما کے ساتھ ہی ہوں گے ناں۔"
"لیکن مجھے تو بہت یاد آئیں گے...... پھر میں کیا کروں گی......؟"
"نہیں بیٹا یہ دونوں آپ سے ملنے آیا کریں گے آپ بھی جایا کرنا ان کے پاس۔" سنبل اس بار ردا کو کہنے لگی تو ماہ نور بھی پیار سے بولی۔
"ہاں ردا...... پھپھو ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

......❀......

نکاح کے دن ماہ نور نے نزہت کی دی گئی ٹی پنک کلر کی شیفون کی ساڑی زیب تن کی۔ کافی عرصے کے بعد سب گھر والوں نے اس کے چہرے پر لپ اسٹک اور کاجل کا ہلکا سا تکلف دیکھا جو اس کے چہرے پر بے پناہ نکھار لے آیا تھا۔ ماہ نور کی فرمائش پر ساڑی پر بالکل ہلکا کام تھا وہ بھی صرف پلو پر جو اس وقت اس کے چہرے پر تھا صرف آنکھوں کی ہلکی سی جھلک نظر آرہی تھی۔ اس سادہ سی تقریب کے دوران ماہ نور یہی جملہ بوجھل دل کے ساتھ بول سکی اور دستخط کیے۔ "قبول ہے قبول ہے قبول ہے۔" یہ بولتے ہی اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو چھلک آئے جو کہ عثمان نے ہی نہیں بلکہ وہاں بیٹھے سب لوگوں نے ضرور دیکھے تھے۔ شجاع فیملی کے بہت سے مہمان آئے تھے مگر سب کچھ بالکل سادگی سے ہوا تھا۔
"آئی ایم سوری......" گھونگھٹ اٹھانے کے بعد نظریں جھکا کر عثمان نے کہا تو ماہ نور اس کو دیکھنے لگی۔
"جی...... لیکن کیوں......؟"
"مجھے پتہ ہے مما کے بہت زیادہ مجبور کرنے پر آپ آمادہ ہوئی ہوں گی ہیں ناں؟" عثمان نے کچھ شرمندگی سے کہا۔

''بالکل نہیں' ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میں نہیں مان رہی تھی مگر پھر ایک مضبوط سفارش تھی آپ کی طرف سے......اس کے بعد نہ کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔'' عثمان نے چونک کر اسے دیکھا۔ ماہ نور مسکرا کر پھر گویا ہوئی۔

''حسن...... حسن نے کی تھی آپ کی سفارش...... انہوں نے ہی بہت مضبوط دلائل کے ساتھ راضی کیا تھا مجھے۔'' عثمان نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

''یہاں بھی وہی تھا ماما بابا سب سے سفارش کرنے کے لیے اسی کو میں بھیجتا تھا' اب بھی اپنی ڈیوٹی اچھے سے نبھا رہا ہے...... ویل...... آج ہی ہمیں بہت سی باتیں واضح کر لینی چاہئے رائٹ......؟''

''کیسی باتیں......؟'' ماہ نور نے پوچھا۔

''دیکھو ماہ نور...... اگر اس نکاح کی وجوہات میں آپ ہمارے ماضی کی کسی بات کو ذمے دار ٹھہرا رہی ہو تو یہ غلط ہے...... میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا' شاید کہ آپ سوچ رہی ہوں کہ آپ کا حسن کی بیوی بننے سے مجھ پر کوئی فرق نہیں پڑا...... مجھے بہت فرق پڑتا ہے...... آپ کے نام کے ساتھ اس کا نام ہی کافی تھا مجھے اپنی غلطی کا احساس دلانے کے لیے...... بہرحال اگر ٹو دی پوائنٹ بات کریں تو یہ کہ جب تک میں خود کو آپ کے ساتھ اور آپ خود کو میرے ساتھ مطمئن محسوس نہیں کریں گی تب تک ہم اس چھت کے نیچے ایک دوست کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔ آئی ہوپ' آپ میری بات سمجھ چکی ہوں گی۔'' عثمان نے اپنی بات کے آخر میں اسے دیکھا تو ماہ نور سو چکی تھی۔ عثمان نے اسے کچھ حیرت سے دیکھا پھر مسکرا کر اس کے پاس گیا اور اس پر کمبل ڈالا اور خود سامنے پڑے کاؤچ پر نیم دراز ہوگیا۔

......❀......

صبح سویرے ہلکی سی دستک پر ماہ نور کی آنکھ کھل گئی' یہاں وہاں دیکھا تو بیڈ کے آدھے حصے پر وہ تھی اور عثمان سامنے کاؤچ پر سو رہا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک پر جلدی سے جا کر تھوڑا سا دروازہ کھول کر دیکھا تاکہ عثمان کو وہاں سویا ہوا کوئی دیکھ نہ لے' دروازے پر فاطمہ تھی' عثمان کی بہن جس نے ماہ نور کو ایک شاپر تھمایا۔

''آپ یہی پہن کر نیچے آنا...... اور بھائی کو الماری سے میرون کرتا نکال کر دے دیں...... ہم لوگ ناشتے پر آپ کا ویٹ کریں گے۔''

''ہاں ٹھیک ہے...... ہم ابھی آتے ہیں۔'' دروازہ بند کرنے کے بعد ماہ نور نے گھڑی کو دیکھا ساڑھے نو بج رہے تھے۔ پھر عثمان کو دیکھا جو کہ چھ فٹ کا قد آور مرد تھا' بمشکل سمٹ کر اس کاؤچ پر سویا تھا' ماہ نور زیر لب مسکرائی پھر شاپر کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک خوب صورت میرون کلر کا شلوار قمیص کا جوڑا تھا جو کہ شاید پریس کر کے بھیجا گیا تھا۔ نہا کر اس نے یہی سوٹ پہنا واقعی اس پر اٹھ رہا تھا۔ اب وہ ڈریسنگ ٹیبل کے اسٹول پر بیٹھی اپنے بال ڈرائیر سے سکھا رہی تھی' عثمان نے کروٹ بدلی اور پہلی نظر اس پر پڑی' کچھ لمحے نظر اس پر ٹک گئی پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ماہ نور کچھ چونکی ڈرائیر بند کیا اور بیڈ سے پھرتی سے اپنا دوپٹہ اٹھا کر لپیٹ لیا۔

''گڈ مارننگ۔''

''گڈ مارننگ۔'' عثمان نے بھی کہا۔

''میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں...... آپ فریش ہو جائیں۔'' یہ کہہ کر ماہ نور الماری کی طرف گئی اور فاطمہ کی ہدایت کے مطابق میرون کرتا نکالا۔

''وہ...... آنٹی کہہ رہی تھیں کہ ہم جلدی سے نیچے آ جائیں...... وہ سب ناشتے پر ہمارا ویٹ کریں گے۔''

''بس میں پانچ منٹ میں ریڈی ہوتا ہوں۔'' یہ کہہ کر عثمان واش روم کی طرف چلا گیا۔

''تم دونوں ساتھ میں بہت اچھے لگ رہے ہو۔'' شجاع نے ان دونوں کو دیکھ کر کہا۔ دونوں ہی مروتاً مسکرا دیے۔

''ماہ نور اس کے بعد تیار رہنا...... بچوں کو لینے چلیں گے۔'' عثمان نے آملیٹ اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

''جی......!''

''اتنی جلدی کیا ہے بھائی...... تم لوگ تھوڑا سا وقت ساتھ میں گزار لو...... بچے آئے تو توجہ بانٹنی پڑے گی۔'' فاطمہ نے ان کی گفتگو میں لقمہ دیا تو عثمان نے کچھ ناراضگی سے اسے دیکھا۔

''ویسے امی کل احسن واپس آ رہے ہیں امریکہ سے...... میں آج شام ہی واپس چلی جاؤں گی۔'' عثمان

یک دم ساکت سا فاطمہ کو دیکھنے لگا۔
"لیکن وہ تو ایک ہفتے پہلے ہی گئے تھے اور کہا تھا مہینے کا ٹور ہے۔" عثمان نے حیرت سے پوچھا۔
"ہاں تو...... ان کا کام ختم ہو گیا ہے' اس لیے واپس آرہے ہیں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے میری خوشی سے...... پھر!"
"اچھا یہ سب چھوڑو تم یہ بتاؤ مانی...... منگلہ سے کتنی چھٹی ملی ہے؟"
"ہفتے کی...... وہ بھی بہت مشکل ہے مما۔" عثمان بتانے لگا۔
"یعنی دو دن بعد واپسی ہے...... لیکن ابھی تو بہت سے لوگ مبارک باد دینے کے لیے آرہے ہیں۔"
"تو کوئی بات نہیں ماہ نور تو یہیں ہے...... اس کو مبارک باد دے دیں گے وہ۔" عثمان کے جواب پر مسز شجاع اور شجاع ظفر حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔
"تو تم اس کو ساتھ نہیں لے جا رہے...... بھلا کیوں؟"
"پاپا...... میں چاہتا ہوں یہ آپ لوگوں کے ساتھ کچھ عرصہ رہے' میں یہاں ویک اینڈ پر تو آتا ہی رہوں گا۔"
"جی انکل...... یہ ٹھیک رہے گا۔ ویسے بھی میں اکیلے حمزہ اور مریم کو کیسے سنبھال سکوں گی۔" ماہ نور نے ہاں میں ہاں ملائی۔
"نہیں بیٹا...... تمہیں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہیے' رہی بچوں کی بات تو عثمان بھی ہوگا۔ خیال رکھے گا ان کا بھی اور تمہارا بھی...... نزہت بھی رہنے کے لیے آجایا کرے گی۔" شجاع نے سمجھایا۔
"پاپا ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک بچے کچھ بڑے نہیں ہو جاتے تب تک ماہ نور یہیں آپ لوگوں کے ساتھ رہے گی اور اس میں حرج ہی کیا ہے میں آتا جاتا رہوں گا ناں۔"
"چلو تمہاری مرضی۔" نزہت نے آہ بھر کر کہا۔

❋......❋......❋

"عثمان......!" ماہ نور نے عثمان کے "الف" کو اتنا لمبا کیا کہ اس نے حیرت سے اخبار سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا جو شاکڈ سی لاؤنج کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
"کیا ہوا......؟"
"یہ یہاں پر کیا کر رہے ہیں......؟"
"کون......؟" عثمان نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔
"احسن صدیقی......!"
"وہ...... ایکچوئلی...... ماہ نور' یہ فاطمہ کے ہزبینڈ ہیں میرے بہنوئی۔"
"واٹ...... آپ کے بہنوئی' لیکن کیسے' آئی مین اگر انہوں نے مجھے یہاں دیکھا تو فاطمہ کو تو یہ کالج کی ساری باتیں بتا دیں گے اور پتہ نہیں کس سینس میں کس اینگل سے بتائیں۔"
"نہیں کچھ نہیں ہوگا۔ یو ڈونٹ وری۔" عثمان نے اس کی گود سے مریم کو لیتے ہوئے کہا۔

❋......❋......❋

"احسن...... یہ میری بھابی ہیں۔" فاطمہ نے اسے متعارف کروایا تو احسن شاکڈ سا اسے دیکھنے لگا۔
"یہ عثمان کی وائف ہیں؟"
"ہاں کیوں...... کوئی پرابلم......!" عثمان نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔
"ایکچوئلی میں نے سنا ہے آپ نے اپنے دوست کی بیوہ سے شادی کی ہے؟" احسن نے کچھ طنزیہ انداز میں کہا۔
"میرے خیال میں کھانا لگ چکا ہے' سب ڈائننگ ہال میں چلتے ہیں۔" سب آہستہ آہستہ اٹھ کر ہال کی طرف آگئے' احسن اب بھی کچھ حیرت سے ماہ نور کو دیکھ رہا تھا۔

❋......❋......❋

"بائے بائے۔" عثمان گود میں حمزہ کو لیے اور بیڈ پر لیٹی مریم کو پیار کرتے ہوئے بولا۔
دونوں عثمان سے بہت اٹیچ تھے۔ ماہ نور اس کی پیکنگ میں مشغول تھی۔
"میں ان دونوں کو بہت مس کروں گا۔"
"ہاں یہ دونوں بھی آپ کو بہت مس کریں گے"
"اور تم......؟" عثمان نے سوالیہ نظروں سے پوچھا' ماہ نور نے چونک کر اسے دیکھا۔
"جی میں بھی کروں گی......" یہ کہہ کر واپس وارڈ روب کی طرف مڑ گئی۔

''ویسے آپ نے اتنی تھوڑی سی چھٹی کیوں لی...... حالانکہ آپ شادی کا کہہ کر بھی تو آسکتے تھے......تو پھر......!''

''ہاں پھر تم لوگوں کو پورے بیس دن مزید مجھے برداشت کرنا پڑتا۔'' عثمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''برداشت......کیا مطلب؟ آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ ہم آپ سے تنگ ہیں۔ بالکل نہیں...... بلکہ اب ہمیں آپ کے جلدی آنے کا انتظار رہے گا۔'' یہ کہہ کر جب ماہ نور پیچھے مڑی تو عثمان بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ماہ نور کچھ شرما کر باہر چلی گئی۔

......❀......

''آنٹی کہاں ہیں......؟'' احسن نے لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''وہ اور انکل دونوں کسی لنچ پر انوائیٹڈ تھے...... ابھی ابھی گئے ہیں۔''

''اچھا......وہ فاطمہ کی کچھ جیولری اور کچھ سامان رہ گیا تھا۔ شام کو ہمیں جانا ہے ڈنر پر تو وہ کہہ رہی تھی چیزیں لے آؤں۔'' احسن نے آنے کی وجہ بتانی ضروری سمجھی۔

''امی آئیں گی تو انہیں بتادوں گی۔ مجھے تو فاطمہ کی کسی چیز کا پتہ نہیں۔ آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔''

''نہیں چائے نہیں......صرف سادہ پانی۔''

''میں ابھی لاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر ماہ نور چلی گئی، احسن نیچے کارپٹ پر کھیلتی مریم کو شفیق نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں ماہ نور پانی لے آئی۔

''اب یہ دونوں ماشاءاللہ سے کتنے عرصے کے ہیں۔''

''سوا سال کے۔'' ماہ نور نے بتایا۔

''اچھا ایک بات پوچھوں آپ مائینڈ تو نہیں کریں گی۔'' احسن نے ٹیبل پر گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

''جی......پوچھیں۔''

''آپ کے ہزبینڈ کیا واقعی عثمان کے دوست تھے؟''

''جی......لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''نہیں......آئی مین کہ اتنا بڑا کوانسیڈنٹ کہ حسن بھائی کے فرینڈ عثمان جس کے کالج کے زمانے میں آپ سے کافی جھگڑے چلتے رہتے تھے......اسی سے آپ شادی کے لیے کیسے رضامند ہوگئیں......؟'' احسن کو تشویش ہوئی۔

''دیکھیں احسن...... مجھے نہیں پتہ کہ آپ میرے بیوہ ہونے اور عثمان سے شادی ہونے کو کیا رنگ دینا چاہ رہے ہیں۔ مگر میں یہ بات برداشت نہیں کرسکتی۔'' ماہ نور کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے کو تیار تھے۔

''نہیں...... نہیں پلیز' آپ میری باتوں کا غلط مطلب مت نکالیں۔'' احسن واقعی وہ نہیں کہنا چاہ رہا تھا جو وہ کہہ چکا تھا۔

''ماہ نور میں آپ کو اچھے سے جانتا ہوں کہ آپ ایسی نہیں ہو میں صرف یہ پوچھنا چاہ رہا......'' اتنے میں گھنٹی بجی اور ماہ نور ملازم کو آواز لگاتے ہوئے مریم کے کھلونے سمیٹنے لگی۔ باہر شجاع اور نزہت آئے تھے۔ ماہ نور جلدی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آنٹی اتنی جلدی کیسے آگئے آپ لوگ......؟''

''بس......تمہاری فکر تھی ہمیں بیٹا......آنا ہی پڑا۔'' شجاع نے مریم کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

......❀......

ماہ نور ٹیرس پر کھڑی برستی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ جب فضا نے سرگوشی کرکے اس کے زخم پر نمک چھڑکا۔ ماہ نور نے زور سے آنکھیں بند کیں اور اس خیال کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ اپنے نیچے والے ہونٹ کو زور سے دبا کر اپنے بازو باندھ لیے۔ رات کے سوا ایک بج رہے تھے جب بچوں کو سلانے کے بعد ٹیرس پر بارش دیکھنے آئی۔ عجیب سی بے چینی اسے مجبور کرنے لگی۔ دل پر جیسے بہت غبار ہو جس کو وہ اس بارش سے دھو لینے کا گمان کررہی تھی۔

''ہیلو......!'' اچانک اس کے کان کے پاس سرگوشی ہوئی پیچھے مڑی تو لگا جیسے حسن اس کے بہت قریب کھڑے ہیں اور مسکرا کر اس کو دیکھ رہے ہیں۔

''آ......آپ......!'' ماہ نور بے ساختہ لپٹ گئی۔ ''آپ کو میں اتنا یاد کررہی تھی......آپ میرے پاس ہوتے ہیں ناں......پھر......'' ماہ نور نے نیم تاریکی میں دور ہوکر اس کا چہرہ غور سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ ہوا کے تیز جھونکوں سے اس کے لائٹ براؤن بال اڑ اڑ کر چہرے پر بکھر رہے

تھے۔ عثمان بھی آنکھیں پھیلائے بے تاثر چہرے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ عثمان نے ماہ نور کی حیرت کو دیکھتے ہوئے موضوع بدلا۔

"تم رات کے ایک بجے یہاں کیا کررہی ہو..... وہ بھی اندھیرے میں..... چلو اندر چلیں۔"

"آ..... آ..... آپ..... جائیں میں..... میں ابھی آتی ہوں۔"

"اِز ایوری تھنگ اوکے.....؟" عثمان نے پاس آکر پوچھا تو ماہ نور نے اثبات میں سر ہلایا اور خود ریلنگ کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔

"سب ٹھیک ہے ناں.....؟" عثمان نے دوبارہ پوچھا تو ماہ نور بغیر کچھ کہے کمرے میں آگئی۔

"ایک بات کہوں..... مجھے لگ رہا ہے..... میرے اچانک آنے پر تم خوش نہیں ہو..... ہیں ناں.....؟" عثمان نے کاؤچ پر نیم دراز ہوتے ہوئے موبائل سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... وہ اصل میں آپ نے تو کل شام کو آنا تھا ناں..... تو ذرا شاک سی ہوگئی تھی۔" ماہ نور نے الماری سے اس کا کمبل نکالتے ہوئے کہا۔

"آپ تھک گئے ہوں گے..... میں آپ کے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"

"نہیں..... میں پی چکا ہوں..... مجھے تم سے بات کرنی ہے یہاں آؤ۔" ماہ نور آکر سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ "تم کیوں ہر وقت پریشان رہتی ہو..... ہر بات پر شاک ہوجاتی ہو..... چھوٹی چھوٹی بات پر رونا آجاتا ہے تمہیں..... کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے..... آپ کو شاید غلط فہمی....."

"یہاں مجھے دیکھو..... فرسٹ آف آل ان فارملیٹیز کو چھوڑو مجھے یہ بیڈروم نہیں پبلک لائبریری لگتی ہے جہاں بات کرنا منع ہے اگر بات بھی کرنی ہے تو صرف کام کی..... کیوں..... ماہ نور تم پہلے ایسی نہیں تھیں بلکہ تم تو کبھی بھی ایسی نہیں تھیں۔ اب کیوں تم نے خود کو اس شیل میں بند کرلیا ہے۔"

"کرنا پڑتا ہے ہر اس شخص کو جو زندگی کے نشیب وفراز برداشت کرکر کے ہار چکا ہو۔"

"ماہ نور پلیز مائنڈ مت کرنا میری بات کو مگر کیا ہر لڑکی جو بیوہ ہوتی ہے وہ یونہی کرتی ہے جیسے تم کررہی ہو۔"

"شاید نہیں کرتی ہو کیونکہ وہ بیوہ ہی رہتی ہے..... مگر میرے نام کے ساتھ تو بیوہ لفظ لگنے ہی نہیں دیا' دنیا نے فوراً ایک اور مرد میرے سامنے لادیا کہ یہ لو اب سے یہ تمہارا شوہر ہے۔"

"غلط بات مت کرو..... کسی کی زور زبردستی سے تم نے تو یہ نکاح نہیں کیا تھا' حسن کی زندگی اتنی تھی نہ اس میں ہم کچھ کرسکتے ہیں نہ اور کوئی' وہ شہید ہوا ہے..... تم کیوں اس طرح سے تڑپ تڑپ کر اس کی روح کو ستاتی ہو.....؟" ماہ نور نے خاموشی سے نظریں جھکالیں۔ "دیکھو ماہ نور! اگر تمہاری پریشانی کی وجہ میں ہوں یا میرا گھر ہے تو مجھے بتاؤ..... شوہر ہوں میں تمہارا اس طرح مہمانوں کی طرح نہ میں پوری زندگی گزار سکتا ہوں اور نہ تم..... پلیز میرے اتنے بڑے لیکچر کا صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ تم یہ حقیقت تسلیم کرلو حسن اب نہیں رہا۔ اس کے بچے ہیں تمہارے پاس جس کے ماں باپ ہم دونوں کو قدرت نے بنادیا ہے اور اس حیثیت سے تم میری بیوی ہو....."

"مجھے اس کے لیے وقت چاہیے۔" ماہ نور آہستگی سے بولی۔

"جتنا وقت چاہیے تم لو..... میری پوری زندگی چاہیے لو..... مگر اتنا خیال رکھنا کہ کہیں وقت تم سے بے وفائی نہ کر جائے۔" عثمان نے یہ کہا اور کمبل کھول کر کروٹ بدل لی۔ ماہ نور اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

❀.....❀.....❀

"انکل آپ سے ضروری بات کرنی ہے مجھے..... میں اندر آجاؤں؟" ماہ نور شجاع اور نزہت کے کمرے میں آگئی جب کہ عثمان اپنی ماں کے پاؤں کی طرف بیٹھا کچھ پریشان لگ رہا تھا۔ ماہ نور کے آنے پر تینوں چونکے۔

"ہاں بیٹا..... وائی ناٹ..... کم اِن۔" شجاع ظفر شفقت سے مسکراتے ہوئے سیدھے ہوئے۔

"ایکچوئیلی..... وہ مجھے آپ سے پرمشن لینی تھی۔" عثمان اب بھی اس کو دیکھ رہا تھا۔

"فرسٹ آف آل مجھے آپ اور آنٹی کو مما پاپا کہنے کی عادت ڈالنی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ میں اور بچے ان کے ساتھ منگلہ چلے جائیں ایک ویک کے لیے...... پلیز پاپا۔"

"او میرا بیٹا...... یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے...... تم ضرور جاؤ بلکہ ایک ہفتے کے لیے کیوں مکمل پیکنگ کرو...... اور شفٹ ہوجاؤ۔" شجاع نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ یہ سب سن کر عثمان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"یہ مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی...... مجھے تم پہلے بتادیتی۔" عثمان کمرے میں آ کر اس کو خوشی خوشی پیکنگ کرتا دیکھ کر بولا۔

"کون سا مذاق......؟" ماہ نور نے حیرت سے پوچھا۔

"جو ابھی پانچ منٹ پہلے پاپا سے کر کے آئی ہیں۔" عثمان نے طنزیہ کہا اور پشت پر ہاتھ باندھ لیے۔

"ایکسکیوزمی...... یہ آپ کو مذاق لگ رہا ہے میں واقعی آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔" عثمان نے ایک بار بھنویں اچکا کر اسے دیکھا پھر ایک شریر مسکان چہرے پر سج گئی ایک جھٹکے کے ساتھ بیڈ پر کہنی کے بل لیٹا اور ماہ نور کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بٹ آئی ایم سوری...... میں تم لوگوں کو...... خاص کر تم کو ہرگز نہیں لے جاسکتا...... اپنے اچھے خاصے موڈ کا بیڑا غرق کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ایمان سے۔" عثمان نے اپنی گردن پر انگلی اور انگوٹھا رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب...... میرے جانے سے آپ کے موڈ کا کیا تعلق؟"

"تعلق ہے مائی ڈیئر...... اگر تم یہاں کی طرح وہاں بھی چہرے پر بارہ بجا کر رکھو گی تو میرا تو موڈ آٹومیٹک خراب ہوجائے گا ناں۔"

"میں نے کب منہ پر...... آپ مجھے لے کر نہیں جانا چاہتے اور بہانے نہیں بن رہے آپ سے۔"

"نہیں چلو...... میں یہ بتانے آیا تھا اگر چلنا ہے تو ابھی ساتھ میں چلو میں ابھی نکل رہا ہوں۔" عثمان اب اس کو پروگرام بتا کر سائیڈ ٹیبل کی دراز سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا پھر ایک چھوٹا سا باکس لے کر اپنی جیب میں ڈالا۔

"چلیں؟"

"ہاں...... بس دو منٹ......" ماہ نور اب مسکرا رہی تھی۔

اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے جب ماہ نور شیشے سے باہر چاند کو دیکھ رہی تھی اور اس کے آنسو مسلسل جاری تھے۔

"یا اللہ یہ میرے ساتھ کیوں ہوتا ہے جس کے قریب ہونے لگتی ہوں وہ مجھے دھکیل کر خود سے دور کردیتا ہے۔ پہلے حسن اور اب عثمان بہت مشکل تھا یہ میرے لیے کسی اور کو دل سے اپنا لینا مگر اب جب عثمان میرے دل و دماغ کا نہیں بلکہ روح کا حصہ بن گیا ہے تو وہ میرے ساتھ اتنی سرد مہری اتنی سنگ دلی کیوں کرتے ہیں؟" ماہ نور خیالوں کے سمندر کو دور سے دیکھتے دیکھتے پتہ ہی نہیں کب اتنی محو ہوگئی کہ کسی لہر کی زد میں آ کر ڈوبنے لگی پتہ ہی نہ چلا نہ کسی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی نہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔

"ناراض ہوگئی ہو مجھ سے......" ماہ نور کی روح نکل گئی جب خود کو کسی مضبوط مردانہ بازوؤں کے حصار میں دیکھا۔

"نہیں تو...... میں...... میں تو...... نہیں ہوں ناراض آپ سے......" ماہ نور نے ہچکچاتے ہوئے دور ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے کیا حق ہے آپ سے ناراض ہونے کا......" ماہ نور نے الجھتے ہوئے کہا اب عثمان کے بازوؤں کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔

"کم آن یار...... تمہیں ہی تو حق ہے مجھ سے ناراض ہونے کا اس اتنی بڑی کائنات میں تم ہی تو ہو میری ایک اکلوتی بیوی۔"

"نہیں میں نہیں ہوں ناراض...... آپ مجھے چھوڑیں...... میرے خیال میں بچے رو رہے ہوں گے......" اس کے وجود پر کپکپی طاری ہوگئی۔

"لیکن مجھے تو آواز نہیں آئی...... اچھا اب اتنی بھی کیا ناراضگی کہ ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا......" عثمان نے مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اسے اپنی طرف گھمایا اس نے اب بھی نظریں جھکائی ہوئی تھیں۔

"آپ مجھے جانے دیں پلیز...... میری طبیعت

خراب ہے۔"

"جب تک میری پوری بات نہیں سنو گی تب تک نہیں جانے دوں گا۔" ماہ نور نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو عثمان بھی شرارت بھرے انداز میں مسکرایا اور ایک ہاتھ سے اپنے پاکٹ میں سے وہ ڈبہ نکالا جو منگلہ آنے سے پہلے ساتھ لے آیا تھا۔

"یہ تمہارے لئے...... میں یہ ویڈنگ نائٹ پر دینا چاہ رہا تھا مگر تم کافی اپ سیٹ تھیں۔" الجھتے ہوئے ماہ نور کے سلکی بالوں سے کیچر اتر گیا۔ اب اس کے بال اڑ اڑ کر عثمان کے منہ پر آنے لگے۔ ماہ نور نے ڈبہ لے لیا۔ عثمان اس کے بال سلیقے سے سمیٹ کر کان کے پیچھے کرنے لگا۔

......❀......
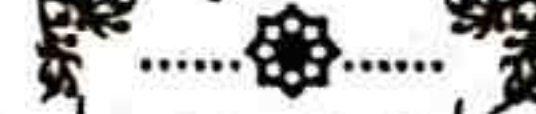
صبح عثمان کی آنکھ کھلی تو دونوں بچے قالین پر کھیل رہے تھے اور ماہ نور بلو ڈرائیر سے بال سکھا رہی تھی، اس نے آج سی گرین اور کاپر کے کنٹراسٹ میں شلوار قمیص پہن رکھی تھی عثمان اس کو دیکھ کر مسکرایا۔

"گڈ مارننگ۔"

"گڈ مارننگ، اٹھ گئے آپ......" ماہ نور بالوں کو ایک طرف ڈال کر اس کی طرف مڑی۔

"ہاں وہ میرا یونیفارم ممتاز لے آیا ہے کہ نہیں۔" عثمان نے آنکھیں ملتے ہوئے پوچھا۔

"جی لے آیا ہے، آپ اٹھیں میں ناشتہ منگوا لیتی ہوں۔"

"بس میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں...... تم منگوالو۔"

"اوئے...... آج میرے چوزے صبح صبح اٹھ گئے۔" عثمان گھٹنوں کے بل ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

"حمزہ کی شکل صرف حسن پر ہے مگر عادتیں آپ پر رات کو جتنا لیٹ سوئے صبح سویرے مجھے اٹھانا لازمی ہوتا ہے۔" ماہ نور نے وہیں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اور مریم کی ہر عادت تم پر ہے نخرے، غصہ ایوں آنکھیں تو بالکل تمہاری جیسی ہیں۔" عثمان ماہ نور کو گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے آپ واقعی بہت ہمت والے ہیں۔ زندگی کو سمجھنا کوئی آپ سے سیکھے، زندگی میں کسی بہت انمول چیز کو کھو دینا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ میں سمجھ سکتی ہوں، آپ نے تو ایک بار نہیں دو بار ایکسپرینس کیا ہے میں آپ کی جگہ ہوتی تو واقعی ٹوٹ جاتی مگر آپ...... آپ نے کبھی اس بات کو کسی کو محسوس نہیں ہونے دیا، ہاں لیکن جہاں تک میری بات ہے، اب تو ہماری شادی ہو چکی ہے مگر بھائیوں سے بھی زیادہ پیارے دوست تو آپ سے ایسے جدا ہوئے کہ دوبارہ نہیں مل سکتے۔"

"نہیں ماہ نور...... میں نے واقعی دو ایکسپرینس کیے ہیں شادی کی ہے میں نے ماہ نور حسن سے ماہ نور ابرار تو میری زندگی سے اسی دن چلی گئی تھی جب اس کی شادی ہوئی تھی اور رہی حسن کی بات تو حمزہ کی شکل میں وہ بھی تو مجھے ملا ہے...... مگر وہ حمزہ حسن عباس ہے صرف حسن عباس نہیں اسی طرح تم بھی ماہ نور حسن عباس ہو...... ماہ نور ابرار نہیں اسی طرح جب انسان ایک ہی جگہ پر بار بار چوٹ کھائے تو وہ حصہ بے حس ہو جاتا ہے۔" عثمان نے ماہ نور کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ "ماہ نور تمہارے سامنے جو بیٹھا ہے ناں یہ وہ عثمان شجاع نہیں رہا یہ بدل چکا ہے۔ اس روز سے جب پہلی بار اس تکلیف کا احساس ہوا تھا لیکن زندگی تب مجھے زندگی لگنے لگی جب حسن میری زندگی میں آیا اور پھر تب جب یہ میری چھوٹی سی فیملی میری زندگی میں آئی ایک عجیب سا احساس میرے اندر جاگا کہ یہ سب چیزیں میری ہی ہیں کوئی نہیں مجھ سے ان کو شیئر کر سکتا۔" عثمان اور ماہ نور دونوں مسکرانے لگے۔

......❀......

حمزہ مریم کی سیکنڈ برتھ ڈے کی تیاریاں چل رہی تھیں، عثمان ابھی تک نہیں آیا تھا شجاع ہاؤس میں سب تیاریوں میں مصروف تھے سنبل اور رابعہ بھی آئی تھیں احسن کچھ دیر پہلے فاطمہ کو چھوڑ کر گئے تھے اور انوشہ نے بھی اچانک آ کر ماہ نور کو سرپرائز دیا جب اچانک ماہ نور کی طبیعت خراب ہو گئی وہ چکرا کر گر گئی، سب پریشان ہو گئے۔ گھر پر بہت مہمان تھے اس لیے انوشہ نے نزہت کو بتایا اور ڈرائیور کے ساتھ ماہ نور کو لے کر سی ایم ایچ چلی آئی یہاں پر اس کے لیے وہ خوشخبری منتظر تھی جو یہ ایکسپیکٹ کر رہے تھے ماہ نور امید سے تھی انوشہ نے اس کو مبارک باد دی اور دوائیاں لینے چلی گئی

ماہ نور ویٹنگ روم میں اس کا انتظار کررہی تھی جب کسی کا رپورٹ پیج اس کے پاؤں میں آیا اس نے اٹھ کر دیکھا تو اس میں بیماریوں کے خانے میں ایڈز لکھا تھا۔ جلدی سے چونک کر اس کو پکڑائی جو اس کے سامنے جلدی سے آیا یہ ''احسن صدیقی تھا'' ماہ نور پر حسرت کا پہاڑ ٹوٹ گیا ایک دم کھڑی ہوئی۔

''احسن آپ آپ کو ایڈز ہے۔'' احسن نے نظریں جھکالیں۔

''اور آپ نے فاطمہ کو اب تک دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔ کیوں...... اتنی سیلفیشی...... کہیں وہ آپ سے دور نہ ہوجائے اس لیے اس راز کو آپ نے اس سے چھپایا ہے۔''

''نہیں...... میں نے کچھ نہیں چھپایا...... فاطمہ سب جانتی ہے۔'' احسن کے انکشاف پر ماہ نور کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''کیا...... تو وہ خود موت کو گلے لگا رہی ہے؟''

''میں نہیں جانتا کہ وہ یہ سب کیوں کررہی ہے میں اس کو الگ کردینا چاہتا ہوں مگر وہ روتی ہے اور میری منتیں کرتی ہے میں کیا کروں ماہ نور آپ ہی بتاؤ؟'' احسن ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ اسے سب بتانے لگا۔

''چلیں ماہ نور۔'' اتنے میں انوشہ آگئی اور ماہ نور سے کہنے لگی جاتے وقت ماہ نور نے ایک بار پھر مڑ کر احسن کو دیکھا جو کہ اپنی دوبارہ آنے والی رپورٹ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

......❁......

رات کو بچوں کو سلاتے ہوئے بھی ماہ نور کا خیال احسن اور فاطمہ کے ہنستے مسکراتے چہرے پر تھا۔ جو اتنی بڑی تکلیف سے گزر رہے تھے مگر کسی کو ذرہ سا شک تک نہ ہونے دیا اگلے روز سالگرہ کی پر اہتمام تقریب سے فارغ ہونے کے بعد ماہ نور اور فاطمہ کچن میں برتن سنبھال رہی تھیں جب ماہ نور فاطمہ سے بولی۔

''فاطمہ...... تم جتنی سطحی لگتی ہو اتنی ہی تم گہری ہو، تم اتنا بڑا دکھ اکیلے برداشت کرتی رہی، اس چھوٹی سی جان میں اتنے دکھ سمیٹے ہوئے تھے۔'' فاطمہ کافی حیران ہوئی پھر روتے ہوئے ماہ نور کے گلے لگ گئی۔

''بھابی آپ کو خدا کا واسطہ ہے کہ آپ عثمان بھائی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی، مجھے پتا ہے وہ فوراً سے مجھے احسن سے طلاق دلوانے کی بات کریں گے اور یہ مجھے جیتے جی درگور کرنے کے مترادف ہے۔ مجھے احسن کے نام کی بیوہ ہونا قبول ہے مگر اس سے طلاق لینا گوارا نہیں ہے میری زندگی ان سے شروع ہوکر ان پہ ہی ختم ہوتی ہے۔'' ماہ نور کی اپنی بھی آنکھیں بھرآئیں لیکن وہ فاطمہ کے آنسو پونچھنے لگی۔

''نہیں فاطمہ تم مجھ پر بھروسہ کرو میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی مگر تم یوں احسن کے...... پاس رہ کر خود کو خطرے میں ڈال رہی ہو...... تم لوگوں کو علیحدگی اختیار کرلینی چاہیے۔''

''بھابی ہم کوشش کررہے ہیں مگر......'' اتنے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور دونوں جھٹ سے پیچھے ہوکر اپنے کاموں میں مشغول ہوگئیں۔

''ماہ نور تم آرہی ہو یا نہیں...... جلدی آؤ مریم رو رہی ہے۔'' عثمان اندر آتے ہوئے بولا۔ ماہ نور نے جلدی سے کام سمیٹا اور کمرے کی طرف آگئی مریم تو سو رہی تھی لیکن عثمان مصنوعی خفگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یار ماہ نور کیا میں ویکینڈ پر اس لیے گھر آتا ہوں کہ تم میرے سامنے اپنے سگھڑپن کے مظاہرے کرو تم مجھے بالکل ٹائم نہیں دیتی۔'' ماہ نور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی جیولری اتارتے ہوئے کسی سوچ میں گم تھی۔

''تم سن رہی ہو میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔'' عثمان نے ایک ہاتھ پر ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا تو ماہ نور جلدی سے اس کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگی۔

''جی میرے پاس تو ٹائم ہی ٹائم ہے آفٹر آل آپ ہی میرے ایک اکلوتے شوہر ہیں اس اتنی بڑی دنیا میں۔'' ماہ نور کے کہنے پر دونوں ہنس پڑے باتوں باتوں میں ماہ نور عثمان سے بولی۔

''عثمان مجھے لگتا ہے اب حمزہ اور مریم شرارتی ہوتے جارہے ہیں اور دونوں کو سنبھالنا مشکل ہے میرے لیے کیوں نہ ہم مریم کو فاطمہ کو دے دیں کچھ عرصے کے لیے۔'' پہلے تو عثمان نہ مانا کیونکہ وہ مریم سے بہت مانوس تھا لیکن

پھر ماہ نور کی ضد سمجھ کر مان گیا اور دونوں نے خوشی سے مریم فاطمہ کے حوالے کر دی۔

……❁……

"احسن مجھے آپ کی محبت پر شک نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کتنی محبت کرتے ہیں مگر آپ کی یہ محبت آپ سے قربانی مانگتی ہے کہ آپ فاطمہ کو طلاق دے دیں اگر اس کو طلاق نہیں بھی دے سکتے تو علیحدگی اختیار کر لیں۔" عثمان کچن میں چائے بناتی ماہ نور اور احسن کی باتیں سن کر حیران رہ گیا۔

"ماہ نور یہ احسن سے کیا کہہ رہی ہے کیا رشتہ ہے ان کے درمیان جو یہ فاطمہ کو طلاق دلوانا چاہتی ہے اتنا بڑا دھوکہ دے رہی ہے ماہ نور مجھے۔" کمرے میں آتے ہی عثمان کے دماغ میں کھینچ کر چلنے لگے اتنے میں ماہ نور چائے بنا کر لے آئی۔

"یہ لیں چائے اٹھیں نا میں آپ کے لیے بنا کر لائی ہوں اٹھیں ناں…… پھر میں نے آپ کو ایک ضروری بات……" عثمان نے کپ اٹھا کر پوری قوت سے سامنے دیوار پر مارا۔ کپ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ماہ نور کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"جب میں نے کہا نہیں پینی تو مطلب نہیں پینی۔ بند کرو یہ فلمی ایکٹنگ میرے سامنے۔" ماہ نور کی آنکھیں پھیل گئی جیسے اس پر آسمانی بجلی گر گئی ہو۔

"لیکن میں نے ایسا کیا کہہ دیا کہ آپ کو اتنا غصہ آ گیا۔"

"پلیز جاؤ یہاں سے ورنہ۔" عثمان کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔

"ورنہ کیا عثمان…… ماریں گے مجھے…… قتل کر دیں گے کریں ناں۔" ماہ نور الجھتے ہوئے بولی۔ "مگر بتائیں تو ہوا کیا ہے؟"

"مجھے اکیلا چھوڑ دو، ورنہ اس کی بھی نوبت آ جائے گی۔" عثمان غصے سے بولا۔

"جب تک آپ مجھے نہیں بتائیں گے میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"اچھا تو سن لو…… پچھتا رہا ہوں میں تم سے شادی کر کے کوس رہا ہوں اس وقت کو جب میں نے تم سے شادی کے لیے حامی بھری تھی اب خوش۔" یہ کہہ کر عثمان کمرے سے نکل گیا اور ماہ نور وہیں تنکے کی مانند ساکت سی رہ گئی۔

"آخر ایسا کیا کر دیا میں نے عثمان…… مجھے پتا تو چلنا چاہیے کہ میرے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے مجھے؟" ماہ نور کے آنسو بہنے لگے اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی زمین پر گر گئی۔

……❁……

"احسن اس قدر گھٹیا انسان نکلے گا اس کی امید تو کی جا سکتی تھی مگر ماہ نور…… دو بچوں کی ماں…… کسی کی بیوی……اتنی گری ہوئی ہے۔" عثمان گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ آنکھوں میں آنسو ڈگمگا رہے تھے۔

"یا اللہ کیا واقعی میں نے کسی غلط لڑکی سے محبت کی ہے غلط لڑکی کا ہاتھ تھاما ہے۔" اس بار اس نے بے بسی سے زور سے اسٹیرنگ پر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی کو مارا۔

"یہ تو ایسی کبھی نہیں تھی…… یا پھر یہ میرا گمان ہے۔ وہ شروع سے ہی ایسی ہی تھی پہلے حسن کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھی اور اب میری۔" عثمان بچوں کی طرح آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے پونچھنے لگا۔ رات دیر تک بلاوجہ گاڑی لے کر گھومتا رہا اور ماہ نور کے سنگ گزارے مختصر سے وقت سوچتا رہا اور خود کو کوستا رہا۔

ماہ نور صبح تین بجے تک عثمان کا انتظار کرتی رہی عجیب و غریب خیالات آ رہے تھے۔ ماہ نور نے وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر اپنے رب کے حضور دعائیں مانگنے لگی۔

"یا اللہ میری جان پر رحم کھا…… تجھے تیرے پیارے رسول ﷺ کا واسطہ عثمان صحیح سلامت گھر آ جائیں وہ ہی تو اک سہارا ہے میرا اور میرے بچوں کا……حمزہ اور مریم کے باپ کو امان میں رکھنا، یا اللہ عثمان کے بغیر مر جاؤں گی میں۔" ماہ نور ابھی رو رو کر دعائیں ہی کر رہی تھی کہ دروازے پر گھنٹی بجی ماہ نور بھاگتے ہوئے دروازے پر گئی دروازہ کھولا تو عثمان تھا۔ بغیر اسے دیکھے، کچھ کہے سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ماہ نور اسے خاموشی سے جاتے دیکھنے لگی دروازہ جلدی سے بند کر کے کمرے میں گئی تو عثمان واش روم میں تھا ماہ نور نے چند گھنٹے پہلے ہونے والی لڑائی کو بھول کر مسکرانے کی کوشش کی عثمان واش روم سے نکلا پھر اسے بغیر دیکھے بیڈ پر

لیٹ گیا ماہ نور اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ عثمان کا ایک بازو آنکھوں پر رکھا ہوا تھا۔ ماہ نور نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ اس کو چونک کر دیکھنے لگا۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے؟'' ماہ نور پیار سے بولی۔ عثمان نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا اور کروٹ بدلی۔ ماہ نور دوسری طرف جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

''پلیز عثمان...... ایسے مت کریں...... مجھے بتائیں تو ہوا کیا ہے آخر......؟''

''تم سو جاؤ کل تمہیں میں واپس اسلام آباد چھوڑ آؤں گا۔'' ماہ نور حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''لیکن کیوں میں تو ابھی نہیں جانا چاہتی...... آپ نے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کیا تو اب......؟''

''اگر تم نے نہیں سونا تو کم از کم مجھے ڈسٹرب مت کرو۔'' یہ کہہ کر عثمان نے غصے سے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ ماہ نور بے بسی سے اس کو دیکھنے لگی۔ ایک آنسو کی لڑی اس کی آنکھوں سے بہہ نکلی۔

......❁......

عثمان صبح بغیر ناشتہ کیے آفس چلا گیا۔ ماہ نور نے اس کے غصے کے خوف سے خاموشی سے پیکنگ بھی کرلی اور حمزہ کو بھی تیار کردیا۔

''پاپا ہم کہاں جارہے ہیں......؟'' عثمان نے اس کو اٹھایا اور پیار سے بولا۔

''کہیں بھی نہیں......!'' ماہ نور نے اس کو حیرت سے دیکھا۔

''مما کہہ رہی ہیں کہ ہم مریم کے پاس جارہے ہیں۔''

''ہاں...... صرف مما جارہی ہیں...... ہم نہیں جارہے۔''

''میں اکیلی جارہی ہوں...... لیکن کیوں؟'' ماہ نور نے عثمان سے پوچھا۔

''تم نے پیکنگ کرلی ہوگی...... ممتاز...... ممتاز آکر باجی کا سامان گاڑی میں رکھو......'' عثمان نے پہلے سپاٹ لہجے میں اس سے پوچھا پھر ملازم کو آواز دے کر کہا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ عثمان حمزہ کو لے کر کمرے میں چلا گیا۔ ماہ نور ان کے پیچھے آئی۔

''آپ کر کیا رہے ہیں...... مجھے بھی تو بتائیں؟''

''میں تمہیں ڈرائیور کے ساتھ اسلام آباد بھیج رہا ہوں۔'' عثمان نے بے تاثر سے انداز میں اس کو بتایا اور الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔

''ڈرائیور کے ساتھ...... مگر آپ دونوں کیوں نہیں جارہے......؟'' ماہ نور نے حیرت سے پوچھا۔ عثمان اسے بغیر جواب دیئے واش روم چلا گیا۔ ماہ نور سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔ عثمان واش روم سے نکلا تو حمزہ اس کے ساتھ چمٹ گیا۔

''پاپا میں آپ کے پاس ہی رہوں گا۔''

''ہاں میری جان......'' عثمان نے پیار سے کہا تو وہ خوشی سے اچھلتا ہوا باہر چلا گیا۔ ماہ نور عثمان کے پاس آئی اور اس کا بازو پکڑ کر بولی۔

''ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں، مگر پلیز ایک بار ایک بار بتا تو دیں کہ ہوا کیا ہے؟'' عثمان نے اپنا بازو جھٹکا اور ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلا گیا۔ جب شیشے میں اس نے ماہ نور کا عکس دیکھا جو اپنی کنپٹیوں کو مسل رہی تھی اور صوفے کا سہارا لینے کی کوشش کررہی تھی۔ عثمان جلدی سے اس کی طرف بھاگا اور اس کو پکڑا۔ ماہ نور کو بہت زیادہ کمزوری محسوس ہورہی تھی اس لیے چکرا گئی۔ عثمان اس کو پکڑ کر بیڈ کے پاس لایا اور بٹھادیا۔

''تم ٹھیک ہو...... کیا ہوا ہے؟'' ماہ نور اس کو دیکھنے لگی۔

''پہلے آپ بتادیں ناں پلیز......؟'' عثمان نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اس کے پاس بیٹھ کر بولا۔

''میرے خیال میں تمہیں امی کے پاس رہنا چاہیے اور وہیں حمزہ کا بھی ایڈمیشن کروالیں گے۔ فی الحال تم اکیلی جاؤ...... کچھ دنوں بعد میں حمزہ کو بھی لے آؤں گا۔'' ماہ نور نے خاموشی سے نظریں جھکالیں پھر ڈرائیور کے ساتھ چلی گئی۔

......❁......

''بات کوئی اور ہے...... مجھے پتہ لگانا ہے...... آپ کیوں اتنے بدگمان ہوگئے مجھ سے...... یہ میں برداشت نہیں کرسکتی۔'' ماہ نور کو منگلہ سے آئے چوتھا دن تھا مگر عثمان نے اسے ایک بار بھی کال نہ کی۔ نزہت سے بات ہورہی

ہوتی تو مریم سے بھی بات کر لیتے' آج ماہ نور بہت مایوس تھی یہی سوچ رہی تھی جب فاطمہ اس کے کمرے میں آئی۔
"بھابی آپ جب سے آئی ہیں، بہت پریشان سی لگ رہی ہیں سب ٹھیک تو ہے ناں۔"
"ہاں سب ٹھیک ہے..... مریم کہاں ہے.....؟" ماہ نور نے موضوع بدلا۔
"ابھی ابھی سوئی ہے آج بہت ڈسٹرب ہوئی تھی' پتہ نہیں کیوں؟" فاطمہ بتانے لگی۔
"اچھا..... ایک تو میں جب سے آئی ہوں' اس کو ٹائم ہی نہیں دے پا رہی....." ماہ نور نے اپنا سر پکڑا۔
"بھابی..... کل مجھے احسن کا دوبارہ ٹیسٹ کروانا ہے..... آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ....." فاطمہ نے ریکویسٹ کی۔
"ہاں..... میں نے بھی چیک اپ کے لیے جانا ہے..... ساتھ ہی چلیں گے۔"

........❀........

"ماہ نور آپ اپنی ڈائٹ کا خیال کیوں نہیں رکھتی....." ڈاکٹر نے چیک اپ کرنے کے بعد ہدایت کی۔ "اور اس بار تو کچھ کمزور بھی لگ رہی ہیں۔" احسن اور فاطمہ اپنے ٹیسٹ کے لیے گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر احسن اکیلا تھا۔ ماہ نور نے اس کے بارے میں پوچھا تو احسن نے بتایا کہ کالج کی کوئی دوست اسے مل گئی تھی اس سے مل کر آ رہی ہے۔
"آپ چلیں ہم لوگ گاڑی میں ویٹ کر لیتے ہیں۔" یہ کہہ کر احسن اور ماہ نور پارکنگ کی طرف آ گئے' جب ہی ان پر صبا کی نظر پڑی وہ ان کو دیکھ کر ششدر رہ گئی اور وہ ان سے ملنے کے بجائے گھر جا کر فوراً عثمان کا نمبر تلاش کرنے لگی۔
اتنے عرصے کے بعد صبا کا نمبر اپنے موبائل میں دیکھ کر عثمان کو حیرت ہوئی۔ لیکن پھر اٹھا لیا۔ حال احوال گلے شکووں کے بعد صبا جلدی سے بولی۔
"عثمان..... تمہیں وہ یاد ہے ماہ نور ابرار....."
"ہاں کیا ہوا ہے اس کو....." عثمان انجان بنا۔
"میں نے آج اس کو سی ایم ایچ میں دیکھا ہے..... پتہ ہے کس کے ساتھ.....؟ احسن صدیقی کے ساتھ..... میرے خیال میں ان دونوں کی شادی ہو گئی ہے کیونکہ بڑے خوش گوار موڈ میں ایک ساتھ نظر آ رہے تھے۔"
"کیا.....؟ میں راستے میں ہوں گھر پہنچ کر تم سے بات کروں گا....." عثمان نے اس پر اپنی حیرت ظاہر نہ ہونے دی اور فوراً فون بند کر دیا۔

........❀........

"بھابی آپ کی رپورٹ پازیٹو ہیں۔ آپ نے بتایا کیوں نہیں' آپ نے بھائی کو بتایا یا نہیں۔" فاطمہ نے خوشی سے کہا۔
"نہیں ابھی نہیں بتایا..... آج آئیں گے تو ہر حال میں بتاؤں گی۔"
"اچھا..... سرپرائز دیں گی.....!" فاطمہ نے چھیڑا۔
"ہاں ویسے تمہارے ٹیسٹ کا کیا ہوا.....؟" ماہ نور نے مریم کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔
"بس..... سب ٹھیک ہے۔" فاطمہ ابھی بتا رہی تھی کہ حمزہ بھاگتا ہوا ماہ نور کے پاس چلا آیا۔
"مما....."
"اوہ..... میرا بچہ آ گیا..... میری جان....." ماہ نور نے خوشی سے حمزہ کو گلے لگایا۔ پاس لیٹی مریم بھی اٹھ گئی اور جلدی سے اس کے پاس آئی۔ "پاپا نہیں آئے۔" ماہ نور نے پوچھا۔
"جی..... وہ باہر بیٹھے ہیں۔" یہ کہہ کر حمزہ اور مریم بھاگ گئے' ماہ نور اٹھ کر باہر گئی دل ہی دل میں سوچنے لگی۔
"اب عثمان کا موڈ مجھ سے اچھا ہوگا..... ہر بات کلیئر کر لوں گی۔ کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ نہیں رہنے دوں گی۔" یہ سوچ کر دونوں باہر آ گئیں تو دیکھا عثمان کھانا کھا رہے تھے۔ فاطمہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا تو عثمان نے آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور پیچھے کھڑی ماہ نور پر ایک کڑوی نظر ڈالی پھر بیٹھ کر شجاع سے باتیں کرنے لگا۔ ماہ نور آ کر عثمان کے ہی صوفے کے دوسری طرف بیٹھ گئی تو وہ یک دم کھڑا ہوا۔
"میں کچھ تھکا ہوا ہوں' آرام کرنا چاہتا ہوں..... کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا ماہ نور خاموشی سے اسے جاتے دیکھنے لگی۔ پھر کچھ دیر بعد کمرے میں آئی تو عثمان اسی طرح صوفے پر بیٹھا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"
"تمہاری ٹھیک تھی......؟" عثمان نے الٹا اس سے سوال کیا۔
"جی...... کیوں؟"
"آج تم سی ایم ایچ گئی تھی؟"
"جی۔"
"احسن کے ساتھ گئی تھی......"
"جی کیوں...... وہ ایکچو یٹلی عثمان......" ماہ نور کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔
"آئی ایم سوری کہ میں نے تم سے دو تین سوال کرلیے۔ مگر تمہاری اس کیوں کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ بدقسمتی سے آپ کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے اس لیے آپ میری بیوی ہیں' آپ سے سوال کرنا میرا حق بنتا ہے۔ لیکن اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو اس کا بھی اسلام نے بہت اچھا قانون رکھا ہے۔"
"پلیز عثمان......! اتنی سی بات کا کیوں ایشو بنا رہے ہیں۔ صرف میں اور احسن نہیں گئے تھے فاطمہ بھی ہمارے ساتھ تھی۔"
"اوہ اب میرے ساتھ ساتھ اس کو بھی بے وقوف بنایا جارہا ہے۔" عثمان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو ماہ نور نے چونک کر اسے دیکھا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا......؟"
"میرے خیال میں مطلب سمجھانے کی ضرورت آپ کو ہے میں نے تو کوئی اتنی عجیب بات نہیں کی۔"
"عثمان آپ کیوں اس طرح ری ایکٹ کررہے ہیں آپ میرے ساتھ۔" ماہ نور نے بے بسی سے کہا۔
"سیدھی بات یہ ہے کہ ہم دونوں میں کسی قسم کی بھی ذہنی مطابقت نہیں ہے۔ میں ایک شریف گھر کا لڑکا ہوں اور تم ایک لبرل فیملی سے تعلق رکھتی ہو...... تمہارا اور میرا دونوں کے جینے کے طریقے بالکل الگ ہیں' اس لیے اچھا یہی ہے کہ ابھی ہی کوئی فیصلہ لے لیا جائے۔"
"آپ ایک شریف گھر کے لڑکے ہیں تو کیا میں بھاگ کر آئی ہوں آپ کے ساتھ...... آپ لڑکیوں کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور میرے تو بہت سے بوائے فرینڈز ہیں۔"

نظم

یہ زندگی ایک تشنگی
کہیں میں نہیں کہیں تم نہیں
کہیں اپنا نام ونشاں نہیں
اس زندگی کے سراب میں
ہمیں اپنا آپ ملا نہیں
چلے رات بھر جلے دھوپ میں
مگر منزلوں کا پتہ نہیں
راہ حیات کی دھول نے سب لے لیا
کچھ دیا نہیں یہی سلسلہ ہے
حیات کا کہیں میں نہیں کہیں تم نہیں
کہیں اپنا نام ونشاں نہیں یہ زندگی ایک تشنگی
عائشہ دین محمد طاہر پیر...... ضلع رحیم یار خان

ماہ نور غصے سے کھڑی ہوکر بولی۔
"یہ تم ہی جانتی ہوگی...... پتہ نہیں تمہارے اور کتنے چہرے دیکھنے باقی ہیں۔" عثمان نے طنزیہ کہا۔
"عثمان مجھے لگتا ہے کہ آپ کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔ مجھ سے پوچھیں جو آپ کے دل میں بات ہے مجھے بتائیں۔"
"اچھا تم میرے ایک سوال کا جواب دے دو تم فاطمہ کو کیوں طلاق دلوانا چاہتی ہو۔ کیا رشتہ ہے تمہارے اور احسن کے درمیان...... کیوں رات دیر تک تم اس سے فون پر بات کرتی ہو...... آج سی ایم ایچ کیوں گئی تھیں اس کے ساتھ......" عثمان کے سوالوں پر ماہ نور ششدر رہ گئی اور کچھ لمحے ساکت سی اسے دیکھتی رہی۔
"عثمان آپ کو کس نے کہا کہ میں فاطمہ کو طلاق دلوانا چاہتی ہوں اور احسن کے ساتھ میرا نندوئی اور بھائی کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں اور کب رات کو فون پر بات ہوئی ان کے ساتھ' اگر ایک دوبار فاطمہ سے بات کرتے ہوئے بائی چانس ہوگئی ہو تو اس میں اتنا ایشو بنانے کی کیا بات ہے؟"
"اب پردے ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ فاطمہ میری اکلوتی اور لاڈلی بہن ہے میں اس کو جو مرضی کہوں' مگر کسی کو

حق نہیں دیتا کہ کوئی میری بہن کو تکلیف پہنچائے۔" ماہ نور اب بھی خاموشی سے اس کو دیکھ رہی تھی پھر کٹے ہوئے دل کے ساتھ مسکرا کر بولی۔

"اچھا تو میں اب ہر کوئی ہوگئی......!"

پوری رات ماہ نور کی قیامت کی طرح گزری اس سے زیادہ یہ رات عثمان نے تڑپ کر کروٹیں بدل بدل کر گزاری۔ شاید اب بھی وہ سب کچھ نہیں کہہ پایا تھا جو وہ کہنا چاہ رہا تھا مگر جتنی کڑواہٹ ماہ نور نے آج عثمان کے لہجے میں خود کے لیے محسوس کی تھی اتنی کبھی عثمان شجاع سے بھی محسوس نہیں کی تھی۔

......❀......

"فاطمہ......تم اپنے گھر کب جاؤ گی...... کافی عرصہ ہوگیا ہے تمہیں اپنے میکے آئے ہوئے......سب خیریت تو ہے ناں......تمہارے اور احسن کے درمیان سب ٹھیک چل رہا ہے ناں؟" اس بار عثمان نے ماہ نور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' فاطمہ نے ایک بار ماہ نور کو دیکھا پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں ماہ نور نے اسے یقین دہانی کروائی کہ عثمان کو کچھ نہیں بتایا پھر فاطمہ آرام سے بولی۔

"جی بھائی سب ٹھیک چل رہا ہے وہ آج کل کچھ بزی ہیں۔ اس لیے مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

"اس کی مصروفیات کی طرف نظر رکھا کرو کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔" عثمان نے طنزیہ نظر ماہ نور پر ڈالی۔

"نہیں بھائی...... مجھے خود سے زیادہ یقین ہے ان پر۔"

"بھروسہ ٹوٹتے زیادہ وقت نہیں لگتا۔"

"عثمان تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو......سب خیریت تو ہے ناں۔" نزہت پوچھ رہی تھی کہ ماہ نور اٹھ کر چلی گئی سب نے اس بات کو بہت نوٹ کیا تھا۔

......❀......

وقت گزرتا جارہا تھا اس نے شجاع ہاؤس آنا کم کردیا کیونکہ اس کا مرض بڑھتا جارہا تھا' گھر پر آرام کرنے لگا۔ گھر پر ایک بیوہ بھابی' فالج کے مرض میں مبتلا ماں تھی۔ خیال رکھنے والا کوئی نہیں تھا' جب اس کی حالت بہت خراب ہوئی تو اس نے فاطمہ کو کال کی مگر اس کا نمبر بند تھا۔ فاطمہ دراصل حمزہ اور مریم کا ایڈمیشن کروانے گئی ہے' احسن نے فوراً ماہ نور کا نمبر نکالا اور اسے کال کی تو پتہ چلا۔

"ماہ نور پلیز' مجھے ہاسپٹل پہنچا دیں......میری......میری طبیعت خراب ہے...... میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا......" اس کے ساتھ ہی اس کی حالت بگڑنے لگی۔

"احسن میں آرہی ہوں...... بس دومنٹ...... میں آرہی ہوں۔" ماہ نور نے فکرمند ہوکر کہا اور فوراً فون بند کیا' پیچھے مڑی تو عثمان کھڑا سب کچھ سن رہا تھا۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گی......اپنی نہیں تو اپنے اس شوہر کی ہی عزت کا خیال رکھ لو۔"

"پلیز عثمان......آپ جو مرضی کہیں......مگر مجھے آج جانا ہے ورنہ میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی' اگر احسن کو کچھ ہوگیا۔" عثمان نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تو آخر بات زبان پر آ گئی ناں...... جاؤ جہاں مرضی جانا ہے میری طرف سے تم آزاد ہو......!" عثمان نے سنگ دلی سے کہا تو ماہ نور نے بے بسی کے عالم میں اسے دیکھا' پھر جلدی سے اسے کچھ کہے بغیر نکل گئی۔

وہاں پہنچ کر دیکھا تو اس کی حالت واقعی خراب تھی جلدی سے ایمبولینس میں سی ایم ایچ لے گئی اس کو ایڈمیٹ کرلیا گیا۔ شام کو جب وہ گھر پہنچی تو عثمان نے اسے لاؤنج تک نہ آنے دیا۔

"تم اپنے گھر چلی جاؤ...... اب تمہاری یہاں کوئی جگہ نہیں۔"

"میں اس کو طلاق دے رہا ہوں۔" عثمان نے جملہ مکمل کیا اور ہال میں سناٹا پھیل گیا اور ماہ نور کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔

"عثمان......تم اپنے ہوش میں نہیں ہو' یہ کیا بکواس کررہے ہو۔"

"بس مما......اب آپ میرے کسی معاملے میں نہیں بولیں گی...... آپ کے ہی کہنے پر میں اس سے شادی کے لیے راضی ہوا......آپ کے ہی کہنے پر اس سے نکاح کیا' اپنی بیوی بنایا......اب اور نہیں...... یہ میرا ذاتی معاملہ ہے کوئی مداخلت مت کرے۔" عثمان کا غصہ اپنے عروج پر تھا۔

"اورتم اٹھاؤ...... اپنا سامان...... اور دور ہو جاؤ میری نظروں سے...... خبردار جو بچوں کو لے جانے کی بات کی...... وہ میری کسٹڈی میں آچکے ہیں اور میری کسی چیز پر بھی تمہارا کوئی حق نہیں۔ چلی جاؤ یہاں سے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں...... میں کہاں جاؤں گی آپ کو اور بچوں کو چھوڑ کر یہ میرا گھر ہے...... اپنے گھر کو چھوڑ کر کہاں چلی جاؤں۔" ماہ نور نے روتے ہوئے التجا کی۔

"تمہارا گھر تھا تب جب تم میری بیوی تھی' لیکن اب یہ حق تم کھو چکی ہو...... طلاق دے رہا ہوں' میں تمہیں۔" عثمان نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"خدا کے لیے عثمان یہ منحوس الفاظ منہ سے مت نکالو۔ خدا ناراض ہوتا ہے۔" نزہت نے اس کو پکڑ کر کہا۔

"فار گاڈ سیک مما...... اس کو بولیں یہاں سے جائے ورنہ میں اپنے ساتھ ہی کچھ غلط کر بیٹھوں گا......" عثمان نے کنپٹیاں مسلتے ہوئے کہا تو ماہ نور اس کے پیروں میں گر گئی۔

"میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں' یہ ظلم ہے میرے ساتھ۔ میں مر جاؤں گی۔"

"تم جیسی بدکردار عوت کو مر جانا ہی چاہیے۔ اب نکل رہی ہو کہ دھکے دے کر نکالوں۔" عثمان نے سنگ دلی کی انتہا کر دی' فاطمہ ان کے درمیان آئی۔

"بھائی یہ سب کیوں کر رہے ہیں آپ...... آپ خود بھی ان کے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس حالت میں آپ انہیں......" فاطمہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ عثمان نے ماہ نور کو اپنے قدموں سے اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اسے مین ڈور سے باہر نکال دیا۔ گھر کے سب لوگ اسے روک رہے تھے۔ مگر اس نے کسی کی نہ سنی۔ باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا ماہ نور سسکتے ہوئے شجاع ہاؤس سے باہر نکلی ایک بار مڑ کر گھر کو اشک بار آنکھوں سے دیکھا اور نیم پلیٹ کو دیکھ کر وہاں سے نکل آئی۔

......❀......

چلتے چلتے راستے میں اس کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ تبھی اس کی نظر ایک گاڑی پر ٹھہر گئی جو آگے جا کر پھر ریورس ہو کر اس کے پاس رک گئی۔ گاڑی سے اترنے والا شخص میجر سلمان تھا۔ بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

مانا کہ ادھورے رہتے ہیں

یہاں اپنی اپنی باری پہ
سب ہنستے ہیں سب روتے ہیں
دل تو سب کا ہوتا ہے
اور دکھ بھی سب کے ہوتے ہیں
کچھ اشک دلوں پر گرتے ہیں
کچھ مٹی میں مل جاتے ہیں
کچھ لفظ ادا ہو جاتے ہیں
کچھ ہونٹوں میں مل جاتے ہیں
مانا کہ ادھورے رہتے ہیں
پر خواب تو سب کے ہوتے ہیں
کچھ کھو کر بھی پا لیتے ہیں
کچھ پا کر بھی کھو دیتے ہیں
یہاں اپنی اپنی باری پہ
سب ہنستے ہیں سب روتے ہیں

عائشہ دین محمد طاہر پیر...... ضلع رحیم یار خان

"بھابی آپ یہاں...... اس طرح سب...... سب ٹھیک تو ہے ناں۔" ماہ نور نے آنسو پونچھ کر اسے دیکھا اور بولی۔

"آپ مجھے میرے گھر چھوڑ دیں گے پلیز۔"

"ہاں...... کیوں نہیں...... آئیں بیٹھیں...... پلیز۔" ماہ نور آ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی' سلمان بہت الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"گھر پر سب ٹھیک تو ہے ناں...... بچے' عثمان' انکل' آنٹی......!" سلمان نے گاڑی روکتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"جی...... سب ٹھیک ہے۔ بس میں یہاں اپنی دوست سے ملنے آئی تھی۔ ڈرائیور کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ ابھی تک نہیں آیا۔" ماہ نور نے جھوٹ کا سہارا لیا مگر وہ سمجھ گیا کوئی نجی مسئلہ ہے جو یہ بتانا نہیں چاہتی۔

"ابرار ہاؤس چلیں گی ناں۔"

"جی......!" سلمان نے یوٹرن لیتے ہوئے پوچھا تو ماہ

نورآہستگی سے بولی۔

"ماہ نور! تم اس وقت یہاں اس طرح سے۔" سلمان کے جاتے ہی ماہ نور نے ڈور بیل بجائی تو دروازہ کھولنے پر لاریب نے چونک کراسے دیکھ کر پوچھا' ماہ نور' بے سدھ' بے تاثر چہرے کے ساتھ اندر آئی اور سیدھا لاؤنج میں آ گئی۔ سب خوش گوار موڈ میں تھے' اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ماہ نور سیدھا جاکر کرنل ابرار کے سینے سے جا لگی اور رونے لگی۔ سب پریشان ہوگئے۔

"کیا ہوا ماہ نور...... بیٹا بتاؤ تو کیا ہوا؟" ابھی کرنل ابرار بول ہی رہے تھے کہ ماہ نور ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد سب اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ وہ سوئی ہوئی تھی۔ پاؤں پر پٹی تھی۔

ارسلان مسلسل عثمان کو فون ملا رہا تھا مگر اس کا نمبر بند آرہا تھا' مسز ابرار ماہ نور کے سرہانے بیٹھی اس کے بال سہلا رہی تھیں اور ان کے آنسو مسلسل جاری تھے۔ صبح ماہ نور کی آنکھ کھلی تو مسز ابرار اس کے پاس نیم دراز تھیں اسے اٹھتے دیکھ کر مسز ابرار بھی چونک کر بیٹھ گئیں۔

"ماہ نور...... کیسی ہو اب؟" ماہ نور نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ ارسلان بھی جاگ گیا اور اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اس کو اپنے سینے سے لگایا اور بولا۔

"اب تسلی سے پوری بات بتاؤ...... ہوا کیا ہے؟" نزہت اور شجاع بھی لاعلمی کا اظہار کررہے ہیں۔

"عثمان مجھے طلاق دے رہے ہیں۔" ماہ نور نے آرام سے بتایا۔

"کیا......! لیکن کیوں؟" ارسلان کو جیسے کرنٹ لگا۔ ماہ نور خاموش رہی۔

"کیوں...... کچھ تو ہوا ہوگا...... وہ اتنی بڑی بات اتنے آرام سے کیسے کہہ سکتا ہے۔"

"بھائی میں کچھ نہیں جانتی...... یہ آپ ان سے پوچھیں۔" اس بار بھی وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ بولی۔ دونوں گھروں میں برابر کی ٹینشن تھی' ماہ نور کو آئے ہوئے تیسرا دن تھا جب کرنل ابرار کی کال عثمان نے اٹھائی۔

"بیٹا کیا ہوا ہے تم دونوں کے درمیان رات کے دس بجے انتہائی خراب حالت میں ماہ نور اپنے میکے آئی تھی؟"

"انکل یہ وہی بتا سکتی ہے۔ آپ اسی سے کیوں نہیں پوچھتے؟" عثمان اپنے آفس میں بیٹھا تھا جب کرنل ابرار کی کال آئی اس نے بڑے آرام و سکون سے جواب دیا۔

"اس سے بھی پوچھ پوچھ کر ہم تھک گئے ہیں لیکن نہ وہ بول رہی ہے نہ کچھ کھا رہی ہے...... کچھ تو ہوا ہے ایسا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"جی یہی سمجھ لیں آپ...... ایسا ہی کچھ کیا ہے آپ کی بیٹی نے......" عثمان نے طنزیہ کہا۔

"کیا کیا ہے...... پوری بات بتاؤ؟"

"انکل اس وقت میں ذرا مصروف ہوں' فارغ ہو کر آپ کو کال کروں گا۔" یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

ماہ نور یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے۔" انوشہ نے اس کے کمزور چہرے اور آنکھوں کے گرد پڑے حلقوں کو دیکھ کر کہا۔

"کیا ہوا ہے تم بتاؤ مجھے' ایسے تو نہیں چلتا ناں۔" ماہ نور انوشہ کے گلے لگ گئی اور سسکتے ہوئے بولی۔

"آپی وہی ہوا جس کا خوف تھا...... عثمان مجھے بدکردار عورت ثابت کرچکے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میرے ان کے بہنوئی احسن کے ساتھ غلط تعلقات ہیں۔ اس لیے میں ان کی بہن کو طلاق دلوانا چاہتی ہوں۔ اس لیے اس سے پہلے ان کی بہن کو طلاق ہوجائے وہ مجھ سے اپنی بیوی ہونے کا حق چھیننا چاہتے ہیں۔ حالانکہ احسن کو ہمیشہ میں نے اپنا بھائی سمجھا ہے پھر وہ ایسی بات سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔" ماہ نور نے عاجزی سے سارا قصہ انوشہ کو سنایا۔

"ماہ نور...... ذرا سوچو...... کچھ تو ایسا ہوگا...... جو عثمان یہ بات سوچنے پر اور اتنا بڑا قدم اٹھانے پر تیار ہوگیا۔ حالانکہ وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔"

"نہیں کرتا ہے مجھ سے محبت...... ان کی مجبوری تھی یہ شادی' اب وہ پچھتا رہے ہیں تو یہ گھٹیا الزام لگا کر مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔" ماہ نور کا لہجہ کڑواہٹ سے چور تھا۔

"نہیں ماہ نور تم سوچو کچھ تو ایسا ہوا ہوگا...... جس نے ان کو اتنا مجبور کردیا۔" انوشہ نے سمجھایا۔

"آپی میں نے...... جو کچھ بھی کیا انسانیت کے ناطے ایک مجبور انسان کے ساتھ ہمدردی کی صاف نیت سے کیا۔ آپی دراصل احسن کو ایڈز ہے میرے اور فاطمہ کے علاوہ یہ بات کوئی نہیں جانتا اور اس نے عثمان کو بتانے سے منع کیا ہے۔" انوشہ ساری بات سمجھ گئی۔

"یہ تو سب مس انڈر اسٹینڈنگ کی وجہ سے ہوا ہے تمہیں ساری بات عثمان کو بتا دینی چاہیے یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے۔"

"میں انہیں کچھ نہیں بتا سکتی' وہ فاطمہ کی زندگی تباہ کردیں گے۔ آپ جانتی ہیں وہ احسن کو شروع ہی سے میری وجہ سے ناپسند کرتے ہیں' کیا مجھے اپنا گھر بچانے کے لیے کسی اور کا گھر تباہ کردینا چاہیے...... اور ویسے بھی آپی...... میں نے بہت کوشش کی آخری دم تک اپنا گھر بچانے کی مگر...... مگر وہ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتے تو میں کیا کرسکتی ہوں۔"

"ابھی اس کے یا تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا' اب تم دونوں کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم ہونے جارہا ہے اور تم دونوں...... عثمان یہ بات جانتا ہے؟" انوشہ کے آخری جملے میں تشویش تھی۔

"اگر جان بھی جاتے تو کون سا انقلاب آجاتا۔"

"تمہیں اس کو پھر بھی بتانا چاہیے تھا یہ ضروری ہے۔"

"آپی...... وہ تو میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتے اور آپ کہہ رہی ہو کہ میں ان سے بات کروں...... آپی جہاں تک میں نے اس رشتے کو جانا ہے یہ رشتے صرف تین چیزوں کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ پیار' وفا اور بھروسہ جو کہ تینوں دم توڑ چکی ہیں۔" ماہ نور کی نظر قالین پر ٹکی ہوئی تھی اور آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔"آپی...... کیا انہیں میں اس لیے بتا دیتی کہ اپنے ہونے والے بچے کی خاطر' اس بچے کی بدکردار ماں کو معاف کردیں' بدکرداری کا جو داغ انہوں نے میرے ماتھے پر لگانا تھا وہ تو لگا چکے ہیں۔ میری وفاؤں کی تسبیح ٹوٹ چکی ہے آپی' کچھ بھی نہیں بچا۔" وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ انوشہ نے اسے سینے

سروے عید

ماہنامہ حجاب کی جانب سے عید کی خوشیوں میں آپ قارئین کی شرکت کے لیے خصوصی سروے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ سروے کے سوالات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ماہ رمضان میں روٹین عام دنوں سے یکسر مختلف ہوتی ہے' آپ کے شب و روز کس روٹین کے پابند ہوتے ہیں؟

(۲) آپ کے ہاں عموماً سحری پر کون تاخیر سے اٹھتا ہے' جسے سحری کے لیے جگانا مشکل لگتا ہے؟

(۳) عید کے دنوں میں مہمانوں کی مدورفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آپ کس دن یہ شرف دوسروں کو بخشتی ہیں؟ اور کہاں جاتی ہیں؟

(۴) بچپن کی وہ پہلی عید جو اپنی تمام جزئیات سمیت آپ کے حافظے میں محفوظ ہو؟

(۵) آپ نے پہلا روزہ کس عمر میں رکھا نیز روزہ کشائی آج کل کے انداز میں ہوئی تھی یا سادگی سے' آپ کیا کہیں گی؟

(۶) سحر و افطار کی نشریات کے حوالے سے آپ کی کیا رائے ہے؟

(۷) چاند دیکھ کر کون سی دعا لبوں پر بے ساختہ آجاتی ہے؟

(۸) عید کے موقع پر آپ کی تیاری کن چیزوں کے بغیر ادھوری ہے؟

ان سوالات کے جوابات 20 جون تک ارسال کردیں۔ ای میل کے لیے ایڈریس یہ ہیں۔

نوٹ:۔ ای میل کرنی والی بہنیں سروے حجاب ضرور لکھیں۔ info@aanchal.com.ok

سے لگایا۔
"ماہ نور یہ اصول دنیا ہے ایسے مواقعوں پر عورت کو ہی جھکنا پڑتا ہے۔ اگر تم دونوں اپنی اپنی انا کا دامن نہیں چھوڑو گے تو کیسے چلے گا..... فرق تم دونوں سے زیادہ تم دونوں کے بچوں پر پڑے گا۔ اپنا نہیں تو ان کا سوچو۔" انوشہ کے سمجھانے پر ماہ نور خاموش رہی۔

......❀......

رات ساڑھے تین بجے ہاسپٹل سے فون آیا اور شجاع ہاؤس میں تہلکہ مچ گیا' احسن انتقال کر گیا تھا۔ فاطمہ پر سکتہ طاری تھا۔ اس نے ہمیشہ احسن کو ہنستے بولتے دیکھا' حتیٰ کہ موت ہر وقت اس کے سامنے رہتی مگر اس نے کبھی اپنی تکلیف کسی کو محسوس نہ ہونے دی مگر اب اس کا وجود مٹی کے ڈھیر کی مانند اسٹریچر پر لایا جارہا تھا۔ عثمان بھی منگلہ سے چھ بجے تک آ گیا تھا۔ فاطمہ نے صرف ایک میسج ماہ نور کو کیا۔
"بھابی...... احسن اب نہیں رہے۔" ماہ نور ارسلان اور کرنل ابرار کے ہمراہ وہاں پہنچ گئی۔ میت دیکھ کر اس کو بہت رونا آیا۔ عثمان کو جہاں اپنی بہن کے بیوہ ہونے کا دکھ تھا وہاں پر اسے ایک گنہگار انسان کے چلے جانے کی ایک انجانی سی خوشی ہوئی۔ جنازے کے بعد جاتے وقت بھی ماہ نور' عثمان کی منتظر تھی کہ وہ کم از کم اس سے حال احوال ہی پوچھ لے مگر اس نے ایک دفعہ بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔
"عثمان اب تو سب کچھ جان گئے ہوں گے پھر انہوں نے ابھی تک مجھ سے بات کیوں نہیں کی؟" ماہ نور کی آنکھیں بھر آئیں۔ پھر ایک اور خیال اس کے ذہن میں رقص کرنے لگا جب حسن نے اس سے کہا تھا۔
"ماہ نور میں تو ناراض ہو کر مان جاؤں گا مگر اس رب کا کیا کرو گی جو ایک بار ناراض ہو تو انسان کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔" یہ سوچ کر وہ اٹھی اور وضو کر کے جائے نماز بچھالی۔
"یااللہ......! کرنل ابرار کی بیٹی اتنی بدنصیب تھی کہ اسے شادی شدہ زندگی راس نہ آئی پہلے حسن پھر عثمان...... آخر کیوں...... کیا میں اتنی گناہ گار ہوں کہ مجھ پر رحم بھی نہیں کر سکتا تو...... حمزہ اور مریم کی پیدائش پر مجھ سے حسن جدا ہو گئے' اب دوسری بار جب ایک معصوم نے اس دنیا میں آنا ہے تو عثمان مجھے طلاق دے رہے ہیں۔"

احسن کی وفات کو دو ہفتے گزر گئے تھے آج جا کر فاطمہ کے حواس بحال ہوئے تھے۔ وہ روتے ہوئے ماں کے گلے لگی اور سب کہہ گئی۔
"مما...... یہ تو میں جانتی تھی کہ ان کو مجھے ایک روز چھوڑ کر جانا ہے..... مگر کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ سب کچھ اتنا جلدی ہوگا اور جب وہ چھوڑ کر جائیں گے تو اتنی دور جائیں گے کہ میں ان کو دیکھ بھی نہ سکوں گی۔"
"کیا مطلب...... میں سمجھی نہیں؟" نزہت بیگم نے حیرت سے پوچھا۔
"مما...... ہماری شادی کے مہینے بعد ہی ان کو پتہ چل گیا تھا کہ ان کو ایڈز ہے...... اس کے بعد انہوں نے مجھے چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا...... مگر میں ضد پر اڑی رہی کہ میں ان کی ہی بیوہ بنوں گی مگر ان سے طلاق نہیں لوں گی۔ انہوں نے بہت سمجھایا مگر میرے بس میں نہیں تھا۔ اس لیے ہم دونوں نے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا پھر ایک روز اس بارے میں ماہ نور بھابی کو پتہ چل گیا۔ میں نے انہیں منع کیا کہ وہ کسی کو نہ بتائیں خاص کر عثمان بھائی کو...... ورنہ وہ مجھے طلاق دلوادیں گے...... بھابی نے اپنا وعدہ خوب نبھایا...... اپنے گھر کو آگ لگنے دی مگر میرے آشیانے پر آنچ تک نہ آنے دی۔ گھر چھوڑتے وقت انہوں نے نہ عثمان بھائی' نہ مریم' حمزہ کا اور نہ ہی آنے والے بچے کا خیال کیا...... انہوں نے یہ کڑوا گھونٹ بھائی کی محبت کی خاطر ان کی بہن کی خاطر پیا...... مگر بھائی نے' بھائی نے ناانصافی کی ہے ان کے ساتھ مما!"
یہ سن کر عثمان دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھتا چلا گیا۔ اس پر عجیب سی کشمکش طاری تھی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے کمرے میں آ گیا۔
"یہ...... یہ میں نے کیا کردیا...... یہ کیا...... کیا میں نے ماہ نور کے ساتھ' میں نے بہت غلط کردیا ہے' یااللہ یہ کیا ہو گیا اور ماہ نور امید سے ہے' اس نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" عثمان شجاع تم نے اسے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنے دیا تو یہ بات وہ تمہیں کیسے بتا سکتی تھی...... تو ظالم ہے' عثمان شجاع تو نے زیادتی کی ہے' اس بے قصور کے ساتھ...... تو نے اس کی پاکیزہ محبت پر شک کیا ہے۔" عثمان بلک بلک کر اپنے بال نوچنے لگا۔ اس کا ضمیر اس پر لعنت بھیج رہا تھا۔ عثمان گاڑی

اقصیٰ مریم

ڈیئر آنچل قارئین، تمام رائٹرز اور آنچل سے وابستہ تمام لوگوں کو محبت بھرا اسلام قبول ہو۔ امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے اور اپنی زندگی کو خوش گوار بنا رہے ہوں گے اور اب آپ کی زندگی کو مزید خوش گوار بنانے کے لیے مابدولت تشریف لائی ہیں جی تو مجھے کہتے ہیں اقصیٰ مریم...... بہت پیاری بہت معصوم اور بہت بہت اچھی۔ جی تو میں 31 اکتوبر کو اٹک کے پیارے سے شہر فتح جنگ میں پیدا ہوئی۔ ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہے میرا نمبر پہلا ہے اس لیے سب کی فیورٹ بھی ہوں۔ میں ایم ایس سی کر رہی ہوں اور ساتھ ساتھ ٹیوشن پڑھاتی ہوں اب آتی ہوں اپنی پسند اور ناپسند پر۔ ویسے کم ہی چیزیں ناپسند ہیں مجھے بارش بہت زیادہ پسند ہے خاص طور پر سردیوں کی بارشیں تو اف اللہ کیا بتاؤں اور بارش میں بھیگنا بھی۔ مجھے گرمیوں کی صبح بہت اچھی لگتی ہیں اور صحن میں صبح کی نماز پڑھنا تو بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ مجھے مہندی اچھی لگتی ہے کھانے میں تقریباً تمام چیزیں ہی موسٹ فیورٹ آئس کریم اور چاٹ ہے۔ رنگوں میں مجھے سرخ رنگ بہت اچھا لگتا ہے اور میں زیادہ کپڑے بھی سرخ رنگ کے پہنتی ہوں۔ دوستیں بنانا بہت اچھا لگتا ہے۔ میری بیسٹ فرینڈ امینہ، سحرش، صائمہ، سائرہ اور تہمینہ ہیں۔ تہمینہ جو کہ دوست بھی ہے اور کزنز بھی اس کے علاوہ ہما، ثناء اور رامنہ بہنیں ہیں کے ساتھ بہت بنتی ہیں۔ آنچل سے میں تقریباً پانچ سال سے منسلک ہوں اور اب تو ریگولر پڑھتی ہوں۔ بیسٹ ناول پیر کامل، ٹوٹا ہوا تارہ اور یہ چاہتیں یہ شدتیں ہیں۔ نماز کی پابندی کرتی ہوں پھر بھی کوئی رہ ہی جاتی ہے۔ بیسٹ رائٹرز میں سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی ہے۔ فیس بک اور انٹرنیٹ اچھا نہیں لگتا بیسٹ اداکار افنان وحید ہے اور اداکارہ سارا خان ہے اور...... اور اپنا گھر، امی ابو، بہن بھائی بہت اچھے لگتے ہیں۔ ان سب کے بغیر کہیں بھی دل نہیں لگتا۔ اب اجازت چاہتی ہوں دعا میں یاد رکھیے گا۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے اور ہم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین)

لے کر گھر سے نکل گیا۔

......❁......
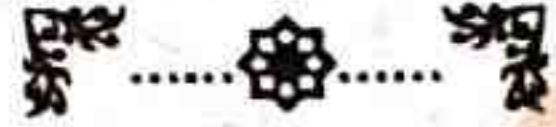
آج جب ماہ نور، لاریب کے ساتھ اپنا چیک اپ کروانے آئی تو ڈاکٹر نے اس بار پھر عثمان کے نہ آنے کو مائنڈ کیا تھا۔ عثمان ماہ نور سے ملنے ہی یہاں آیا تھا، لاریب نے عثمان کو دیکھا اور یک دم بولی۔

"یہ تو مجھے عثمان بھائی لگ رہے ہیں۔" ماہ نور نے متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا تو عثمان پر نظر ٹک گئی۔ پہلے عجیب سی محبت کا احساس ہوا مگر جب اسے اپنے پاس آتے دیکھا تو عثمان کے کہے ہوئے الفاظ اس کی سماعت میں گونجنے لگے۔

"پچھتا رہا ہوں میں تم سے شادی کر کے...... ابھی ہی کوئی فیصلہ لے لینا چاہئے کہیں دیر نہ ہوجائے...... تم جیسی بدکردار عورت کو مرجانا ہی چاہیے...... طلاق دے رہا ہوں میں تمہیں طلاق...... طلاق۔" ماہ نور کا خون کھولنے لگا۔

عثمان ان کے پاس آیا اور لاریب کو سلام کر کے ایک بار مسکرا کر ماہ نور کو سلام کیا۔ اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔ لاریب موقع کی مناسبت کو سمجھتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ عثمان ماہ نور کے آگے آ گیا۔

"ہم آرام سے یہاں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔" ماہ نور نے اسے گھورا اور سختی سے بولی۔

"نہیں۔" اور آگے بڑھ گئی۔

"ماہ نور پلیز، مجھے ایک موقع تو دو اپنی صفائی پیش کرنے کا۔" عثمان نے التجا کی۔

"ٹھیک ہے دیتی ہوں میں آپ کو وہ موقع جو آپ نے مجھے نہیں دیا تھا۔" یہ کہہ کر بڑھنے لگی تو عثمان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور زبردستی اپنی گاڑی میں لے جا کر بٹھا دیا۔

"پلیز عثمان، میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے مجھے جانے دو۔" ماہ نور بے بسی سے بولی۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تم پریگنیٹ تھیں۔"

عثمان نے پوچھا۔
''اب بھی آپ کو مجھ سے ہی گلے ہیں...... ویسے میں آپ کو اس لیے بتا دیتی کہ اپنے ہونے والے بچے کی خاطر اس بدکردار عورت کو بھی اس گھر میں رہنے دیں...... ظاہر ہے میری نہ کبھی آپ کے نزدیک کوئی اہمیت تھی نہ ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔'' عثمان نے مسکراتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
''بس...... میں جانتا ہوں' جو کچھ بھی ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بہت غلط ہوا ہے' تم مجھے معاف مت کرنا' اگر تم نے مجھے معاف کردیا تو میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گا' اس لیے تم میرے ساتھ میرے گھر چلو' وہاں رہو' اپنی کیئر کرواؤ اور مجھے میری اوقات یاد دلاؤ۔'' ماہ نور نرمی سے اسے دیکھنے لگی۔
''نہیں عثمان...... ناراض تو نہیں تھی میں آپ سے...... بس تکلیف ضرور ہوئی تھی کہ آپ کو کم از کم مجھ پر اتنا بھروسہ تو ہونا چاہیے تھا کہ اگر کوئی میری گردن پر چھری بھی رکھ دے تو میں آپ کی ہی رہوں گی اور آخری دم تک آپ کی وفا کا پاس رکھوں گی' اور ویسے بھی معاف تو اس کو کیا جاتا ہے جس سے ناراض ہو' میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔'' ماہ نور نے دھیمے لہجے میں کہا۔
عثمان کچھ بولنا چاہ رہا تھا کہ ماہ نور گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل کر ایک بار اندر جھک کر کہنے لگی۔
''جیسے آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر سے نکالا تھا ناں ویسے ہی ہاتھ پکڑ کر مجھے واپس لے جانے آئیں گے تو میں آؤں گی...... ورنہ بھول جائیں۔'' ماہ نور نے مسکرا کر کہا تو ایک شریر مسکراہٹ عثمان کے چہرے پر بھی سج گئی۔

......❀......

وہی مسبب زندگی بن گیا ہے میری
ایک روز تھا جب وہ تھا فقط ایک اجنبی
میں خود کو روک نہ پائی اس کے سحر نظر سے
تھی جس میں حیاء اور وفا کی سی پارسائی
آج وہ نہیں ہے جس کو ٹوٹ کر چاہا تھا میں نے
مگر وہ ہے جس نے ٹوٹ کر چاہا تھا مجھے
نہ جانے نینوں میں اس کے تھی کس کی شبیہہ
کہ نہ ملا سکی میں نظر اس سے کبھی
تمہاری کس نے یہ مختلف مگر مکمل تسبیح
کہتے ہیں جس کو وفا کے دو دانوں کی تسبیح

......❀......

''او مائی گڈنیس...... عثمان یہ تم ہو' تم کتنے بدل گئے ہو۔'' شاپنگ مال میں صبا عثمان کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس وقت وہاں عثمان اور حمزہ کاؤنٹر پر کھڑے تھے۔
''صبا تم کتنی موٹی ہوگئی ہو۔'' عثمان جانتا تھا کہ وہ اپنے وزن کے بارے میں کافی فکر مند رہتی ہے اس لیے اس کو چھیڑا۔
''کوئی نہیں پہلے سے دو کلو کم کیا ہے۔ یہ تمہارا بیٹا ہے۔ سو سویٹ' تم پر ہی گیا ہے۔'' اس بار صبا نے آگے بڑھ کر حمزہ کو پیار کیا۔
''ہاں...... تمہارے ہزبینڈ کہاں ہیں؟'' عثمان نے یہاں وہاں دیکھتے ہوئے کہا۔
''وہ باہر چلے گئے ہیں آؤ تمہیں ملواؤں ان سے۔'' بائے دی وے تمہاری وائف کہاں ہے؟ مجھے بھی ملواؤ ان سے۔'' صبا نے پارکنگ کی طرف آتے ہوتے کہا۔ صبا کا ہزبینڈ ان کے ہی کالج کا لڑکا تھا' فاروق وہ دونوں باتیں کررہے تھے' جب صبا نے اپنی گاڑی میں سامان رکھتے ہوئے دوسری طرف کھڑی ماہ نور کو دیکھا۔ صبا جلدی سے اس کی طرف گئی۔
''ہیلو ماہ نور' کیسی ہو؟'' ماہ نور نے بھی خوش دلی کا مظاہرہ کیا اور باتوں باتوں میں بولی۔
''اس دن میں نے تمہیں اور تمہارے ہزبینڈ کو سی ایم ایچ میں دیکھا تھا۔ ہمیں بھی ملواؤ۔''
''ہاں وہ آرہے ہیں۔ آپ کس کے ساتھ آئی ہو۔'' ماہ نور نے پوچھا۔
''میں عثمان کے ساتھ...... یاد ہے وہ تمہیں۔'' ماہ نور نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ماہ نور جان گئی یہ جھوٹ بول رہی ہے اسے چھیڑنے کے لیے۔
''ٹھہرو میں ابھی تمہیں ملوا دیتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے عثمان اور فاروق کو آواز دی۔ دونوں آگئے' فاروق ماہ نور کو دیکھ کر حیران ہوا۔

''عثمان یہ دیکھو کون ہیں؟'' عثمان نے شریر مسکان چہرے پر سجائی اور ماہ نور کو گھورنے لگا۔

''اوہ آپ......!'' یہ کہہ کر عثمان نے اپنا دائیاں بازو ماہ نور کی کمر کے گرد کیا اور اپنی طرف کیا۔

''یہ تو وہی ہے صبا' جس کو دیکھے بغیر میری صبح نہیں ہوتی۔'' صبا اور فاروق دونوں ہی حیرت سے دونوں کو مسکراتا دیکھ رہے تھے۔

''کیا مطلب......تم دونوں ہزبینڈ وائف ہو؟'' فاروق نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں......!'' عثمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اچھا تو عثمان تم نے اپنی شرط پوری کی ہے یا پھر جو کچھ تم لوگ کالج میں کرتے تھے وہ سب ڈرامہ تھا' یا پھر ماہ نور اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگئی۔'' صبا نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''او صبا پلیز......یہ بہت لمبی اسٹوری ہے پھر کسی فارغ وقت میں سنائیں گے۔'' یہ کہہ کر ماہ نور اور عثمان گاڑی میں بیٹھے اور چلے گئے۔

......❀......

اللہ نے ان کو بیٹا عطا کیا' جس کا نام عثمان نے حسن رکھا۔ ماہ نور جب بھی ان بچوں کو ہنستا کھیلتا دیکھتی اور عثمان کا مسکراتا چہرہ دیکھتی تو اسے ان الفاظ کی صداقت محسوس ہوتی۔

''ماہ نور جس کو تم ظلم سمجھ رہی تھیں...... یہ ظلم نہیں ہے تمہارے لیے اور بچوں کے لیے اس میں بہتری ہے۔''

''عثمان پتہ ہے...... میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ اگر حسن کے جانے کے بعد آپ میرا ہاتھ نہ تھامتے تو میں جیتے جی مرجاتی......اور پھر نہ ہی میری زندگی میں حسن آتا اور نہ ہی ہلیم' کتنا عجیب ہوتا ہے سب کچھ......!'' یہ کہتے ہوئے ماہ نور کی آنکھیں بھرآئیں' عثمان نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں نرمی سے لیا اور بولا۔

''اگر میں نہ ہوتا......تو ظاہر ہے تم بھی نہ ہوتیں......جو جوڑ قدرت نے سوچ رکھا تھا' ہم ان راز سے بے خبر ہوتے ہیں اور اب بس......'' عثمان نے اس کے آنسو پونچھے۔

''تم نے جتنا دکھ' جتنی تکلیف اٹھائی تھی' اٹھا

شعر

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا
کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا
پتھر مجھے کہتا ہے میرا چاہنے والا
میں موم ہوں اس نے مجھے چھو کر نہیں دیکھا

ارم امجد......کراچی

چکی......اب میں اور ان آنکھوں میں اپنے جیتے جی کبھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔'' ماہ نور اس کو گہری نظروں سے دیکھ کر مسکرائی۔

......❀......

وقت پلک جھپکتے بدل گیا۔ عثمان بریگیڈیئر پر موٹ ہو کر ریٹائر ہوگئے۔ حمزہ نے پاکستان آرمی میں کمیشن لیا اور حسن اپنے شوق کے مطابق ائیر فورس میں چلا گیا۔ ہلیم سب سے چھوٹی تھی ابھی وہ میٹرک میں تھی جبکہ مریم BDS کررہی تھی۔

''پاپا میں اس عبداللہ کے بچے کو نہیں چھوڑوں گی۔'' مریم کالج سے آئی تو خفگی سے بیگ ایک طرف پھینکا اور منہ پھولا کر بیٹھ گئی اور انوشہ کے بیٹے کی شکایت لگائی۔

''کیوں کیا کہہ دیا اس نے......!'' ماہ نور نے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

''آج کلاس سے نکلتے ہوئے میرے جوتے کی ہیل ٹوٹ گئی تھی......تو پوری کلاس میں میری بے عزتی کروانے کے لیے کہتا ہے......'ریٹائرڈ آرمی آفیسر کی بیٹی ہے ناں...... ہر چیز ریٹائر ہو چکی ہے۔'' یہ سن کر پہلے دونوں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر خوب ہنسے۔ جبکہ مریم حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

دل ضدی بچہ

طلعت نظامی

دنیا کی رنگینیوں سے آنکھیں سیر کرنے کے باوجود ہالینڈ، پیرس، فرانس کا چپہ چپہ گھوم لینے کے بعد بھی کامران لودھی کو اس بات کا یقین کامل تھا کہ ہر ڈگر پر ٹھہرنے کے بعد وہ روپیہ پیسہ بھی اسی طرح لٹائیں گے تو جس مقصد کے لیے وہ اپنوں سے دوری برداشت کرنے پر راضی ہوئے ہیں مقصد کبھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔

ان کے منشاء میں بہنوں کی شادیاں تھیں۔ جو انجام پاگئیں، چھوٹے دونوں بھائی کا مضبوط سیٹ اپ اس کی خواہش تھی وہ پوری ہونے کو تھی۔ اپنی گاڑی، پوش ایریا میں مکان، ہر آسائشیں مہیا کر لینے کے بعد یہ احساس ہمیشہ کی طرح جاگزیں رہا کہ کس طرح اپنے ہاتھوں سے انہوں نے اسٹیٹس کی مضبوط عمارت کھڑی کی تھی اور یہ کہ اب کوئی ناتجربہ کار ہاتھ اس امارت وعمارت کی بنیادیں کھوکھلی نہ کردے۔ بہت ڈرتے ہیں ہر آنے والے برے وقت سے جو ماضی نہ دہرائے۔ اب تو ہاتھوں میں وہ عزم وولولہ بھی نہیں رہا تھا کہ اٹھا کر ایک بار پھر سے کھڑا کردے۔ کس محنت ولگن سے معاشرے میں اپنے مقام کو واضح کیا تھا یہ صرف وہی جانتے تھے اور یہ شکر تھا کہ گھر والے ان کی عرق ریزی کی اقدار سے واقف تھے۔ پیسہ پائی پائی کر کے کمایا جاتا ہے اور لٹ لمحے میں جاتا ہے۔ بس فنکارانہ ہاتھوں کی مشاقی چاہیے۔ جو آسائشوں کی قدر کرنا چاہتے ہیں وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں اور جو انہی آسائشوں کے سرور میں محض ڈوبے رہنا چاہتے ہیں وہ لمحہ بھی نہیں لگاتے رہن بیچ کھاتے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ کسی نے ان کے حصول کے لیے اپنا آپ وقف کر رکھا تھا۔

بہت ہاتھ روک کر خرچ کیا، کسی مقام پر خود کو بہکنے نہیں دیا ورنہ کن کن رنگینیوں نے خود ہاتھ بڑھا کر انہیں نہیں روکا، یاروں دوستوں کی محفلوں سے باز رکھا کہ نفس ڈھیل پاتے پاتے ہی آزاد نہ ہوجائے۔ ہاں سیر وسیاحت کی کہ گھر واپس جا کر یہاں آنا نہیں تھا، سو فرانس، جرمنی ہالینڈ کو دیدے بھر کے دیکھا، خوشبوؤں کے دیس پیرس میں سانسوں کو معطر کیا اور پاکستان واپس جانے کے ارادے پر مہر لگادی۔

اماں کی خوش گوار چہک تو فون پر ہی انہوں نے سن لی تھی، جب کامران نے نوید دی تھی کہ وہ واپس آرہے ہیں، وہ تو سن کر ہواؤں میں اڑنے لگی تھیں۔ آخر اتنی دوری وہ بھی دس سالوں کی برداشت کرنی کوئی معمولی بات تو تھی نہیں۔ تب سے ان کی آمد کے دن تک سارے گھر کو پھر سے تلپٹ کر ڈالا، پنڈی کے ہی علاقے میں دوسری جگہوں پر آباد بہنوں کو طلب کرلیا گیا، ان کے چہرے بھی سرشاری سے مزین ہوگئے۔

”شکر ہے کامران کو پاکستان کی سوجھی تو، ہم تو آس لگائے دیدے گنوا بیٹھے۔“ بڑی آپا ان کی قربانیوں سے واقف تھیں اور سب بہنوں کی طرح ان کے لیے محبت کے لطیف احساس کو دل میں محسوس کرتی تھیں۔

”جو کچھ کیا تم لوگوں کے لیے ہی کیا، سچ کہتی ہوں۔ تمہارے ابا بھی ہوتے تو خون سے جدائی کی قربانی نہ دیتے، یہ جوڑکوں میں بھر بھر کر تم لوگوں کا جہیز گیا ہے نا یہ ان کے بس کا روگ نہ تھا، للے تللے میں نکال دیتے۔“ اماں کا سر آج فخر سے بلند تھا۔

”یہ تو ہے اماں...... چھ بہنوں کو اپنے اپنے ٹھکانوں پر عزت ووقار کے ساتھ پہنچا دینا، آج کے دور میں جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ جس دور میں عزت کا نام بینک بیلنس ہو، ذاتی قابلیت نہیں، ہمیں کیسے بھول سکتا ہے وہ وقت جب ایک چھوٹے سے کمرے میں ابا اللہ کو

پیارے ہوئے تھے نہ کھانے کا آسرا نہ پہنے اوڑھنے کا ٹھکانہ ایسے میں جب چھت بھی سر پر نہ رہی ہو۔" چھوٹی آپا جذباتی ہوگئی تھیں۔

"بھلا دو وہ وقت اب فکر کرو کامران کی دلہن لانے کی۔" اماں نے بہت پُرمسرت نکتہ نکالا تھا سب کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں۔

"فکر کی کیا بات ہے اماں کامران کے لیے لڑکیاں ہزار۔" سب کی سوچوں میں اپنے اپنے سسرال کی ساری لڑکیاں درآئیں۔

"ہزار تو ہیں لیکن ایک نایاب تو میری نظر میں بھی ہے۔" وہ مسکرائیں۔

"اچھا...... کون ہے وہ گوہر نایاب جسے ہماری اماں نے چن لیا ہے؟"

"یہ...... اپنی سیما کیسی رہے گی۔" شیخ صاحب کی ذہن وفطین خوب صورت خوش مزاج سی بیٹی ان کی نگاہوں کو بھا گئی تھی۔ جس کی بڑی بڑی روشن آنکھوں کی چمک احترام وحیا پر اماں مرمٹی تھیں خوش گفتاری ایسی کہ منٹوں میں دشمن کو زیر کرلے۔ نہ جانے کب سے وہ اس تمنا کی آبیاری ننھے پودے کی طرح کررہی تھیں کہ کسی پر یہ راز کھلنے نہ دیا۔ اسی لیے تو چہرے پر بہار اتری تھی۔

"سیما......" سب نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ گویا انہیں اماں کی پسند سے اختلاف نہیں تھا۔ سب جانتی تھیں اس کی دوستانہ فطرت کے گر کسی کمپنی میں اس کی بوریت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتی جوان تو خیر ہوتے ہی ہم عمر اور بزرگوں میں سمجھداری کا مرقع......

"بہت اچھی ہے اماں سیما لیکن......"

"لیکن کیا......؟" اماں نے چھوٹی آپا کے نکتہ اٹھانے پر دیکھا۔

"وہ بہت کھاتے پیتے گھرانے کے لوگ ہیں اماں کہاں ہم نے اپنی خواہشات وضروریات میں تمیز کرتے ہوئے زندگی گزاری ہے۔ ان لوگوں کا زندگی گزارنے کا انداز ہم سے مختلف ہے۔"

"تو کیا ہوا...... لڑکیاں جہاں جاتی ہیں وہاں کے ماحول کو اپنا لیتی ہیں۔ اچھی اور سمجھ دار بچیاں ایسا ہی کرتی ہیں۔ کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں۔" اماں ہر کسی کو اپنے زاویے سے دیکھتی تھیں۔

"اوہو...... پہلے کامران بھائی کو تو آ لینے دیں یہ نہ ہو کہ وہاں سے ہمارے لیے گوری گوری سی بھابی آ رہی ہوں دس سالہ رفاقت ہے کوئی معمولی بات تو نہیں عمران کو شرارت سوجھی۔"

"دس سالہ رفاقت اس سرزمین سے ہے۔ خدا ناخواستہ کسی گوری پنڈلیوں والی میم سے نہیں۔" اماں نے جھرجھری لی۔ "میرا بچہ ایسا نہیں ہے اس کی نیک نیتی سے میں واقف ہوں۔" بڑے وثوق سے اماں نے سرہلایا۔

اور وہ واقعی اماں کی سوچوں کی عکاسی کرتے ہوئے

ایئرپورٹ پر حاضر تھے۔ باہر کی آب وہوا نے شخصیت پر اچھے اثرات مرتب کیے تھے۔ گندمی رنگت نکھر کر سامنے آئی تھی' لمبائی چوڑائی تو خیر خاندانی وصف تھے۔ گھریلو حالات نے کسی زمانے میں جو سنجیدگی بکھیری تھی وہ اب تک قائم تھی۔ خوشی اپنا پرتو آنکھوں سے عیاں کردیتی' گہری گہری چمک دار آنکھیں کتاب بنی رہتیں۔ اماں کی آنکھوں کے گوشے نم ہوگئے اپنے جاں نثار سپوت کو دیکھ کر سر پر ہاتھ پھیرا اور بہنوں نے ہار پہنائے۔

''کیسے ہیں آپ سب لوگ؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ اس نے تمہارے وسیلے سے ہم سب کو ٹھیک ٹھاک کردیا۔'' بڑی ذومعنی بات انہوں نے کہی تھی۔ پور پور عقیدت میں ڈوبا ہوا تھا۔ چھوٹے بھائیوں کو ساتھ لگا کر پیار کیا جو محض اپنی حیثیت مستحکم ہونے کے خیال سے ان سے دوری برداشت کیے بیٹھے تھے۔ سب گاڑی میں بیٹھ گئے۔

''بھائی جان' آپ تو ترقی کی دوڑ میں ایک قدم پیچھے ہی رہ گئے۔'' عمران کی زبان کو اسے کم گو اور بمشکل کسی بات پر مسکراتا دیکھ کر کھجلی ہونے لگی۔

''وہ کس طرح بھئی؟''

''میں آپ کے پہلو میں بھابی تلاش ہی کرتا رہ گیا۔''

اماں نے سر پر چپت رسید کی وہ مسکرا دیے۔

''مجھے تو وہاں کوئی پسند نہیں آئی' کیا معلوم تھا تمہیں اتنا شوق ہورہا ہے تو ایک آدھ تمہارے حسب منشاء لے بھی آتا۔'' وہ ہنستے ہنستے سر کھجانے لگا۔

''نہیں سچ سچ بتائیں وہاں کی آب وہوا نے اسیر نہیں کیا آپ کو؟''

''اسیرانِ دل تو بے شمار تھے اسیرانِ روح کوئی نہ ملا۔''

''واہ.....واہ' کوئی کہہ سکتا ہے اتنی ثقیل اردو اور بامعنی جملہ سن کر کے ہالینڈ کی خاک چھان آئے ہیں۔''

''فرانس بہت خوب صورت ہے' وہاں پہنچ کر ایک لمحہ کو میرے ارادے متزلزل ضرور ہوئے۔''

''اچھا.....'' وہ ساتھ لگ کر بیٹھ گیا آنکھیں چمک اٹھیں۔

''سچ سچ بتائیں کیسی تھیں وہ؟''

''اس جگہ کی خوب صورتی نے مجھے جکڑ لیا کہ ایک لمحہ میرا دل نہیں چاہا کہ میں واپس جاؤں۔''

''اوہ......'' وہ منہ بسور گیا۔

''پھر کس محرک نے آپ کو واپس آنے پر مجبور کیا؟''

''ان جگہوں کی خوب صورتی اور چکاچوند سے زیادہ خوب صورت تم لوگوں کی محبت تھی۔'' اماں کی آنکھیں مسرت سے بھیگ گئیں۔

''سچ سچ بتائیں بھائی جان آپ کے ارادوں کی مضبوطی سے تو ہم واقف ہیں۔ آپ کو بھی تو کسی نے اپنا مطیع بنانے کی کوشش کی ہوگی۔'' خوب دوستانہ پن چل رہا تھا۔

''قدم قدم پر ایسے شاہکار بکھرے پڑے ہیں...... لیکن سب ناپائیداری کے خول میں لپٹے ہوئے کسی بھی لمحہ چٹخ کر ٹوٹ جانے والے۔''

''ہم تمہیں پائیداری فراہم کریں گے۔ پیارے بھائی کہ تمام خدشات خاک میں مل جائیں گے۔'' آپا نے بھی حصہ لیا تو وہ ہنستے ہوئے مانوس شاہراہوں کو پہچاننے کی کوشش میں لگ گئے۔

اب تو اٹھتے بیٹھتے کامران ہی کامران کا تذکرہ تھا۔ رات گئے تک باتیں ہوتی رہتیں اپنی دس سالہ سرگرمیوں کی رپورٹ دیتے رہے' بولتی مہکتی فضاؤں کے قصے تھے' وہاں کے یاروں دوستوں کی حکایتیں تھیں۔ آتے ہی دونوں بھائیوں کی تعلیمی سرگرمیوں کی رپورٹ لے ڈالی۔

عمران ماسٹرز کررہا تھا اور سلمان اب بی ایس سی میں آ گیا تھا۔ دونوں ہی اس کی امیدوں پر پورے اترے۔ دل کو کچھ تسلی ہوئی کہ ان کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ بہنیں ہر دوسرے تیسرے دن خیر خیریت پوچھنے آجاتیں۔ دو بہنیں تو جہلم میں بیاہی گئی تھیں اور ایک گوجرانوالہ اور سب سے چھوٹی ساہیوال میں ہوئی تھی۔ فون آتے تھے اور اب گرمیوں کی چھٹیوں میں جب بچوں کی بھی چھٹیاں

ہوجاتی تھیں وہ یہاں آنے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔ سب سے بڑی دونوں بہنیں جو پنڈی میں ہی مقیم تھیں۔ وہ تو بہانہ ڈھونڈتی میکے آنے کے لیے۔ اپنی قدر افزائیوں کی قدر دل میں وہ محسوس کرتے اور محسوس کرتے کہ خالی خولی انسان سے کوئی محبت نہیں کرتا' انسان عادات واطوار اور اعمال سے محبت کرتا ہے..... اور ان کی جانفشانیوں نے محبت کے بہت اونچے اونچے روشن مینار قائم کیے ہیں۔ ورنہ ان کی حیثیت ہی کیا ہوتی۔

''بس بیٹا اب اپنے گھر بسانے کے متعلق مجھے کھل کر بتاؤ۔ اور پھر لڑکی کی تلاش میں ہاتھ پاؤں ماریں اور میرے ارمان کی سیرابی ہو۔'' اماں بڑی چاؤ کے ساتھ گود میں رکھے ان کے سر میں انگلیاں پھیرتی کہہ رہی تھیں۔

''کیوں...... میری آزادی بہت بری لگ رہی ہے اماں......؟'' اتنے عرصے بعد ریلیکس ہونا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔

''میں بیوی لانے کی بات کررہی ہوں...... غم گسار لانے کی' آزادی سلب کرنے کے متعلق نہیں سوچ رہی۔ اس گھر کے در و دیوار بھی گرہستن کی صورت چاہتے ہیں۔ پیارے پیارے بچوں کی چہکاریں سننے کے منتظر ہیں۔ کوئی پسند ہے تو بتادو...... ورنہ ہمیں اجازت دو کہ ہم ڈھونڈیں۔'' اماں چہرے کے تاثرات جاننے کے لیے کوشاں تھیں۔

''میں آپ کی خواہشات کو رد نہیں کرسکتا۔ جیسے آپ کی مرضی اماں۔''

''جیتے رہو...... خوش رہو۔'' وہ مسرت سے لبریز ہوگئیں۔ پیشانی چوم ڈالی۔ سیما چھم سے ہنستی مسکراتی تصور میں کامران کے ہمراہ آن کھڑی ہوئی۔

''لیکن ہاں اماں...... بہو اپنی جیسی لایئے گا۔ سنبھل کر دنیا دیکھنے والی...... کیونکہ بہت سے انتخاب کو گھر بکھیرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی آنے والی کے ہاتھوں اس محنت' محبت سے بنے گھر کی بنیادیں ہل جائیں۔''

''ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا...... تمہیں ہماری پسند پر یقین نہیں بیٹا۔''

''اللہ نہ کرے...... یہ بات نہیں اماں......'' فٹ محبت سے ہاتھ چوم لیے۔ ''بس ڈرتا ہوں...... پتہ نہیں میرے دل سے ماضی کا خوف کیوں نہیں جاتا کہ کہیں لوٹ نہ آئے۔ جب خاندان والوں تک نے ہمیں درخود اعتناء نہیں جانا تھا اور محتاجی ہمارا مقدر بن رہی تھی۔''

''اب ایسا نہیں ہوگا بیٹا' خدا نے بڑا کرم کیا ہے ہم پر۔''

''اماں...... بس لڑکی تلاش کیجیے گا آپ جیسی۔ ہر حال میں سمجھوتا کرنے والی' صرف سکھ کی ہی ساتھی نہ ہو۔ دکھ کی بھی ہو' ہمدرد ہو۔ اونچے بیک گراؤنڈ کو مت دیکھیے گا اس کے۔''

''فکر مت کرو...... اللہ سے بہتری کی امید رکھو۔'' انہوں نے ان کے مضطرب وجود کو تسلی دی۔

وہ یہاں بزنس سیٹ کررہے تھے۔ ایک لمحہ کی تاخیر کیے بنا عمران' سلمان پارٹنر بن گئے۔ بہنیں لڑکی کی تلاش کرنے کے درپے ہوگئیں۔ بڑی آپا کی خواہش اماں کے ہم خیال ہی تھی وہ بھی سیما کے متعلق لیکن چھوٹی آپا اور دیگر بہنیں متفق نہیں تھیں۔ وجہ اختلاف صرف اس کے اونچے اسٹیٹس کا تھا۔ جس میں وہ پلی بڑھی تھی۔

''وہ تو ایک سوٹ پندرہ سو' دو ہزار سے کم کا نہیں پہنتی اور کامران کا تو پتہ ہے ناں اس کی واحد شرط ہے کہ لڑکی فضول خرچ نہ ہو۔ کنجوسی اس کی طلب نہیں ہے لیکن محنت مشقت سے کمائے گئے پیسوں کو خواہشات کی بھینٹ نہ چڑھادے۔'' وہ خاموشی سے بہنوں کی نوک جھونک اور کسی سیما نامی لڑکی کا تذکرہ سن رہے تھے۔ ساتھ کان بھی کھڑے ہورہے تھے۔

''ایسا نہیں ہوگا...... شوہر سے محبت ہو تو بیویاں اس کی خواہشات کے مطابق بھی زندگی گزارتی ہیں۔ کیا اسے خبر نہیں ہوگی کہ ہر جگہ ایک جیسا ماحول نہیں ملتا۔''

''تو آپا کیا اب کامران کی زندگی کو رسک کی نذر کردیا جائے۔ ہر لڑکی خیال کو اپنے خیال سے مت تولو ناپ برابر نہیں ہوگا۔ وہ جو تحفے تحائف پانچ سو ہزار سے کم کا نہیں دیتی وہ اپنی زندگی پر کتنا صرف کرے گی۔ جو عادت ہے وہ تو نہیں چھوٹے گی ناں۔''

''بھئی ہم لوگ ان بحث و دلیل سے نہیں جیت سکتے۔'' اماں نے جھگڑا ختم کرنا چاہا۔

''ہمارے پاس سب سے بڑی دلیل سیما کی محبت ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔'' مودب رہتیں اماں کے سامنے ورنہ کہہ دیتیں محبت کی دلیل کافی نہیں اس گھر میں۔

''کامران کو کچھ اور بھی چاہیے جو آپ نہیں سمجھ پارہیں۔''

اس وقت کا جھگڑا تو اسی وقت ختم ہوگیا' دونوں بہنیں اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔ لیکن اسی شام سیما اپنی تمام خوش گواریت لیے چلی آئی۔ کامران نیم دراز تھے۔ اجنبی صورت دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے۔ کالی سے چٹیا پشت پر لہرارہی تھی' کاٹن کا نفیس سا سوٹ پہنے اپنی تمام تر خوب صورتی اجاگر کیے کھڑی تھی۔ لیکن اپنی تمام تر دلکشی سا حرآنکھوں کے سامنے کچھ دیر کو ماند پڑتی خود سیما نے محسوس کی تھی۔

''وہ...... آنٹی کہاں ہیں؟'' سلام کے بعد اِدھر اُدھر دیکھا۔

''نماز پڑھ رہی ہیں۔ بیٹھیں آپ میں بتا کر آتا ہوں۔'' وہ صوفے میں دھنس کر ٹیبل پر پڑا اخبار اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ اٹھنے ہی لگے تھے کہ اماں تسبیح لیے اندر آرہی تھیں۔

''آہا...... میری بچی آئی ہے۔'' اس نے اٹھ کر سر جھکایا۔ اماں نے پیشانی چوم لی۔ ''جیتی رہو۔'' انہوں نے سمجھنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں کی۔ اماں کے پیار کا محور ہستی کون ہے؟

''ارے تم کہاں چلے...... بیٹھو تو سہی یہ تو اپنی ہی بچی ہے۔'' اماں نے بہانے سے روکا وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئے۔ وہ اماں سے باتیں کرنے لگی۔ بات کرتے کرتے کن اکھیوں سے کئی بار دیکھنے کی کوشش کی تو انہیں اپنی جانب

شائزہ مغل

میری طرف سے ہر پڑھنے والے کو ڈھیر سارا پیار اور سلام پہلے تو میں صرف شائزہ تھی شائزہ مغل کیسے بنی؟ تو سنیے ہوا کچھ یوں کہ 8 کلاس میں نیو اسکول میں میرا ایڈمیشن ہوا تو 7 کلاس کے سرٹیفکیٹ پر میری آپی نے شائزہ کے ساتھ مغل ایڈ کر دیا۔ کیونکہ اس کو اکیلی شائزہ کچھ بھلی نہیں لگی۔ اس لیے میرا نام ہے شائزہ مغل۔ تاریخ پیدائش 15june 1997 تعلیم کے نام پر صرف دس جماعتیں، تعلیم حاصل کرنے کا شوق تو بہت تھا لیکن کیا کریں جی! زمانے والوں کا بھی تو خیال کرنا پڑتا ہے۔ مشاغل میں لکھنا، پڑھنا اور کھانا کھانا وغیرہ شامل ہیں۔ کھانے میں سب کھانے کھا لیتی ہوں۔ خوبیوں کی بات کروں تو شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں (ارے ارے ویسا اتنے گئے گزرے بھی نہیں ہیں ہم) اور خامیاں تو ان گنت ہیں۔ اپنی رائے کے مطابق تو کسی پر بھی بہت جلد بھروسہ کر لیتی ہوں۔ کسی کے مذاق کو بھی سنجیدگی سے سوچنے لگ جاتی ہوں۔ ٹی وی نہیں دیکھتی۔ موبائل یوز نہیں کرتی۔ اور آپی کے بقول تو بڑی بے مروت ہوں۔ چھوٹی بہن فائزہ کے مطابق غصے کی بہت تیز ہوں۔ اسے بہت مارتی ہوں۔ ایک خواہش جس کی شدت سے پوری ہونے کی دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی موت نصیب فرمائے۔ (آمین)

کیا خیال ہے تعارف کچھ زیادہ ہی نہیں لمبا ہو گیا۔ لیکن ابھی تو پورا بھی نہیں ہوا۔ لیکن کوئی بات نہیں پھر بات ہوگی۔ چلو جی! اللہ حافظ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

دیکھا اور پھر نظریں چراتا دیکھا۔

"بڑے دنوں کے بعد آئی ہو...... اتنے عرصے سے راہ تک رہی تھی۔"

"بتا کر تو غائب ہوئی تھی آنٹی میرے امتحان ہو رہے تھے۔" لاڈ سے ان کا ہاتھ تھاما۔ انہوں نے تسبیح کو ایک جانب رکھا۔ "آج آخری پیپر تھا۔ تھوڑی دیر ریسٹ کر کے فوراً آپ کے پاس بھاگی چلی آئی۔"

"امی ابا کیسے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک...... آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور امی نے پیغام بھجوایا ہے کہ کل دو بجے قرآن خوانی میں شرکت کیجیے گا ہمارے گھر باجیوں سمیت۔"

"ٹھیک ہے آ جاؤں گی...... کس سلسلے کی کڑی ہے یہ؟"

"نانا ابا کی برسی ہے سب کا کھانا ادھر ہی ہے۔"

"اچھا اچھا...... کوئی کام ہو تو بتانا۔"

"کام کیا آنٹی۔ دیگیں کون سا ہم نے پکانی ہیں۔ ابو جان باورچی وغیرہ کا انتظام کر آئے ہیں۔ ہمیں تو بس نانا ابا کی بخشش مانگنی ہے۔"

"اللہ جنت نصیب فرمائے...... تم نے میرے کامران کو پہچانا۔" اماں کے لہجے میں کچھ تھا۔ آخر ہر وقت سیما...... سیما کا ہی تذکرہ تھا ان کی زبان سے۔ اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔

"جی آپ کہہ رہی تھیں یہ آنے والے ہیں اور عمران سے ان کی شکل ملتی ہے۔ اس لیے فوراً پہچان لیا۔" پہلی نظر بھی کمال کی تھی، کتنی انسیت محسوس ہوئی تھی اس ہستی سے۔ جیسے جانے کب کا ساتھ رہا ہو۔ ذرا بھی تو اجنبی پن نہیں تھا۔ اس شفاف چہرے میں۔ کانچ جیسی براؤن آنکھوں میں اپنا عکس واضح نظر آ رہا تھا۔ لیکن کمال خوب صورتی سے دل کو سنبھال کر اعتماد کی سیڑھی پر کھڑا کیا۔

"یہاں آپ کو ایڈجسٹ ہونے میں ابھی کچھ دشواری ہوگی۔ ہالینڈ جیسا ماحول یہاں نہیں۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"نہیں......" گود میں تکیہ اٹھا کر رکھا...... "دشواری تو یقین مانئیں اب تک اس غیر سر زمین پر بھی محسوس ہوتی رہی۔ کہیں زبان کی تفریق، کہیں لہجے کی، کہیں طرز بود و باش کی تھی۔ کسی میں بھی تو اپنائیت اور ہم آہنگی نہیں تھی پھر

کس طرح آسانی پیدا ہوتی۔" آنکھوں میں ستائش ابھر آئی۔"اور یہاں آتے ہی سکون کا سانس لیا کہ یہاں میرے چہرے کے تاثرات تک سمجھنے والے لوگ ہیں۔"
منفرد خوب صورت لب ولہجہ بے گانگی کی تمام تر دیواریں گرا گیا۔عنابی لبوں پر ہلکا سا تبسم بکھرائے وہ ہنستی چلی گئی۔
"آپ توصیف کے قابل ہیں کہ غیر جگہ کی مہر اپنے اوپر نہیں لگنے دی۔ ورنہ لوگ تو وہاں سے آ کر اپنے آپ کو یہاں غیر سمجھتے ہیں۔"
"یہ دس سال میں نے جس طرح کاٹے ہیں میرا دل ہی جانتا ہے۔بس یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح پر لگا کر اڑ جاؤں۔" اماں چائے لے کر آئیں تو وہ آگے کھسکا کر خود بنانے لگی۔ چائے کا کپ انہیں پکڑایا۔گرم گرم اٹھتی بھاپ میں اس کا سنہری چہرہ کچھ اور زیادہ خوابیدہ ہو گیا تھا۔
بہت سے خوابوں کے بیج کامران لودھی نے بکھیرنے چاہے دل کی سرزمین پر...... لیکن ابھی کچھ اندیشوں کی جنگلی جڑی بوٹیاں تھیں جنہیں نکال پھینکنا تھا۔اٹھتی گرتی پلکوں کی چلمن کے بیچ اپنے نام کے رنگ اترتے دیکھنا چاہا۔لیکن جانے کیوں ہچکچائے جا رہے تھے۔گرین پرنٹڈ سوٹ میں کیوں اتنی اپنی اپنی لگی یہ جاننے سے قاصر تھے۔
دوسرے روز سب ان کے گھر چلے گئے انہیں کسی دوست سے کام تھا سو واپسی میں دیر ہو گئی۔ اس لیے ان کا کھانا سیما کا چھوٹا بھائی لے کر چلا آیا۔ وہ مشکور ہو گئے۔تھوڑی دیر میں سب واپس آ گئے۔اماں بہت پرمسرت تھیں۔
"کتنی پیاری لگ رہی تھی سیما' ماشاءاللہ گھر والے بھی اخلاق حسنہ کی مثال ہیں۔اسی لیے کہتے ہیں محبت صورت' شکل سے نہیں ہوتی۔ انسان کے اچھے اطوار سے ہوتی ہے۔"
"آج کل تو شادی پر اتنے لوگ نہیں آتے جتنے انہوں نے بلا رکھے تھے۔ کھانا اتنا پکا رکھا تھا کہ ختم کرنے کے لیے بھی تو لوگ چاہیے تھے ناں۔" دونوں آپا اپنی اپنی بولیوں میں شروع ہو چکی تھیں۔
"سیما کا سوٹ بہت زبردست تھا' کافی مہنگا لگتا تھا۔ ہزار سے کم کا تو ہوگا نہیں۔ ہماری طرح ڈھائی سو والا تو نہیں ڈھونڈتی پھرتی۔"
"پہننے اوڑھنے پر کوئی قدغن نہیں' ہر لڑکی ہی مقدور بھر پہنتی اوڑھتی ہے۔ اصل مسئلہ ہے جامہ زیبی کے ساتھ روپے پیسے کی قدر کی جائے۔ کچھ آئندہ کے لیے بھی بچا کر رکھے۔ مستقبل پر نگاہ رکھنے والی ہو۔" تنبیہی جملوں کے ساتھ اماں کی سماعت کے لیے پیغام بھی تھا۔
"نہ بیٹا اوڑھنا' کھانا پینا انسان اپنے مقدروں سے لے کر آتا ہے۔ باقی رہی سمجھ داری کی بات تو پڑھی لکھی بڑے گھرانے کی بچی ہے۔ وہ سمجھ داری نہیں جانے گی تو کیا جانے گی۔ سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ چہرے سے تو نا سمجھی نہیں جھلکتی۔" اماں ان کے ڈھکے چھپے جملے سمجھ رہی تھیں۔
"واصف کی امی نے مجھے لڑکی دکھائی ہے کامران کے لیے۔" چھوٹی آپا نے اپنے سسرال میں سے کسی رشتے دار کا تذکرہ کیا۔
"اچھا...... کیسی ہے؟" وہ اب مکمل طور پر ان کی بات مسترد بھی نہیں کر سکتی تھیں۔
"لڑکی بہت اچھی ہے۔ دھیمے مزاج کی' پھر ہم سے کچھ دبتی ہوئی۔طرز رہائش ہے۔ موٹا ماٹھا کھا پی کر مطمئن رہنے والے لوگ ہیں۔ سچ کہتی ہوں۔ چاچی نے ہمارے من کے مطابق چھان پھٹک کر لڑکی دکھائی ہے۔"
"کیا کرتی ہے وہ؟" اب کے بڑی آپا نے بھی دلچسپی ظاہر کی۔
"بی اے کر کے فارغ ہے۔سوچ کر رہ جاتی ہے بے چاری ایم اے میں ایڈمیشن لینے کے متعلق معاشی حالات اجازت نہیں دیتے ہیں۔ لیکن اس کے والدین کا خیال ہے کہ اب اپنے گھر کا کر دیں اسے کیونکہ لڑکی کے آگے پیچھے کوئی نہیں۔والدین کے بعد خیال رکھنے والا۔" وہ پوری انفارمیشن تصویر سمیت لے کر آئی تھیں۔
"پہلے کیوں نہیں اطلاع دی کہ کیا کچھ لے کر آئی ہو۔" اماں نے چشمے کی کمانی کانوں پر درست کرتے ہوئے

دوبارہ سے تصویر میں بھی شخصیت کو دیکھا۔ معقول شکل و صورت تھی۔ انہیں خود بھی پری وش نہیں چاہیے تھی۔ سچائی عادات واطوار اماں کو بھائی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ شکل و صورت نے بھی سونے پر سہاگے کا کام کیا تھا۔

''اچھا دتے ہوئے لوگ ہیں۔ لڑکی ذرا دب کر بھی رہے گی۔ مانے گی ہمارا کہا ورنہ کسی بڑے گھر کی لائیں گے ناں تو اپنی من مانی ہی کرتی رہے گی۔''

کچھ وہ بھی یہی سوچتے تھے کہ سلجھے ماحول کی لڑکی لائیں اپنے سلجھے ہوئے ماحول کے لیے۔ جس کی کوئی عادت اس ماحول سے ہٹ کر نہ ہو۔ نہ ہی کوئی تفریق محسوس ہو۔ لیکن اس دل کا کیا کریں جو سوتی جاگتی آنکھوں کو سوچنے لگا تھا۔ جذبات کی رو میں بھی نہیں بہنا چاہتے تھے۔ بہنوں نے ذہنی رو پڑھ لی تھی۔ اسی کے مطابق لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں۔ جب سب کچھ انہی پر چھوڑا تھا تو آج کیسے منہ کھول کر کہہ دیتے دل کا مکان آباد ہونے چلا ہے۔ بہنوں کا کہنا بھی درست لگ رہا تھا کہ جس لڑکی کے پاس گاڑی ہو۔ دو دو ہزار کے جو سوٹ پہنتی ہو۔ وہ یہاں کیسے گزارہ کرے گی۔ اپنی ذاتی آزادی تو چاہیے ہوگی۔ بڑی مشکلوں سے پائی پائی کرکے اسٹیٹس کا تالاب انہوں نے بھرا تھا۔ ورنہ آج اس مہنگے ایریا میں رہنے کے قابل تھے؟ ماضی سے خوف آتا تھا۔ جب رہنے کے لیے ایک چھت نہ تھی۔ ایک دوست آڑے وقت میں کام آیا۔ جس سے قرضہ لے کر یہاں کی سرزمین انہوں نے چھوڑی۔ وہاں تعلیم بھی حاصل کی اور خود کو چھوٹے موٹے کام میں متغرق بھی کرلیا۔ آہستہ آہستہ قرضہ اترا تو اپنی بنیادیں مضبوط کرنی شروع کردیں۔ بھول گئے کہ وہ کیا ہیں یا آرام وسکون پر اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے ان کا بھی حق ہے۔ اب نئے بندھن سے خود کو جوڑنے کا حوصلہ نہ تھا۔

اماں کے سامنے بھی حال دل کہہ نہ سکے کہ اماں تمہارا اور میرا دل ایک روش پر کیوں چل پڑا ہے۔ سیما آتی جاتی رہی وہ جان بوجھ کر سامنے سے اٹھ جاتے۔ ایک روز تنہائی میں اماں نے پوچھ ڈالا۔

''تمہارے سامنے وہ آتی جاتی رہتی ہے...... کیسی لگتی ہے؟ بالکل غیر جانب دار ہوکر فیصلہ کرو بیٹا۔''

''آپ کی پسند سے انحراف نہیں اماں۔ لیکن آپا کا کہنا بھی ٹھیک لگتا ہے وہ اب جتنی خوش نظر آتی ہے تو اسی خوشی کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں اس کی انفرادی آزادی میں بالکل زبان بندی کے اصولوں پر عمل کرنا ہوگا۔''

''میں زور بھی نہیں ڈالوں گی کہ کل کلاں کو تم لوگوں کے خدشے حقیقت بن جائیں تو مجھے ہی دوش دو گے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ سب انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ جس نے جو شے استعمال کی ہوتی ہے وہ اسے سوار نے کے گر بھی جانتا ہے۔ ان دیکھی چیز کبھی کبھی بندہ بگاڑ بھی دیتا

نظم

لکھ رہے ہیں خط اک تمہارے نام
جس میں ہے حال ہمارا تمام......
چلو پہلے سناتے ہیں دن کی تمہیں داستان
یاد کرتے ہیں تمہیں ایسے
جیسے دیئے ہوں کسی نے دام
گھڑیاں گزرنے کا نہ ہو کبھی احساس
اور کبھی لمحہ لائے صدیوں کا پیغام
رات کا جو ذکر چل نکلا ہے تو سنو!
کبھی جو دیکھو عالم ہمارا تو لو تم دل کو تھام
نیند آتی ہی نہیں اور اگر لگے کبھی آنکھ
تو خوابوں کے گھوڑے کی
تیرے ہاتھوں میں لگام
سمجھ میں نہیں آتا تمہاری محبت نے
سنوارا ہمیں یا کردیا ہے تمام ہمارا کام
جو بھی ہو جیسے بھی ہوا چھے ہو تم
تم سے محبت ہے ہماری کسی نیکی کا انعام
لوگ تو پچھتاتے ہیں کرکے محبت ہادی
اب ہیں ہم آزاد تھے پہلے زیست کے غلام
ہادیہ...... گجرات

ہے۔" اماں کی دلیل کافی مضبوط لگی۔ پھر جہاں محبت کا جذبہ کارفرما ہوتو وہاں اس کے حق میں جاتے ووٹ بھلے ہی لگتے ہیں۔

......☆☆☆......

اماں آپا وغیرہ لڑکی دیکھ آئی تھیں۔ اب رہ گیا مسئلہ کامران کو دکھانے کا۔

"ہمیں تو اچھی لگی ہے لڑکی معصوم سی ہے۔ تیزی طراری نام کو نہیں۔" چھوٹی آپا بہت خوش تھیں۔

اماں تو پکے عاشقوں کی طرح محبوب واحد کا نام آنکھوں میں سمائے بیٹھی تھیں۔ زبان سے شریک کا نام سننا بھی گوارا نہ تھا۔ بس بیٹیوں کا دل رکھنے کے لیے سر ہلا رہی تھیں۔

"ہاں کامران، لڑکی ہمیں پسند آئی ہے۔" بڑی آپا ان کا عندیہ جاننا چاہ رہی تھیں۔ "ابھی ہم نے انہیں اشارہ نہیں دیا کہ ہم کس مقصد کے لیے آئے ہیں کہ پہلے تم دیکھ لو اسے۔ پھر دوسری بہنوں کو بھی خبر کرنا ہے ناں۔ اب تم یہ بتاؤ کہ ہم خود اسے دکھائیں یا تم خود کسی طرح کوئی حل نکالو گے۔"

دل تو بجھا پڑا تھا۔ خبر نہیں ہوئی کہ کس طرح چپکے چپکے انہوں نے کسی کے نام کی فصلیں کیسے گاڑ لیں۔

"میں کیا دیکھوں گا..... آپ لوگوں کی جیسی مرضی۔"

"چلو ایسا کرتے ہیں صفیہ کی شادی کی جب شاپنگ کرنے جائیں گے تو صنم کو بھی ساتھ لے لیں گے۔" آپا کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔ جب سے کامران ہالینڈ سے لوٹے تھے ان پر خاص نظر عنایت ہوگئی تھی اور انہیں ساتھ چلنے کا پروانہ بھی ملا تھا۔

ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ سیما اپنی تمام رونقوں سمیت جلوہ افروز ہوگئی۔ کامران نے دل کی مضبوط دیواروں کو ہلا دینے والی ہستی کو دیکھا۔

"کہاں جانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ہم بھی جائیں گے۔" آتے ہی اماں کے پاس فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ انہوں نے ساتھ لگا لیا۔ لاڈ بھی تو بہت کرتی تھی۔

"ہم نے کامران کے لیے لڑکی دیکھی ہے۔" چھوٹی آپا نے انجانے میں اس کے دل پر وار کیا۔ حسرت کناں نظریں ان پر اٹھیں پھر زمین پر ٹک گئیں۔ جو چیز اپنی ملکیت میں ہی نہ ہو اسے کیا استحقاق سے دیکھنا۔

"اب سوچ رہے ہیں کہ کامران کو بھی دکھادی جائے تاکہ معاملہ انجام پا جائے۔" انہوں نے اس کا چہرہ پیلا پڑتے دیکھا۔ تھوڑی دیر کو جیسے سارے منظر ساکن ہوگئے تھی بنا کسی حس و حرکت کے۔

"اوہ......" پھیکی مسکان چہرے پر ٹھہری۔ "بڑی اچھی بات ہے کیا کرتی ہیں؟"

"بی اے کر چکی ہیں۔ آج کل فارغ ہے۔ میرے سسرالیوں میں سے ہے۔" چھوٹی آپا کے چہرے پر محبت در آ گئی۔

"تم بھی چلنا ہم شاپنگ پر اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"ہاں چلوں گی۔" سعادت مندی سے سر ہلایا پھر اٹھنے لگی۔

"اچھا آنٹی چلتی ہوں کام ہے ذرا...... میں نے سوچا حال چال پوچھتی چلوں۔" وہ اس کے دل تک اتر گئی تھی۔ جو چہرے پر فراغت کے تاثرات سجائے ان کے درمیان آ کر بیٹھی تھی۔ وہ اتنی جلدی اب کیوں جانا چاہتی تھی۔ انہوں نے بھی نہیں روکا کہ دھند کے پار دو موٹی بڑی بے تابی کے ساتھ امڈنے کو بے تاب تھے۔

شاپنگ پر جانے کو سب تیار تھے۔ راستے سے صنم کو لینا تھا۔ انہوں نے اس کے ماں باپ سے اصرار کیا تھا کہ اس بار صنم ہمارے ساتھ شاپنگ کرے گی۔ وہ بھی کچھ کچھ جان گئے تھے۔ ان کے التفات کو سو اجازت دے دی۔ اب تو وہ خود چھوٹی آپا سے بے تکلف ہو چلی تھی۔ بس سیما کا انتظار تھا۔ کیونکہ اپنی زبان سے اسے ساتھ چلنے کو کہا تھا۔ تو سب کیسے بھول سکتے تھے۔

"فون کرلو...... یا عمران بلا لائے سیمی کو۔" اماں نے کہا تو عمران نکلنے لگا وہ خود آتی دکھائی دی۔ شاکنگ

پنک براؤن اور گرین پرینٹڈ فائن جارجٹ کے سوٹ میں چہرے کی تھکن بہت حد تک چھپانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

"کچھ گیسٹ آگئے تھے۔ اس لیے تھوڑی دیر ہوگئی۔" وہ مسکرائی کامران گاڑی کے شیشے سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کوئی بات نہیں دیر آید درست آید۔" آپا نے گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ بیٹھ گئی۔ سامنے لگے مرر میں اس کی خوب صورت آنکھوں کا سوز واضح ہورہا تھا۔

گلیوں سے گاڑی نکالتے ہوئے آپا نے گرین کلر کے دروازے پر گاڑی رکوائی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ صنم کے ہمراہ آرہی تھیں۔ گوری رنگت کی حامل گول مٹول چہرے والی لڑکی کو انہوں نے اچٹتی نگاہوں سے ہی دیکھا۔ دل پر آج کل کسی اور کی حکمرانی چل رہی تھی۔ اس کے ہوتے ہزاروں صورتیں آجاتیں انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"تم پیچھے بیٹھ جاؤ...... میں آگے کامران کے پاس چلی جاتی ہوں۔" آپا آگے آکر بیٹھ گئیں۔ وہ سیما کے ساتھ بیٹھی تھی۔ جس کے دل کا بوجھ یک دم بڑھ گیا تھا۔

باتیں چل پڑیں، وہ باتوں میں بہت فارورڈ تھی۔ زیادہ جھجک کی قائل نہیں تھی۔ تعلیم نے اوور کانفیڈینٹ بنایا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ متوسط طبقے کی کوئی لڑکی ہے۔ اگرچہ آپا نے معصومیت وسادگی کی حدیں اس پر ختم کی تھیں۔ سیما آنکھیں پھاڑے دیکھ کر دل ہی دل میں متحیر تھی۔ اماں تو بس خاموش بیٹھی۔ نیرنگیٔ زمانہ دیکھ رہی تھیں۔

"میں تو ابو سے کہتی ہوں کہ نکلیں اس محلے سے کیا رکھا ہے اس بیک ورڈ علاقے میں لیکن امی ابو کو خاندانی گھر بہت عزیز ہے۔ وہ نہیں نکلنا چاہتے۔ سو ہم بھی پڑے ہیں۔ بس ابو ریٹائر ہوجائیں تو ضد کریں گے کہ بے شک یہ گھر نہ بیچیں لیکن کرائے پر اٹھادیں۔ ہم اسلام آباد میں گھر لینے کا سوچ رہے ہیں۔" وہ اپنے اس محلے کے کمپلیکس پر شاید پردہ ڈالنا چاہتی تھی۔ جیسے کوئی واقف نہ ہو ان کے معاشی وگھریلو حالات سے۔

''دیکھ رکھا ہے اسلام آباد میں گھر کیا؟'' سیما کو ذاتی دلی حالات سے ہٹ کر چھوٹی آپا کی پسند پر کچھ افسوس ہونے لگا۔

''پیسے ہونے چاہئیں پاس' گھر ہی گھر ہیں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو ابھی بھی کہتی ہوں جو پیسے بینک میں رکھے ہیں انہیں نکلوا کر گھر خرید لیتے ہیں۔ لیکن ابو جانے کس وقت کا انتظار کررہے ہیں۔'' پہلی بار ان لوگوں کے ساتھ نکلنے پر یہ حال تھا۔ بے فکری لڑکی کے آگے اپنے گھر والوں کے افکار کا بھی اندازہ نہ تھا۔

چھوٹی آپا کو بیک سے مسلسل خیالی پلاؤ کی خوشبو آئی تو کچھ نادم ہوتے کامران کی سرد نگاہوں سے نظریں چرانے لگیں۔

''سنا ہے تم ٹیوشن وغیرہ پڑھاتی ہو۔ کن کلاسز تک کے ٹیوشنز لیتی ہو؟'' بڑی آپا کا موڈ کرکرا ہو چلا تھا۔

''ایف اے' بی اے تک کی انگلش پڑھا لیتی ہوں۔ میٹرک تک انگلش' میتھ اور سائنس بھی کور کرتی ہوں۔ ویسے یہ پڑھانا میرا شوق نہیں۔ وقت گزاری کے لیے انٹرسٹ لے لیتی ہوں۔''

''حالانکہ ٹیچنگ تو بہت مقدس پیشہ ہے۔''

''جان کھپانی ہوتی ہے اور نام وہی ٹیچر...... اب تو قدم قدم پر ٹیچرز کی بھرمار ہے۔'' اس نے منہ بسورا۔

''پھر کیا بننا چاہتی ہیں آپ...... کیا ارادہ ہے......؟''

''میں تو ایئر ہوسٹس بننا چاہتی تھی۔ پر ابو نے اجازت ہی نہیں دی۔'' بڑے بڑے عزائم تھے جن کی تکمیل خود اس کے لیے ناممکن تھی۔ جن اشیاء کو کبھی دیکھا نہ ہو وہ اس کے لیے مچل رہی تھی۔ مارکیٹ آچکی تھی وہ لوگ اترے' بارہ بازار کپڑوں کی ورائٹی کے لیے مشہور تھا۔

''میں ویسے اتنے رش میں شاپنگ نہیں کرسکتی۔ سر چکرا جاتا ہے ہجوم دیکھ کر۔'' اس نے منہ بنایا۔

''اچھا...... تو پہلے بتا دیتیں ہم نے تو کہا تھا بارہ مارکیٹ چلیں گے۔'' چھوٹی آپا اپنی ندامت پرا سے کچا چبانا چاہ رہی تھیں۔

''آپ لوگوں نے اتنے پیار سے کہا تو مجھے انکار کرنا بھی اچھا نہیں لگا۔ ویسے جناح سپر چلیں تو بہتر تھا۔'' اماں نے استہزائیہ نظروں سے چھوٹی آپا کی طرف دیکھا۔ کامران کو کوئی فکر نہ تھی کسی کے شوق کی۔ کسی کے فکر و ندامت سے سیما نے اپنے لیے سوبر کلر میں ہلکے کام والا ایک سوٹ لیا۔ سب اپنی اپنی خریداری کررہے تھے۔ صنم نے دو مہنگے مہنگے سے سوٹ پیک کروائے ساتھ ایمبرائیڈری وسیونگ پر تبصرہ بھی جاری تھا۔

''کلر اسکیمنگ صحیح نہیں یہاں' ایمبرائیڈری تو ایسی کہ دو دھلائی میں دھاگے بکھر جائیں۔'' گھریلو حالات سے قطع نظر وہ ٹیوشنز کے پیسوں کا خوب فائدہ اٹھا رہی تھی۔ کہاں گھر والے اتنے فکر مند تھے اس کی جانب سے۔ کہاں یہ شیخ چلیوں کو مات دے رہی تھی۔

صحیح کہا تھا اماں نے تمام انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ سیما اعلیٰ فیملی سے تعلق رکھتے ہوئے بھی عاجزی وانکساری میں یکتا تھی۔ گفتار سے اندازہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ خود اس کے نام کوٹھی' گاڑی اور بینک بیلنس تھے۔ دونوں آپا اب اپنے اپنے بچوں کے لیے چیزیں پسند کررہی تھیں۔ کامران جانے کہاں گئے ہوئے تھے۔ دل نے مضبوطی پر اکسایا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد آئے۔

''سیما...... غالباً آپ کی کوئی فرینڈ آپ کو جیولری شاپ پر بلا رہی ہیں۔'' وہ چونکی۔

''فرینڈ میری......''

''ہاں وہ فیملی کے ساتھ ہیں میرے ساتھ آپ کو دیکھا تو استفسار کرنے لگیں اور وہیں بلا رہی ہیں۔''

''اچھا...... آنٹی میں ابھی آتی ہوں۔'' شاپنگ بیگز اماں کو پکڑا کر ان کی ہمراہی میں آگئی۔ جیولری شاپ پر فرینڈ کا نام ونشان نہ تھا۔

''کہاں ہے......؟'' سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''غور کریں تو یہیں کہیں۔'' شرارت کو دل مچلا وہ حیرت واستعجاب میں پڑ گئی۔

''سیما...... آپ خوش ہیں کہ میرے لیے لڑکی پسند

کرلی ہے آپا نے؟"
"جی..... ظاہر ہے خوشی کی ہی بات ہے۔"
"کیسی لگی آپ کو.....؟" بڑے انوکھے سے سوال تھے۔
"میرے پسند کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس نے آپ کے ساتھ اور آپ کے گھر والوں کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ سو انہوں نے پسند کرلی ہے۔" وہ ان کے بہانے کو سمجھ گئی تھی۔
"لیکن مجھے آپا کی پسند بھائی نہیں۔" وہ بظاہر جیولری کے ڈیزائن دیکھنے کے بہانے باتوں میں مصروف تھے۔
"اچھا پھر.....؟" خوب صورت آنکھیں وا کیں۔
"مجھے تو اماں کی پسند اچھی لگی ہے۔" بھرپور نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ کچھ بوکھلائی..... "جس کا نام سیما ہے۔" بہت سارے رنگ چہرے پر آ کر ٹھہرے تھے۔
"تھوڑا سا انتظار اور کرلیں۔ آپ کو صنم سے بہتر لڑکی مل سکتی ہے۔ ہر لڑکی ایک جیسی نہیں ہوتی۔"
"ہر لڑکی ایک جیسی نہیں ہوسکتی۔ لیکن ہر لڑکی سیما بھی نہیں ہوسکتی۔" بہت سارا وقت اس کی جھکی پلکوں کا ارتعاش دیکھنے میں گزر گیا۔
"چلیں..... آنٹی انتظار کررہی ہوں گی۔" دل میں تو خوش رنگ شگوفے پھوٹ رہے تھے۔
"چلتے ہیں....." انہوں نے ایک نفیس سی رنگ خریدی۔
"یہ..... کس کے لیے؟"
"وہ دھوم دھڑکے والی منگنی تو بعد میں ہونی ہی ہے۔ لیکن یہ سادہ سی رسم تاحیات یاد رہے گی۔" اس کی لانبی انگلی تھام کر رنگ ڈال دی۔ وہ جھینپی جھینپی پریشان سی رہی۔
"لیکن..... وہ آپا....." وہ منمنائی۔
"میرے خیال میں آج کے بعد آپا بھی کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں کریں گی۔ صنم کی گپوں نے انہیں بھی بے زار کیا ہوا ہے۔" ہنسی پھوٹ پڑی تھی وہ دل چسپی سے دیکھے گئے۔

دھرتی ماں

اگر کسی ماں کا بچہ مرجائے تو وہ اس کو ساری زندگی کے لیے اپنی گود میں نہیں رکھ سکتی نہ اپنا سینہ چیر کر اسے چھپا سکتی ہے مگر ہماری دھرتی ماں انسان کو اپنے اوپر کھڑا ہونے کا حوصلہ اور تحفظ دیتی ہے۔ اسے گرنے نہیں دیتی مگر وہی انسان جب خاک کی ڈھیری بنتا ہے تو وہی دھرتی انسان کو اپنا سینہ چیر کر چھپا لیتی ہے جب یہ دھرتی انسان کو جب وہ زندہ ہوتا ہے تو اسے رولنے نہیں دیتی تو مرنے کے بعد وہ اسے کیسے چیل کوؤں کے لیے چھوڑ سکتی ہے مگر آج کا یہ انسان نہیں سوچتا۔

سروہی خان..... آزاد کشمیر

"اگر میرے ابو امی نے انکار کردیا یا پھر.....؟"
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وہ اترائے۔
"بڑی خوش فہمی ہے بھئی....."
"کیوں نہ ہو..... قرآن خوانی والے روز آپ کی امی دبے لفظوں میں ہماری اماں کے سامنے میری قصیدہ خوانی کرچکی ہیں۔"
"اوہ....." اس بار وہ کچھ زیادہ ہی جھینپی تھی۔
اماں دور اندیش جہان دیدہ تھیں۔ سچا ہیرا ہر لحاظ سے جانچ کر ہی پسند کیا تھا۔ آج انہیں اماں کی دور اندیشی پر بے اختیار پیار آ رہا تھا۔

قسط نمبر 8

میرے خواب زندہ ہیں

نازیہ فاطمہ رضوی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زرمینہ اور زرتاشہ کچھ اہم پوائنٹس ڈسکس کرنے سر شرجیل کے پاس آتی ہیں جبکہ شرجیل ان دونوں کے غیر معمولی حسن سے بے حد متاثر ہو کر زرتاشہ کا نمبر حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ وہ زرتاشہ سے دوستی کا خواہاں ہوتا ہے جبکہ استاد کی یہ غیر اخلاقی حرکت زرتاشہ کو شدید الجھن میں مبتلا کردیتی ہے۔ دوسری طرف عروبہ سر شرجیل کو لے کر زرتاشہ کی کردار کشی کرتی ہے ایسے میں زرتاشہ گھبرا کر اپنا نمبر ہی بند کردیتی ہے جبکہ لالہ رخ ان تمام باتوں سے بے خبر اس کے نمبر بند ملنے پر تشویش میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ عازم لاکھانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر لالہ رخ اس کی مسز کی کال کا ذکر کرتی ہے یہ سب جان کر عازم لاکھانی دنگ رہ جاتا ہے اور اپنی عزت بچانے کی خاطر لالہ رخ سے معذرت کرتے گیسٹ ہاؤس سے رخصت ہوجاتا ہے۔ لالہ رخ کے والد کی بگڑتی طبیعت اس کے لیے مزید پریشانیاں لاتی ہے جب ہی وہ باپ کے علاج کی خاطر انہیں کراچی لے جانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ فراز شاہ سونیا کے جذبات و دلی احساسات سے بالکل بے خبر ہوتا ہے جبکہ سونیا اس کی محبت میں بہت آگے بڑھ چکی ہوتی ہے۔ وہ فراز کی ذات کسی سے شیئر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی اسی لیے فراز کو اپنی سیکرٹری حیا کے سنگ دیکھ کر اس کا موڈ بے حد خراب ہوجاتا ہے جبکہ فراز سونیا کے خائف رویہ کی وجہ جاننے سے قاصر رہتا ہے۔ باسل پر نیلم فرمان کی اصلیت کھل جاتی ہے لیکن وہ فی الحال نیلم پر یہ سب ظاہر نہیں کرتا بلکہ وہ اسے اسی کے دام میں الجھا کر اس فریب کی کڑی سزا دینے کا فیصلہ کرتا ہے دوسری طرف نیلم اس بات سے بے خبر اپنے پلان کے کامیاب ہونے پر بے حد خوش ہوتی ہے۔ ماریہ کے انداز و اطوار ابرام کو انجانے خدشوں میں مبتلا کیے رکھتے ہیں وہ اسے اپنے فیصلے سے ہٹانے کی اُسے سمجھانے کی بے حد کوشش کرتا ہے لیکن ماریا مستقل مزاجی سے اپنی بات پر قائم رہتی ہے۔ جیکولین ابرام کے سنگ ماریہ کی منگنی طے کردیتی ہے لیکن ماریا اس بات کو لے کر کوئی جھگڑا کھڑا نہیں کرتی بلکہ تمام باتوں پر بالکل خاموشی اختیار کرلیتی ہے لیکن اس کی خاموشی کے پیچھے بہت سے طوفان چھپے ہوتے ہیں جو ابرام کو خوف میں مبتلا کردیتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

❀......❀......❀......❀

زرمینہ کا فق ہوتا چہرہ زرتاشہ کو بے تحاشا متوحش کر گیا اس کا دل کسی خدشے کے پیش نظر گویا پسلیوں میں پھڑپھڑا کر رہ گیا جب کہ فل ایئر کنڈیشن ہونے کے باوجود زرمینہ کے ماتھے پر پسینے سے نمی آنے لگی۔ زرمینہ زرتاشہ کی بات کو ان سنی کر کے ایک بار پھر مہوش کا نمبر ٹرائی کرنے لگی۔ زرتاشہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہی تھی۔ جس میں بوکھلاہٹ بدحواسی و گھبراہٹ واضح ہوتی جارہی تھی۔

''اواللہ کی بندی، کچھ مجھے بھی تو بتاؤ کہ کیا ہوا ہے کیا مہوش فون نہیں اٹھا رہی؟'' اب کی بار زرتاشہ زرمینہ کے کندھے کو بری طرح جھنجوڑ کر بولی۔ اسی پل زرمینہ نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے روہانسے انداز میں اسے دیکھتے

ہوئے کہا۔

"تاشومہوش کا نمبر تو سوئچ آف جارہا ہے۔"

"کیا......!" زرتاشہ بے ساختہ بلند آواز میں چلائی تھی۔ خوف ودہشت کی ٹھنڈی لہر جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کرگئی تھی۔ نئی جگہ نیا شہر اجنبی لوگ انجانے راستے وہ حقیقت میں بے تحاشا گھبرا گئی تھی۔

"اب کیا ہوگا زری...... تم رمشا مسکان کوٹرائی کرو۔" وہ اٹک اٹک کر بولی تو زرینہ بے حد متوحش ہوکر گویا ہوئی۔

"ان دونوں کے نمبرز تو میرے پاس ہیں ہی نہیں۔"

"اف میرے خدایا اب کیا ہوگا؟" یہ سن کرزرتاشہ نے حقیقی معنوں میں اپنا سر پیٹ لیا۔

"اے ٹی ایم مشین۔" معاً زرینہ کے دماغ میں اسپارک ہوا تو وہ اچھل کر بولی۔

"تاشو ہمیں مہوش نے کہا تھا ناکہ کوئی بھی گروپ سے الگ ہوجائے تو جہاں سے ہم داخل ہوئے تھے اس جانب جو اے ٹی ایم مشین ہے۔ وہاں جا کر دوسروں کا ویٹ کرے گا...... آؤ وہیں چلتے ہیں مہوش وغیرہ یقیناً ہمیں وہاں ڈھونڈلیں گی۔"

"تمہیں وہاں کا راستہ پتہ ہے۔ مجھے تو بالکل یاد نہیں وہ جگہ ہم کہاں سے داخل ہوئے تھے اور اس وقت کہاں کھڑے ہیں۔" زرتاشہ گھبراہٹ وپریشانی کے عالم میں گھری کہہ رہی تھی۔

"ہاں ہاں مجھے معلوم ہے آؤ میرے ساتھ ہم وہیں چلتے ہیں ان شاءاللہ مہوش وغیرہ ہمیں ڈھونڈنے کے لیے یقیناً وہیں آئیں گی۔ آؤ جلدی چلو۔" زرینہ اپنے حواس کو الرٹ کرتے ہوئے ہمت سے کام لیتے ہوئے بولی تو زرتاشہ نے بھی اثبات میں سر ہلایا اور پھر دونوں اے ٹی ایم مشین کی جانب چل دیں۔

❀......❀......❀......❀

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے درمیان معاملہ ففٹی ففٹی میں طے ہوا تھا یہ تم اپنا حصہ کس خوشی میں بڑھا رہی ہو۔ ڈیل ہوگی تو ففٹی ففٹی کے حساب سے ورنہ پھر ڈیل کینسل سمجھو۔" وہ زہریلے لہجے میں کہہ رہی تھی جب کہ مقابل نے اس بات پر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"اوہ تو تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟ شکر کرو کہ میں تمہیں اس میں سے چالیس پرسنٹ دینے کو تیار ہوں ورنہ تو اس کی بھی تمہاری اوقات نہیں۔" نیلم فرمان کے لب ولہجے میں اس پل انتہائی حقارت واکڑ تھی پہلے تو اسے قدرے چونک کر دیکھا پھر اس کے انداز ملاحظ کرکے وہ اندر ہی اندر الجھتے ہوئے اپنے کندھے اچکا کر بظاہر لاپروا لہجے میں بولی۔

"اچھا تم میری اوقات جانتی ہو؟ ویری نائس نیلم ڈیئر! پلیز مجھے بھی بتاؤ ناکہ میری اوقات کیا ہے؟" وہ نیلم کی بات پر ایسے پوز کررہی تھی جیسے اس نے اس کی تعریف کی ہو۔ نیلم نے کاؤچ پر دراز ہوکر اسے دیکھا پھر اپنی آنکھوں کو مخصوص انداز میں گھماتے ہوئے اچانک بے حد سخت وسفاک انداز میں بولی۔

"اگر میں نے تمہیں تمہاری اوقات بتادی یا دکھادی تو تمہیں کافی مہنگا پڑسکتا ہے۔" "رطابہ ڈارلنگ......" رطابہ اس سمے نیلم سے اندر ہی اندر خائف ہوئی تھی مگر اس نے نیلم پر ظاہر ہونے نہیں دیا تھا۔

"دیکھو نیلم باسل حیات کی نشاندہی میں نے کی تھی اس تک تمہیں پہنچانے کا ذریعہ میں بنی تھی۔ لہٰذا مجھے اتنا ہی حصہ ملنا چاہئے جتنا ہمارے درمیان طے ہوا تھا۔ اوکے۔" رطابہ کی بات پر نیلم نے یوں پوز کیا جیسے اس نے رطابہ کی بات سنی ہی نہیں ہو۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے میگزین میں سے ایک میگزین اٹھا کر وہ انتہائی ریلیکس انداز میں میگزین کھول کر بیٹھ گئی۔ جب کہ یہ سب دیکھ کر رطابہ اندر ہی اندر بری طرح سلگ گئی۔

"نیلم میں دیواروں سے نہیں بلکہ تم سے بات کر رہی ہوں۔ تم اپنی بات سے مکر نہیں سکتیں اور نہ مجھے ڈرا دھمکا سکتی ہو۔" رطابہ کی ازلی خود سری اس پل عود کر آئی تھی جب ہی وہ تیزی سے بولی تھی۔ نیلم نے اس کی بات پر میگزین سے نظریں ہٹا کر ایک استہزائیہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی پھر مزے سے بولی۔

"اس کام کا تمہیں تجربہ ہے؟ اس سے پہلے کبھی تم نے یہ کام کیا ہے جتنا آسان اور سیدھا تم اسے سمجھ رہی ہو؟ یہ اتنا آسان اور سیدھا ہے نہیں رطابہ جان لہٰذا شکر مناؤ کہ میں تمہیں چالیس پرسنٹ دینے کو تیار ہوں۔"

"دیکھو نیلم میں یہ مانتی ہوں کہ میں یہ کام پہلی بار تمہارے ساتھ کر رہی ہوں مگر نیکسٹ ٹائم بھی میں تمہارے ساتھ یہ کام کروں گی مگر دیکھو نا مجھے بھی پیسوں کی ضرورت ہے بلکہ بے حد ضرورت ہے۔" نیلم جو بلیک اسکن ٹائٹ پینٹ پر ریڈ سلیو لیس ٹی شرٹ پہنے جس کا گلا آگے پیچھے سے اتنا گہرا تھا کہ دیکھنے والے کی نگاہ خود بخود جھک جائیں بڑے بے ڈھنگے انداز میں کاؤچ پر دراز تھی۔ رطابہ کی بات پر نیلم نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔

"دیکھو میں تمہاری ہر طرح سے ہیلپ کرنے کو تیار ہوں تم جو کہو گی وہ سب میں کروں گی مگر پلیز تم میرا حصہ کم مت کرو۔" نیلم نے اس وقت بغور رطابہ پر نگاہیں ٹکائیں پھر قطعیت بھرے لہجے میں کاؤچ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"چالیس فیصد قبول ہے تو ٹھیک ورنہ تمہاری مرضی۔" اس بات پر رطابہ نے اسے بے تحاشا کلس کر دیکھا جواب سیٹی پر کسی گانے کی دھن بجاتے ہوئے واش روم میں گھس گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

اس کے سر میں اس پل شدید درد اٹھ رہا تھا دماغ کی رگیں جیسے وائلن کے تاروں کی مانند کھچ گئی تھیں۔ سوچ سوچ کر اس کا ذہن ناکارہ ہو چلا تھا مگر اس مسئلے کا حل کسی بھی طور اس کے ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اپنے کولیگ اور ساتھیوں میں وہ ایک بے حد شارپ اور عمدہ ذہن کا انسان سمجھا جاتا تھا۔ مگر یہاں آ کر اس کی تمام ذہنی مہارت و تیزی ہر طرح سے فیل ہو کر رہ گئی تھی۔

"اوہ گاڈ میں کس طرح سے ماریہ کو سمجھاؤں اسے روکنے کی کوشش کروں۔ آخر ایسا کیا کروں جس سے وہ اپنی ضد چھوڑ دے اپنے فیصلے سے باز آ جائے اس معاملے کی سنگینی اسے سمجھ میں آ جائے......کیا کروں میں؟ کیا یہ بات مجھے مام کو بتا دینا چاہئے نہیں مام کو کسی بھی قیمت پر اس بات کا علم نہیں ہونا چاہئے وہ تو ماریہ کو جان سے مار دیں گی۔ وہ یہ بات کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کریں گی نہ ہی اسے قبول کریں گی۔" ابرام بے تحاشا مضمحل سا اپنے بیڈ روم کے صوفے پر بیٹھا خود ہی سے سوال و جواب کیے جا رہا تھا۔

"ماریہ اتنی آسانی سے ولیم کے ساتھ انگیج مینٹ کرنے کو کیسے تیار ہو گئی۔ آخر کیا چل رہا ہے اس کے دماغ میں وہ کون سا پلان بنائے بیٹھی ہے۔" وہ خود سے قیاس آرائیاں کرتے ہوئے صوفے سے اٹھا پھر پرسوچ انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کی سوچوں کا مرکز اس پل صرف اور صرف ماریہ ایڈم تھی۔ جس نے اس کی راتوں کی نیندیں اور دن کا چین اڑا رکھا تھا پھر اچانک ٹہلتے ٹہلتے ابرام اپنی جگہ رکا اور انتہائی طیش کے عالم میں اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر اپنے دائیں ہاتھ کا مکا مار کر مشتعل ہو کر بولا۔

"آخر مجھے کیوں نہیں پتہ چل رہا کہ ماریہ کیا سوچ کر بیٹھی ہے؟ وہ آگے کیا کرنا چاہتی ہے ولیم سے اتنی آرام سے کیوں انگیج منٹ کرنے پر راضی ہو گئی ہے؟" وہ ابھی اس بارے میں مزید سوچتا کہ اسی دم اس کے سیل فون پر آنے والی کال نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

وہ دونوں تقریباً پندرہ منٹ سے وہیں اے ٹی ایم مشین کے پاس کھڑیں ہر آنے جانے والی لڑکیوں کو بغور دیکھ رہی تھیں مگر انہیں اب تک مہوش مسکان اور رمشا میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ جب کہ اس دوران زرینہ بار بار سیل فون سے مہوش کو ٹرائی کر رہی تھی۔ اس وقت دونوں کے چہروں پر بدحواسی و گھبراہٹ صاف دیکھی جاسکتی تھی۔ زرتاشہ کی ہمت اب جواب دینے لگی تھی وہ رودینے کو تھی۔

''زری میں نے تمہیں کتنا منع کیا تھا نا کہ اس طرح ہمیں مہوش کے ساتھ نہیں جانا چاہئے اب دیکھ لیا نا اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ۔'' فراز جو اس پل مال سے باہر نکل رہا تھا زرتاشہ کی آنسوؤں سے لبریز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو بے اختیار فراز نے ان دونوں لڑکیوں کی جانب دیکھا جو اس لمحے بے تحاشا پریشان کھڑی نظر آئیں اور اسی دم فراز کے دماغ میں زرتاشہ کو دیکھ کر اسپارک ہوا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو اسے یونیورسٹی میں دکھائی دی تھی۔ جو اس دن بے حد نروس اور گھبرائی ہوئی تھی جب کہ اس کے ساتھ ایک دوسری لڑکی بھی تھی۔

''پلیز تاشو اپنے آپ کو سنبھالو ورنہ اس طرح تو ہمارا تماشہ بن جائے گا۔'' زرینہ نے منت آمیز لہجے میں کہا اور ایک بار پھر مہوش کا نمبر ٹرائی کرنے لگی۔ جب ہی کچھ سوچ کر فراز شاہ ان لڑکیوں کی جانب بڑھا۔

''ایکسکیوزمی گرلز اینی پرابلم' کیا میں آپ کی کوئی ہیلپ کرسکتا ہوں۔'' بھاری و دلکش سی مردانہ آواز پر دونوں نے بے ساختہ چونک کر اپنی گردن موڑ کر فراز شاہ کو دیکھا فراز شاہ کو اس پل ان دونوں کی آنکھوں میں خوف و دہشت کی پرچھائیاں صاف صاف دکھائی دی تھیں۔ جب ہی وہ بے حد نرمی اور دوستانہ انداز میں بولا۔

''دیکھیے آپ دونوں گھبرائیں نہیں میں واقعی آپ دونوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ آئی تھنک آپ دونوں کسی پرابلم میں ہیں۔ پلیز مجھے بتایئے۔'' فراز شاہ کی گریس فل شخصیت اس کا مہذب وشائستہ لب ولہجہ زرتاشہ اور زرینہ کو کچھ تسلی دے گیا تھا۔ جب ہی زرینہ روہانسے لہجے میں گویا ہوئی۔

''ایکچولی سر ہم یہاں اپنی فرینڈز کے ساتھ گھومنے آئے تھے مگر ہم اپنے گروپ سے بچھڑ گئے ہیں اور یہاں کے راستوں سے بھی ہم بالکل ناآشنا ہیں آپ پلیز ہماری مدد کیجیے۔'' زرتاشہ بھی بے اختیار بول پڑی۔

''ہم مسلسل فون ملا رہے ہیں مگر مہوش کا فون بھی نہیں لگ رہا۔'' فراز کے استفہامیہ انداز کو دیکھ کر زرینہ تیزی سے بولی۔

''مہوش ہماری فرینڈ ہے، ہم اسی کے ساتھ اس مال میں آئے ہیں وہ لوگ فوڈ ایریا کی جانب گئی تھیں۔'' زرینہ کی بات پر فراز اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''ایکچولی یہاں اکثر سگنلز ڈراپ ہوجاتے ہیں شاید اسی لیے آپ کی دوست کا نمبر نہیں لگ رہا ہوگا۔''

''اب کیا ہوگا زری؟'' تاشو فراز کی بات پر مزید حواس باختہ ہوگئی۔

''آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔ باہر جا کر آپ انہیں کال کرسکتی ہیں۔'' وہ سہولت سے بولا تو زرینہ فوراً بولی۔

''آؤ تاشو ہم باہر جا کر کال کرتے ہیں۔'' پھر وہ فراز شاہ کے ہی ہمراہ باہر نکلیں زرینہ نے باہر آتے بڑی بے تابی سے مہوش کو فون ملایا مگر اس بار بھی اس کا نمبر بند ملا تو اس کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے زرتاشہ جو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھ رہی تھی متوحش سی ہو کر بولی۔

''اب کیا ہوا زری۔''

''مہوش کا نمبر ابھی بھی بند جا رہا ہے۔'' وہ انتہائی مردہ لہجے میں بولی تو اب زرتاشہ کا ضبط جواب دے گیا وہ زاروقطار رونے لگی۔

''ارے ارے مس......؟'' فراز کے ساتھ ساتھ زرینہ کے بھی ہاتھ پاؤں زرتاشہ کو یوں روتے دیکھ کر پھول گئے۔
''تاشو پلیز سنبھالو یار خود کو دیکھو سب ہمیں دیکھ رہے ہیں۔'' مال کے اندر آتے جاتے لوگ زرتاشہ کو یوں روتا دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے جب ہی فراز معاملے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان سے بولا۔
''آپ دونوں اس سائیڈ پر آجایئے۔'' پھر وہ دونوں کو لیے پارکنگ ایریا کی جانب چلا آیا دونوں سہیلیاں اپنے اطراف کے ماحول کو دیکھ کر کافی سہم سی گئی تھیں۔ جو کافی غیر گنجان اور قدرے سنسان تھا۔
''دیکھیے آپ دونوں کو گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ پلیز مجھے بتایئے کہ آپ دونوں کو کہاں جانا ہے میں بحفاظت آپ کو آپ لوگوں کے گھر پہنچا دوں گا۔'' فراز کی آفر پر زرینہ اور زرتاشہ دونوں نے ایک دوسرے کو الجھ کر دیکھا پھر ایک ساتھ ہی گردن موڑ کر فراز کی جانب نگاہ ڈالی بلو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے وہ انہیں بہت ڈیسینٹ اور اچھا لگا۔
''آپ دونوں میری چھوٹی بہنوں کی طرح ہیں مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہیں۔ میرا نام فراز ہے اور میں ایک اچھے اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں یقین کیجیے میں آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔'' وہ انہیں تذبذب میں مبتلا دیکھ کر ٹھوس لہجے میں بولا تو زرینہ دھیرے سے گویا ہوئی۔
''ہم دونوں یہاں یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس ہیں اور وہیں گرلز ہوسٹل میں رہتے ہیں آپ پلیز ہمیں وہاں چھوڑ دیں تو ہم ساری زندگی آپ کا احسان نہیں بھولیں گے۔''
''زری۔'' زرتاشہ نے زرینہ کی جانب کافی الجھ کر دیکھا فراز زرتاشہ کی کیفیت کو بخوبی سمجھتے ہوئے بڑی نرمی سے بولا۔
''میں نے آپ دونوں کو صرف بہنیں کہا نہیں ہے بلکہ سمجھ بھی لیا ہے گڑیا اپنے بھائی پر بھروسہ کرلو۔'' فراز شاہ کے لہجے میں نجانے ایسا کیا تھا کہ بے اختیار زرتاشہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور پھر وہ بنا کچھ اور کہے فراز شاہ کی بیش قیمت ہانڈا سوک کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئیں جب کہ ان کے بیٹھتے ہی فراز شاہ نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور اگنیشن میں چابی گھما کر گاڑی اسٹارٹ کردی۔

❀......❀......❀......❀

مری کے خوب صورت بلند و بالا پہاڑوں کے سینے کو چیرتے ہوئے پانی کی ندی بڑی زور و شور سے بہہ رہی تھی۔ جب کہ ندی کے اطراف کا سبزہ اور ہری بھری گھاس نگاہوں کو بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر پہلے بارش ہوئی تھی جس کے نتیجے میں چیڑ، اخروٹ اور بادام کے درخت دھل کر نکھر گئے تھے۔ خنک اور ٹھنڈا ماحول طبیعت پر بہت خوش گوار اثر ڈال رہا تھا جب کہ آسمان ابھی تک سرخ و سرمئی بادلوں سے اٹا انتہائی دلفریب اور حسین لگ رہا تھا مگر وہ کہتے ہیں نا کہ جب دل کا موسم ہی اچھا نہ ہو تو پھر باہر کا موسم چاہے کتنا ہی سہانا کیوں نہ ہو وہ نگاہوں اور طبیعت کو نہیں بھاتا کچھ ایسا ہی اس وقت لالہ رخ کے ساتھ ہو رہا تھا وہ اندر سے کافی مضمحل اداس اور پریشان تھی۔ ابا کی طبیعت میں کوئی سدھار نہیں آیا تھا وہ دن بدن کمزور ہوتے جارہے تھے۔
''لالہ پھر کیا سوچا ہے تم نے ماموں کو کراچی لے کر جاؤ گی اس بارے میں تم نے مامی سے بات کی کیا کہا انہوں نے؟'' وہ مہرینہ اور بڑا اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے مہرینہ دیکھ رہی تھی کہ آج کل لالہ رخ اپنے ابا کو لے کر کافی ڈسٹرب لگ رہی تھی۔ مہرینہ کے استفسار پر لالہ رخ اپنے دھیان سے چونکی پھر اسے دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی اور آہستگی سے بولی۔

"نہیں ابھی تو ان سے بات نہیں کی مجھے لگتا ہے کہ وہ یہ سب سن کر پریشان ہوجائیں گی کراچی میں تو ہمارا کوئی بھی عزیز رشتے دار نہیں اور پھر وہاں علاج معالجے کے اخراجات تو ایک گھمبیر مسئلہ ہے مہرو! مجھے تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔" اپنے ہاتھوں میں سر تھامے مہر ینہ نے پہلی بار لالہ رخ کو اتنا الجھا الجھا اور مضمحل سا دیکھا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اپنی عزیز از جان سہیلی اور بہن کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔

"تم تو جانتی ہو نا کہ میرے ابا کیسے ہیں۔ انہیں تو میری اور اماں کی بھی کوئی پروا نہیں ہے ورنہ میں ابا سے کہتی کہ وہ ماموں اور تمہارے ساتھ کراچی چلے جائیں۔" مہرو کی بات پر لالہ رخ محض خاموش ہی رہی بٹو بھی لالہ رخ کو دیکھ کر بہت اداس ہورہا تھا۔

"باجی آپ پلیز پریشان تو نہ ہوں میں رب سوہنے سے آج رات آپ کے ابا کے لیے ڈھیر ساری دعا مانگوں گا۔ پھر ان شاء اللہ آپ کے ابا ٹھیک ہوجائیں گے۔" بٹو کے انتہائی معصومانہ مگر پُرخلوص انداز پر لالہ رخ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی وہ بٹو کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھتی ہوئی گویا ہوئی۔

"شکریہ بٹو تم دعا ضرور مانگنا اللہ تم جیسے بچوں کی دعائیں ضرور قبول کرتا ہے۔ کیونکہ تمہارا دل زمانے کے چھل فریب سے بالکل پاک اور روح شیشے کی طرح مکمل صاف ہے۔" بٹو کو لالہ رخ کی باتیں سمجھ میں نہیں آئی تھیں مگر وہ یونہی اثبات میں سر ہلا گیا تھا۔ مہرو کو بٹو کے انداز پر ہنسی آگئی۔

"تمہیں باجی کی باتیں سمجھ میں بھی آئیں یا یونہی سر ہلا رہے ہو۔" جواباً بٹو اپنے مخصوص انداز میں دانت نکوستے ہوئے بولا۔

"نہیں آئیں جی مگر جو کچھ باجی نے بولا ہوگا وہ ٹھیک ہی ہوگا۔"

"ہوں لالہ یہ بٹو ہمارے ساتھ ساتھ رہ کر کچھ عقل مند نہیں ہوگیا۔" بٹو کی بات پر مہرینہ لالہ رخ کو مخاطب کرتے ہوئے بولی وہ اس وقت اس کا دھیان بٹا کر اس کا ذہن ہلکا پھلکا کرنا چاہتی تھی۔

"بالکل باجی آپ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اس دن وڈیرا صاحب جی بھی مجھ سے یہی کہہ رہے تھے کہ بٹو بڑا سیانا ہوگیا ہے۔" بٹو مہرو کی بات پر بے تحاشا خوش ہوکر فخریہ انداز میں سینہ پھلا کر بولا تو لالہ رخ اور مہرینہ دونوں ہنس دیں۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے مہرینہ نے بٹو سے استفہامیہ انداز میں کہا۔

"بٹو یہ وڈیرا صاحب جی کون ہیں تم ملک دلاور کی بات کررہے ہو کیا؟" ملک دلاور ان کے علاقے کے وڈیرے کا نام تھا جن کی بہت وسیع پیمانے پر زمینیں تھیں۔ بڑے ہی نیک خدا ترس اور انسان دوست آدمی تھے اس علاقے کے رہنے والے ان کی بہت عزت و تکریم کرتے تھے۔ وہ بھی ان سب کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے۔

"نہیں نہیں مہرو باجی میں تو چھوٹے وڈیرے صاحب کی بات کررہا ہوں داور صاحب جی کی وہ بہت دور رہتے ہیں جی آج کل آئے ہوئے ہیں۔" بٹو مہرو کی بات پر تیزی سے بولا تو مہرو پھر کسی سوچ میں غلطاں ہوگئی لالہ رخ نے اسے یوں سوچوں میں گم دیکھا تو اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

"اب تمہارے دماغ میں کیا چلنے لگا ارے بابا بٹو نے سمپل سی بات بتائی تھی اور تم اس پر اس قدر سوچ بچار کررہی ہو جیسے کسی نے تم سے یہ پوچھ لیا ہے کہ کالا باغ ڈیم بننا چاہیے یا نہیں۔" لالہ رخ کی اس بات پر دھانی رنگ کے شلوار سوٹ میں گلابی رنگ کی شال اوڑھے مہرو نے اسے قدرے ناپسندیدگی سے دیکھا پھر بٹو کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا وڈیرے صاحب کا وڈیرا اسماعیل کے علاوہ بھی کوئی اور بیٹا ہے؟" لالہ رخ نے بے ساختہ اپنا سر تھام لیا تھا وہ بخوبی سمجھ گئی تھی کہ اب وہ اس وڈیرے کا پوری ہسٹری جان کررہے گی۔

''ہاں باجی داور باؤجی ہیں نا مگر وہ یہاں نہیں رہتے بہت دور رہتے ہیں۔''
''چاند پر رہتے ہیں کیا؟'' اس کے دور دور کہنے پر مہرو قدرے چڑ کر بولی۔ اسے یہ جاننے کی جستجو لاحق ہوئی کہ وہ دور ہے کون سی...... جگہ۔
''ہاہاہا...... مجھے تو نہیں پتہ کہ وہ چاند پر رہتے ہیں آپ بھی نا......!''
''کمال ہے وڈیرے دلاور ملک کے دو بیٹے ہیں اور مجھے یہ بات آج تک معلوم نہیں ہوسکی۔'' وہ اپنی شہادت کی انگلی دانتوں تلے دباتے ہوئے خود سے الجھ کر بولی تو لالہ رخ کو ٹھیک ٹھاک غصہ آ گیا۔
''ارے اللہ کی بندی اب اس ملک دلاور کے بیٹے کو بخش دے کیوں خوامخواہ میں انکوائری کرنے لگ جاتی ہو تم......!''
''تم کچھ دیر ذرا چپ رہو۔'' وہ اسے ٹوک کر بولی پھر دوبارہ بٹو کی جانب متوجہ ہوئی۔ ''ہاں تو بٹو یہ بتاؤ کہ وہ تمہارے داور باؤجی دیکھنے میں کیسے ہیں؟''
''مہرو کچھ ہوش سے کام لو تم بٹو سے ایسے کیوں پوچھ رہی ہو؟'' لالہ رخ مہرو کے کان کے قریب جھک کر تھوڑی سر گوشی میں بولی تھی۔
''لاحول ولاقوۃ...... لالہ میں اس طرح سے نہیں پوچھ رہی تھی سمجھیں۔'' مہرو لالہ رخ کی بات پر بری طرح سٹپٹا کر بولی جب کہ بٹو دونوں کو نا سمجھنے والے انداز میں دیکھ رہا تھا۔
''اف مہرو تم اس داور پر بعد میں ریسرچ کر لینا ابھی میرے ساتھ ذرا مارکیٹ تک چلو مجھے گھر کے لیے کچھ ضروری چیزیں لینی ہیں۔'' ڈارک براؤن رنگ کے پلین شلوار سوٹ میں کالی چادر اوڑھے لالہ رخ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی جب کہ اس کی تقلید میں مہرینہ اور بٹو بھی اٹھ کر اس کے ہمراہ وہاں سے چل دیئے۔

❀......❀......❀......❀

ملبوسات سے اٹھتی پرفیوم کی دلفریب خوشبو اور کلون کی مہک نے گاڑی میں انتہائی خوش گوار سا فسوں طاری کر دیا تھا۔ زرتاشہ کا ذہن ابھی بھی خوف وگھبراہٹ کے آکٹوپس میں جکڑا ہوا تھا۔ مگر زرینہ اب اس کیفیت سے آزاد ہو کر گاڑی کے ڈارک شیشے سے باہر نگاہیں مرکوز کیے انجوائے کر رہی تھی کہ اسی دم اس کے موبائل فون کی بیپ بج اٹھی زرینہ کے ساتھ ساتھ زرتاشہ اور فراز بھی چونکے جب کہ زرینہ جس نے اپنا سیل فون اپنی گود میں ہی رکھا ہوا تھا سرعت سے اسے اٹھایا موبائل اسکرین پر مہوش کا نام جگمگاتا دیکھ کر بے ساختہ ایک چیخ کی صورت میں اس کے منہ سے مہوش نکلا پھر انتہائی بے صبری سے اس نے بٹن آن کر کے موبائل اپنے کان سے لگایا۔
''مہوش تم لوگ کہاں چلے گئے تھے معلوم بھی ہے ہم کس قدر پریشان ہوئے اور اتنی دیر اس اے ٹی ایم مشین کے باہر تم لوگوں کا انتظار کرتے رہے اور تمہارا فون بھی کسی طور پر نہیں لگ رہا تھا تم لوگ ہو کہاں؟'' زرینہ مہوش کو بولنے کا کوئی بھی موقع دیئے بنا نان اسٹاپ بولتی چلی گئی جب کہ مہوش اچھی خاصی بھنا گئی۔
''او بہنا کچھ میری بھی سن لو۔'' وہ دانت پیس کر بولی تو زرینہ تھوڑی خفیف ہوئی پھر زرتاشہ کو بڑی بے تابی سے اور فراز شاہ کو مرر کے ذریعے سنجیدگی سے دیکھتے پایا تو سہولت سے بولی۔
''ہاں بولو۔'' پھر نجانے مہوش نے کیا کہا کہ پہلے تو زرینہ کے چہرے پر شرمندگی پھر ندامت اور بعد میں فکرمندی کے رنگ جھلکے تھے۔
''اوہ مگر ہم تو وہاں سے کب کے نکل گئے ہیں اچھا ایک منٹ ٹھہرو میں پوچھ کے بتاتی ہوں۔'' زرینہ اتنا بولی پھر فراز شاہ کو مخاطب کر کے گویا ہوئی۔

''ایکسکیوزمی سر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت ہم کس علاقے سے گزر رہے ہیں؟'' زرمینہ کے سوال پر فراز ہموار لہجے میں بولا۔
''ہم کارساز کی طرف سے گزر رہے ہیں ان شاء اللہ بیس منٹ میں ہم یونیورسٹی پہنچ جائیں گے۔''
''او کے......! ہاں مہوش ہم کارساز پر ہیں......اچھا' ٹھیک ہے تم لوگ نکلو ہم بھی بس بیس منٹ میں پہنچ جائیں گے او کے اللہ حافظ۔'' زرمینہ نے جونہی موبائل کان سے ہٹایا زرتاشہ نے بڑی بے تابی سے پوچھا۔
''کیا ہوا......کیا کہہ رہی تھی مہوش؟''
''وہ دراصل ہم غلط اے ٹی ایم مشین کے پاس کھڑے تھے مہوش نے دوسری جگہ بتائی تھی۔'' وہ خجل ہو کر بولی اور زرتاشہ کے منہ سے بے ساختہ اوہ نکلا پھر معاً کچھ ذہن میں آیا تو وہ تیزی سے بولی۔
''اور اس کا فون سوئچ آف کیوں تھا؟''
''وہ تو بے چاری ہمیں پورے مال میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔ بہت زیادہ پریشان ہو رہی تھی وہ لوگ تو ابھی مال سے نکلے ہیں میں نے کہہ دیا کہ ہم تو بیس منٹ میں پہنچنے والے ہیں۔ وہ سب بھی اب وہاں سے نکل رہی ہیں۔'' زرمینہ سے تمام تفصیلات جان کر زرتاشہ نے اسے بری طرح گھورا جب کہ زرمینہ پزل سی ہو گئی۔
''دیکھ لیا ناں اپنی بے تکی ضد اور ہٹ دھرمی کا انجام کر لیا ناں تم نے انجوائے۔ اب یہ تمام باتیں تم لالہ کو خود بتانا اور وہ یقیناً فون سے نکل کر تمہارا سر توڑ دے گی اور پھر تمہارے بعد میرا توڑے گی۔'' زرتاشہ نے اسے بری طرح لتاڑا تو زرمینہ اندر ہی اندر نادم و خجل ہو کر آہستگی سے بولی۔
''مجھے کیا معلوم تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔'' پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا تو وہ فوراً شیر بنتے ہوئے بولی۔
''وہ مور اندر دکان میں جا کر دیکھنے کی فرمائش تو تم ہی نے کی تھی ناں اب بھلا بتاؤ شیشے کے پار نظر آنے والا مور اندر سے دیکھنے میں کیا بگلا بن جاتا۔ ہم تو اچھا خاصا فوڈ ایریا کی طرف جا رہے تھے تم ہی نے اچانک روک لیا تھا۔'' اب خجل ہونے کی باری زرتاشہ کی تھی وہ کچھ لمحے خفیف سی ہوئی چہرے پر یک دم سرخی اتری مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ چہک کر بولی۔
''ہاں تو نہیں جاتی ناں دکان کے اندر اب کیا تم میرے کہنے سے کوہ ہمالیہ کی پہاڑیوں پر بھی چڑھ جاؤ گی؟'' اپنے سامنے لگے بیک مرر سے وہ گاہے بگاہے ان دونوں لڑکیوں پر نگاہ ڈال کر مسکرائے جا رہا تھا زرتاشہ کے جملے پر اپنے لبوں کو تیزی سے بھینچ کر اس نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو روکا تھا۔
''واہ واہ تاشو تمہارا بھی جواب نہیں ساری غلطی تمہاری ہے اور تم مجھ پر ڈال رہی ہو۔''
''اچھا اور وہ غلط اے ٹی ایم مشین پر تم مجھے لے کر وہاں گھنٹوں کے لیے کھڑی ہو گئی تھیں اف کتنے اسٹوپڈ اور احمق لگ رہے ہوں گے ناں ہم دونوں وہاں کھڑے ہوئے۔'' زرتاشہ بھی کہاں پیچھے رہنے والی تھی فوراً حساب برابر کیا تھا جب کہ اسی پل زرمینہ کو فراز شاہ کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ زرتاشہ کو ہلکی سے کہنی مارتے ہوئے سرگوشی میں بولی۔
''تاشو ہاسٹل جا کر لڑ لینا ابھی تو خاموش ہو جاؤ۔'' زرتاشہ کو بھی اسی دم سچویشن کا احساس ہوا تو وہ خاموش ہو گئی جب کہ فراز یہ سب سن کر زیر لب مسکراتے ہوئے سہولت سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔

❀......❀❀......❀❀

''تم نے سر پر چڑھا رکھا ہے اپنی بیٹی کو۔ ارے میں پوچھتا ہوں کہ ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں تمہاری بیٹی میں جس کے لیے کوئی شہزادہ آسمان سے اترے گا یا پھر بہت جائیداد پیسے والی ہے تمہاری اولاد جس کے آگے رشتوں کی لمبی لائن لگی ہوئی ہے۔ ارے عقل کی دشمن کچھ سمجھ بوجھ سے کام لے گلاب بخش کے بیٹے کو مہرو کا ہاتھ دے دے۔''

مہرینہ کا باپ مومن اپنی شریک حیات کو اپنے طور پر راضی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا تو اماں نے اسے بڑی بے چارگی سے دیکھا۔
وہ اپنی بیٹی مہرینہ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں اور مہرو کے خوابوں اور ارمانوں سے بھی اچھی طرح واقف تھیں اور حقیقت تو یہ تھی کہ مہرینہ کے ٹکر اور جوڑ کا اب تک کوئی رشتہ اس کے لیے نہیں آیا تھا۔ مہرو کی ماں مہرو کے لیے واقعی کسی شہزادے کے آنے کی لاشعوری طور پر منتظر تھیں جوان کی شہزادیوں جیسی آن بان رکھنے والی بیٹی کو بڑی چاہ وقدر سے اپنے سنگ بیاہ کر لے جاتا مگر...... حقیقی دنیا تو کوئی اور تھی جہاں مہرو کے جوڑ کا تو کیا واجبی سا رشتہ بھی دستیاب نہیں تھا۔
"دیکھ اب زیادہ سوچ بچار نہ کر لڑکیوں کے رشتوں کی ایک عمر ہوتی ہے مہرو کی عمر اگر نکل گئی نا تو پھر ایسے رشتے بھی آنا بند ہو جائیں گے۔" اماں نے اپنے دھیان سے چونک کر ابا کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کر اب بیڑی سلگانے لگا تھا۔ انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری پھر تاسف زدہ انداز میں اپنے مجازی شوہر کو دیکھتے ہوئے بولیں۔
"مومن تو یہ بات جانتا ہے نا کہ مہرو میرے جگر کا ٹکڑا ہے میرے دل کی دھڑکن میری آنکھوں کی ٹھنڈک میرے کلیجے کا قرار ہے۔ میں بھلا اپنی بچی کے ساتھ اتنی بڑی ناانصافی کیسے کر سکتی ہوں؟" اماں کی بات پر ابا بھی بیڑی کی طرح بری طرح سلگ گیا۔
"تو کہنا کیا چاہتی ہے میں مہرو کا دشمن ہوں اس کا بھلا نہیں سوچ رہا ارے جھلی تو اس بات پر یقین کیوں نہیں کر لیتی کہ گلاب بخش کے بیٹے نے نشہ کرنا چھوڑ دیا ہے اس کا شہر میں جا کر گلاب بخش نے اچھی طرح علاج کروایا ہے ارے میری مان ہماری مہرو اس گھر میں جا کر راج کرے گی راج۔"
"اونہہ بھلا نشے کی لت کبھی چھوٹتی ہے۔" اماں ابا کی بات پر تنفر سے بولیں جب کہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی تمام باتیں چھپ کر سنتی مہرو کی آنکھیں نمکین پانیوں سے لبالب بھر گئیں وہ خاموشی سے وہاں سے پلٹ کر اپنے چھوٹے سے کمرے میں آ گئی اور گم صم سے انداز میں بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔

کاش میرے پر ہوتے
تیرے پاس اڑ آتی
کاش میں ہوا ہوتی
تجھ کو چھو کے لوٹ آتی
میں نہیں مگر کچھ بھی
سنگ دل رواجوں کے
آہنی حصاروں میں
عمر قید کی ملزم
صرف ایک لڑکی ہوں

مہرینہ کی شفاف آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بڑی خاموشی سے نکل کر ٹوٹنے لگے۔

❁......❁......❁......❁

ماریہ کی منگنی فی الحال کچھ وقت کے لیے ملتوی کر دی گئی تھی۔ کیونکہ ولیم کی گرینی اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث دوسرے جہاں سدھار گئی تھیں۔ جب کہ ابرام بھی اپنے کام کے سلسلے میں آؤٹ آف کنٹری تھا۔ کلاس آف ہوئی تو ماریہ کالج میں بنے گارڈن کی جانب آ گئی آج کافی دنوں بعد سورج نے اپنا جلوہ دکھایا تھا۔ وگرنہ پچھلے ایک ہفتے

سے مسلسل ہلکی بارش کا سلسلہ جاری تھا جب کہ آج مطلع بالکل صاف تھا شفاف نیلگوں آسمان اس کی آنکھوں کو بے حد بھلا لگ رہا تھا جب کہ بے فکرے اپنے حال میں مست دخوش اسٹوڈنٹس اس وقت موسم کو انجوائے کرتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ماریہ نے ایک طائرانہ نگاہ اپنے اطراف میں ڈالی پھر سہولت سے چلتی ہوئی گارڈن میں بنی لکڑی کے بینچ پر آ کر بیٹھ گئی ابھی اسے بیٹھے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ جیسکا ہیلو ہیلو کرتی ہوئی وہاں آ دھمکی۔

"ماریہ میں ذرا پال سر سے دومنٹ کیا بات کرنے لگی تم تو فوراً وہاں سے کھسک گئیں۔" جیسکا اسے لتاڑتے ہوئے بولی تو ماریہ نے فقط ایک نگاہ اسے دیکھا پھر اپنی گود میں رکھے ناول کو کھول کر بیٹھ گئی۔ جیسکا کو ماریہ کا یہ رویہ بے حد عجیب اور قدرے برا بھی لگا۔ اس نے انتہائی الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا وہ ماریہ کو تقریباً چار سال سے جانتی تھی اور ان چار سالوں میں اس نے کبھی بھی اتنی بداخلاقی اور اجنبیت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جب کہ کچھ وقت سے وہ اور ابرام اس کے رویے کو لے کر کافی ڈسٹرب تھے۔

"ماریہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آج سے پہلے کبھی تم نے مجھ سے اتنا روڈلی بی ہیو نہیں کیا۔ کیا تم مجھ سے کسی بات پر خفا ہو اگر ایسی بات ہے تو آئی ایم سوری یار۔" جیسکا نے ماریہ کے انداز واطوار دیکھ کر قدرے افسردگی بھرے لہجے میں کہا تو ماریہ نے ناول سے نگاہ اٹھا کر بس ایک سرسری نگاہ اسے دیکھا پھر دوبارہ گردن کتاب پر جھکاتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔

"اٹس او کے جیسکا سب ٹھیک ہے مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگی۔" جیسکا نے ماریہ کے جھکے سر کو کافی تشویش زدہ انداز سے دیکھا اور پھر چند قدم آگے بڑھ کر اس کے پاس بینچ پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ماریہ تم مجھے اپنی فرینڈ سمجھتی ہو نا ان فیکٹ ہمارے درمیان چار سال سے دوستی قائم ہے ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں سمجھتے ہیں اور میرے خیال میں ہم دونوں ایک دوسرے سے اپنی پرابلمز بھی شیئر کرسکتے ہیں ایک دوسرے کی مدد بھی کرسکتے ہیں۔" جیسکا اپنے نرم لہجے میں انتہائی پرخلوص انداز میں کچھ جتاتے ہوئے بولتی چلی گئی۔

"جیسکا مجھے اس بات سے انکار نہیں ہے کہ ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں۔" ماریہ بھی جواباً شستہ انگریزی میں نرم لہجے میں بولی۔ تو جیسکا نے سرعت سے کہا۔

"تو پلیز تم مجھے بتاؤ نا کہ تمہارے ساتھ کیا پرابلم ہے۔" جیسکا کا انداز کھوجتا ہوا تھا۔ "آخر کس بات کو لے کر تم اتنی بدل گئی ہو۔ تم مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہو ماریہ یقیناً ایک وفادار دوست پاؤ گی مجھے۔" ماریہ نے جیسکا کے الجھے پریشان چہرے کو دیکھا وہ حقیقت میں ماریہ کے لیے فکرمند تھی چند ثانیے وہ اسے دیکھتی رہی پھر ہنوز لہجے میں بولی۔

"میرے ساتھ کوئی پرابلم نہیں ہے جیسکا۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے ماریہ! ابرام بھی تمہارے لیے بہت پریشان ہے کم از کم تم مجھے تو اپنی پرابلم بتا سکتی ہو نا......" بولتے بولتے یک دم جیسکا کو کچھ یاد آیا تو وہ قدرے آہستگی سے بولی۔

"تم کسی اور کو پسند کرتی ہو کیا؟ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تمہیں ولیم میں انٹرسٹ نہیں، کیا یہی بات ہے؟" وہ اپنے خیال کو یقین میں بدلنے کی غرض سے اس سے پوچھ بیٹھی ماریہ چند ثانیے اپنے سامنے پھیلے گھاس کے فرش کو یونہی دیکھتی رہی پھر رخ موڑ کر جیسکا پر نظریں ڈال کر سہولت سے بولی۔

"مجھے ولیم سے انگیجمنٹ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" پھر وہ وہاں ٹھہری نہیں اپنی کتابیں اٹھا کر خاموشی سے کلاس روم کی جانب بڑھ گئی جب کہ جیسکا ماریہ کے اس قدر عجیب وغریب رویے پر وہیں بیٹھی سوچتی رہ گئی۔

❀......❀......❀......❀

آج ان تینوں نے ڈنر اکھٹے کیا تھا ورنہ پچھلے کچھ دنوں سے یا تو ڈنر ٹیبل پر خاور حیات غائب ہوتا یا پھر باسل ندارد پایا جاتا' حورین دونوں کو موجود پا کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''اوہ خدا کا شکر یہ ہے کہ آج آپ دونوں ایک ساتھ موجود ہیں ورنہ پچھلے کچھ دنوں سے تو کوئی ایک موجود ہوتا ہے تو دوسرا غائب۔'' حورین سرشاری سے بریانی کی ڈش باسل کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی تو خاور اور باسل دونوں اسے دیکھ کر مسکرا دیئے۔

''ایکچولی مام میں تو جان بوجھ کر ڈنر پر گول ہو جاتا ہوں تا کہ آپ دونوں کو پرائیوسی مل جائے۔'' باسل شرارت سے بولا تو خاور حیات قہقہہ لگا کر ہنس دیا جب کہ حورین جھینپ گئی پھر باسل کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر گویا ہوئی۔

''میں خوب سمجھتی ہوں تمہاری چالاکی اور مصروفیت بھی کبھی کسی دوست کے ساتھ تو کبھی کہیں اور......''

''حورین تم بالکل سچ کہہ رہی ہو' کیوں برخوردار یہی بات ہے ناں۔'' خاور حیات پہلے حورین سے پھر باسل سے مخاطب ہو کر بولا تو باسل کھسیانا ہو کر اپنا کان کھجاتے ہوئے گویا ہوا۔

''مام اچھا یہ سمجھ لیں کہ ففٹی پرسنٹ میں آپ دونوں کو چانس دیتا ہوں اور ففٹی پرسنٹ خود کو دیتا ہوں۔'' باسل کی بات پر دونوں ہنس دیے۔

باسل ڈنر کر کے بڑے خوش گوار انداز میں اپنے روم میں آیا تو اس کی سب سے پہلی نگاہ اپنے بیڈ پر پڑے سیل فون پر گئی۔ جس کی لائٹ بلنک ہو کر ابھی ابھی آف ہوئی تھی۔ وہ بیڈ کے پاس آیا اور جھک کر اپنا سیل فون اٹھا کر اسکرین آن کی تو نیلم کی ڈھیر ساری مسڈ کالز اور ان گنت میسجز اس کی نگاہوں میں گھوم گئے۔ باسل نے اپنے لبوں کو بھینچا پھر چند ثانیے پرسوچ نگاہوں سے موبائل اسکرین کو دیکھے گیا پھر دھیرے سے اس نے ان باکس کھولا تو جھم سے نیلم کا میسج اس کے سامنے آ گیا۔

'[illegible]'

باسل نے اس کا میسج پڑھا پھر مزید ان باکس کھولے اس نے اپنا سیل فون آف کر کے بستر پر اچھالا اور بڑے مگن انداز میں فریش ہونے کی غرض سے باتھ روم میں چلا گیا۔

❁......❁......❁......❁
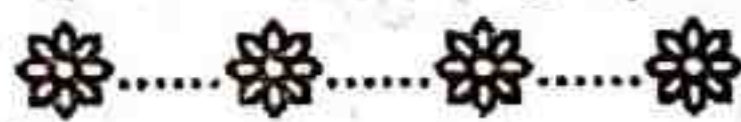
''ہائے اللہ تاشو وہ شخص کتنا اچھا تھا میں نے تو آج تک اتنا ڈیسنٹ ہینڈسم اور سوبر بندہ نہیں دیکھا۔ کیا نام بتایا تھا اس نے؟'' انتہائی جوش سے بولتے بولتے زرمینہ نے آخر میں اپنی شہادت کی انگلی کو کنپٹی پر بجاتے ہوئے ذہن پر زور ڈال کر کہا تو زرتاشہ نے اسے کافی بےزار کن نگاہوں سے دیکھا۔

''زری کیا تمہیں اس بات کا احساس بھی ہے کہ کچھ دنوں میں ہمارے سمسٹر اسٹارٹ ہونے والے ہیں۔ اب جان بھی چھوڑو اس شخص کی میرے خیال میں یہ جملہ پچیس بار تم بول چکی ہو...... کیا نام بتایا تھا اس نے۔'' زرتاشہ آخر میں اس کی نقل اتارتے ہوئے منہ بگاڑ کر بولی تو بےساختہ زرمینہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ جب کہ زرتاشہ نے اسے ہنستے ہوئے انتہائی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''تم کیوں اتنا سڑ رہی ہو ڈیئر۔'' وہ اپنی ہنسی پر قابو پا کر بولی تو زرتاشہ نے محض اسے ایک نظر دیکھا پھر خاموشی سے اپنی کتابوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔ جب ہی کچھ دیر بعد زرمینہ کی پرشوق آواز دوبارہ ابھری۔

''ویسے تاشو وہ مال کتنا بڑا اور خوب صورت تھا ناں اور وہاں کی شاپس...... کتنی بڑی بڑی اور اعلیٰ تھیں ناں۔ میں نے تو یہ سب پہلی بار دیکھا ہے۔''

''ہاں یار وہ مال واقعی بہت خوب صورت تھا اگر ہم مہوش وغیرہ سے الگ نہ ہوتے اور پھر ہمیں اتنی ٹینشن نہ اٹھانا پڑتی تو یقیناً ہمیں بے حد مزہ آتا۔'' زرتاشہ بال پوائنٹ اپنی ٹھوڑی پر رکھ کر اپنے ذہن میں شاپنگ مال کے تصور کو لاتے ہوئے بولی تو زرمینہ بھی منہ بسور کر گویا ہوئی۔

''یہ بات تو ہے اب دیکھو نجانے کب دوبارہ جانا نصیب ہوتا ہے۔'' زرمینہ کی بات پر زرتاشہ اپنے تصور سے نکل کر یک دم اپنی جگہ سے اچھلی...... پھر انتہائی تادیبی نظروں سے دیکھ کر قطعیت بھرے لہجے میں بولی۔

''خبردار زری اب اگر تم نے دوبارہ مجھے مہوش لوگوں کے ساتھ کہیں جانے پر اکسایا وہ تو شکر ہوا کہ اتنا شریف بندہ ہمیں وہاں مل گیا اور بحفاظت اس نے ہمیں ہاسٹل پہنچا دیا۔ ورنہ تو میں خوف و دہشت کے عالم میں وہیں کھڑے کھڑے مرجاتی۔'' زرتاشہ کی بات سن کر زرمینہ نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر کچھ سوچ کر وہ گویا ہوئی۔

''مگر اس کا نام کیا تھا؟''

''کس کا نام؟'' زرتاشہ نا سمجھنے والے انداز میں زرمینہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''وہی ہینڈسم اور ڈیسنٹ سا انسان۔'' جب کہ زرتاشہ اچھی خاصی سلگ گئی۔

''زری کی بچی اب میں تیرا سر توڑنے والی ہوں۔'' وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ اس کی جانب بڑھی تو زرمینہ قہقہہ لگا کر زور زور سے ہنسنے لگی۔ جب کہ زرتاشہ کی بھی ہنسی اس کے ساتھ شامل ہوگئی۔

❁......❁......❁......❁
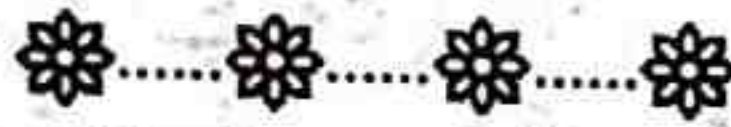
باسل حیات کے دوست ایک ہی پوزیشن میں کافی دیر سے خاموش بیٹھے نجانے کن سوچوں میں مستغرق تھے۔ اپنے سیل فون پر گیم کھیلتے ہوئے باسل نے ایک دو بار ان کی جانب دیکھا تھا۔ وہ پھر واپس اپنے گیم کی جانب متوجہ ہوگیا تھا۔ شام کی ٹھنڈی خوش گوار ہواؤں کی شوخیوں پر اٹھلاتے وسیع و عریض لان میں لگے پیڑ پودے اور خوشنما پھول نگاہوں کو بے حد بھلے لگ رہے تھے۔ گارڈن سے کچھ آگے سائیڈ پر بنے جدید طرز کے سوئمنگ پول کا نیلگوں پانی اس وقت طبیعت پر بہت اچھا اثر ڈال رہا تھا۔ عدیل کے ذہن نے سوچ کی اڑان بھرتے بھرتے جونہی باسل کو سیل فون پر مصروف پایا تو یک دم اپنے دھیان سے چونکا۔ پھر اسے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''دیکھو ذرا ان صاحب زادے کو ہم ان کے متعلق سوچ سوچ کر اپنے دماغوں کو پلپلا کر رہے ہیں اور یہ حضرت اتنے اطمینان اور سکون سے اپنے موبائل میں گیم کھیل رہے ہیں۔'' عدیل کی آواز فضاء میں گونجی تو احمر بھی چونک کر حال کی دنیا میں لوٹا اور دونوں کو استفہامیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ جب کہ باسل حیات کی پوزیشن میں ذرا بھی فرق نہ آیا وہ ہنوز موبائل پر گیم کھیلنے میں محو رہا۔

''باسل یہ کیا بدتمیزی ہے ہم یہاں تیرے مسئلے کو لے کر پریشان ہو رہے ہیں اور تو اتنے مزے سے گیم کھیلنے میں لگا ہوا ہے...... کیا ہے یار۔'' عدیل خاصے تنتے ہوئے لہجے میں بولا تو باسل نے ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تو میں نے تم لوگوں سے بولا ہے کیا کہ اس اسٹوپڈ ٹاپک پر تم سقراط بن کر سوچنا شروع کردو۔''

''ٹھیک ہے ہم نہیں سوچتے تمہارے بارے میں جب تمہیں ہی اس بات کی فکر نہیں ہے تو ہم کیوں خود کو ہلکان کریں۔'' احمر بھی کافی بے مزہ ہوکر بولا تو باسل نے گیم آف کیا اور اپنا سیل فون کین کی میز پر رکھتے ہوئے پوری طرح سے ان کی جانب متوجہ ہوکر بولا۔

''آخر تم دونوں نے باسل حیات کو سمجھا کیا ہے۔ کیا میں لڑکی کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنا قیمتی وقت ضائع کروں گا۔ یا اس بات پر ٹینشن لوں گا کہ وہ بھلا کون سا خطرناک پلان بنا کر مجھے ٹریپ کرنے کے لیے میری زندگی میں

داخل ہوئی ہے..... اوکم آن یار وہ ایک معمولی سی لڑکی ہے وہ میرا کیا بگاڑ لے گی۔'' آخر میں اس کا لہجہ بے پروائی لیے ہوئے تھا۔

''میرا خیال ہے عدیل باسل ٹھیک ہی کہہ رہا ہے ہم اس نیلم فرمان کو کچھ زیادہ ہی سیریس لے رہے ہیں۔'' احمر نے بھی اپنی رائے پیش کی تو عدیل نے باری باری دونوں کی جانب دیکھا پھر کندھے اچکا کر بولا۔

''اوکے گائز جیسی تم دونوں کی مرضی..... مگر سیانے کہتے ہیں کہ دشمن سے ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے اینڈ آئی ایم شیور یہ رطابہ اور نیلم باسل کی دوست تو ہرگز نہیں ہیں۔'' باسل نے عدیل کی بات پر اسے کچھ دیر دیکھا پھر سر جھٹک کر وہ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے لگا۔

❀......❀......❀......❀

''یہ کیا کہہ رہی ہو لالہ..... یہ کیسے ہوسکتا ہے بیٹا۔ تم اس کام کو جتنا آسان اور سہل سمجھ رہی ہو وہ کٹھن اور بے حد مشکل ہے۔ ہم بھلا کیسے تمہارے ابا کو علاج کے لیے دوسرے شہر لے جاسکتے ہیں؟'' امی نے جب لالہ رخ کی بات سنی تو انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے ورطہ حیرت میں مبتلا ہوکر گویا ہوئیں۔ امی کو اس قدر متعجب و بے یقین سا دیکھ کر لالہ رخ نے ایک گہری سانس اپنے اندر کھینچی پھر انتہائی سہولت سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

''امی بے شک یہ کام اتنا آسان اور سہل ہرگز نہیں اور یہ بات بھی میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ ابا کو کراچی لے کر جانا اور وہاں ان کا علاج کرانا کافی مشکل امر ہے۔ مگر امی میں اس طرح آہستہ آہستہ ابا کو یوں گھلتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔'' آخر میں اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔ امی کی بھی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو امڈ آئے تھے۔ انہوں نے ایک نگاہ لالہ رخ کے افسردہ چہرے کی جانب دیکھا پھر اپنے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کمزور سے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''بیٹا وہ شہر ہمارے لیے بالکل انجان اور اجنبی ہوگا۔ ہم اس طرح دو عورتیں یہ سب کیسے کرپائیں گی اور پھر اخراجات، رہائش، کھانا پینا یہ بھی ایک گھمبیر مسئلہ ہے۔'' امی کی بات پر لالہ رخ کسی گہری سوچ میں غلطاں ہوگئی۔

دونوں ماں بیٹی کے درمیاں کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ کوئی ترکیب کوئی راستہ نکالنے کی سعی میں تھیں کہ اچانک لالہ رخ کے ذہن میں ایک خیال آیا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل کر ماں کی جانب دیکھتے ہوئے قدرے پرجوش انداز میں بولی۔

''امی میں آج ہی عتیق سے بات کرتی ہوں وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کراچی کے ہاسپٹلز کے بارے میں یقیناً ساری معلومات ہمیں فراہم کردے گا۔ میں ابھی اس سے بات کرتی ہوں۔'' لالہ رخ نے فوراً سے پیشتر اپنا موبائل فون میز سے اٹھایا اور جلدی جلدی عتیق کا نمبر ملانے لگی۔ مگر کچھ ہی دیر بعد وہ مایوس ہوگئی۔ اسے فون کان سے ہٹاتے ہوئے دیکھ کر امی بے صبری سے استفسار کرتے ہوئے بولیں۔

''کیا ہوا فون نہیں اٹھایا؟''

''ہوں اس کا فون بند جا رہا ہے..... ہوسکتا ہے وہ کہیں مصروف ہو۔ میں شام کو پھر اسے کال کروں گی۔'' لالہ رخ امی کو دیکھتے ہوئے بولی تو انہوں نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

❀......❀......❀......❀
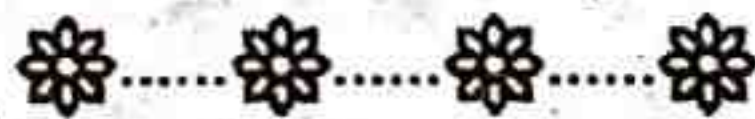
گولف کلب کے وسیع و عریض لان میں بے حد خوب صورت ڈیکوریشن کی گئی تھی۔ رات کی خنک ہوا اور بھیگا بھیگا سا موسم بہت بھلا لگ رہا تھا۔ اس پُررونق اور گریس فل سی تقریب کی خاص الخاص شخصیت سونیا خان تھی۔ جس کے اعزاز میں یہ اعلیٰ درجے کی پارٹی منعقد کی گئی تھی۔ آج سونیا کی برتھ ڈے تھی۔ سونیا کے والد اعظم خان شیرازی کا نام لیڈر

کی مصنوعات میں کافی معروف اور مشہور تھا۔ جن کی اکلوتی اولاد سونیا اعظم خان تھی۔ جس کی چھوٹی سی بھی بات انہوں نے کبھی رد نہیں کی تھی۔ وہ ان کی بے حد لاڈلی اور چہیتی بیٹی تھی۔ سارا بیگم ان کی لائف پارٹنر تھیں مگر وہ اپنی بیوی سے زیادہ خوش نہیں تھے۔ انہیں سارا بیگم میں کافی خامیاں دکھائی دیتی تھیں۔ جس کی وجہ سے ان کا کبھی بھی سارا بیگم سے سمجھوتا نہیں ہوسکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کچھ شوق گھر سے باہر پال رکھے تھے۔ صنف نازک اگر وہ خوب صورت اور طرح دار بھی ہوتو وہ ان کی بے حد خاص توجہ کا حامل ہوتی تھی۔ سارا بیگم اپنے شوہر کی بھونرا صفت طبیعت سے خوب واقف تھیں۔ مگر سب کچھ جان کر اور دیکھ کر بھی ان دیکھا کرنا ان کی مجبوری تھی۔ وہ اپنے شوہر کی خصلت پر دل ہی دل میں بے حد کڑھتی تھیں مگر ان کو کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں رکھتی تھیں۔ جب کہ سونیا کو جب نوعمری میں اپنے باپ کی عادتوں کی بابت علم ہوا تو وہ شروع میں کافی اپ سیٹ اور ان سے قدرے بدگمان بھی ہوئی مگر پھر سارا بیگم کے سمجھانے اور اپنی دنیا میں مصروف ہوکر ان تمام باتوں کو ذہن سے جھٹک گئی۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ اس کا باپ اس سے بے حد محبت کرتا ہے اور اس کی ہر جائز اور ناجائز خواہش کو پورا کرتا ہے۔ لہٰذا اسے اپنے باپ کی دیگر ایکٹیوٹیز کی چنداں فکر نہیں تھی۔ وہ صرف اپنی ذات میں مگن تھی۔ اعظم خان شیرازی اور سمیر شاہ کے درمیان گو کہ رشتے داری بھی تھی۔ سمیر شاہ سارا کی بہن ساحرہ کے شوہر تھے۔ مگر بزنس کی دنیا میں وہ ایک دوسرے کے حریف بھی تھے۔ اعظم خان شیرازی سمیر شاہ کو کچھ خاص پسند نہیں کرتے تھے۔ جب کہ سمیر شاہ بھی ان کے حوالے سے کچھ اختلافات رکھتے تھے۔

محفل اس وقت عروج پر تھی۔ ہر طرف رونق و روشنی بکھری ہوئی تھی۔ پرفیومز اور امپورٹڈ سگار کی خوشبو نے فضاء میں چہار سو دلفریب سی مہک پھیلا دی تھی۔ آرکسٹرا کی دلکش دھن اور گلاسوں کی مخصوص چھنکتی ہوئی آواز نے عجیب سا سماں باندھ رکھا تھا۔ جب کہ ڈل گولڈن رنگ کے میکسی گاؤن میں بالوں کو خوب صورت سا ہیر اسٹائل دیئے اور انتہائی نفیس سے میک اپ اور بیش قیمت جیولری میں سونیا خان بے حد دلکش اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ انتہائی بے قراری سے بار بار اپنے سیل فون پر ٹائم دیکھتی۔ فراز شاہ کا بے چینی سے انتظار کررہی تھی۔ جس نے اسے آدھے گھنٹے میں پہنچنے کا عندیہ دیا تھا۔

''واؤ سونیا! تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔'' سونیا کی کزن ماہ تاب اسے گال سے گال لگا کر بر تھ ڈے وش کرنے کے بعد سر سے پیر تک فرصت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ تو سونیا نے تفاخر سے مسکرا کر اسے ''تھینک یو'' کہا تھا۔

''آئی وش کہ اگر اس وقت جنید بھائی ہوتے تو یقیناً انہیں ہوش میں لانا مشکل ہوجاتا۔'' ماہ تاب تھوڑا افسردہ سی ہوکر بولی۔ تو یک دم سونیا کو جنید آغا کا خیال آیا جو اس کا ماموں زاد تھا۔ وہ فوراً ماہ تاب سے استفسار کرنے لگی۔

''ارے ماہ تاب یاد آج کل جنید...... کہاں غائب ہے۔ کافی عرصہ ہوگیا اسے پاکستان آئے ہوئے؟''

''بھائی آج کل ڈنمارک میں ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ اور کتنا انتظار کراؤ گی کیک کب تک تمہارا منتظر رہے گا۔ آنٹی کہہ رہی تھیں مجھ سے تم سے پوچھو تو سہی۔'' ماہ تاب کے آخری جملے پر سونیا نے ایک بار پھر الجھ کر اپنے سیل فون کو آن کر کے ٹائم دیکھا اور پھر ماہ تاب کو کوئی جواب دیئے بناء اس سے ایکسکیوز کر کے فراز شاہ کا نمبر ملایا۔ جب کہ ماہ تاب دوسری جانب چل دی تھی۔

❀......❀......❀......❀
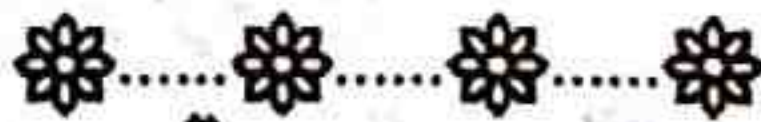
''تم خوامخواہ میں اتنا پریشان ہورہی ہو تاشو...... لالہ آپی کہہ تو رہی تھیں کہ ابا کو آج کل کمزوری زیادہ ہورہی ہے بس اسی وجہ سے تمہیں ان کی آواز تھکی تھکی اور پژمردہ سی لگی۔ تم ٹینشن زیادہ لے رہی ہو یار۔'' آج زرتاشہ نے جب ابا سے بات کی تو ان کی آواز سے صاف جھلک رہا تھا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے پریشان ہوکر بار بار ابا سے پوچھا

مگر وہ ہر بار ہنس کر کہتے۔
''ارے بیٹا بس تھوڑی سی کمزوری ہے۔ تم کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو بیٹی...... میری فکر چھوڑو اور اپنی پڑھائی پر پورا دھیان دو۔ تمہارے امتحان ہونے والے ہیں ناں...... میرا خیال رکھنے کو لالہ رخ اور تمہاری ماں ہیں ناں۔''
''مگر ابا آپ مجھے سچ سچ بتایئے آپ کی طبیعت صحیح نہیں ہے ناں؟'' وہ بے پناہ اندیشوں و تفکرات میں گھر کر بار بار یہی پوچھ رہی تھی۔
''اب میں تمہیں کس طرح سے سمجھاؤں'' ابا کے لہجے میں واضح عاجزی و بے بسی محسوس کر کے زرتاشہ ایک گہری سانس بھر کر بولی۔
''آپ کہتے ہیں تو یقین کر لیتی ہوں ابا۔ بس اپنا خیال رکھیے گا میں امتحان دیتے ہی فوراً آپ کے پاس آؤں گی۔ آپ میرا انتظار کیجیے گا۔'' جواباً ابا ہولے سے ہنس دیے۔
''میں ضرور تمہارا انتظار کروں گا۔ بس تم دل لگا کر پڑھو'' ابا محبت بھرے لہجے میں بولے تو زرتاشہ کی پلکیں بے اختیار بھیگ گئیں۔
''آپ میرے لیے دعا کریں گے ناں؟'' اس کی آواز خود بخود رندھ گئی اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کر مری پہنچ جائے اور ابا کے شفیق سینے سے لگ جائے۔
''میں تو اپنی دونوں بیٹیوں کے لیے ہر وقت دعا کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔'' ان کی حلاوت آمیز آواز زرتاشہ کی سماعت سے ٹکرائی تو اس کا دل بے تحاشہ اداسیوں میں گھر گیا۔ اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون تو بند کر دیا مگر اس وقت سے اب تک وہ اداس تھی۔ زرینہ اسے تسلیاں دے رہی تھی مگر نجانے کیوں اس کے دل کو سکون نہیں آ رہا تھا۔
''زری ابھی سمسٹر شروع ہونے میں ایک ہفتہ باقی ہے ناں۔ میں صرف دو دن کے لیے مری چلی جاتی ہوں۔'' زرتاشہ کے دماغ میں ایک خیال کوندا تو وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اچھل کر جوش سے بولی۔ جب کے زرینہ نے اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھا۔
''تم کھسک تو نہیں گئی ہو...... مری کوئی یہاں رکھا ہے جسے دو منٹ میں چھو کر تم واپس آ جاؤ گی۔ ارے عقل کی اندھی ہمارے فائنل سمسٹرز ہیں یہ۔ تم بس فکر مت کرو پیپر دیتے ہی تم مری کے لیے روانہ ہو جانا۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی تو زرتاشہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁......❁
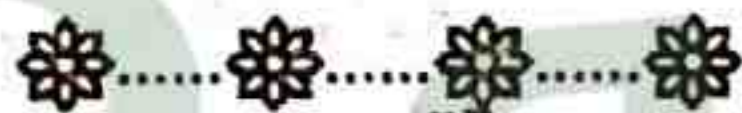
''اوہ مائی گاڈ سولہ مسڈ کالز آج تو میں سونیا کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں گا۔'' وہ اس وقت ایک بہت خاص ڈیلیگیشن کے ساتھ میٹنگ ختم کر کے فائیو اسٹار ہوٹل سے کافی عجلت میں باہر نکلا تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس نے کسی خیال کے تحت اپنا سیل فون کھول کر دیکھا تو سونیا کی سولہ مسڈ کالز دیکھ کر اچھا خاصا گھبرا گیا۔ وہ سونیا کی برتھ ڈے پر وقت پر پہنچنا چاہتا تھا مگر ایک کلائنٹ کے لیٹ آنے پر ساری میٹنگ ہی تاخیر کا شکار ہو گئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے سونیا کو کال بیک کی۔
''آئی ایم سو مچ سوری سونیا میں بس پندرہ منٹ میں پہنچنے والا ہوں اوکے بائے۔'' یہ کہہ کر اس نے فون آف کر کے جونہی سامنے دیکھا۔ حیا آفندی کو کچھ پریشان سا وہاں ایستادہ پایا۔ میٹنگ میں آج حیا آفندی بھی اس کے ہمراہ تھی۔
''مس حیا آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں اینی پرابلم؟'' وہ کچھ متعجب ہو کر استفسار کرتے ہوئے بولا تو فراز شاہ کی آواز پر حیا نے رخ موڑ کر اسے دیکھا۔

''سر آفس کی گاڑی کہیں دکھائی نہیں دے رہی پتہ نہیں پہنچی بھی ہے یا نہیں ٹائم بھی کافی ہو گیا ہے۔'' وہ قدرے پریشانی سے بولی تو فراز بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے گردن ادھر ادھر موڑ کر دیکھا مگر آفس کی گاڑی اسے کہیں نظر نہیں آئی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اسے اس وقت سونیا کی برتھ ڈے پارٹی میں پہنچنا تھا جو پہلے ہی ناراض ہو رہی تھی۔ مگر رات کے اس وقت حیا آفندی کو بھی اس طرح اکیلے اور تنہا چھوڑنا بالکل مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ تیزی سے بولتا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔

''آیئے میرے ساتھ۔'' جب کہ حیا آفندی بھی فراز کی عجلت کو دیکھ کر اس کے پیچھے دوڑی تھی۔

❀......❀......❀......❀

اس نے انتہائی طیش کے عالم میں اپنا سیل فون آف کیا اور بری طرح اپنے بستر پر پٹخ دیا اور پھر بے پناہ ڈسٹرب ہو کر وہ اپنے کمرے میں چکر لگانے لگی۔ جب کہ ٹی وی پر ایوارڈ کا فنکشن دیکھتے ہوئے رطابہ نے اسے ترچھی نگاہ سے دیکھا۔ اس پل نیلم کے چہرے پر الجھن اور تفکرات کی واضح لکیریں کھچی ہوئی تھیں۔ جب کہ ہر اٹھتے قدم پر واضح اضطراب اور بے قراری جھلک رہی تھی۔

''کیا ہوا نیلم...... تم اتنی ٹینس کیوں ہو رہی ہو سب ٹھیک ہے ناں؟'' رطابہ نے اس سے استفسار کیا وگرنہ تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ نیلم بھاڑ میں جائے۔ رطابہ کی آواز پر نیلم بے اختیار اپنی جگہ رکی پھر اسے پر سوچ نگاہوں سے دیکھا اور کافی چڑ کر بولی۔

''یہ باسل حیات نجانے خود کو سمجھتا کیا ہے ایک دفعہ میرے ہاتھ تو آ جائے پھر میں اسے ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔'' باسل حیات کے نام پر رطابہ کی تمام حسیات بیدار ہو گئیں۔ اس نے نیلم کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں کیا ہوا...... کیا باسل تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے؟''

''اونہہ نیلم کے ہاتھوں سے آج تک کوئی شکار بچ کر نہیں جا سکا اور یہ باسل حیات تو بہت چھوٹا شکار ہے ڈیئر۔ میں نے تو اس سے بڑے بڑے شکار کیے ہیں اور کامیاب بھی رہی ہوں۔'' رطابہ کی بات پر نیلم بہت ہی عجیب و غریب انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

''تو پھر تمہاری ٹینشن کی وجہ کیا ہے؟'' جواباً نیلم نے چند ثانیے اسے دیکھا بعد کا ڈچ پر ڈھے کر بولی۔

''یہ باسل حیات مجھے پچھلے تین دنوں سے اگنور کر رہا ہے۔''

''واٹ......! مگر کیوں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ...... وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ کہیں اسے ہم پر شک تو نہیں ہو گیا؟'' رطابہ اچھی خاصی بدحواس ہو گئی۔ وہ انتہائی متوحش ہو کر اس سے بولی تو نیلم نے اسے کافی ناگواری سے دیکھا۔

''واٹ ربش رطابہ تم اپنی اسٹوپڈ حرکتیں بند کرو۔ اب یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے جس کے لیے تم اپنے ہاتھ پاؤں چھوڑ رہی ہو...... اور بائی دا وے اسے ہم پر کیسے شک ہو گا۔ کیا اپنا کوئی جاسوس اس نے ہمارے پیچھے لگا رکھا ہے جس کی بدولت وہ ہماری حقیقت جان پائے گا۔ اف رطابہ مجھے تم جیسا بزدل اور ڈرپوک ساتھی نہیں چاہیے۔'' نیلم بے تحاشہ بگڑے ہوئے تیوروں سے بولتی چلی گئی۔ جب کہ اس کے ادا کیے گئے آخری جملے پر رطابہ اندر ہی اندر کافی خائف ہوئی۔

''نہیں نیلم میں ڈر تو نہیں رہی بس ایک خیال ذہن میں آیا تو وہ تمہیں بتا بیٹھی ورنہ ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' رطابہ خوامخواہ میں ہنستے ہوئے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔ جب کہ نیلم جواباً کچھ بھی نہیں بولی۔ وہ اس وقت کسی گہری سوچ میں غلطاں تھی۔ کافی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پھر نیلم پر سوچ لہجے میں رطابہ سے استفسار کرتے ہوئے بولی۔

''رطابہ یہ باسل ایک ہی وقت میں کیا دو تین لڑکیوں سے افیئر چلاتا ہے؟'' رطابہ نے نیلم کو دیکھا پھر نارمل انداز میں بولی۔

''باسل کافی چوزی ہے وہ ہر لڑکی سے افیئر چلانے نہیں بیٹھ جاتا اور جہاں تک میری آبزرویشن ہے وہ ایک ٹائم پر ایک ہی لڑکی سے دوستی کرتا ہے اور صرف اسی پر اپنا فوکس رکھتا ہے۔''

''ہوں تو مجھے تین دنوں سے مسلسل نظر انداز کرنے کی کوئی خاص وجہ تو ضرور ہے۔'' نیلم خود سے بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔ پھر چہرہ اٹھا کر رطابہ کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''میں تو دو دن اور کیمپس نہیں جاؤں گی۔ باسل کو دس بارہ دن کیمپس نہ آنے کا کہا تھا وگرنہ کل میں خود ہی اس سے فیس ٹو فیس بات کر لیتی۔ تم ایسا کرنا باسل سے بات کرنا اور پوچھنا کہ وہ میری کالز اور میسجز کال کا رپلائی کیوں نہیں کر رہا۔''

''اوکے۔'' رطابہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ جب کہ نیلم کاوچ میں دھنسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ ٹکاتے ہوئے پھر سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

❀......❀......❀......❀
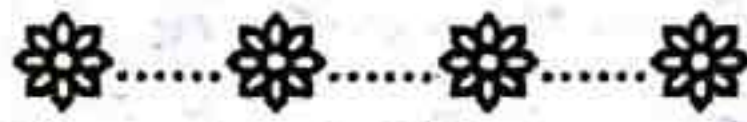
''ہیلو عتیق میں لالہ رخ بات کر رہی ہوں مری سے۔'' عتیق کے کال ریسیو کرنے پر لالہ رخ بے قراری سے بولی۔

''جی جی باجی السلام علیکم میں آپ کو پہچان گیا ہوں۔ کیسی ہیں آپ؟'' لالہ رخ کی سماعت سے عتیق کی خوش اخلاقی کے رنگ لیے آواز ٹکرائی تو لالہ رخ کو قدرے اطمینان ہوا وگرنہ عتیق کے دو تین بار فون ریسیو نہ کرنے پر وہ یہ سمجھی تھی کہ وہ اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا ہے۔

''وعلیکم السلام عتیق میں نے تمہیں اس سے پہلے بھی فون کیا تھا لیکن تم نے میری کال ہی پک نہیں کی۔'' بے اختیار لالہ رخ کی زبان سے شکوہ پھسلا جب کہ عتیق بڑی شرمندگی سے وضاحت دینے والے انداز میں بولا۔

''دراصل باجی میرا موبائل فون چوری ہو گیا تھا۔ اب میں نے دوسرا فون اور نئی سم لی تو آپ کا نمبر مجھے پہچان میں نہیں آیا اس لیے میں نے اٹھایا نہیں۔ آج کل ہمارے سمسٹرز بھی تو ہونے والے ہیں ناں۔ اس لیے پڑھائی کی بھی مصروفیت چل رہی ہے۔ آئی ایم سوری۔''

''نہیں کوئی بات نہیں عتیق۔ موبائل تمہارا مہنگا تو نہیں تھا ناں۔'' وہ از حد ہمدردی بھرے لہجے میں بولی تو عتیق دھیرے سے ہنس کر بولا۔

''شکر ہے باجی وہ زیادہ مہنگا نہیں تھا۔ اچھا بتائیے آپ نے فون کیسے کیا۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہے ناں؟'' عتیق کے انتہائی پرخلوص انداز میں استفسار کرنے پر بے ساختہ لالہ رخ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ مگر جلد ہی وہ خود پر قابو پا کر دھیرے سے گویا ہوئی۔

''عتیق پریشانی تو ہے۔ دراصل ابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اوہ......'' وہ محض اتنا ہی بول پایا کہ لالہ رخ تمام حقائق بتا کر آخر میں بولی۔

''عتیق کیا تم مجھے یہاں کے ہاسپٹلز کے بارے میں معلومات فراہم کر سکتے ہو۔'' عتیق لالہ رخ سے ابا کی بیماری کی تمام تر تفصیلات جاننے کے بعد سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

''باجی اس سلسلے میں تو فی الحال مجھے کچھ نہیں معلوم۔ ہاں میں اپنے دوستوں اور یہاں وہاں سے معلومات اکٹھی کر کے آپ کو جلد سے جلد بتا دوں گا۔'' عتیق کا جواب سن کر لالہ رخ کے اندر جیسے سکون سا اترا تھا۔ وہ بے حد ممنون ہو کر

اس سے گویا ہوئی۔

"بہت بہت شکریہ عتیق میں تمہارے فون کا انتظار کروں گی۔ اچھا سنو ایک بات اور..... تم پلیز تاشو سے ابا کی بیماری اور میرے فون کا ذکر مت کرنا وہ بہت پریشان ہوجائے گی اور یہاں آن پہنچے گی۔"

"آپ بالکل بے فکر رہیے۔ میں زرتاشہ سے کچھ نہیں کہوں گا اور ویسے بھی میرا ڈپارٹمنٹ اس کے ڈپارٹمنٹ سے کافی دور ہے۔ ہماری تو ملاقات بھی نہیں ہوتی۔" وہ اسے تسلی دینے والے انداز میں بولا تو لالہ رخ نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر فون بند کردیا۔

❋......❋......❋......❋
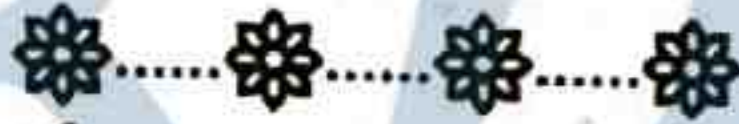
وہ اپنی گاڑی کافی تیزی سے بھگا رہا تھا۔ جگہ جگہ اسے ٹریفک جام کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

"او گاڈ میں لیٹ پر لیٹ ہو رہا ہوں۔ سونی یقیناً آج میرا سر توڑ دے گی۔" اسٹرینگ پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے تیزی سے گیئر بدلتے فراز شاہ با آواز بلند خود سے بولا تو حیا آفندی نے رخ موڑ کر محض خاموشی سے اسے دیکھا۔ فراز شاہ کا چہرہ اس پل کافی الجھن کا شکار نظر آیا۔ پھر تقریباً دس منٹ میں وہ گولف کلب کے باہر پہنچ ہی گئے تھے۔ وہ تیزی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تو حیا آفندی کو اپنی سیٹ پر متذبذب سا بیٹھا پایا۔

"مس حیا! پلیز باہر آجائیے۔" وہ قدرے عجلت بھرے لہجے میں بولا تو حیا آفندی فراز شاہ کو دیکھ کر قدرے جھجکتے ہوئے گویا ہوئی۔

"سر آپ کی فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔ میں اس طرح بغیر انویٹیشن کے آپ کے ساتھ جاؤں گی تو کچھ عجیب سا لگے گا؟" حیا آفندی کی بات پر فراز شاہ نے چند ثانیے کچھ سوچا پھر سر جھٹک کر بولا۔

"اٹس اوکے مس حیا آپ میرے ساتھ اندر جا رہی ہیں۔ چلیے جلدی باہر آئیے۔" فراز شاہ کے حکمیہ انداز پر ناچار حیا گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔ پھر شرمندگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"سر میرے پاس تو کوئی گفٹ بھی نہیں ہے۔" حیا آفندی کے منہ سے لفظ گفٹ سن کر فراز نے بے اختیار اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"او مائی گڈنس سونیا کا گفٹ تو میں وہیں آفس میں ہی بھول آیا۔ اف اس میٹنگ نے تو مجھ پر بدحواسی طاری کردی تھی۔" حیا آفندی فراز شاہ کی حالت زار پر بے ساختہ ہنس دی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"اٹس اوکے سر آئی ہوپ آپ کی آپ کی مجبوری کو سمجھ سکیں گی۔"

"آئی ہوپ سو۔" فراز ایک گہری سانس بھر کر بولا پھر وہ دونوں اندر کی جانب چل دیئے۔

❋......❋......❋......❋

شہر کے معروف شاپنگ پلازہ کے کافی شاپ میں وہ تینوں براجمان تھے اور اپنے من پسند اسنیکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ابتدائی رات کے اس پل شہر میں جیسے دن کا سماں تھا۔ بے فکرے چہرے آپس میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ کافی شاپ میں بھی کافی رش اور چہل پہل تھی۔ جب کہ عقب میں دھیمے سروں میں چلتا میوزک بھی کانوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا۔ عدیل نے بلیک جینز میں بلیک ہی ہاف سلیوٹی شرٹ میں ملبوس بے فکرے سے باسل کو دیکھا جو اس پل بے حد ہینڈسم اور بہت سی لڑکیوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

"میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر تو کرنا کیا چاہ رہا ہے۔ رطابہ آج مجھ سے تیرے متعلق پوچھ رہی تھی اور موصوفہ یہ بھی فرما رہی تھیں کہ باسل سے کہنا نیلم بے حد پریشان ہے باسل اس کا فون کیوں پک نہیں کررہا۔" عدیل کولڈ

کافی کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے باسل کو جانچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے قدرے بے زاری سے بولا۔ جب کہ باسل ہنوز موبائل پر میسج ٹائپ کرنے میں مصروف تھا۔

''ہاں بابا میں سن رہا ہوں تم دونوں کی باتیں۔''

''میں صرف نیلم کا ری ایکشن دیکھنے کے لیے اس کے فون پک نہیں کررہا۔''

''نیلم کا ری ایکشن......'' عدیل نے قدرے حیرت سے کہا۔ پھر کافی الجھ کر باسل حیات کو دیکھا۔

''کیا مطلب تم نیلم کے ری ایکشن سے کیا جاننا چاہتے ہو اور کیا جان پاؤ گے۔ ظاہر ہے وہ تمہارے اس طرح کٹ آف کرنے پر ہر لڑکی کی طرح پریشان ہوگی اور اسے اپنا پول کھل جانے کا ڈر بھی ہوگا۔ جب ہی تو رطابہ کے ذریعے اس نے تمہیں میسج پہنچایا ہے۔'' عدیل کے لہجے میں اس پل الجھن ہی الجھن تھی۔ جب کہ احمر بھی پوری طرح گھوم گیا تھا۔

''عدیل ٹھیک کہہ رہا ہے باسل آخر تو یہ سب کچھ کر کے کون سے راز سے پردہ اٹھانا چاہتا ہے۔''

''آگے آگے دیکھو میرے دوستوں ہوتا ہے کیا۔'' عدیل نے بغور باسل حیات کو دیکھا پھر چند ثانیے کچھ سوچ کر انتہائی فکرمند نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''باسل مجھے تو پہلے ہی نیلم فرمان پر شک تھا۔ یہ لڑکی اتنی سیدھی سادی ہرگز نہیں ہے جتنی بظاہر دکھائی دے رہی ہے اور مجھے اس کا پلان بھی اتنا سمپل نہیں لگتا وہ محض تم سے مہنگے تحائف لینے اور شاپنگ وغیرہ کی خاطر تمہارے قریب نہیں آئی۔''

''ہوں میں اس کا پلان ہی تو جاننا چاہتا ہوں۔'' باسل ہنکارا بھرتے ہوئے بولا تو احمر بھی خاصا پریشان دکھائی دینے لگا۔

''پھر بھی باسل بی کیئرفل جو بھی کرو بہت احتیاط کے ساتھ کرو۔'' عدیل کی بات پر باسل نے سر اثبات میں ہلایا۔

❀......❀......❀......❀
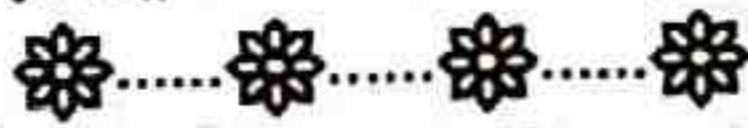
''او مائی بے بی ڈول مائی بیوٹی فل سنڈریلا آج تو تم نے سب ہی کے ہوش ہی اڑا دیے ہیں۔'' ساحرہ سونیا سے ملتے ہوئے اسے بھرپور انداز میں سراہتے ہوئے بولی تو سونیا نے مسکرا کر ''تھینکس آنٹی'' کہا۔ سمیر شاہ نے بھی اسے کھلے دل سے وش کیا تھا۔

''لگتا ہے جنت کی حور آج زمین پر آ گئی ہے۔'' ساحرہ نے سمیر سے مخاطب ہو کر کہا تو اس نے بھی مسکرا کر تائید کی۔

''آف کورس ساحرہ اس بات میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے۔'' سمیر شاہ کے کمنٹس پر ایک ادا خاص سے مسکراتے ہوئے سونیا نے جونہی داخلی حصے کی جانب نگاہیں اٹھائیں فراز شاہ کے ہمراہ حیا آفندی کو سج سنور کر آتا دیکھ کر اس کا دوران خون جیسے گردش کرنا بھول گیا۔ فراز حیا سے کچھ کہتے ہوئے اسی جانب آ رہا تھا۔ جب کہ حیا آفندی کے چہرے پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ آویزاں تھی۔ اس پل سونیا کو لگا جیسے اس کے اندر یک دم کسی آتش فشاں کا نزول ہو گیا ہے۔ جسم میں خون کے بجائے آگ سی دوڑنے لگی ہے۔ بے پناہ طیش اور اشتعال کی بدولت اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس لمحے اس کا دل چاہا کہ جو آگ اس کے وجود میں لگی ہے۔ اسی آگ سے وہ حیا آفندی کو جلا کر خاکستر کردے۔ فراز شاہ اس دوران اس کے پاس آ چکا تھا۔ وہ نجانے کیا کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر سونیا کے کانوں میں جیسے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ اس نے ایک سرد سی نگاہ فراز شاہ پر ڈالی پھر بنا کچھ کہے رخ پھیر کر وہاں سے چلی گئی۔

''سونیا آئی ایم سوری......'' سونیا کے پلٹنے پر فراز قدرے اونچی آواز میں بولا پھر خود سے بولا۔ ''لگتا ہے بہت زیادہ ناراض ہوگئی ہے۔'' فراز شاہ ساحرہ اور سمیر شاہ کی جانب بڑھا جو کچھ فاصلے پر کسی گیسٹ سے محو گفتگو تھے وہ لوگوں سے

علیک سلیک کرنے لگا۔ تب ہی کیک کٹنے کا شور مچا تو فراز سونیا کی جانب آ گیا۔ مگر سونیا نے اسے بھرپور طریقے سے نظر انداز کیے رکھا۔ پھر دو تین بار فراز نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر سونیا کسی اور جانب بڑھ گئی جب کہ فراز اپنا کان کھجا کر رہ گیا۔

سونیا شعلہ بار نگاہوں سے حیا آفندی کو گھور رہی تھی جو سمیر شاہ سے نسبتاً الگ گوشے میں محو گفتگو تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب سمیر شاہ حیا آفندی سے ایکسکیوز کر کے ساحرہ کی آواز پر وہاں سے ہٹے تو سونیا لمبے لمبے ڈگ بھرتی حیا آفندی کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ یوں اچانک اپنے سامنے سونیا کے آ جانے پر حیا تھوڑا چونکی۔ پھر ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے بولی۔

''آئی ایم سوری میم...... میں آپ کی برتھ ڈے پارٹی میں یوں بناء بلائے ہی چلی آئی ایکچولی......''

''میں تمہاری جیسی لڑکیوں کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم کون سے ارادے لے کر فراز کے قریب آنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس سے میں بخوبی واقف ہوں...... دراصل تم جیسی مڈل کلاس لڑکیاں جابز اسی لیے کرتی ہیں کہ فراز جیسے امیر اور اونچے گھرانوں کے لڑکوں کو اپنے جال میں پھانس سکو......! مگر مس حیا آفندی ایک بات تم اچھی طرح اپنے دماغ میں بٹھا لو فراز کو تم اپنے اوچھے ہتھکنڈوں اور گھٹیا اداؤں سے ہرگز نہیں جیت سکتی۔'' حیا آفندی بھونچکی اپنی جگہ پر منجمد سی کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے سونیا کو زہر اگلتا دیکھ رہی تھی جس نے انتہائی سہولت اور آسانی سے اس کی نسوانیت کے پندار کو ایسے زمین پر پٹخا تھا کہ وہ آن واحد میں چکنا چور ہو گئی تھی۔

''یہ آپ...... آپ کیا کہہ رہی ہیں میم......! مم...... مم...... میں ایسی لڑکی ہرگز نہیں ہوں۔'' حیا آفندی جیسی بولڈ اور آؤٹ اسپوکن لڑکی کی زبان اس پل جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بمشکل وہ خود کو بولنے پر آمادہ کر پائی۔ لفظوں کا مہارت سے استعمال کرنے والی حیا آفندی کے لفظ جیسے اس وقت گونگے ہو گئے تھے۔

''ہاں تم جیسی لڑکیاں تو ہوتی ہیں چند سکوں کی خاطر اپنا کیاں دان کر دینے والی۔'' لفظ تھے یا ڈائنا مک حیا آفندی کے وجود کے پرخچے دور دور تک بکھر گئے۔ جب کہ اسی پل ان دونوں کو تنہا کھڑے دیکھ کر فراز شاہ بڑے خوش گوار موڈ میں وہاں آیا تھا۔ سونیا کے آخری جملوں کو سن کر مارے تحیر کے عالم میں وہیں کھڑا رہ گیا۔

''آپ مجھ پر انتہائی غلط الزام لگا رہی ہیں۔ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا میری ذات کی یوں تحقیر کرنے کا۔'' حیا آفندی رندھی ہوئی آواز میں بولی تو سونیا نے اسے بے پناہ تمسخرانہ انداز میں دیکھا۔

''تم جیسی لڑکیاں تو خود......!''

''سونیا......'' اژدھوں کی سی پھنکار اس نے اپنے عقب میں سنی تو بے ساختہ گردن موڑ کر سونیا نے دیکھا فراز شاہ انتہائی خطرناک تیوروں سمیت اسے ایستادہ دکھائی دیا۔

''اب اگر ایک لفظ بھی تم نے مس حیا کے لیے غلط کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ از اٹ کلیر۔'' چٹان سے بھی زیادہ سخت لہجہ اور برف سے کئی گنا ٹھنڈا انداز یہ فراز شاہ تو ہرگز نہیں تھا۔ جس کے لہجے میں ہمیشہ پھولوں جیسی نرمی اور انداز میں خلوص کی گرمی ہوتی تھی جب کہ دھواں ہوتے چہرے سمیت حیا آفندی نے صرف ایک نظر فراز کو دیکھا اور پھر دوسرے ہی پل بے ساختہ آنے والی سسکیوں کو بمشکل دباتی وہ تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

''مس حیا......'' فراز نے اسے پیچھے سے پکارا مگر وہ بھاگنے کے انداز میں وہاں سے چلی گئی۔ فراز نے حیا کے پیچھے جانے کے لیے قدم بڑھائے پھر گردن موڑ کر انتہائی سرد نگاہ سونیا پر ڈالی اور پھر تیزی سے حیا آفندی کے پیچھے بھاگا۔

سونیا فراز کی نگاہ کے زیر اثر کچھ دیر گم صم سی وہیں کھڑی رہی پھر انتہائی نفرت سے ''گوٹو ہیل'' کہہ کر سر جھٹک کر آگے

بڑھ گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

"عقل سے پیدل ہوگئی ہے تمہاری بھتیجی نجانے خود کو کیا سمجھتی ہے۔ لڑکی ذات ہے وہ تو لڑکیوں کی طرح رہے مرد بننے کی کوشش مت کرے۔ ارے لوگ کتنی باتیں بنائیں گے کہ ایک جوان جہان لڑکی تنہا اتنے بڑے شہر میں اپنے باپ کا علاج کروانے نکل کھڑی ہوئی۔ کان کھول کر سن لو مہرو کی ماں مجھے مہرو کا اس لالہ رخ کے ساتھ گھلنا ملنا بالکل پسند نہیں ہے سنا تم نے۔" مومن انتہائی اشتعال میں اِدھر سے اُدھر چھوٹے سے صحن میں ٹہلتے ہوئے سخت گیر لہجے میں بولا تو اماں نے پہلے بے حد متعجب ہوکر پھر بے پناہ پریشان ہوکر اسے دیکھا۔ مومن گو کہ ان کا شوہر ان کے دکھ سکھ کا ساتھی تھا۔ مگر زندگی کا کوئی بھی سکھ کوئی بھی خوشی اس نے ان کے دامن میں نہیں ڈالی تھی۔ وہ ایک روایتی شوہر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بدمزاج اور سرد مہر باپ تھا۔ جسے صرف اپنی پروا اپنی غرض سے مطلب تھا۔

مہرینہ نے جب سے ہوش سنبھالا اپنے باپ کو اس کی ذات سے ہمیشہ بے پروا اور بے گانہ دیکھا تھا۔ اس کی یادداشت میں ایسا کوئی بھی لمحہ یا پل محفوظ نہیں تھا جس میں اس کے باپ نے اس سے شفقت سے بات کی ہو یا پھر گود میں بٹھا کر اسے پیار کیا ہو۔ بلکہ بات بے بات پر ننھی مہرینہ کو وہ بری طرح جھڑک کر رکھ دیتا۔ جب کہ سہمی ہوئی مہرینہ اپنی ماں کے وجود کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتی اور اماں اسے بڑی بے تابی سے اسے اپنے سینے میں زور سے بھینچ لیتی اور پھر مہرینہ کا سارا خوف بھاپ کی طرح اڑ کر غائب ہوجاتا اس کی ماں اس کے لیے مضبوط پناہ گاہ اس کا واحد سہارا تھی۔

مومن کی باتیں اماں کو اندر سے خائف کرنے کے ساتھ ساتھ متوحش بھی کرگئی تھیں۔

"یہ کیا بات کہی تم نے مومن مہرو اور لالہ رخ تو بچپن کی سکھیاں ہیں۔ سگی بہنوں کی طرح ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتی ہیں۔ خدا کے لیے تم یہ غضب مت کرو۔" آخر میں اماں کا لہجہ لجاحت آمیز ہوگیا تو مومن نے ناگواری سے ہنکارا بھرا۔ پھر بے حد بگڑے ہوئے تیوروں سمیت گویا ہوا۔

"سنبھالو اپنی بھتیجی کو لڑکی کیا ہے وہ آفت کی پڑیا ہے اونہہ۔" مومن کے سر پٹخ کر چلے جانے پر اماں نے سکھ کا سانس بھرا پھر چند ثانیے سوچ کر انہوں نے کمرے میں جاکر اپنی اوڑھنے والی چادر نکالی اور اپنے وجود کو اچھی طرح لپیٹ کر دروازے سے باہر نکل گئیں۔

❁......❁......❁......❁
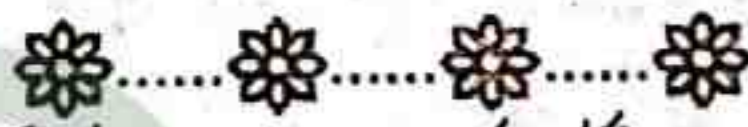
ماریہ جیسے ہی اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے سے نکلی بالکل سامنے اسے ولیم مسکراتا ہوا کھڑا دکھائی دیا۔ ایک پل کو ماریہ کے قدم تھمے تھے پھر دوسرے ہی لمحے وہ خود کو نارمل کرتے ہوئے باہر کی جانب نکلی۔

"ہیلو ماریہ کیسی ہو؟ آج کتنے دنوں بعد میں تمہیں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔" وہ اس کے ہمراہ چلتے ہوئے شستہ انگریزی میں بولا۔ جب کہ ماریہ نے محض "ہوں" میں جواب دیا۔

"پتہ ہے میں اپنی اور تمہاری انگیج مینٹ کو لے کر اتنا ایکسائیٹڈ ہو رہا تھا مگر......!" وہ ہنوز مگن لہجے میں بولتا رہا۔ "خیر کوئی بات نہیں بس تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے پھر بہت جلد ہم دونوں ایک ہوجائیں گے۔" ماریہ کا کالج اس کے اپارٹمنٹ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ پیدل ہی کالج جاتی تھی۔ مگر آج ولیم کی موجودگی اس کی طبیعت پر گراں گزر رہی تھی۔ اپنی جون میں بولتے بولتے ولیم کو اچانک ماریہ کی گھمبیر خاموشی کا احساس ہوا تو اس نے تھوڑا برا مانتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی ماریہ میں اکیلا ہی اتنی دیر سے بولے جارہا ہوں اور تم ہو کہ میری کسی بھی بات کا کوئی جواب ہی نہیں دے رہی۔" بلیک اوورکوٹ پر بلیک اسکارف لیے ماریہ نے یک دم اپنے قدموں کو روک کر اسے دیکھا۔

”تم کیا چاہتے ہو کہ میں تم سے کیا بولوں؟“ ماریہ کے سپاٹ لہجے اور عجیب سے انداز پر ولیم قدرے چونکا۔
”کیا مطلب ماریہ...... میں کیا چاہتا ہوں؟“ اس وقت ولیم کے لہجے میں الجھن ہی الجھن تھی۔ ماریہ نے ولیم کو بغور دیکھا جس کے چہرے پر بے سکونی اور کچھ نہ سمجھ میں آنے والے تاثرات رقم تھے۔ ماریہ نے اپنے آپ کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔
”کالج کا وقت نکلا جارہا ہے میں لیٹ ہورہی ہوں۔“ ماریہ نے قدم بڑھائے ہی تھے کہ یک دم ولیم اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔
”پہلے مجھے یہ بتاؤ ماریہ کہ اتنے دنوں سے تم مجھ سے ڈھنگ سے بات کیوں نہیں کررہیں۔ اتنا عرصہ ہوگیا ہم ایک ساتھ کہیں آؤٹنگ پر نہیں گئے؟“ ولیم شکوہ کرتے کرتے آخر میں ماریہ سے سوالیہ انداز میں بولا تو بے ساختہ اس نے گہری سانس کھینچی پھر دھیرے سے گویا ہوئی۔
”مجھے اب کوئی شوق نہیں رہا۔“
”واٹ...... یہ کیسے ممکن ہے......؟“ ولیم کافی پریشان کن لہجے میں بولا تو نجانے کیوں ماریہ بری طرح چڑ گئی۔
”یہ آج کل تم لوگوں کو صرف میں ہی کیوں نظر آرہی ہوں۔ جسے دیکھو بس میرے ہی پیچھے پڑا رہتا ہے۔ آخر تم لوگ مجھے اکیلا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔“ انتہائی ناگواری سے وہ چیخ کر بولی اور پھر تیزی سے ولیم کے پہلو سے نکل کر وہاں سے چلی گئی جب کہ ولیم ہکا بکا سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

❀......❀......❀......❀

زرتاشہ اور زرینہ کے سمیسٹرز شروع ہوگئے تھے آج ان کا پہلا پرچہ تھا۔ جب وہ دونوں امتحان سے باہر نکلیں تو کافی مسرور اور مطمئن تھیں۔
”اے اللہ آپ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پیپر بہت ایزی آیا تھا۔ تھینک یو اللہ میاں جی۔“ زرینہ بے انتہا خوش ہوکر اپنا چہرہ آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے بولی تو زرتاشہ نے بھی اسے مسکرا کر دیکھا پھر پرمسرت لہجے میں گویا ہوئی۔
”ہاں یار اللہ کا بہت شکر ہے کہ جن چیزوں کی تیاری ہم نے کی تھی وہی سب کچھ پیپر میں آیا اللہ آگے بھی سارے پیپرز بہت آسان آئیں اور ہمارے سارے پیپرز اسی طرح اچھے اور زبردست ہوجائیں۔“ اس پل وہ دونوں اپنے ڈپارٹمنٹ کی لابی کی جانب آ گئی تھیں۔ موسم اب بدل چکا تھا اور گرمی اپنے آب و تاب سے براجمان ہوچکی تھی یہی وجہ تھی کہ بجائے لان میں بیٹھنے کے تمام اسٹوڈنٹس لابی میں ڈیرہ ڈالے بیٹھے تھے۔ دونوں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں مگر انہیں بیٹھنے کے لیے وہاں خالی جگہ نظر ہی نہیں آئی۔
”لگتا ہے پوری یونیورسٹی یہیں آکر بیٹھ گئی ہے۔ چلو آؤ ہم زمین پر ہی بیٹھ جاتے ہیں۔“ یہ کہتے ہوئے زرینہ ایک مناسب جگہ پر بیٹھی تو زرتاشہ بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔
”زری مجھے تو ابھی سے دوسرے پیپر کی ٹینشن ہورہی ہے۔“ زرتاشہ اپنا بیگ کھولتے ہوئے قدرے متفکرانہ انداز میں بولی تو یک دم زرینہ نے بیگ زرتاشہ کے ہاتھوں سے جھپٹا۔
”خبردار جو تم نے اس وقت کتابیں کھولنے کے بارے میں سوچا بھی۔ ارے یار ابھی تو ہم پیپر دے کر نکلے ہیں۔ تھوڑا ذہن کو ریلیکس تو ہونے دو۔“ زرینہ اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تو زرتاشہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔
”اچھا تم نے آج عروبہ کو دیکھا تھا اس کا منہ کافی لٹکا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا فیوز ہی اڑ گیا ہو۔“ ہلکے نیلے اور سفید رنگ کے امتزاج والے لان کے سوٹ میں ملبوس زرینہ کی بات پر زرتاشہ نے اسے پرسوچ نظروں سے دیکھا پھر

ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولی۔
''میں نے شاید آج پیپر کی ٹینشن کی وجہ سے عروبہ کو نوٹس نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے اسے بھی پیپر کی فکر ہو۔'' زرتاشہ کے مگن سے انداز کو دیکھ کر زرینہ ہنس کر گویا ہوئی۔
''وہ زرتاشہ نہیں ہے میڈم عروبہ ہے وہ تمہاری طرح پیپر کی ٹینشن کو لے کر بدحواس ہرگز نہیں ہوسکتی۔''
''اچھا میرا زیادہ مذاق اڑانے کی ضرورت نہیں۔'' زرتاشہ خفیف سی ہوکر بولی تو زرینہ نے یونہی نگاہیں سامنے کی جانب اٹھائیں۔ مختلف کلاسز کے اسٹوڈینٹس ادھر اُدھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خوش گپیاں کرتے دکھائی دیتے کہ معاً ایک اجنبی مگر شناسا سا چہرے پر اس کی نگاہیں بے اختیار ٹھہر کر رہ گئیں۔ وہ لمحے کے ہزاروں حصے میں اس مہربان چہرے کو پہچان گئی۔
''او مائی گاڈ یہ ڈیسنٹ بندہ یہاں کیسے۔'' وہ اپنی جگہ سے اتنی زور سے اچھل کر بولی کہ پاس بیٹھی زرتاشہ بے اختیار ڈر گئی۔
''زری کیا ہوگیا اچانک تمہیں۔ یہ مینڈک کی طرح کیوں اچھلنے لگیں تم۔ مجھے تو ڈرا ہی دیا۔'' زرتاشہ زرینہ کو انتہائی چڑے ہوئے انداز میں دیکھ کر قدرے ناگواری سے بولی۔ جب کہ زرینہ نے تو جیسے زرتاشہ کی بات کو سنا ہی نہیں۔
''ارے تاشو یہ وہی بندہ ہے نا' جو ہمیں اس دن مال میں فرشتہ بن کر ملا تھا اور ہمیں اپنی گاڑی میں چھوڑنے آیا تھا؟'' زرینہ سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے بے حد پرجوش لہجے میں بولی تو زرتاشہ قدرے چونکی پھر اس نے بھی زرینہ کی نگاہوں کے تعاقب میں سامنے کی طرف گردن موڑ کر دیکھا تو بلاشبہ وہ وہی شخص تھا جو انہیں اس دن سخت پریشانی کے عالم میں ملا تھا۔
''ارے ہاں یار یہ تو وہی ہے۔'' زرتاشہ بھی بے اختیار خوش ہوکر بولی تو زرینہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔
''چلو آؤ ہم ان سے جاکر ملتے ہیں۔''
''ارے نہیں بابا اب ملنے کی کیا ضرورت ہے؟'' زرتاشہ کے انکار پر زرینہ نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھا۔
''اف تاشو تم اتنی بور کیوں ہو؟'' فوراً اس کے ساتھ چل دی۔ فراز اپنے ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا تیزی سے اپنے قدم بڑھا رہا تھا کہ اچانک دو لڑکیاں دائیں جانب سے اس کے پاس آ کر ٹھہریں۔
''ایکسکیوزمی سر۔'' فراز جوان لڑکیوں پر نوٹس کیے بغیر اپنی مطلوبہ جگہ جارہا تھا۔ اس کی آواز پر بے ساختہ رکا پھر گردن موڑ کر دائیں طرف دیکھا تو زرینہ اور زرتاشہ کو ایک لمحے میں ہی پہچان گیا۔ بے اختیار ایک دلکش مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔ زرینہ نے فراز شاہ کے چہرے اور آنکھوں میں شناسائی کے رنگوں کو ابھرتے دیکھ کر قدرے سکون کا سانس لیا۔ وگرنہ اسے تو لگ رہا تھا کہ وہ انہیں کب کا بھول گیا ہوگا۔
''سر آپ نے ہمیں پہچانا' ہم آپ کو شاپنگ مال میں ملے تھے اور پھر آپ نے ہمیں ہاسٹل ڈراپ کیا تھا۔'' زرینہ یہ سب بولتے ہوئے زرتاشہ کو خاصی احمق لگی بھلا کیا ضرورت تھی اس طرح کسی اجنبی شخص سے یوں شناسائی بگھارنے کی زرتاشہ نے دل ہی دل میں زرینہ کو لتاڑا۔
''آف کورس میں آپ لوگوں کو کیوں نہیں پہچانوں گا کیسی ہیں آپ دونوں؟'' فراز شاہ بے حد خوشگوار انداز میں پوچھا۔
''ہم دونوں بالکل ٹھیک ہیں...... آپ یہاں کسی کام سے آئے ہیں یا کسی کو لینے آئے ہیں؟''

"اف یہ زرینہ بھی نجانے کبھی کبھار اتنی احمقانہ حرکتیں کیوں کرنے لگتی ہے۔" زرینہ کے سوال پر زرتاشہ نے انتہائی کڑھ کر دل ہی دل میں خود سے کہا تو فراز شاہ اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

"میں یہاں کسی کام سے آیا تھا اور دیکھئے اتفاق سے آپ دونوں سے بھی ملاقات ہوگئی...... میرے خیال میں آپ لوگوں کے سمسٹرز اسٹارٹ ہوگئے ہیں کیسا رہا آج کا پیپر؟"

"ایک دم زبردست۔" زرینہ چہک کر بولی پھر قدرے توقف کے بعد ہنوز اپنے پورے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ہم آپ کا نام بھول گئے تھے حالانکہ میں نے کافی یاد کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔"

"فراز شاہ...... فراز شاہ نام ہے میرا۔"

"اچھا فراز......"

"زری میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے کافی دیر نہیں ہوگئی۔" زرتاشہ نے بالآخر ان دونوں کے درمیان مداخلت کر ہی ڈالی زرتاشہ کے جملے پر فراز شاہ نے رخ زرتاشہ کی جانب موڑا آف وائٹ پر پنک رنگ کے کنٹراسٹ کے سادہ سے جوڑے میں آف وائٹ ہی اسکارف لیے زرتاشہ اس پل تھوڑی بیزار سی لگی تھی۔ فراز کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ در آئی وہ فوراً جان گیا تھا کہ اس کیوٹ سی لڑکی کو اپنی سہیلی کا اس سے گفتگو کرنا ناگوار گزر رہا ہے۔

"ہمیں کون سی ٹرین پکڑنی ہے یا پھر جہاز میں سوار ہونا ہے جو تم دیر ہونے کا شور مچا رہی ہو۔" زرینہ اس کے کان کے قریب قدرے اونچی آواز میں بولی جسے فراز شاہ نے باآسانی سنا تھا۔

"چلیے مس زرینہ اگر قدرت کو منظور ہوا تو آپ دونوں سے پھر ملاقات ہوگی۔" فراز ان دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا پھر اپنی جیب سے والٹ نکالتے ہوئے اسے کھولا اور ایک کارڈ نکال کر زرینہ کی جانب بڑھایا۔

"یہ میرا وزیٹنگ کارڈ ہے اس میں میرا سیل فون اور آفس کا نمبر بھی درج ہے اگر کبھی میری ضرورت ہو تو آپ مجھے بلا جھجک کال کرسکتی ہیں۔"

"تھینک یو فراز بھائی۔" زرینہ فراز کے ہاتھ سے کارڈ کو تھامتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی فراز کو زرینہ کا فراز بھائی کہنا بہت اچھا لگا وہ اسے دیکھ کر خلوص سے مسکرایا اور پھر دونوں کو اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے وہاں سے جاتے ہی زرتاشہ زرینہ پر چڑھ دوڑی۔

"ایک تو تم ان موصوف سے ملنے کے لیے دوڑ پڑیں نام بھی پوچھ لیا ان کا وزیٹنگ کارڈ بھی جھپٹ لیا اور تو اور بھائی بھی بنالیا تمہارا بھی جواب نہیں ہے زری۔" زرینہ زرتاشہ کا اتنا سنگین ردعمل دیکھ کر پہلے تو متعجب ہوئی پھر قدرے براماں کر بولی۔

"تو اس میں کون سی بڑی بات ہوگئی اتنا بھلے مانس اور شریف النفس انسان سے اگر علیک سلیک کرلی تو کیا قیامت آگئی اور تو اور میں انہیں فراز بھائی نہیں کہتی تو اور کیا کہتی؟ تم بھی حد کرتی ہو تاشو جاؤ مجھے نہیں کرنی تم سے بات۔" آخر میں زرینہ رخ پھیر کر وہاں سے پلٹی تو زرتاشہ کافی گھبرا گئی زرینہ کی ناراضگی اس سے برداشت بھی کہاں ہوتی تھی۔

"اوہ تم تو ناراض ہوگئیں......" زرتاشہ نے جلدی سے اس کا بازو کھینچا پھر اس کے برابر چلتے ہوئے گویا ہوئی۔

"میں تو صرف اسی لیے کہہ رہی تھی کہ یہ شہر ہمارے لیے بالکل اجنبی ہے ہمیں یہاں بہت محتاط ہوکر رہنا ہے اور یہ موصوف فراز شاہ بھی تو ہمارے لیے بالکل انجان اور غیر ہیں یوں کسی انجان سے میل ملاقات کرنا ٹھیک نہیں ہے زری۔"

"یہ سب باتیں میں بھی جانتی ہوں تاشو مگر فراز بھائی ایک اچھے اور ڈیسنٹ انسان ہیں۔ انہوں نے ہماری مدد کی اور

ممکن ہے کہ آئندہ بھی ہمیں ان کی مدد کی ضرورت پڑے۔" زرینہ چلتے چلتے یک دم رک کر زرتاشہ کی جانب گھومتی ہوئی بولی تو زرتاشہ نے ایک گہری سانس کھینچی پھر اسے دیکھ کر سنجیدگی سے بولی۔

"زری کسی کی ظاہری شخصیت کو دیکھ کر ہم اس بات کا اندازہ تو نہیں لگا سکتے کہ وہ انسان اندر سے بھی اتنا ہی اجلا اور اچھا ہوگا جتنا باہر سے دکھائی دے رہا ہے۔"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو یقیناً اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے مگر تم بے فکر رہو میں فراز بھائی پر کوئی اندھا اعتماد نہیں کررہی۔ وہ مجھے اچھے اور سلجھے ہوئے انسان اور بہت حد تک شریف اور ہیلپنگ لگے اور بس۔" زرینہ آخر میں بے پروائی سے اپنے کندھے اچکا کر بولی تو زرتاشہ بے ساختہ مسکرادی تھی۔

❀......❀......❀......❀

"مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے باسل جو تم مجھ سے ناراض ہو...... میرا فون بھی نہیں پک کرتے میسج کا بھی ریپلائی نہیں دیتے اور تو اور فیس بک اور واٹس اپ پر بھی تم مجھے کوئی رسپانس نہیں دے رہے۔ آخر کیا خطا ہوئی ہے مجھ سے جو تم مجھے اتنی اذیت ناک سزا دے رہے ہو؟" انتہائی رنجور انداز میں بولتے بولتے آخر میں نیلم باقاعدہ رونے لگی تو باسل نے اسے کافی غور سے دیکھا۔

"اتنی اچھی اداکاری تم کیسے کرلیتی ہو نیلم تمہیں تو اس شاندار اداکاری کے عوض ایوارڈ ملنا چاہئے۔ ویل ڈن واٹ آ سپر پرفارمنس آئی ایم ریلی امپریسڈ۔" باسل دل ہی دل میں نیلم سے مخاطب ہوکر انتہائی رعونت بھرے لہجے میں بولتا چلا گیا۔ جب کہ نیلم ہنوز روئے جارہی تھی۔ اس وقت باسل نے خود کو بڑی دقتوں سے سنبھالا تھا ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اسی وقت وہ نیلم فرمان کے چہرے پر معصومیت اور بھولپن کا چڑھا نقاب نوچ کر پھینک دے اور خوب دل بھر کر اس کی طبیعت کو صاف کردے مگر وہ خود پر ضبط کرگیا۔

"نیلم پلیز تم اس طرح مت رو ریلی تمہارے یہ آنسو میرے دل میں تیزاب بن کر گر رہے ہیں۔ مجھے اندر سے سلگا رہے ہیں۔ پلیز رونا بند کرو۔" باسل اس کے چہرے پر دھرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے جذبات سے مخمور لہجے میں بولا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو بے وقوف بنارہے تھے اور مزے کی بات تو یہ تھی کہ دونوں ہی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے۔

"اونہہ ایک نمبر کا ایکٹر...... باسل حیات تمہیں تو ہالی ووڈ کی فلموں میں کام کرنا چاہئے تھا۔" نیلم فرمان نے بے حد نفرت سے خود سے کہا پھر سر جھٹک کر باسل کی جانب متوجہ ہوکر اپنی ناک کو سوں سوں کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں باسل تم جھوٹ بولتے ہو تمہیں میری کوئی فکر نہیں کوئی پروا بھی نہیں۔ میں پچھلے پندرہ دنوں سے تمہیں دیوانوں کی طرح فون کالز کررہی ہوں تم سے رابطہ کرنے کے لیے سرتوڑ کوششیں کررہی ہوں اور تم ہو کہ مجھے اتنی بے دردی سے اگنور کررہے ہو۔" پھر نیلم فرمان انتہائی روٹھ کر اپنے ہاتھوں کو باسل کے ہاتھوں سے آزاد کراتے ہوئے رخ پھیر کر بے حد ناراضی سے اس سے دور ہوئی تو باسل حیات اسے والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے قریب آیا۔

"میری جان آئی ایم ایکسٹریملی سوری یار میں بہت مصروف تھا۔ ایکچولی میرے کچھ پرسنل ایشوز تھے جن میں، میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ پلیز یار اب تو مان جاؤ ناں۔" باسل حیات بے پناہ لجاجت بھرے لہجے میں بولا تو نیلم نے اسے روٹھے انداز میں دیکھا اس وقت وہ دونوں پارک کے ایک پرسکون گوشے میں براجمان تھے۔

باسل آج جونہی کیمپس آیا نیلم اسے دیکھ کر فوراً دوڑی چلی آئی تھی۔ وہ پارکنگ لاٹ میں ابھی گاڑی کھڑی کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ نیلم گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر اس پر براجمان ہوتے ہوئے انتہائی سنجیدگی سے بولی تھی۔

"باسل گاڑی کہیں باہر لے چلو مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" باسل نے لبوں کو بھینچ کر اسے دیکھا پھر خاموشی سے گاڑی وہاں سے نکال لایا اور اب نیلم صاحبہ اس کے سامنے ٹسوے بہا رہی تھیں۔ پھر باسل نے اسے سمجھایا بجھایا تب جا کر موصوفہ مانی تھیں۔

❀......❀......❀......❀

فراز شاہ جونہی اپنے روم میں آیا انٹر کام کے ذریعے مس حیا آفندی کو اندر بھیجنے کی ہدایت جاری کی۔ وہ جب آفس میں داخل ہوا تھا تو حیا آفندی اسے اپنے کیبن میں بیٹھی نظر آ گئی تھی۔ آج دو دن بعد وہ آفس آئی تھی جب کہ اس نے اپنی رخصتی کی درخواست بھی فراز کو بھجوائی تھی۔ جس میں اس نے نہ آنے کا سبب ناسازئ طبع بتایا تھا۔ حالانکہ فراز اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دو دن سے آفس کیوں نہیں آ رہی تھی۔ وہ ایک انتہائی ذمہ دار اور محنتی ورکر تھی۔ یوں کبھی بھی غیر حاضر نہیں ہوتی تھی۔ اسے ایک بار پھر نئے سرے سے سونیا کی باتوں پر افسوس ہونے لگا۔

اس دن یقیناً سونیا نے حیا آفندی کے کردار کی دھجیاں اڑانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ جو انداز سونیا نے حیا آفندی کے ساتھ روا رکھا تھا وہ اس کی عزت نفس کو بری طرح مجروح کر گیا تھا۔ جب حیا آفندی وہاں سے بھاگ کر باہر نکلی تو پیچھے پیچھے فراز بھی دوڑتا ہوا آیا تھا باوجود انتہائی ضبط اور برداشت کرنے پر بھی حیا آفندی کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہتے چلے گئے تھے۔ اس نے اپنے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھ کر سسکیوں کو روکا تھا۔ فراز محض بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"مس حیا آئی ایم ایکسٹریملی ویری گلٹی میں......" وہ محض اتنا ہی بولا کہ حیا آفندی نے تیزی سے سر اٹھا کر اس کی بات کو مکمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دیا۔

"سر اس وقت میں کوئی بھی بات سننے کی پوزیشن میں نہیں ہوں اگر ہو سکے تو پلیز مجھے گھر ڈراپ کر دیجئے۔" حیا آفندی منہ دوسری جانب پھیر کر بولی تو فراز خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر گاڑی میں بھی دونوں کے درمیان خاموشی ہی چھائی رہی فراز شاہ نے بھی قصداً حیا آفندی کو مخاطب نہیں کیا تھا۔

مگر آج اسے سونیا کے انداز اور رویے نے بے حد حیران کرنے کے ساتھ ساتھ بہت پریشان بھی کیا تھا۔ وہ اور سونیا دونوں بچپن سے ایک ساتھ رہے تھے۔ سونیا بچپن میں کافی ایگریسو اور جذباتی تھی مگر پھر بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی منفی عادتوں پر بہت حد تک قابو پا لیا تھا۔ اگر کسی معاملے کو لے کر سونیا کبھی ریش ہو جاتی یا ایگریسو بی ہیور کرتی تو فراز اسے سہولت سے سمجھاتا تھا۔ سونیا فراز کے سمجھانے پر فوراً سمجھ جایا کرتی تھی اور اپنے غلط رویے پر نادم بھی ہوتی تھی۔

"واقعی فراز میں کچھ زیادہ ہی اوورری ایکٹ کر گئی آئی ایم سوری۔" وہ شرمندگی سے بولتی تو فراز مسکرا دیتا اور پھر اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کر کے کہتا۔

"اٹس اوکے۔" مگر آج جو رویہ جو سلوک سونیا نے حیا آفندی کے ساتھ روا رکھا جن گھٹیا اور عامیانہ لفظوں کا استعمال کیا تھا انہیں سن کر فراز کی عقل دنگ رہ گئی تھی۔ اسے رہ رہ کر سونیا کے اس رویے پر بے حد افسوس و تاسف ہو رہا تھا۔ دروازے پر ہلکے سی ناک کی آواز پر فراز شاہ اپنے دھیان سے یک دم چونکا اور حال میں واپس آیا۔ پھر ایک گہری سانس کھینچ کر یس کہا تو حیا آفندی سہولت سے قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی آئی۔

"اب آپ کیسا فیل کر رہی ہیں مس حیا؟" فراز اپنے دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر دھرتے ہوئے شیشے کی شفاف میز پر ٹکاتے ہوئے بولا تو حیا آفندی نگاہیں اٹھا کر فراز کی جانب دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

”آئی ایم فائن سر۔“ فراز نے چند ثانیے اسے دیکھا پھر استفسار کرتے ہوئے بولا۔
”آپ کچھ پئیں گی چائے یا سوفٹ ڈرنک......؟“
”نو تھینکس سر میں ناشتہ کرکے ہی گھر سے نکلی تھی۔“ حیا آفندی کے انکار پر فراز نے ایک ہنکارا بھرا پھر گلا کھنکھارتے ہوئے گویا ہوا۔
”مس حیا اس دن جو کچھ ہوا مجھے اس کا بے حد افسوس ہے۔ سونیا کا ایٹی ٹیوڈ اس کا بی ہیور بے حد غلط اور غیر اخلاقی تھا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ بے حد ہرٹ ہوئی ہیں۔ اس سب کے لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔“ حیا آفندی نے اپنے مخلص اور نرم خو باس کو بہت عزت سے دیکھا وہ فراز شاہ کی شرافت اور اخلاق کی بے حد قدر کرتی تھی۔ وہ ہو بہو اپنے باپ سمیر شاہ کا پرتو تھا۔ حیا آفندی خود کو بے حد خوش نصیب محسوس کرتی تھی کہ اس کی کمپنی کے مالکان اتنے اچھے اور سلجھے ہوئے ہیں مگر اس دن جو سونیا خان نے اس پر الزامات کی بوچھاڑ کی تھی انہیں سن کر حیا آفندی کی روح تک زخمی ہوگئی تھی۔ آج سے پہلے کسی نے بھی اس سے اس لہجے میں تو کیا ٹیڑھی نظر سے دیکھا بھی نہیں تھا۔
سونیا خان سے پہلی ہی ملاقات میں حیا بخوبی محسوس کرگئی تھی کہ سونیا کی نگاہوں اور انداز میں اس کے لیے کافی ناپسندیدگی اور ناگواری ہے۔ وہ اسے ایک خود پسند گھمنڈی لڑکی لگی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اس قدر بدتہذیب اور بدتمیز لڑکی تھی اس بات کا اسے اندازہ نہیں تھا۔
”آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔ ”سر یہ میرا ریزیگنیشن لیٹر ہے آج میں صرف یہ لیٹر دینے آئی تھی۔“ حیا آفندی نے اپنے براؤن لیدر کے ہینڈ بیگ سے ایک سفید رنگ کا لفافہ نکال کر فراز کی جانب بڑھایا تو اس نے انتہائی اچنبھے سے اس کی جانب دیکھا پھر بے حد متعجب ہوکر گویا ہوا۔
”مس حیا آپ ریزائن کررہی ہیں؟“
”جی سر میں اب یہ جاب مزید جاری نہیں رکھ پاؤں گی۔“ حیا آفندی ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوئی تو فراز اچھا خاصا پریشان ہوگیا۔
”مگر مس حیا آپ پچھلے پانچ سالوں سے ہماری کمپنی سے وابستہ ہیں۔ اس طرح اچانک آپ بنا کسی وجہ کے کیوں ریزائن کررہی ہیں۔“ فراز اچھی طرح جانتا تھا کہ حیا آفندی صرف سونیا کی وجہ سے ریزائن کررہی ہے...... مگر وہ اس وقت ایک پروفیشنل باس کے انداز میں حیا سے استفسار کررہا تھا۔
”کیا آپ کو یہاں کسی سے کوئی شکایت یا پرابلم ہے جس کے سبب آپ یہ جاب چھوڑ رہی ہیں۔“
”نہیں سر مجھے یہاں کسی سے بھی کوئی شکایت یا پرابلم نہیں ہے۔ دراصل میں اپنے نجی مسائل کی بدولت یہ جاب چھوڑ رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میرا ریزائن ایکسیپٹ کریں گے۔“ حیا آفندی کے نپے تلے انداز میں جواب کو فراز شاہ نے بغور سنا پھر خاموشی سے اس کی جانب دیکھا۔
حیا آفندی ایک محنتی اور انتہائی ذہین ورکر تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس کمپنی کا قیمتی اثاثہ تھی۔ اگر وہ ویسے ہی جاب چھوڑ کر جارہی ہوتی تب بھی فراز شاہ کو دکھ ہوتا اس طرح کے ورکرز ملنا بھی بہت مشکل ہوتا ہے نا کہ وہ سونیا کے الزامات کی وجہ سے یہ نوکری چھوڑ رہی تھی۔ یہ بات فراز کے حساس دل کو بے حد گراں گزر رہی تھی۔ فراز نے ایک گہری سانس فضا میں آزاد کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔
”مس حیا میں آپ سے ریکویسٹ کرتا ہوں کہ آپ ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظرثانی کرلیجئے ہم یہ ہرگز نہیں چاہیں گے کہ ہمارا اسٹاف آپ جیسی محنتی اور جینئس ایمپلائی سے محروم ہوجائے۔“

''سر! آپ مجھ سے ریکویسٹ کر کے مجھے شرمندہ مت کیجئے پلیز..... اس کمپنی کو چھوڑتے ہوئے مجھے بھی بہت افسوس ہو رہا ہے۔ پانچ سال کا لمبا عرصہ میں نے یہاں گزارا ہے مگر سوری سر..... میں اپنا ریزائن واپس نہیں لے سکتی۔''
حیا آفندی ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولتی چلی گئی پھر خود ہی کرسی کھسکا کر اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔
''آپ اور سمیر سر جیسا شاید ہی کوئی باس مجھے کبھی مل سکے۔ میں آپ دونوں کی دل سے بے حد عزت و تکریم کرتی ہوں۔ آپ لوگوں کے لیے ہمیشہ دعا گو رہوں گی اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔'' اور پھر فراز بناء کچھ بولے خاموشی سے اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

❀......❀......❀......❀

ابا کی صحت تیزی سے گر رہی تھی۔ لالہ رخ اور امی از حد پریشان و متفکر تھیں۔ عتیق نے لالہ رخ کو کراچی کے چند ایک ہاسپٹلز کی تفصیلات فراہم کردی تھیں مگر لے جانے کا معاملہ ابھی تک طے نہیں ہو سکا تھا۔
''بیٹا لالہ میری مانو تو اپنے ابا کو یہیں کے ہاسپٹل میں داخل کردو۔''
''امی یہاں کے ہاسپٹل میں ہم ابا کو اس سے پہلے بھی کئی بار ایڈمٹ کر چکے ہیں۔ وہ کچھ دن رکھ کر ابا کو گھر بھیج دیتے ہیں۔ میں یہاں کے علاج اور ڈاکٹرز سے مطمئن نہیں ہوں۔'' لالہ رخ امی کی بات پر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی تو امی تحمل اسے دیکھتی رہ گئیں پھر کچھ سوچتے ہوئے گویا ہوئیں۔
''تمہاری پھوپو آئی تھیں کہہ رہی تھیں کہ تمہارے پھوپا اس بات پر کافی برہم ہو رہے ہیں کہ تم تن تنہا ابا کو کراچی لے جانے کا پروگرام بنا رہی ہو۔'' امی کی زبانی پھوپا کی بات جان کر لالہ رخ کے اندر ناگواری سی پھیل گئی۔
اس کے پھوپا بس نام کے ہی پھوپا تھے۔ کبھی بھی انہوں نے ان کا مشکل وقت میں ساتھ نہیں دیا تھا۔ جو انسان اپنی بیوی اور بیٹی کا خیر خواہ نہیں وہ ہمارا کیسے ہو سکتا ہے۔ لالہ رخ نے سوچا پھر سر جھٹک کر امی سے مخاطب ہو کر بولی۔
''امی ابا کو کراچی لے کر جانا یا نہ لے جانا ہمارے گھر کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں انہیں بولنے یا اپنی صلاح دینے کی ضرورت ہے کیا۔'' لالہ رخ کی بات پر امی نے اسے کافی تعجب آمیز نگاہوں سے دیکھا۔
''یہ بھی تم نے خوب کہا لالہ.....! ارے وہ ہمارے خاندان کے بڑے ہیں۔ انہیں پورا حق ہے ہمارے گھریلو اور نجی معاملات میں بولنے کا اور اپنی رائے دینے کا۔'' امی کے تادہی لہجے پر لالہ رخ خاموش ہو گئی پھر کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔
''امی ابا کا علاج میرے لیے ہر چیز سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ کوئی کچھ بھی سوچتا رہے بولتا رہے مجھے اس کی قطعاً پروا نہیں۔ بس مجھے اپنے ابا کو جلد سے جلد صحت یاب کرنا ہے۔'' لالہ رخ اپنے باپ سے بے تحاشا محبت کرتی تھی خود اس کے باپ نے بھی اپنی دونوں بیٹیوں کو بے حد پیار و شفقت دی تھی۔ لالہ رخ اور زرتاشہ ہی ان کی کل کائنات تھے۔ جب وہ صحت مند تھے تو انہوں نے کبھی بھی اپنی آنکھوں کے تاروں کو کسی بھی بات کی کوئی کمی نہیں ہونے دی تھی۔ مگر چار سال قبل وہ کالے یرقان یعنی ہیپاٹائٹس سی میں بد قسمتی سے مبتلا ہو گئے تھے۔ مرض کی بروقت تشخیص نہ ہونے کے سبب مرض کافی پھیل گیا تھا جس کے نتیجے میں ان کی صحت دن بدن گرتی چلی جا رہی تھی۔
''اچھا ادھر آ کر میرے پاس بیٹھو۔'' امی نے لالہ رخ کو بے چینی سے کمرے میں ادھر ادھر چکر لگاتے دیکھا تو انتہائی حلاوت آمیز لہجے میں بولیں۔
لالہ رخ جو اپنی سوچوں میں گم تھی یک دم چونک کر امی کو دیکھا پھر ایک تھکی ہوئی سانس فضاء میں آزاد کرتے ہوئے چلتی ہوئی امی کے پہلو میں آ کر بستر پر بیٹھ گئی۔
''میری گڑیا میری چندا تو نے جتنا اپنے باپ کے لیے کیا ہے ناں شاید ہی کوئی اور بیٹی اتنا کر سکتی۔ اتنی کم عمری میں ان

کی ذمہ داریوں کا تمام بوجھ اپنے نازک کندھوں پر اٹھایا ہر طرح سے اپنے ابا کے علاج پر خرچہ کیا۔ یہاں تک کہ جو زیور تیرے باپ نے تیری شادی کے لیے بنوایا تھا وہ بھی ان کے علم میں لائے بغیر ان کی دواؤں کی خاطر بیچ دیا۔ اب اور مزید تو کیا کرسکتی ہے میری بچی۔'' آخر میں بولتے بولتے امی نے بے اختیار روتے ہوئے لالہ رخ کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچ ڈالا۔ اس پل لالہ رخ کی آنکھوں میں سے دو موتی گر کر امی کے سینے میں جذب ہوئے تھے۔

''امی میرے بس میں ہوتا تو میں اپنی جان اپنے باپ کے وجود میں ڈال دیتی۔ انہیں بالکل بھلا چنگا کردیتی۔'' وہ نم لہجے میں بے حد اداسی سے بولی تو بے اختیار امی نے اس کے سر پر پیار کیا۔

''مگر یہ سب تیرے بس میں تو نہیں ہے نا بس تم اب کراچی جانے کی ضد چھوڑ دو۔'' امی کے آخری جملے پر لالہ رخ نے تڑپ کر اپنا سر اٹھایا۔

''امی پلیز آپ مجھے مت روکیے میں ہر صورت اپنے ابا کی زندگی بچانا چاہتی ہوں۔'' لالہ رخ کے انداز پر ایک بار پھر امی برہم ہوگئیں۔

''لالہ رخ تقدیر سے کوئی نہیں لڑسکتا بیٹا ایک نہ ایک دن اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں۔ تم اس حقیقت سے نظریں مت چراؤ سچائی کا سامنا بہادری سے کرو میری جان۔'' ابھی وہ مزید اسے کچھ اور بھی کہتیں کہ وہ ایک جھٹکے سے ان سے الگ ہوئی اور میز پر رکھا اپنا موبائل فون کو اٹھاتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی۔

''مجھے عتیق کو فون کرنا تھا بہت اہم بات کرنی تھی اس سے۔'' امی نے انتہائی بے بسی سے لالہ رخ کو دیکھا تھا جس نے ان کی بات کو شاید دھیان سے سنا بھی نہیں تھا۔

❋......❋......❋......❋

گرمیوں کی سلونی ٹھنڈی خوش گوار شام کے اس لمحے فراز شاہ اپنے گھر کے خوب صورت اور اسٹائلش سے لان میں بیٹھا چائے پینے کے ساتھ ساتھ شام کے اخبار پر بھی نظریں دوڑا رہا تھا۔ آج سنڈے ہونے کی وجہ سے اس نے اپنا سارا وقت گھر پر گزارا تھا۔ آفس میٹنگز اور دیگر کاموں میں وہ اتنا مصروف رہتا تھا کہ گھر پر وقت گزارنا بے حد مشکل ہوگیا تھا۔ آج بہت دنوں بعد اسے فرصت ملی تو اس نے آج کا پورا دن ساحرہ اور سمیر شاہ کے ساتھ گزارا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے سمیر اور ساحرہ ایک فیملی فرینڈ کی عیادت کرنے گئے تھے۔ جن کو پچھلے دنوں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ وہ شام کے ماحول کو انجوائے کرتے ہوئے اخبار پڑھنے میں اتنا محو ہوگیا کہ چند لمحوں کے لیے اپنے اردگرد سے بھی بیگانہ ہوگیا۔ جب ہی کسی نے انتہائی بدتہذیبی سے اس کے ہاتھوں سے اخبار چھینا تھا۔ فراز شاہ نے حیران ہوکر اخبار چھیننے والے کو خاصی ناگواری سے دیکھنا چاہا تو سامنے سونیا خان کو پاکر اس کی ناگواریت میں دو چند اضافہ ہوگیا۔ جب کہ سونیا بھی اسے انتہائی خشمگیں نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ فراز نے پل کے پل اسے دیکھا پھر انتہائی روڈ انداز میں بولا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' سونیا فراز کے لہجے کی ترشی و تلخی پر چونک اٹھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں)

❋

آرزوئے جاں

سیدہ نبیرہ بخاری

''سوری مسٹر عالیان احمد...... میں نے امریکا میں بہت سے آئی اسپیشلسٹ سے رابطہ کیا ہے مگر......'' ڈاکٹر عادل نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور عالیان کو لگا تھا کہ اس ''مگر'' کے بعد اس کے سارے حوصلے ریت کی طرح مٹھی سے پھسلتے جارہے ہوں۔

''ڈاکٹر عادل...... کیا کہیں بھی کوئی ایسا علاج یا آپریشن نہیں جو رائمہ کو دوبارہ سے زندگی کی روشنیاں دے سکے؟'' وہ آس کا آخری سرا تھامے سوال کررہا تھا۔

''نہیں عالیان صاحب، میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ چوٹ دماغ کے نازک حصے پر آئی ہے، جس نے ناصرف رائمہ کی بینائی کو متاثر کیا ہے بلکہ آپریشن کرانے کی کوشش کی گئی تو ہوسکتا ہے کہ وہ دماغی طور پر معذور ہوجائے یا پھر اس طرح کی کوئی اور پیچیدگی پیدا ہوجائے اور اگر ہم رسک لے بھی لیں تو بھی سو میں سے دس فی صد کامیابی کے امکانات ہیں۔ سو آئی ایم سوری۔'' انہوں نے فائل بند کرکے عالیان کی طرف بڑھائی۔

''تھینک یو ڈاکٹر، آپ نے ہمارے لیے اتنا وقت نکالا۔'' وہ ایک گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں...... اس میں شکریہ کی کیا بات ہے؟ رائمہ میری بیٹی کی طرح ہے اور ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے بھی یہ میرا فرض بنتا ہے۔'' ڈاکٹر عادل نے اس کے پریشان چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''اوکے پھر ملاقات ہوگی۔ آپ کسی روز آئیں نا گھر پر...... رائمہ کو تھوڑی تسلی ہوجائے گی آپ کے آنے سے...... انکل کی وفات کے بعد وہ ان سے متعلقہ ہر بندے سے مل کر سکون محسوس کرتی ہے۔'' اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''ہاں میں آنے کی کوشش کروں گا ایک دو دن میں۔'' انہوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا پھر جانے کیا سوچ کر ڈاکٹر عادل کی طرف بڑھا۔

''ایک اور بات...... پلیز آپ یہ بات رائمہ کو مت بتائیے گا۔'' اس کا لہجہ التجا لیے ہوئے تھا۔

''اوکے...... جیسے آپ کہیں۔'' انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا اور وہ باہر نکل گیا۔

وہ کمرے میں داخل ہوا تو ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں کے پردے ہٹائے تو کمرے میں سورج کی شعاعوں نے روشنی بھردی۔ رائمہ راکنگ چیئر پر بیٹھی جانے کن سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ عالیان کو اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

''رائمہ......'' عالیان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو چیئر کی حرکت رک گئی۔

''آپ آگئے؟'' اس نے عالیان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''تم ایسے کیوں بیٹھی ہو اندھیرا کیے ہوئے...... اور صبح سے چینج بھی نہیں کیا؟'' وہ وہیں اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''بس یونہی......'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔ ''اب کیا اندھیرا کیا اجالا کچھ پتا ہی نہیں چلتا اور لباس بدلنے سے کیا قسمت بھی بدل جاتی ہے؟'' اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی دکھ کی شدت تھی۔ ''لگتا ہے آپ آج جلدی گھر آگئے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟'' رائمہ کو اچانک اس کے جلدی آنے کا احساس ہوا تو وہ متفکر ہوئی۔

''ہاں ٹھیک ہوں...... بس شام میں کراچی جانا ہے وہاں فیکٹری میں کوئی پرابلم ہوگئی ہے، میرا ارادہ تھا کہ تمہیں بھی ساتھ لیتا چلوں اس لیے گھر آگیا۔ چلوگی نا میرے

ساتھ......؟" وہ بڑی امید سے استفسار کررہا تھا۔
"نہیں عالیان...... میں جا کر کیا کروں گی اور یوں بھی آپ کام کے سلسلے میں جارہے ہیں پتا نہیں کتنا وقت لگ جائے۔" وہ اسی اداسی سے بولی۔ عالیان اس کا اداس چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ کہاں وہ بولتی تھی تو ہر طرف فضا خوش گوار ہوجاتی تھی اور اب شاید قدرت نے آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کی مسکراہٹ بھی چھین لی تھی۔
"ٹھیک ہے جیسے تم بہتر سمجھو۔ ہوسکتا ہے کہ میں دو تین دن وہاں رکوں۔ مجھے پانچ بجے کی فلائیٹ سے جانا ہے اور ساڑھے تین ہوچکے ہیں جانے سے پہلے آفس کا ایک چکر لگانا ہوگا اس لیے میں چلتا ہوں۔ تم اپنا خیال رکھنا میری خاطر۔" اس نے رائمہ کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔
"جی...... اور آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ عالیان نے اپنا بریف کیس اٹھایا۔
"سنیں......" وہ رائمہ کی آواز پر اس کی طرف پلٹا۔
"جلدی آجائیے گا۔ مجھے آپ کے بغیر اپنا آپ بہت اکیلا لگتا ہے۔" وہ اس وقت ہاری ہوئی ایک لڑکی لگ رہی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ رائمہ جنید ہے جو ہر چیز کو اپنے ازلی اعتماد کے ساتھ ہینڈل کرتی تھی۔
"میں کوشش کروں گا کہ جلدی آجاؤں۔" اس نے اسے تسلی دی۔ "او کے...... اب میں چلتا ہوں۔ جا کر فون کروں گا۔" وہ اس کا گال تھپتھپا کر باہر نکل گیا اور وہ ہاتھ سے چیزوں کو ٹٹولتی ہوئی بیڈ تک آئی اور لیٹ کر ماضی کے دھندلکوں میں کھوگئی۔
زندگی کبھی پُرنور ہوا کرتی تھی۔

❀......☆......❀

رائمہ جنید، جنید چوہدری کی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ شہر کے نامور بزنس مین تھے۔ بیوی کی وفات کے بعد وہ ان کے لیے کل کائنات تھی۔ ان کی ذات کا حصہ...... ان کی ہر خواہش، ہر امید رائمہ کی زندگی سے وابستہ تھی۔ ان کے لاڈ پیار نے جہاں اس کو ضدی بنایا تھا وہاں ہر طرح کی آسائش نے اسے زندگی کا اعتماد بھی بخشا تھا۔ وہ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک ایک ذہین و قابل طالبہ رہی تھی۔ ہر طرح کی نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں میں نمایاں رہی تھی۔ ایک چھائی ہوئی شخصیت، پُرکشش چہرہ، پُراعتماد اور باوقار سراپا۔
جنید چوہدری کو اپنی بیٹی ہر طرح سے عزیز تھی۔ وہ اس کی ہر خواہش، ہر خواب پورا ہوتا دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ ان کی کروڑوں کی جائیداد کی تنہا وارث تھی۔ وہ جو کچھ بھی کررہے تھے سب اسی کے لیے تھا پھر وہ ان کے اور حمیرا کے پیار کی جیتی جاگتی نشانی تھی، حمیرا کو وہ آج بھی دل کی شدتوں سے چاہتے تھے، بے شک اسے دنیا سے رخصت ہوئے برسوں بیت گئے لیکن وہ آج بھی اپنی عزیز از جان بیوی کی یادوں میں جیتے تھے۔

❀......☆......❀

"رائمہ! یار سنا ہے کہ یونیورسٹی میں کوئی پروگرام ہورہا ہے؟" وہ سب کینٹین میں جمع تھیں، جب ناہید کو یاد آیا تھا۔
"اچھا...... مجھے تو نہیں معلوم...... ویسے بھی معلوم کیسے ہوتا، پورا ہفتہ ہوگیا ہے، آج یونیورسٹی آئی ہوں۔" اس نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔
"اور سنا ہے کہ شہر بھر کی یونیورسٹیز سے اسٹوڈنٹس اکٹھے ہورہے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی والوں کی طرف سے کوئی سیمینار ہے جو ان کے لوگ پاکستان کی یونیورسٹیز میں کرارہے ہیں اور یہ سیمینار ہماری یونیورسٹی میں ہوگا۔" نائلہ نے مزید معلومات فراہم کی۔
"اچھا......! یہ تو بہت اچھا ہے، چلو اس طرح یونیورسٹی کی روٹین میں تھوڑی تبدیلی ہی آجائے گی، ویسے بھی کافی دنوں سے کوئی پروگرام نہیں ہوا۔" وہ سیمینار کا سن کر خوش تھی۔
"اور ایک بات...... اس سیمینار میں اسٹوڈنٹس کو اپنی یونیورسٹیز کی پریزینٹیشن بھی دینی ہے اور اس کے تعلیمی ریکارڈ اور نظم وضبط کے معیار کو سامنے لانا ہے اور ہم سب

نے سوچا ہے کہ یہ کام تم کرو گی' ظاہر ہے تم سے اچھی پریزینٹیشن کون دے سکتا ہے۔" نائلہ نے آہ بھرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"لو آ گئے تمہارے عاشق نامدار بھی۔" اسی پل عالیان کینٹین میں اپنے دوستوں کے ساتھ داخل ہوا تھا تب اس کی ایک اور دوست نے کہا۔

"جسٹ شٹ اپ یار' کیا فضول بولتی رہتی ہو۔" رائمہ کی تیوری پر بل آ گئے۔ وہ جب بھی عالیان کو دیکھتی یوں ہی اس کی تیوری چڑھ جاتی۔ عالیان اپنے دوستوں سے کچھ کہہ کر اسی طرف آ رہا تھا۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"ہائے رائمہ...... کیسی ہو؟" وہ اس کے قریب آ کر حال پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہوں...... اور تمہیں کیوں ہر جگہ میرا حال پوچھنا یاد آ جاتا ہے...... کیا گھر پر دیکھ نہیں رہے ہوتے کہ زندہ سلامت ہوں؟" وہ نا چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی تھی۔

"وہ اصل میں کئی دنوں سے تم گھر پر بھی نہیں ملی تھیں تو پوچھ لیا۔" وہ کچھ خجل سا ہوا۔

"یہ میری زندگی ہے اور میں جس سے ملنا چاہتی ہوں صرف اسی سے ملتی ہوں۔" وہ اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ "اور پلیز یوں ہر جگہ میرے سامنے کھڑے مت ہو جایا کرو' یہ بتانے کے لیے کہ تم رائمہ جنید کے کزن ہو۔" وہ نخوت سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور عالیان وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔ کچھ پل کے بعد سر جھٹک کے دوستوں کی طرف چل دیا۔ یہ معمول کی بات تھی' رائمہ کوئی ایسا موقع ضائع نہیں کرتی تھی جب اسے اپنی نفرت کا احساس دلائے۔

❀......☆......❀
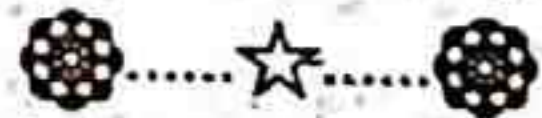
عالیان' جنید چوہدری کا بھتیجا تھا' جو بچپن ہی سے ان کے گھر میں رہتا تھا۔ عالیان کے ماں باپ ایک حادثے میں اسے تنہا چھوڑ گئے تھے یوں تو وہ جنید چوہدری کے بھائی کا بیٹا تھا مگر اس کے والدین جنید کی طرح امیر نہ تھے کیونکہ جنید چوہدری کوئی خاندانی رئیس نہیں تھے بلکہ سیلف میڈ انسان تھے' انہوں نے جو کچھ بھی حاصل کیا تھا اپنی محنت کے بل بوتے پر حاصل کیا تھا۔ ان کے ایک ہی بھائی تھے' نوید چوہدری جن کی وفات کے بعد چھ سال کا عالیان ان کی ذمہ داری بن گیا تھا۔ جنید نے اسے بہت پیار دیا تھا مگر رائمہ ہمیشہ اس سے کبیدہ خاطر رہتی تھی' عالیان کی بولتی ہوئی نظریں اسے مزید تپا دیتی تھیں۔ وہ بچپن سے لے کر اب تک ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی کبھی عالیان سے دوستی نہیں کر سکی تھی' وہ صرف اپنی مرضی سے دوست بناتی تھی' پاپا کے ہزار ٹوکنے پر بھی وہ کبھی عالیان کے ساتھ دوستانہ رویہ نہیں رکھ پائی۔ عالیان میں کچھ بھی تو ایسا خاص نہ تھا جو رائمہ کو اس میں کشش محسوس ہوتی۔ نہ خوب صورتی و وجاہت اور نا ہی وہ اعتماد اور ذہانت جو رائمہ کے آئیڈیل میں تھی۔ سو وہ اس کے دوستوں کی لسٹ میں کبھی نہیں آ سکا مگر اس کے برعکس جنید چوہدری کے خاصا قریب تھا۔ وہ ان کی دل و جان سے خدمت کرتا' ایک بیٹے کی طرح ان کا احترام کرتا' جنید چوہدری کو بھی اس سے خاص لگاؤ تھا۔

❀......☆......❀

رائمہ نے بہت محنت سے پریزینٹیشن تیار کی تھی' وہ جانتی تھی کہ ہمیشہ تعریف وصول کرتی آئی ہے اور اس بار بھی اسے ہمیشہ کی طرح خود کو نمایاں رکھنا تھا۔ وہ اس بار بہت پُرجوش تھی۔ پوری یونیورسٹی کو اعتماد تھا اس پر اور ہوتا بھی کیوں نا...... وہ تھی بھی اعتماد کے قابل۔

آج وہ معمول سے کچھ پہلے ہی اٹھ گئی تھی' ایک بار سارا پریزنٹیشن ذہن میں دہرایا جو ڈاکومنٹری تیار کی تھی' اس کی ڈیوائس کو چیک کیا پھر اطمینان سے تیار ہونے لگی۔ وہ ناشتے کی ٹیبل پر تھی جب پاپا آفس کے لیے نکلتے ہوئے اس کے پاس آئے تھے۔

"السلام علیکم پاپا۔"

"وعلیکم السلام! کیسی ہے میری بیٹی؟" وہ مسکراتے

ہوئے بولے۔
"بالکل ٹھیک آپ واپس کب آئے ٹور سے؟" وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔
"آج ہی آیا ہوں بیٹا' صبح آپ کے روم میں جانے لگا پھر سوچا آپ سو رہی ہو گی' تو میں نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" انہوں نے تفصیل سے جواب دیا۔
"اور اب آتے ہی آفس کے لیے نکل رہے ہیں۔" رائمہ نے خفگی سے دیکھا۔
"تو بیٹا جانی اور کیا کروں؟ آج بہت ہی اہم میٹنگ ہے۔" انہوں نے پیار سے اسے ساتھ لگالیا۔
"اور میٹنگ مجھ سے زیادہ اہم ہے؟" وہ ابھی تک ناراض تھی۔
"نہیں میری جان۔ آپ کی وجہ سے تو میں زندہ ہوں۔ مگر آپ آج صبح صبح اٹھ کر تیار ہو کے ناشتے کی ٹیبل پر کیسے پہنچ گئیں؟" انہوں نے ایک حیران سی نظر اس پر ڈالی۔
"دراصل پاپا' آج یونیورسٹی میں سیمینار ہے تو مجھے پریزنٹیشن دینی ہے اس لیے ذرا جلدی جارہی ہوں۔" اس نے اپنا پروگرام بتایا۔
"او ویری گڈ' پھر آپ جلدی سے ناشتا کرو اور یونیورسٹی جاؤ۔ مجھے بھی آفس سے دیر ہو رہی ہے' شام کو میں جلدی آجاؤں گا پھر اپنی بیٹی سے ڈھیر ساری باتیں کروں گا۔" انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔
"اوکے پاپا بائے۔" وہ دل کش مسکان ہونٹوں پر سجا کر بولی۔ جنید چوہدری کو وہ اس طرح مسکراتی بالکل حمیرا کا عکس لگی' وہ نظر چرا کر باہر نکل گئے۔ اس نے ناشتا کیا اور یونیورسٹی کے لیے نکل گئی مگر نکلتے نکلتے بھی خاصی لیٹ ہو چکی تھی' اس کا سارا گروپ پہلے ہی آچکا تھا۔ سب سے پہلے ناہید کی نظر اس پر پڑی تو وہ خوشی سے نعرہ لگاتی اس کی طرف بڑھی۔ ہر کسی کو جاننے کی جلدی تھی کہ آج کے لیے اس کی تیاری کیسی ہے۔
"واہ یار...... تم تو آج بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ مجھے تو لگتا ہے تمہاری پریزنٹیشن سے پہلے ہی تمہیں دیکھ کر 'نمبر ون' قرار دے دیا جائے گا۔" نائلہ نے اسے دیکھتے ہی جھٹ سے کہا۔
"اب بس بھی کرو' ایک تو ہر ٹائم تمہارا ایف ایم آن ہی رہتا ہے۔" رائمہ نے مصنوعی خفگی سے ڈانٹا۔
"اچھا اب تم دونوں بحث شروع مت کردینا جلدی سے چل کر اپنی سیٹوں پر بیٹھتے ہیں ورنہ اتنے رش میں بالکل پیچھے جگہ ملے گی۔" ناہید ہمیشہ کی طرح جگہ ڈھونڈنے میں مصروف تھی پھر سب لوگ اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔
ہارورڈ کی طرف سے آئے نمائندے نے شروعات کی تھی اور تعلیم کے موضوع پر کچھ دیر بات کرنے کے بعد دوسری یونیورسٹیز کو پریزنٹیشن کے لیے بلایا' تیسرے نمبر پر رائمہ کی باری تھی۔ وہ بہت اعتماد سے اسٹیج پر آئی اور اپنی پریزنٹیشن کا آغاز کیا' وہ جس اعتماد سے بول رہی تھی اور جس طرح اس نے ہر موضوع کو زیر بحث لاکر اس پر روشنی ڈالی تھی اور جب وہ اسٹیج سے نیچے اتری تو تالیوں کی گونج نے اس پر پوزیشن واضح کردی تھی۔ اس کے بعد "GC" یونیورسٹی کی طرف سے احمر دانیال کا نام اناؤنس ہوا تھا پھر ایک بہت وجیہہ بندہ باوقار چال چلتا ہوا اسٹیج پر آیا' اس کی آواز میں اعتماد اور نفاست تھی گویا پورا ہال اس کی سحر انگیز آواز کے زیر اثر تھا' اس کے ہلتے ہوئے لب اور جان دار آواز نے رائمہ کو جکڑ لیا۔ وہ کیا بول رہا ہے کیا پیش کر رہا ہے اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ جب وہ زوردار تالیوں کی گونج سے چونک کر حال میں واپس آئی تو وہ اسٹیج پر موجود نہیں تھا۔ ہر کوئی اسے سراہ رہا تھا اور وہ اس انجان شخص کی تعریف سن کر بھی حسد محسوس نہیں کر رہی تھی۔ پہلی بار کوئی رائمہ جنید سے جیتا تھا مگر وہ جان نہیں پارہی تھی کہ اس کے دل میں اس کی جیت نے فخر کا احساس کیوں بھر دیا تھا وہ اپنی ہار پر بھی کیوں مطمئن تھی۔
❁......☆......❁

''اُف یار' کیا شان دار بندہ تھا' اس کی پرسنالٹی اس کی آواز میں کیسا جادو تھا۔'' نائلہ اور ناہید مسلسل آہیں بھر رہی تھیں اور وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔
''ارے...... تمہیں کیا ہوا' کہاں کھو گئی؟'' ناہید نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔
''آں...... ہاں۔'' وہ چونکی تھی۔
''لگتا ہے تمہیں اپنے ہارنے کا افسوس ہو رہا ہے مگر سچ کہوں تو رائمہ' وہ بندہ واقعی ایسا تھا کہ پہلے انعام کا حق دار قرار دیا جاتا۔'' نائلہ نے اپنی دانست میں سچائی سے کام لیا۔
''ہاں' تم ٹھیک کہتی ہو' اسی لیے مجھے اپنی ہار کا کوئی افسوس نہیں۔'' رائمہ کے لہجے میں سچائی بول رہی تھی۔
''ارے...... وہ دیکھو...... احمر دانیال......!'' نائلہ کی نظر سامنے کی طرف اٹھی تو اسے اندر آتے ہوئے دیکھ کر چیخ اٹھی۔ ناہید کی خوشی اور حیرت دیدنی تھی۔ رائمہ بھی حیرت سے اسے اپنی ٹیبل کی جانب آتا دیکھ رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یونہی اپنے باوقار سراپا سمیت اس کے دل میں اتر جائے گا۔ وہ یک ٹک اسے تکتی جا رہی تھی۔
''ہیلو مس رائمہ۔'' وہ ان کی ٹیبل کے پاس آ کر رکا۔ پھر وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ہائے۔'' مسکرا کر جواب دیا۔ دل عجیب سی لے پر دھڑک رہا تھا۔
''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے گہری نظر سے دیکھا۔
''بالکل ٹھیک۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔
''دراصل میں آپ سے کہنے آیا تھا کہ آپ کی پریزنٹیشن بہت اچھی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی لڑکی اتنا شان دار بھی بول سکتی ہے۔ آپ کو دیکھ کر لگا تھا کہ شاید میں بول بھی نہ پاؤں گا۔'' وہ بول رہا تھا اور رائمہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی' بے شک یہ بات ٹھیک تھی کہ رائمہ کے سامنے اچھے اچھے بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے مگر وہ جو اسے بھی پیچھے کر گیا تھا اب خود آ کر کہہ رہا تھا کہ اسے ایک لڑکی سے اندیشہ تھا کہ وہ اس سے ہار جائے گا۔
''شاید میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کیا۔'' وہ ان کی خاموشی دیکھ کر بولا۔
''آں...... ہاں...... وہ...... نہیں...... نہیں تو...... ایسی تو کوئی بات نہیں...... آپ بیٹھیں نا پلیز۔'' وہ ہڑبڑا کر بولی۔
''نہیں شکریہ۔ آپ لوگ بیٹھیں پلیز' اصل میں مجھے ذرا جلدی ہے پھر کسی دن ملاقات ہوگی۔ امید ہے کہ آپ مجھ ناچیز کو یہ شرف تو بخش ہی دیں گی کہ کچھ دیر آپ سے فرصت میں بیٹھ کر باتیں ہو سکیں۔'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
''جی بالکل' کیوں نہیں...... میرے لیے خوشی کی بات ہوگی۔'' اب وہ بہت حد تک سنبھل چکی تھی۔
''اوکے...... میں چلتا ہوں' پھر ملنے کی امید پر...... اللہ حافظ!'' وہ کہہ کر پلٹ گیا اور وہ تینوں کتنی دیر اسی پوزیشن میں بیٹھی رہیں۔
''اوہ میرے خدا رائمہ......! وہ بندہ تم پر مرمٹا ہے۔'' نائلہ کی آواز پر ناہید اور رائمہ نے اسے گھور کر دیکھا۔
''تمہیں تو پتا نہیں کیوں ان مرنے مارنے والی باتوں کے علاوہ کوئی بات نہیں آتی۔'' وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔
''ارے واہ...... ایک تو وہ موصوف تم سے ملنے آئے اور صرف تم ہی سے باتیں کر کے چلے بھی گئے۔ جیسے یہاں صرف تم ہی تو تھیں' ہم دونوں نے تو سلیمانی ٹوپی پہن رکھی تھی نا اور پھر دوبارہ ملنے کی آفر بھی کر گئے اور تم ہونق بنی اس آفر کو قبول بھی کر بیٹھیں...... پھر بھی ہمیں گھور رہی ہو۔'' وہ ایک ہی سانس میں بولی۔
''نائلہ...... تم کبھی نہیں سدھرو گی۔ میں اب چلتی ہوں' بہت دیر ہو گئی' کل ملیں گے۔'' وہ اپنے گلاسز اور بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔ سارے راستے وہ چند منٹ کی ملاقات کو سوچتی رہی اور حیران تھی کہ کیسے وہ اس شخص کے سحر میں ڈوب گئی تھی کہ اس کے سامنے کچھ بول ہی نہیں پائی۔ کیا

سوچتا ہوگا میرے بارے میں...... کیسے عجیب تاثرات تھے میرے۔ وہ خود کو ملامت کر رہی تھی۔

......☆......

وہ تکیہ کانوں پر رکھے مسلسل شور سے بچنے کی کوششیں کر رہی تھی مگر فون کی بیل بھی اپنے تسلسل سے اس کی میٹھی نیند کی دشمن بنی ہوئی تھی۔ آخر تھک کر اس نے تکیہ ایک طرف پھینکا اور غصے سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"کیا ہے بھئی، کون ہے؟ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ اس وقت کوئی آرام بھی کرسکتا ہے۔ بار بار فون پر فون کیے جارہے ہیں۔" وہ اگلے بندے کو بولنے کا موقع دیئے بغیر اس پر الٹ پڑی۔

"اوہ...... آئی ایم سوری رائمہ، مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ ٹائم آپ کے آرام کرنے کا ہے۔" ریسیور سے ابھرتی آواز نے اسے حواسوں کی دنیا میں لا پٹخا۔ اس آواز کو وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ جس کے سحر سے ایک پل کے لیے بھی خود کو آزاد نہ کرپائی تھی۔

"آپ مسٹر احمر دانیال......!" پھر بھی احتیاط سے پوچھا۔

"جی...... جی...... بالکل...... آپ کی ذرہ نوازی کہ آپ نے پہچان لیا۔" مسکراتا ہوا لہجہ تھا۔

"نہیں دراصل رات دیر سے سونے کی وجہ سے صبح وقت پر آنکھ نہیں کھل سکی۔ آج یونیورسٹی بھی مس ہوگئی۔" اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی جہاں سوئیاں گیارہ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔

"میں نے آپ کو اس لیے کال کی تھی کہ میں آپ سے ملنا چاہ رہا تھا۔ آپ کو اپنا وعدہ تو یاد ہوگا؟" اس نے پہلی ملاقات والی بات یاد دلائی۔

"جی مگر......!" وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ کیا کہے۔

"اگر مگر کچھ نہیں...... آپ آج میرے ساتھ لنچ کر رہی ہیں۔" وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے بہت پرانی شناسائی ہو۔

"اوکے...... کہاں آنا ہے؟" اس نے بھی فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔

"ویسے آپ جس کلاس سے تعلق رکھتی ہیں اس کے اسٹینڈرڈ سے تو ہم واقف ہی ہیں۔ ہم جیسے لوگ کہاں ایسے ہوٹلز میں عیاشیاں کرسکتے ہیں مگر پھر بھی آپ جہاں کہیں گی وہیں چلیں گے۔ آپ جیسی مہمان ساتھ ہو تو میں کہیں بھی چلنے کو تیار ہوں۔" وہ باتوں باتوں میں بہت کچھ کہہ گیا تھا۔

"آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں احمر صاحب...... جہاں آپ کہیں گے میں اسی جگہ پہنچ جاؤں گی۔ مہمان آپ کی ہوں اس لیے جگہ بھی آپ ہی بتادیں۔" وہ اس کی بات پر حقیقتاً شرمندہ ہوئی تھی۔

"اوکے...... پھر پی سی چلے گا؟" وہ اس کی بات پر خوش ہوکر بولا۔

"جی بالکل۔" وہ بھی مسکرادی۔

"ٹھیک ہے، پھر دو بجے ملتے ہیں...... اوکے بائے۔" اس نے کال ڈسکنیکٹ کردی۔ کچھ دیر وہ یونہی بستر میں بیٹھی رہی۔

"کیا ضرورت تھی مجھے اتنی جلدی لنچ کی آفر قبول کرنے کی......؟ میں بھی کتنی پاگل ہوں اسے منع بھی نہیں کرسکی اور یہ بھی نہیں پوچھا کہ میرا نمبر اس نے کہاں سے لیا؟" وہ خود کو ڈپٹنے لگی پھر ٹائم دیکھا اور اٹھ کر تیار ہونے چلی گئی۔

پورے دو بجے وہ پی سی پہنچ چکی تھی۔ احمر اسے کارنر والی ٹیبل پر بیٹھا نظر آیا اور وہ اس کی طرف چل دی۔ رائمہ کو اپنی طرف آتا دیکھ کر احمر کھڑا ہوگیا۔

"ہائے!" رائمہ نے مسکرا کر دیکھا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ لیٹ آئیں گی مگر آپ تو وقت کی بہت پابند ہیں۔" وہ اس کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا تو وہ مسکرادی۔

"اور سنائیں کیسی ہیں آپ اور آپ کی اسٹڈی کیسی جارہی ہے؟" اس نے گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھایا۔

''میں آپ کے سامنے ہوں اور اسٹڈی بھی اچھی جارہی ہے بس ایگزامز قریب آرہے ہیں تو اس کی تیاری ہورہی ہے۔'' رائمہ نے تفصیلاً جواب دیا۔

''میرے خیال میں پہلے آرڈر کردینا چاہیے۔'' اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔ ویٹر آرڈر نوٹ کرکے چلا گیا تو وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''آپ کے ساتھ یہاں بیٹھ کر میں خود کو کوئی بہت اونچا بندہ محسوس کررہا ہوں۔ بہت خوش قسمت لوگ ہیں وہ جو آپ کی سنگت میں رہتے ہوں گے۔'' وہ اس کے دلکش سراپا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''احمر صاحب...... مجھے تو خود آپ سے مل کر اچھا لگ رہا ہے اور میں بھی تو اسی دنیا کی رہنے والی ہوں پھر آپ کیوں ایسا سوچتے ہیں؟'' وہ اتنی زیادہ اہمیت پر زچ سی ہوگئی تھی۔

''جی بے شک...... آپ اسی دنیا کی رہنے والی ہیں مگر اس دنیا میں بھی تو بہت سی دنیائیں ہیں نا' کچھ آپ جیسے لوگوں کی...... اور کچھ ہم جیسے چھوٹے لوگوں کی۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''کوئی بھی پیسے سے چھوٹا بڑا نہیں ہوتا' میں دولت کو کچھ نہیں سمجھتی۔ آپ نے کیا یہاں مجھے اپنی اور میری کلاس کا فرق سمجھانے کے لیے بلایا ہے۔'' وہ اس کی تکرار سے الجھ سی گئی۔

''سوری رائمہ...... میں تو یونہی مذاق کررہا تھا اور آپ نے بُرا ہی مان لیا۔ آئی ایم سو سوری۔'' اس نے معذرت کی۔

''مسٹر احمر......!'' اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے کہ احمر نے ٹوک دیا۔

''میرا نام احمر ہے۔ اگر آپ مسٹر کا اضافہ نا بھی کریں تو چلے گا۔'' اس نے چند پل اسے دیکھتے رہنے کے بعد پھر بات شروع کی۔

''احمر...... آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں انسان کا معیار دولت سے نہیں بلکہ اس کی صلاحیتوں سے پرکھتی ہوں اور میرا خیال ہے کہ آپ میں اتنی صلاحیت ہے جو رائمہ جنید کو بھی پچھاڑ گئی۔'' اس نے کھلے الفاظ میں تعریف کی۔

''یہ تو آپ کی نوازش ہے ورنہ بندہ اس قابل کہاں......'' وہ سر کو ذرا سا جھکا کر بولا تو رائمہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

''آپ ہنستی ہوئی اور بھی خوب صورت لگتی ہیں۔'' احمر نے گہری نظروں سے دیکھا تو وہ نظر جھکا گئی۔ خوش گوار ماحول میں باتیں کرتے ہوئے لنچ ہوا۔

''تم سے باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔'' اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔

''اگر اسی طرح کبھی ٹائم گزارنے کا موڈ ہو تو ضرور یاد کرنا' میں ہر وقت میسر ہوں گا۔'' باتوں باتوں میں تکلف کی دیوار گر چکی تھی اور انہیں احساس بھی نہیں ہوا کہ کب 'آپ' سے 'تم' تک کا فاصلہ طے کرآئے۔

''ہاں ضرور...... مگر ابھی میں بہت لیٹ ہوچکی ہوں۔ شام کے بعد گھر سے باہر رہنا پاپا کو اچھا نہیں لگتا' اب میں چلتی ہوں۔'' وہ جانے کے لیے اٹھی تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ بل ادا کرکے وہ ریسٹورنٹ سے باہر نکلے اور اگلے ملن کی امید لیے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

❀......☆......❀

بڑھتی ہوئی ملاقاتیں جذبات واحساسات کو بدلنے لگی تھیں۔ اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ کب احمر اس کے اتنا قریب آ گیا۔ وہ گھنٹوں فون پر اس سے باتیں کرتی رہتی اور وقت گزرنے کا پتا بھی نا چلتا۔ یونیورسٹی کے بعد سیر وتفریح ان کے معمول کا حصہ بنتا جارہا تھا۔ دونوں میں ایک اَن دیکھا رشتہ قائم ہوگیا تھا۔ احمر کی گہری نگاہیں اسے اپنے دل کے آرپار گزرتی محسوس ہوتی تھیں۔ اپنی تعریف میں کہے گئے اس کے الفاظ جب بھی سوچتی تو ایک آسودہ سی مسکراہٹ خود بہ خود لبوں پر آجاتی۔ وہ کبھی بھی تو ایسی

نہیں تھی۔ ناہی کسی کی عام سی تعریف پر کھل اٹھتی اور ناہی کسی کی اتنی عادی تھی۔ وہ اس طرح کی لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو کسی شہزادے کے خواب آنکھوں میں سجاتی ہیں۔ مگر اب احمر نے اس کے احساسات کا رخ بدل دیا تھا۔ احمر کے بارے میں سوچنا اسے اچھا لگتا۔ اس کی پسند ناپسند کو وہ خصوصی توجہ دیتی تھی۔

......☆......
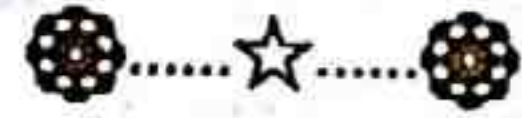
"رائمہ......" وہ بیگ کندھے پر لٹکائے گاڑی کا لاک کھول رہی تھی جب عالیان نے اسے پکارا۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو عالیان کھڑا تھا۔

"رائمہ...... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ کچھ توقف کے بعد بولا۔

"مگر میرے پاس تمہاری باتوں کے لیے وقت نہیں' مجھے کہیں جانا ہے۔" وہ رکھائی سے کہتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"مجھے احمر کے بارے میں بات کرنی ہے۔" وہ جھٹ بولا' مبادا وہ گاڑی اسٹارٹ کرکے چلی نا جائے۔ وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"وہ...... رائمہ......" وہ کچھ پل چپ رہا پھر بولنے لگا۔ "رائمہ' احمر اچھا لڑکا نہیں ہے اور آج کل وہ تمہارے ساتھ ہر جگہ نظر آ رہا ہے' تم اسے جانتی نہیں وہ بہت سی ایسی دولت مند لڑکیوں کے ساتھ فراڈ......" ابھی وہ اتنا ہی بول پایا تھا کہ رائمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ کیسا لڑکا ہے۔ میں تم سے بہتر اسے جانتی ہوں اور آئندہ کبھی میرے ساتھ اس قسم کی نیکی کرنے کی کوشش مت کرنا' میں اپنا بُرا بھلا خود جانتی ہوں۔" وہ غصے سے کہہ کر چلی گئی اور عالیان افسوس سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

......☆......

"احمر...... تمہیں نہیں لگتا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کتنے ضروری ہو گئے ہیں۔ جس دن ہم نہ ملیں ہر طرف اداسی چھا جاتی ہے۔" پارک میں قدم ملا کر چلتے ہوئے وہ اس سے باتیں کر رہی تھی۔ "اور جانتے ہو' جب میں تمہارے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی ہوتی ہوں تو مجھے لگتا ہے ہر قدم پر ایک خوشی میرا استقبال کر رہی ہے۔ ایسی خوشی جسے میں اپنے قدموں سے چھو کر معتبر بنا رہی ہوں۔" وہ جذب کے عالم میں بول رہی تھی۔

"اور اگر ہم جدا ہو گئے تو......؟" احمر نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا' جہاں محبت کے رنگ بکھرے ہوئے تھے' وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب......! ہم کیوں جدا ہوں گے؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"رائمہ...... کیا تمہارے پاپا ہماری شادی کے لیے رضامند ہوں گے؟ تم ان کی اکلوتی اولاد ہو' ان کی کروڑوں کی جائیداد کی تنہا وارث اور میں...... میں کیا ہوں؟ ایک عام سا انسان' جو تمہیں اتنی آسائشات کبھی نہیں دے سکتا۔" اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"نہیں احمر...... تم میرے پاپا کو نہیں جانتے' وہ بہت اچھے ہیں' مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں' وہ میری بات کبھی نہیں ٹالتے۔ جب میں تمہیں ان سے ملواؤں گی تو مجھے پورا یقین ہے' وہ کبھی بھی انکار نہیں کریں گے۔" اس کے لہجے میں پاپا کے پیار کا اعتماد تھا۔

"تو پھر کب ملوا رہی ہو اپنے پاپا سے؟" اس نے مسکرا کر رائمہ کے پُریقین چہرے کو دیکھا۔

"بس کچھ دن انتظار کرلو۔ جیسے ہی ایگزام ختم ہوں گے' میں تمہیں پاپا سے ملواؤں گی اور ہاں میرا خیال ہے کہ امتحانات کے دنوں میں ہمارا ملنا تھوڑا مشکل ہو جائے گا۔" وہ پھر سے اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگی۔

"ہاں مگر یہ بھی تو سوچنا کہ اس کے بعد ہم فارغ ہیں اور پھر ہم ٹینشن سے آزاد ہو کر ملا کریں گے پھر تو تمہاری باتوں سے اسٹڈی کا ہوّا ختم ہو ہی جائے گا ورنہ ہر بات اسٹڈی سے شروع کرتی ہو اور ایگزام پر ختم...... کبھی تو یار بندہ کوئی اور بات کر ہی لیتا ہے' پیار بھری' رومانٹک سی......" اس نے رائمہ کو چھیڑتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ

مصنوعی خفگی سے اسے دیکھنے لگی پھر دونوں کا قہقہہ فضا میں بکھر گیا۔

⁂......☆......⁂

جب سے ایگزام ختم ہوئے تھے اس کا رابطہ اپنی فرینڈز کے ساتھ نا ہونے کے برابر تھا۔ ناہید تو فارغ ہوتے ہی اپنے پاپا کے ساتھ کینیڈا چلی گئی تھی' اس کا ارادہ کچھ ماہ وہیں گزارنے کا تھا اور نائلہ بھی اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اب صرف احمر ہی تھا جو اس کی بوریت کم کرنے کے لیے جتن کرتا رہتا۔ ویسے بھی اب احمر کے علاوہ اسے کسی کی بھی ضرورت کم ہی محسوس ہوتی۔ اس دن وہ احمر سے ملنے کے لیے جارہی تھی جب پاپا اسے لان میں بیٹھے ہوئے نظر آئے تھے۔ آج وہ آفس سے جلدی آ گئے تھے۔ ان کی طبیعت کچھ ناساز تھی مگر پھر بھی وہ اپنی فائلز گھر اٹھا لائے تھے اور اب بھی انہی میں مصروف تھے۔

"السلام علیکم پاپا......" وہ ان کے پاس ہی چلی آئی۔

"وعلیکم السلام! آؤ بیٹھو۔" پاپا نے فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں پاپا' میں واپس آ کر آپ سے باتیں کروں گی ابھی مجھے کہیں جانا ہے۔" وہ گھڑی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"مگر مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے' اسی لیے آج آفس سے بھی جلدی آ گیا۔ ویسے بھی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی تو سوچا آپ سے بات بھی ہو جائے گی۔" انہوں نے اسے روکنا چاہا تو وہ کچھ دیر کے لیے بیٹھ گئی۔ وہ کچھ پل اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھتے رہے پھر بات شروع کی۔

"رائمہ بیٹا...... آپ اب فارغ ہو۔ آپ کی پڑھائی بھی مکمل ہو گئی ہے تو میں سوچ رہا تھا مجھے اب اپنا فرض ادا کر دینا چاہیے۔" انہوں نے تمہید باندھی۔ "میرا مطلب ہے کہ اگر آپ کو کوئی لڑکا پسند ہو تو آپ مجھے اس سے ملوا دو۔" انہوں نے غور سے بیٹی کی طرف دیکھا' جو کچھ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"وہ پاپا میں...... میں بھی آپ سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔" لاکھ بااعتماد ہوتے ہوئے بھی وہ باپ کے سامنے بول نہیں پا رہی تھی۔

"یہی کہ آپ مجھے احمر سے ملوانا چاہ رہی تھیں؟" انہوں نے بیٹی کی بات مکمل کی۔ تو اس نے ہڑبڑا کر باپ کی طرف دیکھا جو اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

"جی پاپا' وہ میں......" وہ انگلیاں مروڑنے لگی۔

"رائمہ بیٹا...... آپ کی خوشیوں سے بڑھ کر مجھے کچھ بھی عزیز نہیں۔ میں نے تو آج تک عالیان کو ہی اپنا داماد بنانے کا سوچا تھا' کیوں کہ میں آپ کو خود سے الگ نہیں کرنا چاہتا مگر آپ کی خوشیاں اگر کسی اور سے وابستہ ہیں تو میں زبردستی نہیں کروں گا۔ آپ احمر کو مجھ سے ملوا دو تاکہ میں اسے دیکھ سکوں' جان سکوں۔" وہ بہت ہی دھیمے اور شفیق لہجے میں بات کر رہے تھے۔ وہ کرسی سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گئی اور گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

"لویو پاپا...... لویو سو مچ۔" وہ ان کا ہاتھ تھامے اپنی خوش قسمتی پر رشک کر رہی تھی کہ خدا نے اسے جنید چوہدری جیسے پاپا دیئے ہیں۔ وہ پیار سے اس کا سر سہلانے لگے۔

⁂......☆......⁂

رائمہ نے اسے آٹھ بجے کا ٹائم دیا تھا اور وہ پونے آٹھ بجے رائمہ کے گھر پر تھا۔ آج کے ڈنر کے لیے اس نے خصوصی تیاری کی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا' خود کو تسلیاں دیتے ہوئے وہ اندر داخل ہو گیا۔ ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود رائمہ کو بلانے چلا گیا۔ احمر نے ایک نگاہ ڈرائنگ روم پر ڈالی۔ کارپٹ سے لے کر چھت پر لگے فانوس تک ہر چیز اپنی قیمت خود بتا رہی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ جب رائمہ اس کے قریب آ کر کھنکاری تو وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"کیسے ہو؟" وہ اس کی گڑبڑاہٹ پر مسکرا دی۔

"پتا نہیں...... کیسا لگ رہا ہوں؟ لگ رہا ہے بَر دکھوے کے لیے آیا ہوں۔" اس نے ٹائی کی ناٹ کو

درست کرتے ہوئے پوچھا تو رائمہ کا قہقہہ ابل پڑا۔
"ہاں...... ویسے تو بڑے ڈیسنٹ لگ رہے ہو مگر چہرے پر جو ہوائیاں اڑ رہی ہیں یہ کچھ احمقانہ سا تاثر دے رہی ہیں۔" وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو رہی تھی۔
"چلو احمق ہی سہی' جیسا بھی ہوں اب تمہارا ہی ہوں۔ بس انکل مجھے پاس کردیں۔" احمر نے اس کی لٹ کھینچی تو وہ اسے گھورنے لگی۔ "ویسے انکل ہیں کہاں......؟" اس نے اِدھر اُدھر جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"بس آرہے ہیں بیٹھو تم......" صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔
"رائمہ...... تمہارا گھر ہے کہ محل...... میں تو اندر آنے کی ہمت ہی نہیں کرپا رہا تھا۔" اس نے ایک بار پھر ڈرائنگ روم کا جائزہ لینا شروع کیا۔
"اچھا...... گھر اور گھر کی چیزوں کی تعریف کرنے کے لیے ٹائم ہے تمہارے پاس' میرے لیے تو ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکلا کہ میں بھی اچھی لگ رہی ہوں۔" وہ خفگی سے بولی تو اس کے انداز پر احمر کو ہنسی آگئی۔ اسی لمحے جنید چوہدری ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے' وہ دونوں اپنی جگہ سے احتراماً کھڑے ہوئے۔
"پاپا یہ احمر ہے اور احمر...... یہ میرے پاپا۔" رائمہ نے دونوں کا تعارف کروایا۔
"السلام علیکم سر!"
"وعلیکم السلام ینگ مین۔" انہوں نے بھرپور مسکراہٹ سے ہاتھ ملایا۔ "بیٹھو!" اسے بیٹھنے کا کہہ کر وہ خود بھی بیٹھ گئے۔ "اور سنائیں احمر' کیسے ہیں آپ؟" انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا۔
"جی سر۔ اللہ کا شکر ہے۔" وہ نروس ہو رہا تھا۔
"ارے بھئی رائمہ...... آپ نے ابھی تک مہمان کی کوئی خاطر داری نہیں کی؟ بیٹا کچھ سرو کردو نا۔" وہ بہت لگاوٹ سے بولے۔
"اوہ...... سوری' میں ابھی لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اندر آئی تو ساتھ ملازمہ ٹرالی پر لوازمات سجائے آرہی تھی۔ پاپا اور احمر باتوں میں معروف تھے۔ اس نے کولڈ ڈرنک سرو کی کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ڈنر کیا گیا۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی جنید چوہدری' احمر سے باتیں کرتے رہے' وہ ان دونوں کو یوں باتیں کرتا دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی۔ اب احمر کا اعتماد بحال ہوچکا تھا' وہ نارمل انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔ ڈنر کرنے کے بعد وہ لان میں آکر بیٹھ گئے اور ملازم چائے سرو کرنے لگا۔
"احمر...... آپ کے والدین کہاں ہوتے ہیں؟" انہوں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔
"سر...... امی کی وفات جب ہوئی تب میں بہت چھوٹا تھا اور والد صاحب کا بھی چند سال پہلے انتقال ہوگیا۔" اس نے تفصیل سے جواب دیا۔
"اوہ...... بہت افسوس ہوا سن کر...... ویسے آپ کے والد کا کاروبار کیا تھا؟" انہوں نے مزید پوچھا۔
"سر...... وہ لیکچرر تھے پنجاب یونیورسٹی میں' دانیال فاروقی۔" جنید چوہدری کو لگا تھا کہ جیسے ان کے دل پر کسی نے گھونسا مارا ہو یک دم ان کے سامنے پچیس سال پہلے والی حمیرا آگئی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر اس نام کی گونج اور سسکیوں کو سنتے رہے تھے' ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا اور چائے چھلک کر نفیس کپڑوں میں جذب ہوگئی۔
"کیا ہوا پاپا؟" رائمہ جلدی سے اٹھ کر ان کے قریب آگئی۔ احمر بھی پریشان ہوگیا۔ انہوں نے ایک نظر رائمہ کے چہرے پر ڈالی اور دوسری احمر پر......
"کچھ نہیں بس میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" انہوں نے رائمہ کا ہاتھ ہٹایا اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔ وہ دونوں انہیں جاتا دیکھتے رہے۔
"انکل کو کیا ہوا؟" اس نے پریشان نگاہوں سے رائمہ کو دیکھا۔
"لگتا ہے طبیعت خراب ہوگئی۔" اس کی سمجھ میں بھی پاپا کا رویہ نہیں آرہا تھا کہ انہیں اچانک کیا ہوا۔

"اوکے، پھر میں چلتا ہوں، تم اندر جاؤ انکل کے پاس۔ انہیں دیکھو اور پریشان مت ہونا اگر میری ضرورت پڑے تو فون کردینا۔" وہ اس کا کندھا تھپتھپا کر بولا اسے گیٹ تک چھوڑ کر رائمہ اپنے پاپا کے کمرے کی طرف بڑھی۔ ہلکا سا دروازہ ناک کیا اور اندر آ گئی۔ وہ پشت پر ہاتھ باندھے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔

"پاپا...... خیریت تو ہے آپ یوں اچانک اٹھ کر اندر چلے آئے؟" وہ پریشان چہرہ لیے کھڑی تھی۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے اس کے سامنے آئے اور کچھ پل اسے دیکھتے رہے۔

"تم احمر کا خیال اپنے دل سے نکال دو رائمہ...... اس کے ساتھ تمہاری شادی کبھی نہیں ہوسکتی۔" رائمہ نے چونک کر ان کا چہرہ دیکھا۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے آپ کی بجائے تم کا لفظ اس کے لیے استعمال کیا تھا۔ ان کا یہ لہجہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔

"مگر...... کیوں پاپا؟" اس کی آواز رندھ گئی۔

"کیونکہ وہ میرے دشمن دانیال فاروقی کا بیٹا ہے۔ جسے میں ساری عمر معاف نہیں کرسکتا، جس نے میری حمیرا کو پل پل اذیت دی، مرتے دم تک وہ اس شخص کا نام لے کر روتی رہی۔ اس کی آنکھوں کا انتظار میں کبھی نہیں بھول سکتا۔" وہ خود پر ضبط کھو چکے تھے۔

"میں...... میں سمجھی نہیں پاپا......!" وہ حیران سی ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"دانیال فاروقی تمہاری ماں کا بھائی ہے، جب اسے معلوم ہوا کہ میں اور حمیرا ایک دوسرے کو چاہتے ہیں تو اس نے طوفان کھڑا کردیا۔ مجھے گھر بلا کر ذلیل کیا، میری حیثیت جتائی اور گھر سے نکال دیا۔ جب وہ کسی طرح بھی نہیں مانا تو میں نے اور حمیرا نے کورٹ میرج کرلی۔ تب اس نے حمیرا کو اپنی زندگی اور گھر سے نکال دیا یہ کہہ کر کہ وہ ان کے لیے مرچکی ہے۔ حمیرا کو اپنے بھائی سے بہت پیار تھا، بہت مان تھا اسے اپنے بھائی پر...... ہماری خوش حال زندگی میں اسے صرف ایک ہی دکھ تھا کہ اس کی ماں کی موت کی خبر بھی نہیں دی اور وہ اپنی ماں کا آخری دیدار بھی نہ کرسکی۔ جب وہ بستر مرگ پر تھی تو اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ایک بار اس کے بھائی کو اس سے ملوادوں، میں ہر رنجش بھول کر اسے منانے گیا کہ بس ایک بار آ کر حمیرا سے مل لے مگر اس نے میری ایک التجا نہیں سنی۔ حمیرا ملنے کی تڑپ لے کر دنیا سے چلی گئی۔ اس روز میں نے قسم کھائی کہ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔" ان کے لہجے میں دکھ کا طوفان تھا۔

"مگر پاپا...... اس میں میرا اور احمر کا کیا قصور......؟" اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔

"میں نے تم سے کہہ دیا کہ احمر کا خیال دل سے نکال دو اور میں نے فیصلہ کرلیا ہے تمہاری شادی عالیان سے ہوگی، وہ میرا سارا بزنس سنبھال رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ میرے بعد وہ تمہارا بھرپور خیال رکھے گا اور اب تم کچھ نہیں بولوگی۔" وہ اپنا فیصلہ سنا کر بیڈ پر لیٹ گئے اور اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا گویا وہ مزید بات نہیں کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر کھڑی انہیں دیکھتی رہی پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔ باہر سردی کی شدت بڑھتی جارہی تھی۔ دھند نے سارے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا مگر وہ لان میں بیٹھی رہی۔ تمام رات اس نے آنکھوں میں کاٹی تھی اور اب تو خود سے ہی روٹھ جانے کو دل کررہا تھا۔ جنید کھڑکی میں کھڑے بیٹی کے افسردہ روپ کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے دل میں اگر بیٹی کا پیار کا طوفان ٹھاٹھیں ماررہا تھا تو حمیرا کی سسکیاں اس طوفان کو دبا رہی تھیں۔ انہوں نے اسی کشمکش میں ساری رات جاگ کر گزاری تھی مگر وہ خود کو احمر کے لیے آمادہ نہیں کرپائے تھے۔ آخرکار انہوں نے آخری فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ عالیان سے ہی رائمہ کی شادی کریں گے۔ وہ جانتے تھے کہ عالیان اپنی صلح جو طبیعت کی وجہ سے رائمہ کا دل جیت لے گا اور وہ خود بہ خود احمر کو بھول جائے گی۔

❁......☆......❁

"احمر...... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے

تمہارے بغیر نہیں جینا۔“ ریسیور ہاتھ میں تھامے وہ مسلسل رو رہی تھی اور احمر کتنی دیر سے اسے تسلیاں دے کر چپ کروانے کی کوشش کررہا تھا۔

”رائمہ...... پلیز یار چپ کر جاؤ‘ اتنا رو کر تم شہر میں آنسوؤں کا سیلاب لے آؤ گی۔“ وہ اس کا موڈ فریش کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

”احمر...... میری جان نکل رہی ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے؟ اگر بات نہیں کرنا چاہ رہے تو بتادو لیکن کم از کم یوں میرا مذاق تو مت اڑاؤ۔“ وہ اس کی غیر سنجیدگی سے تپ گئی۔

”اچھا اچھا بابا...... غصہ مت کرو۔ میں تو تمہیں بہلانے کی کوشش کررہا تھا‘ میں خود بھی بہت پریشان ہوں کہ انکل کو کیسے منایا جائے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا اگر پاپا نے پھوپو سے ملنا چھوڑ دیا تھا تو اس میں میرا کیا قصور؟ اور تمہارے اس طرح رونے سے کیا مسئلہ حل ہوجائے گا؟“

وہ رسان سے سمجھا رہا تھا اور شکر کیا کہ وہ سمجھ گئی اور رونے میں کمی آئی پھر کچھ دیر احمر اس کا دھیان بٹانے کی خاطر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ فون بند ہونے تک وہ کافی سنبھل چکی تھی۔

❀......☆......❀

اس نے ایک بار پھر ہمت کرکے پاپا کو منانے کا سوچا۔ پاپا اور عالیان کسی کاروباری معاملے پر بات چیت کررہے تھے‘ جب وہ ان کے پاس آئی مگر وہ لاتعلقی سے اپنا کام کرتے رہے رائمہ کے دل پر چوٹ پڑی۔

”چاچو...... میں بعد میں آجاؤں گا۔“ رائمہ کو کھڑا دیکھ کر عالیان نے وہاں سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔

عالیان کے جاتے ہی وہ جنید کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ بیٹی کی متورم آنکھیں دیکھ کر ان کا دل بے چین ہوگیا مگر وہ نظریں چُرا گئے۔ جانتے تھے کہ ان کی ایک ”ہاں“ ان کی بیٹی کو دوبارہ خوشیاں دلاسکتی ہے مگر وہ مجبور تھے۔

”پاپا...... پلیز آپ ایسا مت کریں‘ میں احمر کے بغیر جی نہیں سکتی۔“ وہ ان کے قدموں میں بیٹھی رو رہی تھی۔

”میں نے تمہیں پالا‘ ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا‘ زندگی کی ہر آسائش دینے کے لیے دن رات ایک کردیے اور اب تم میرے سامنے بیٹھی کہہ رہی ہو کہ تم ایک ایسے شخص کے بغیر نہیں رہ سکتیں جسے تمہاری زندگی میں آئے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ اس کی اوقات ہی کیا ہے؟ وہ بے حیثیت تن تنہا و لاوارث...... کیا خوشی دے گا وہ تمہیں...... تم نے سوچا ہے کبھی......؟ اس سے شادی کے بعد تم بنیادی ضرورتوں کو ترس جاؤ گی۔ وہ ایک پتھر دل انسان کا بیٹا ہے اور بیٹے باپ کا روپ ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں اپنے پیار کے جال میں پھنسا کر تمہاری دولت ہتھیانا چاہتا ہے۔ جانتا ہوں میں سب کچھ اس کے بارے میں......“ بدگمانی سی بدگمانی تھی‘ وہ احمر سے اتنا بدگمان ہوچکے تھے‘ صرف اس لیے کہ وہ دانیال فاروقی کا بیٹا تھا۔

”پاپا......! آپ یوں کسی پر بے بنیاد الزام نہیں لگاسکتے۔“ اسے پاپا کی سوچ پر افسوس ہوا تھا۔

”میں اس پر الزام نہیں لگارہا‘ میں نے تمہاری خوشی کی خاطر اپنی قسم توڑ ڈالنے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا تم ناخوش رہو مگر بروقت ہی عالیان نے اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کی تھیں اور وہ ایک لالچی انسان نکلا۔ عالیان نے اس کو بہت سی لڑکیوں کے ساتھ پھرے اڑاتے دیکھا ہے اور میں تمہیں کبھی بھی ایسے ہاتھوں میں نہیں جانے دوں گا‘ جو تمہاری وقتی جذباتیت کے تحت عمر بھر کے لیے تمہاری زندگی کو جہنم بنادیں۔“ وہ کہہ کر اپنی فائل کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اس لمحے رائمہ کے دل میں عالیان کے لیے موجود ناپسندیدگی نفرت میں بدل گئی۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

”عالیان احمد...... تم میرے سب سے بڑے دشمن ہو۔“ وہ جتنا سوچ رہی تھی‘ نفرت بڑھتی جاتی۔

ساری رات اس نے یونہی بے چینی میں گزاری۔ صبح ثریا نے آکر پاپا کا پیغام دیا وہ اسے بلا رہے تھے۔ ایک لمحے کو خوش فہمی نے دل میں انگڑائی لی کہ شاید پاپا کا دل موم

ہوگیا ہو وہ اسی خوش فہمی کو لیے ان کے کمرے میں آئی تو وہ کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر قریب آگئے اور بازو کے گھیرے میں لیے بیڈ پر لا کر بٹھا دیا۔ رائمہ کا دل بھر آیا' کتنے دنوں بعد وہ اس طرح اپنے ساتھ لگا کر پیار کررہے تھے۔

"رائمہ بیٹا..... آپ جانتی ہیں ناکہ آپ میری زندگی کی سب سے قیمتی خوشی ہیں۔" پاپا نے بہت دنوں بعد یوں مخاطب کیا تو اس کا دل چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ "آپ کو میں نے اپنی بیٹی نہیں بلکہ بیٹا بنا کر پالا ہے' میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن ہم دونوں ایک دوسرے کے مخالف کھڑے ہوں گے۔ آپ کے پیار نے مجھے آج تک یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ ایک دن مجھے آپ کو اگلے گھر بھی رخصت کرنا ہے' جس کے لیے مجھے بہت سے امتحانوں سے گزرنا پڑے گا۔ میں نے آج تک آپ کا نام ہر جگہ فخر سے لیا ہے' میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا ایک دن مجھے اپنی اسی بیٹی کی وجہ سے سر جھکانا پڑے گا۔" ان کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

"پاپا......! میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی وجہ سے آپ کو سر جھکانا پڑے۔" اسے پاپا کی بات پر دکھ ہوا۔

"میں نے اس وقت آپ کو صرف ایک بات بتانے کے لیے بلایا ہے۔" انہوں نے گہرا سانس لیا۔ رائمہ کا دل خوش فہمی کے سمندر میں غوطہ زن ہوا۔ "میں نہیں چاہتا کہ آپ کو زندگی میں کوئی تکلیف سہنا پڑے' اسی لیے میں نے بہت سوچ سمجھ کر آپ کا رشتہ عالیان سے طے کردیا ہے۔ یہ محبت ایک وقتی جذباتیت ہے وقت گزرنے کے ساتھ آپ کو احساس ہوجائے گا۔ عالیان بہت اچھا لڑکا ہے' وہ میری بیٹی کو بہت خوش رکھے گا۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی' پھر یک دم ان کا ہاتھ جھٹکا اور کھڑی ہوگئی۔

"نہیں پاپا...... میں عالیان سے شادی نہیں کروں گی۔ نفرت ہے مجھے اس سے...... اس کے نام سے بھی نفرت ہے۔ آپ کچھ بھی کرلیں' میں مرتو سکتی ہوں مگر عالیان...... نو پاپا...... کبھی نہیں......" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی' بھاگتی ہوئی ان کے کمرے سے نکل گئی۔

جنید رائمہ کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مزید پریشان ہوگئے۔

❀......☆......❀

وہ کل سے کمرے میں تھی۔ اس عرصے میں اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ بیڈ پر لیٹی مسلسل چھت کو گھور رہی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو بھی وہ یونہی لیٹی رہی۔ کوئی دھیمے قدموں سے چلتا ہوا اس کے پاس آ کر رکا مگر اس نے دیکھنے کی زحمت نہ کی۔

"رائمہ......" عالیان نے اسے پکارا مگر وہ یونہی لیٹی رہی۔ عالیان بیڈ کے پاس ہی نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

"رائمہ...... میں جانتا ہوں تم مجھ سے نفرت کرتی ہو' بہت نفرت کرتی ہو۔ مگر پھر بھی میں تمہیں یہی کہوں گا' تم بے شک مجھ سے شادی مت کرو مگر احمر کا خیال دل سے نکال دو۔ وہ ایک عیاش لڑکا ہے۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا مگر وہ اسے سن ہی کب رہی تھی۔ وہ کچھ پل چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ "ٹھیک ہے' اگر پھر بھی تمہاری خوشی احمر کے ساتھ میں ہے تو میں انکل سے بات کروں گا مگر پلیز تم خود کو سنبھالو۔" اس نے دھیرے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی......؟ تم اپنی ساری ہمدردی اپنے پاس ہی رکھو۔ تمہاری وجہ سے ہی یہ سب کچھ ہوا ہے مگر تم کچھ بھی کرلو میں تمہیں جیتنے نہیں دوں گی۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے میں آج ہی گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی' اپنے احمر کے پاس چلی جاؤں گی۔ تمہیں پاپا سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کچھ کرسکتے ہو تو بس اتنی مہربانی کرو کہ اب میرے راستے میں مت آنا۔ میں آج شام یہاں سے جارہی ہوں اور اگر تم نے پاپا کو بتانے کی کوشش کی تو میں خود کو ختم کرلوں گی۔ آئی سمجھ...... مار ڈالوں گی خود کو......" اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ عالیان سکتے میں آ گیا۔ "اب پلیز تم جاؤ یہاں

سے...... اس سے پہلے کہ میں کچھ غلط کر ڈالوں' چلے جاؤ یہاں سے...... جاؤ......!" وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔

وہ جو بُت بنا اسے دیکھ رہا تھا یوں چیختے ہوئے دیکھ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ بستر پر گر کر رونے لگی۔ دوپہر سے شام تک اس نے ہر پل اس بات کو سوچا تھا' اپنے فیصلے پر غور کیا۔ اسے احمر کے بغیر اپنی زندگی ادھوری لگ رہی تھی۔ وہ اس کے دل میں دھڑکتا تھا۔ پھر وہ اسے کیسے چھوڑ سکتی تھی...... کیسے بھول سکتی تھی...... اس وقت وہ صرف احمر کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی' پاپا اس سے بہت پیار کرتے ہیں' جب ان کے سارے خدشے اور وہم غلط ثابت ہوں گے تو وہ خود ہی اسے معاف کر دیں گے اور احمر کو قبول کر لیں گے۔ اسی سوچ کے ساتھ اس نے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ شام کو وہ کمرے سے نکلی اور تیزی سے قدم اٹھاتی لاؤنج سے گزر کر دروازے کی طرف جانے لگی پھر سامنے دیوار پر لگی اپنی اور پاپا کی تصویر دیکھ کر رک گئی۔

"پاپا...... میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں مگر احمر کے بغیر بھی نہیں رہ سکتی۔ مجھے یقین ہے جب آپ کو احمر کی اچھائی کا ثبوت مل جائے گا' آپ ہمیں معاف کر دیں گے۔ آپ ماموں کی طرح پتھر دل نہیں بنیں گے' آئی ایم سوری پاپا...... مجھے معلوم ہے آپ کو بہت دکھ ہوگا میرے اس طرح گھر چھوڑ کر جانے سے مگر میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔" وہ جنید کی تصویر سے باتیں کر رہی تھی پھر آنسو صاف کرتی باہر نکل گئی۔ سارے راستے وہ روتی رہی' آنسو رک ہی نہیں رہے تھے۔ اسے پاپا کو یوں چھوڑ کر آنے کا بہت دکھ تھا' اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی حرکت کرے گی مگر پاپا کی بلاوجہ کی ضد نے اسے انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ انہی سوچوں میں وہ احمر کے فلیٹ تک پہنچ گئی۔ دروازے پر آ کر اس نے اپنے آنسو ایک بار پھر صاف کیے اور ڈور بیل بجائی' کچھ دیر انتظار کیا مگر کوئی بھی نہ آیا۔

"شاید سو رہا ہو۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کی زندگی دروازے پر اس کی منتظر کھڑی ہے۔" اس نے دل میں سوچا اور ایک بار پھر بیل پر انگلی رکھ دی اور تب ہٹائی جب کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ دروازہ کھلا اور وہ حیرت سے سامنے کھڑے وجود کو دیکھنے لگی۔

"کیا بدتمیزی ہے...... کون ہو تم اور تمیز نہیں جو بیل بجائے جا رہی ہو؟" سامنے کھڑی لڑکی اس پر برس پڑی۔ اس نے ناسمجھی کے عالم میں لڑکی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ دلکش نقوش' شانوں تک لہراتے بال' جسم پر بے ڈھنگا اور نامناسب لباس پہنے وہ چہرے ہی سے بدکردار لڑکی نظر آ رہی تھی۔ بکھرے بال اور مندی مندی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ سوتے سے اٹھ کر آئی ہے۔ "کیا بات ہے...... اب کچھ بولو گی بھی یا یونہی نظروں سے پوسٹ مارٹم کرتی رہو گی؟" وہ لڑکی اسے اپنی طرف یوں گھورتا ہوا دیکھ کر بولی تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

"وہ احمر...... یہ تو احمر کا فلیٹ ہے۔" وہ ابھی تک کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"ہاں......! یہ احمر کا ہی فلیٹ ہے اور اس وقت وہ کسی سے نہیں مل سکتا۔ اب جاؤ یہاں سے...... پتا نہیں کون کون منہ اٹھا کر آ جاتا ہے۔" لڑکی نے گھور کر دیکھا اور دروازہ بند کر دیا۔

وہ خالی خالی نظروں سے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔ اس کے ذہن میں آندھیاں چلنے لگیں وہ کتنی دیر سمجھ نہیں پائی کہ یہ خواب تھا یا حقیقت...... پھر پاپا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ الٹے قدموں سے پیچھے ہٹنے لگی اور پھر بھاگتی ہوئی گاڑی تک آئی اور فل اسپیڈ میں گاڑی سڑک پر ڈال دی۔ اس کے کانوں میں پاپا اور احمر کی آوازیں گونجنے لگیں۔

"رائمہ...... اگر ہم جدا ہو گئے تو کیا ہوگا؟" احمر کے الفاظ کی بازگشت ابھری۔

"وہ ایک لالچی اور عیاش انسان ہے' تم اپنی جذباتیت میں سمجھ نہیں پا رہیں' وہ تمہیں برباد کر دے گا۔" پاپا کی آواز

نے احمر کی آواز کو دبا دیا۔
"رائمہ...... میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" پھر سے احمر کی آواز آئی۔
"وہ اس وقت کسی سے نہیں مل سکتا۔ پتا نہیں کون کون منہ اٹھا کر آ جاتا ہے۔" ایک نسوانی آواز نے اس کے سحر کو ختم کیا۔ اچانک اس کے پاؤں بریک پر پڑے اس کی سانس جس رفتار سے چل رہی تھی یوں معلوم ہوتا تھا وہ میلوں بھاگتی ہوئی آئی ہے۔ وہ جلدی سے گاڑی سے باہر نکلی اور بھاگتی ہوئی گھر کے اندر داخل ہوئی۔ مگر سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے پاؤں وہیں جم گئے۔ پاپا سینے پر ہاتھ رکھے فرش پر بیٹھے تھے اور عالیان ان کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"پاپا......!" اس کے منہ سے چیخ نکلی وہ بھاگتے ہوئے ان تک پہنچی۔ "کیا ہوا میرے پاپا کو......؟" وہ عالیان کی طرف دیکھ کر چیخی۔
"یہ وقت ان باتوں کا نہیں، جلدی سے چاچو کو اسپتال لے کر جانا ہوگا۔" عالیان ان کو سہارا دے کر گاڑی تک لے گیا، وہ بھی بھاگتی ہوئی ان کے پیچھے گئی۔ ان کو گاڑی میں ڈال کر عالیان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ وہ پاپا کا سر اپنی گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ گھر سے اسپتال تک کا سارا راستہ روتی رہی۔ جنید چوہدری کو ایمرجنسی میں ٹریٹمنٹ دینے کے بعد آئی سی یو روم میں شفٹ کیا گیا۔ وہ پل پل اپنے پاپا کے لیے دعا گو تھی۔ دیوار کے ساتھ کھڑی رو رہی تھی جب عالیان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اس نے مڑ کر دیکھا۔
"کیا ہوا تھا پاپا کو......؟" وہ اس سے سوال کرنے لگی۔
"جب میں گھر آیا تو ملازم نے بتایا کہ تم اپنا بیگ لے کر روتی ہوئی کہیں باہر جا رہی تھیں۔ مجھے لگا تھا کہ جو باتیں صبح ہمارے درمیان ہوئی ہیں تم نے غصے میں کی تھیں مگر...... جب تم سچ مچ چلی گئیں تو میں نے چاچو کو وہ سب بتا دیا جو تم نے کہا تھا۔" وہ گہرا سانس لے کر چپ ہو گیا۔

"عالیان احمد...... تم کچھ پل خاموش نہیں رہ سکتے تھے؟ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ پاپا کو کچھ مت بتانا اگر میرے پاپا کو کچھ ہو گیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔ اسی وقت ڈاکٹر باہر نکلا۔
"آپ مریض کی کیا لگتی ہیں؟" ڈاکٹر نے اسے مخاطب کیا۔
"وہ میرے پاپا ہیں۔" اس نے جواب دیا۔
"بی بی! ان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، بہت شدید قسم کا، بائی پاس کرنا پڑے گا۔ ان کی حالت بہت سیریس ہے، ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔" ڈاکٹر نے تفصیل بتائی۔
"کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟" اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔
"ابھی تو وہ بالکل ہوش میں نہیں ہیں اگر کچھ دیر میں ان کو ہوش آتا ہے تو آپ مل لیں۔" اتنا کہہ کر ڈاکٹر آگے بڑھ گیا۔
کچھ گھنٹوں بعد اسے پاپا سے ملنے کی اجازت مل گئی۔ وہ اندر داخل ہوئی تو پاپا کو اس حالت میں دیکھ کر اسے خود سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ان کے پاس آ گئی، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دیوانہ وار چومنے لگی۔
"آئی ایم سوری پاپا...... مجھے معاف کر دیں، میں نے بہت بڑی غلطی کر دی۔ پاپا...... مجھے معاف کر دیں، جو چاہے سزا دے لیں مگر مجھے معاف کر دیں۔" وہ دیوانہ وار ان کا ہاتھ چومتی روتی جا رہی تھی۔
"رائمہ...... میری جان......" جنید کی نحیف سی آواز ابھری، اس نے فوراً سر اٹھا کر دیکھا۔
"پاپا...... میں بہت بُری ہوں، بہت زیادہ......" انہوں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ کروایا۔
"میرے پاس...... وقت بہت...... کم ہے...... میری جان......" وہ آہستہ سے بولے۔
"پلیز پاپا...... نہیں...... ایسا مت کہیں......" وہ اور

شدت سے رونے لگی۔
"نہیں میری بچی...... میں جانتا ہوں میرے پاس وقت کم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری فکر سے آزاد ہو کر مروں۔ تم ابھی عالیان سے شادی کرلو۔" ان کا سانس پھولنے لگا۔
"پاپا......! آپ مجھے معاف کردیں آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گی۔" آنسو گر کر اس کی گود میں جذب ہوگئے۔
پھر نکاح خواں کو بلایا گیا اور وہ رائمہ جنید سے رائمہ عالیان احمد بن گئی۔
اگلے دن پاپا کا بائی پاس تھا۔ وہ آپریشن تھیٹر کے باہر چیئر پر بیٹھی خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ جب اسے ہلچل کا احساس ہوا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ایک ڈاکٹر اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ اس نے خالی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔
"سوری مس...... ! آپ کے فادر......!" اس سے آگے وہ کچھ بھی سن نہیں پائی اور وہیں ڈھے گئی تھی۔

☆......☆......☆

زندگی سے اس کا دل اچاٹ ہوچکا تھا اس نے خود کو ایک کمرے تک محدود کرلیا جب دل کی دنیا ہی اجڑ چکی تو باہر کی دنیا سے اسے کوئی سروکار نہ رہا۔ عالیان اس کی دلجوئی کرنے کی کوشش کرتا مگر وہ چپ چاپ بیٹھی رہتی۔ بہت سے لوگ تعزیت کے لیے آئے کبھی وہ مل لیتی وگرنہ عالیان ہی ان سے ملتا۔ اس کی حالت کے پیش نظر وہ کئی دنوں سے آفس نہیں گیا تھا۔ اس صبح وہ اس کے پاس آیا۔
"رائمہ......" اس نے پکارا مگر وہ خاموش رہی۔ "میں بہت دنوں سے آفس نہیں جارہا۔ دکھ تو بہت بڑا ہے مگر کسی کے چلے جانے سے زندگی کب رکتی ہے اس لیے میں نے سوچا کہ میں آفس جانا شروع کردوں بلکہ میرا ارادہ تھا کہ تم خود آفس چلتیں اور چاچو کی سیٹ سنبھالتیں مگر تم ابھی اس حالت میں نہیں ہو کچھ دن اور آرام کرلو۔ اوکے......؟

ٹیک کیئر میں آفس جارہا ہوں۔" وہ جیسے آیا تھا ویسے ہی بات کرکے چلا بھی گیا مگر وہ خاموش رہی۔
جانے کتنی دیر وہ یونہی سوچوں میں ڈوبی رہی تھی جب ثریا نے آکر بتایا کوئی نیچے ملنے آیا ہے۔ پہلے تو وہ بیٹھی رہی پھر سوچا کوئی تعزیت کے لیے آیا ہوگا اور آج تو عالیان بھی گھر پر نہیں تھا اس لیے اٹھ کر نیچے آ گئی۔ جیسے ہی وہ ڈرائنگ روم میں آئی سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا۔
"تم......!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔
"وہ رائمہ...... جنید انکل......!" وہ حیران کھڑا رائمہ کا رویہ دیکھ رہا تھا۔
"نام مت لو اپنی گندی زبان سے میرا۔ نفرت ہے مجھے تم جیسے گھناؤنے اور لالچی انسان سے...... تم نے میرا سب کچھ چھین لیا۔ تمہاری وجہ سے میرے پاپا...... چلے جاؤ یہاں سے...... کبھی منہ مت دکھانا اپنا مجھے...... مرگئے تھے تم میرے لیے...... اسی دن جب تمہارے فلیٹ پر اس لڑکی کو دیکھا تھا میں نے......" اس کے منہ سے اپنے لیے ایسے الفاظ سن کر وہ ساکت رہ گیا۔
"لڑکی......؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھنے لگا۔
"بس اب اور ڈراما مت کرنا۔ نکل جاؤ یہاں سے ورنہ دھکے دے کر نکلوا دوں گی۔" وہ غصے میں آپے سے باہر ہورہی تھی۔ وہ حیرت اور ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا پھر وہاں سے چلا گیا۔ وہ وہیں فرش پر بیٹھ کر رونے لگی۔ یہی تو تھا وہ شخص جس کی خاطر اس نے اپنا باپ کھو دیا تھا اور ایک ناپسندیدہ شخص کے ساتھ زندگی وابستہ کرلی تھی۔

"کچھ رستے جیون کے سفر میں
ایسے بھی تو ہوتے ہیں
روشنی کی کرنوں سے بھرپور
ہمیں اپنی جانب بلاتے ہیں
مگر......!
جونہی قدم ان راہوں پر چل نکلیں

تو اک بھید کھلتا ہے کہ
وہ روشنی نہیں بلکہ
آگ کا ایسا دوزخ تھا
جو ہم کو روح سمیت
راکھ کا ڈھیر بنا گیا"

جنید چوہدری کے انتقال کو چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا اور اس کی شادی کو بھی...... مگر عالیان سے اس کی نفرت آج بھی کم نہیں ہوئی تھی بلکہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ وہ اسے بھی پاپا کی موت کا ذمہ دار سمجھ رہی تھی اگر وہ کچھ پل خاموش رہ جاتا تو وہ گھر لوٹ کر آہی گئی تھی، ساری حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئی تھی نا جانے کے لیے مگر اس کی جلد بازی نے پاپا کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

عالیان اس کا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھتا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر بزنس کے سارے معاملات بتاتا، آفس کی روٹین کے بارے میں بتاتا، اسے دنیا سے ملنے جلنے کی ترغیب دیتا، آفس جانے کا بھی کہتا مگر وہ اس کی باتوں پر توجہ نہ دیتی، نا ہی وہ اس کی بے پناہ چاہت کو سمجھنا چاہتی تھی۔ اسے محبت کے نام سے بھی گھن آنے لگی تھی۔ اس نے اپنی الگ ہی دنیا بسالی تھی۔ عالیان اگر اسے کوئی کاغذات سائن کرنے کے لیے دے جاتا تو وہ چپ چاپ سائن کر دیتی، وہ گھنٹوں ان کاغذات کے متعلق بتاتا رہتا مگر وہ دلچسپی نہ لیتی۔ اس کی صحت دن بہ دن گرتی جارہی تھی وہ کھانا نہ کھانے کے برابر کھاتی۔ پھر اس کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور وہ بستر سے لگ گئی۔ عالیان بڑی تندہی سے اس کی تیمارداری کرتا رہا، پہلے پہل تو وہ الجھ جاتی مگر پھر اس نے ایک نیا طریقہ استعمال کیا۔ وہ پرانے البم نکال لاتا اور جنید چوہدری اور حمیرا کی باتیں شروع کر دیتا۔ اسے احساس دلاتا کہ وہ اسے خوش دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے پاپا کی خاطر ہی خوش رہا کرے۔ پھر اس کی محبت رنگ لائی، رائمہ کی خاموشی کا خول ٹوٹنے لگا۔ وہ ماما پاپا کی باتیں اس سے کرنے لگی اور کبھی کبھی کسی بات پر مسکرا بھی دیتی اور انہی دنوں جب وہ عالیان کا انتظار کرتی کہ جب وہ آئے گا تو وہ اس سے پاپا کی ڈھیروں باتیں کرے گی، عالیان کو انگلینڈ جانا پڑ گیا، وہ ایک ہفتے کے لیے جارہا تھا۔

جس دن وہ انگلینڈ کے لیے روانہ ہوا رائمہ کے لیے شام بے معنی سی ہوگئی، اسے گھر کاٹنے کو دوڑ رہا تھا، وہ غیر ارادی طور پر عالیان کو سوچنے لگی پھر اس پر وہ انکشاف ہوا جو اسے خود بھی حیران کر گیا۔ وہ پاپا کی باتوں کے بہانے خود اس کے ساتھ ٹائم گزار کر اچھا محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے عالیان سے باتیں کرنا، کبھی باتوں باتوں میں اس کا ہنسنا یاد آنے لگا تھا اور دل میں عجب سی بے چینی رہنے لگی تھی۔ وہ اٹھ کر عالیان کے کمرے میں آ گئی۔ سامنے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر ایک فوٹو فریم میں ایک طرف عالیان کی اور دوسری طرف اس کی تصویر لگی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر حیرانی کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کا دل بھی عالیان کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ وہ تصویر کو بڑی محویت سے دیکھ رہی تھی جب ثریا نے آ کر عالیان کے فون کی اطلاع دی۔ رائمہ کا دل نئے انداز سے دھڑکا، وہ جلدی سے سیڑھیاں اترتی نیچے آئی۔

"ہیلو......!" اس کی دھڑکنیں اور سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

"کیسی ہو رائمہ؟" دوسری طرف عالیان اس کا حال پوچھ رہا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟" اس کے بدلے ہوئے انداز پر عالیان کو شاک لگا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں، تم سناؤ کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟" وہ فکرمندانہ انداز میں بولا تھا۔

"مسئلہ تو ہے۔" وہ دبی دبی مسکراہٹ لیے بولی۔

"کیا ہوا؟" وہ یک دم پریشان ہوا تھا۔

"میرا دل اداس ہو گیا ہے، آپ جلدی آ جائیں نا......" وہ بہت بھولے انداز میں بولی۔ عالیان حیرت کے مارے کچھ بول نہیں پا رہا تھا۔

"کیا ہوا...... یقین نہیں آ رہا آپ کو......؟ ارے بھئی

میں رائمہ ہی ہوں۔ رائمہ عالیان احمد......" اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔ عالیان کو جھٹکا سا لگا پھر کچھ دیر بعد اس کی آواز ابھری۔

"میں ابھی بہت مصروف ہوں، کوشش کروں گا جلدی آ جاؤں۔ تم اپنا خیال رکھنا، او کے اللہ حافظ۔" اس نے فون بند کردیا اور وہ جو اتنا کچھ کہنا چاہ رہی تھی ریسیور کو گھور کر رہ گئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ آج باہر کی دنیا دیکھے اور چیخ چیخ کر سب کو بتائے کہ عالیان اس کے لیے کتنا اہم ہوگیا ہے۔ بہت دنوں بعد کوئی اچھا لباس پہن کر وہ آئینے کے سامنے آئی تو خود کو پہچان نہیں پا رہی تھی۔ اس کی ساری دلکشی کہیں کھوگئی تھی۔ اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گئی، یوں ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑانے میں مزا آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بہت عرصے بعد وہ نیند سے جاگی ہو۔ اچانک گاڑی کے سامنے ایک ابنارمل بچہ آ گیا، اس نے بریک لگانا چاہے مگر نا کام رہی پھر فیصلہ کرنے میں ایک لمحہ لگا اس نے گاڑی کا رخ موڑ دیا اور گاڑی سامنے درخت کے ساتھ ٹکرا گئی اور وہ ایک طرف لڑھک گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ اسپتال میں تھی۔ انکل فرقان کسی ڈاکٹر سے بات کررہے تھے۔

"فرقان صاحب...... چوٹ دماغ پر لگی ہے۔ شکر ہے کہ زیادہ نقصان نہیں ہوا اور یہ بچ گئیں، اگر یہ ہوش میں نہ آتیں تو خطرہ بڑھ سکتا تھا۔ خدا کا شکر ادا کریں کہ یہ نابینا ہونے سے بچ گئیں لیکن...... اگر ابھی بھی احتیاط نہ کی گئی اور انہوں نے ذہن پر زیادہ زور ڈالا تو برین ہیمرج یا نابینا پن کے امکان ہیں۔" ڈاکٹر تفصیل سے بتا رہا تھا۔

"کیسی ہو رائمہ بیٹا؟" اسے ہوش میں پاکر فرقان انکل نے قریب آ کر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ابھی تک درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد ناہید بھی آ گئی وہ اور انکل فرقان اسی ہفتے انگلینڈ سے واپس آئے تھے۔ ناہید کو رائمہ کی یہ حالت دیکھ کر بہت دکھ ہو رہا تھا۔ وہ اپنی پیاری دوست کو اس حالت میں دیکھ کر افسردہ تھی۔ بار بار آنسوؤں کو بہنے سے روک رہی تھی۔ وہ دونوں باتیں کررہی تھیں جب کچھ دیر بعد انکل فرقان آئے۔

"رائمہ بیٹا...... یہ ہے وہ لڑکی جو آپ کو اسپتال لے کر آئی تھی۔" اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ درد میں بے پناہ اضافہ ہوگیا اور وہ ایک بار پھر ہوش سے بے گانہ ہوگئی۔

❁......☆......❁

دروازہ ناک کر کے ثریا اندر آئی۔

"بی بی...... آپ کا ناشتا یہیں لے آؤں یا نیچے آ کر کریں گی؟" ثریا کی آمد سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ ساری رات جاگ کر ماضی کو یاد کرتی رہی ہے۔

"میں آج ناشتا لان میں کروں گی۔" ثریا نے کھڑکیوں سے پردے ہٹائے تو نرم گرم دھوپ کمرے میں پھیل گئی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے خوش گوار تاثر دیا۔ دو دن بعد عالیان بھی واپس آ گیا۔

"رائمہ...... میں نئی فیکٹری اسٹارٹ کرنا چاہ رہا ہوں۔" عالیان نے باتوں کے دوران بتایا۔

"اچھا...... کیسی فیکٹری؟" وہ بھی اب اس کی باتیں دلچسپی سے سنتی تھی۔

"سرامکس فیکٹری...... اور جانتی ہو اس کا نام کیا ہوگا؟" اس نے پیار سے رائمہ کا ہاتھ تھاما۔

"کیا؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"رائمہ سرامکس انڈسٹریز۔" اس کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

"واقعی؟" اس کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"ہاں اور اس کے لیے تمہارے سائن چاہئیں تاکہ میں فیکٹری کے کاغذات مکمل کرسکوں۔" اس نے کاغذات اس کے سامنے رکھے۔

"آپ میرا ہاتھ پکڑ کر سائن کروالیں جہاں کروانے ہیں۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"یہاں کرنے ہیں سائن۔" عالیان نے پین اس کے ہاتھ میں پکڑا کر اس جگہ رکھا جہاں سائن چاہیے تھے۔

رائمہ نے پین کی نوک کو جنبش دی۔ عالیان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی لہر سرائیت کرگئی اور ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ بس ایک پل کی دیر تھی اور پھر......!

''عالیان!'' رائمہ کے منہ سے کمزور سی آواز نکلی۔

اس نے کاغذات پر جھکی اپنی نظریں اٹھا کر رائمہ کو دیکھا وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامے ہوئے تھی۔ پین اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

''کیا ہوا رائمہ؟'' وہ جلدی سے اس کے قریب آیا اور وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

......☆......

ڈاکٹر اسے چیک کررہی تھی اور وہ اضطراری حالت میں ہاتھ مل رہا تھا۔

''مبارک ہو مسٹر عالیان!'' وہ عالیان کی طرف مڑی۔

''یہ ماں بننے والی ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ عالیان کو لگا کہ ساری کائنات گھوم رہی ہے۔ ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسی حالت میں اکثر ایسا ہوجاتا ہے۔'' ڈاکٹر اسے تسلی دے رہی تھی۔

عالیان کے جب حواس بحال ہوئے تو رائمہ اس کے سامنے بیڈ پر لیٹی مسکرا رہی تھی۔

''ذلیل عورت......تم......'' غصے کے مارے عالیان کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ رائمہ کی مسکراہٹ یک دم غائب ہوگئی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''فاحشہ عورت...... کہاں کہاں گل کھلاتی رہی ہو میری غیر موجودگی میں؟'' عالیان نے اسے زور کا تمانچہ رسید کیا۔

''عالیان......! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ میں......میں آپ کی بیوی ہوں۔'' رائمہ تڑپ کر بولی۔

''ہاں بس نام کی بیوی ہو...... یہ تم بھی جانتی ہو کہ ہم دونوں کے درمیان کبھی ایسا کوئی رشتہ قائم نہیں ہوا۔'' اس نے رائمہ کو بازو سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

''مگر کون یقین کرے گا اس بات پر......؟'' رائمہ کے منہ سے نکلے الفاظ پر وہ ساکت ہوگیا۔ ''ہاں مسٹر عالیان احمد! کون یقین کرے گا اس بات پر کہ رائمہ جنید جو ایک سال سے تمہارے نکاح میں ہے' اس کے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ نہیں جب کہ وہ ماں بھی بننے والی ہے۔ لوگ تھوکیں گے تم پر......'' وہ زہر اُگل رہی تھی۔

''تم گندی عورت......تم نے میری ناک کے نیچے یہ سب کھیل کھیلا اور میں...... میں سب جان نہ سکا۔'' اس نے ایک اور تمانچہ مارا۔

''ہاں عالیان احمد...... میں تمہاری بیوی مسز رائمہ عالیان ایک بُری عورت ہوں جو کسی اور کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔'' اس نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

''نہیں ہو تم میری بیوی......!'' وہ چیخا۔

''کس کس کو یقین دلاؤ گے؟ لوگ کالک مل دیں گے تمہارے منہ پر......اب تو ایک ہی راستہ ہے' تمہیں اس بچے کو اپنانا ہوگا۔'' وہ طنزیہ لہجے میں پھنکاری۔

''میں قتل کردوں گا تجھے۔'' اس نے رائمہ کو بالوں سے پکڑا۔

''نہیں عالیان......تم ایسا نہیں کرسکتے اگر تم نے ایسا کیا تو خود بھی پھانسی کے پھندے پر لٹک جاؤ گے۔'' وہ اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''کوئی اور راستہ ہو تو کہو عالیان احمد...... کہ تمہیں اس بچے کو اپنا نام نہ دینا پڑے مگر نہیں......! تمہیں تو اس بچے کو پالنا ہے اپنا نام دینا ہے دنیا کو دکھانے کی خاطر...... کسی اور کی اولاد کو اپنا نام دینا ہے۔'' وہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔

''نہیں......! کبھی نہیں......'' عالیان نے اسے بیڈ پر دھکیلا۔ ''ذلیل عورت...... اس سے تو بہتر تھا کہ تم مرجاتیں۔ میں نے کتنی کوشش کی تھی تمہاری گاڑی کے بریک فیل کروائے مگر تم صرف اندھی ہوئیں۔'' غصے میں اس کے منہ سے سچ نکل گیا۔

''ہاں مگر میں زندہ ہوں' ایک کڑوی حقیقت کے ساتھ۔'' وہ پھر طنزیہ لہجے میں بولی۔

''مگر میں تمہیں کبھی برداشت نہیں کروں گا اور نہ ہی

تمہاری اس اولاد کو۔" وہ دھاڑا۔
"اچھا...... کیا کرلو گے تم؟" وہ جیسے اسے چیلنج کررہی تھی۔ وہ اور بپھر اٹھا۔
"طلاق دیتا ہوں میں تمہیں...... طلاق...... طلاق دیتا ہوں۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔
اسی پل زور سے دروازہ کھلا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ انکل فرقان کے ساتھ رائمہ کے وکیل ہمدانی صاحب بھی تھے۔ ان کے پیچھے پولیس کے کچھ اہلکار بھی کھڑے تھے۔ وہ حیرت اور گھبراہٹ سے انہیں دیکھنے لگا پھر رائمہ اٹھی اور اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔
"بس عالیان احمد...... تمہارا کھیل ختم ہوا۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی اور بااعتماد چلتی ہوئی انکل فرقان کے ساتھ جا کر کھڑی ہوگئی۔ وہ اسے بغیر کسی سہارے کے بنا لڑکھڑائے چلتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔ ابھی وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا کہ پولیس نے عالیان کو ہتھکڑی لگائی اور کھینچتے ہوئے لے گئے۔

......☆......

"عالیان احمد...... تم نے میری زندگی برباد کرنا چاہی مگر سچ کبھی نہ کبھی سامنے آ ہی جاتا ہے۔" وہ جیل میں اس سے ملاقات کے لیے آئی تھی وہ مجرم بنا سلاخوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ "تم حیران ہورہے ہو گے کہ تمہارے کھیل کا بھید کیسے کھل گیا؟" وہ طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولی۔ "تو آج یہ سچائی بھی تمہیں بتا ہی دیتی ہوں۔ جب تم انگلینڈ کے ٹور پر گئے تھے تو مجھے لگا تھا مجھے تم سے محبت ہونے لگی ہے اور پھر میں نے تم سے فون پر اظہار بھی کرنا چاہا اس دن ایک عرصہ بعد میرا جی چاہا کہ میں باہر کی دنیا دیکھوں۔ میں اپنی گاڑی لے کر سڑکوں پر نکل گئی۔ میں اس دن بہت خوش تھی پھر اچانک ایک ابنارمل بچہ میری گاڑی کے سامنے آ گیا میں نے بریک لگانے چاہے مگر ناکام رہی تب مجھے معلوم ہوا کہ میری گاڑی کے بریک فیل ہیں۔ میں نے خدا پر بھروسا کرکے گاڑی کا رخ موڑ دیا اور اپنی زندگی داؤ پر لگا کر بچے کی جان بچالی۔ جب مجھے ہوش آیا اس بچے کی بہن مجھ سے ملنے آئی۔ جانتے ہو وہ کون تھی......؟" عالیان کی آنکھوں میں سوال ابھرا۔
"وہی لڑکی جو مجھے احمر کے فلیٹ پر ملی تھی۔" عالیان کو جھٹکا لگا۔ "میں اسے دیکھتے ہی پھر بے ہوش ہوگئی جب مجھے ہوش آیا تو مجھ پر ساری حقیقت کھل گئی۔ اس لڑکی نے مجھے بتایا کہ وہ غریب لڑکی تمہارے پاس نوکری کے لیے گئی تھی مگر نے تم ایک چھوٹے سے کام کے اسے بہت سے پیسے دینے کا لالچ دیا۔ احمر وہ فلیٹ چھوڑ چکا تھا اس نے یہ بات بتانے کے لیے مجھے فون کیا میرا موبائل آف ہونے کی وجہ سے اس نے گھر کے نمبر پر کال کی جو خوش قسمتی سے تم نے اٹینڈ کی اور اسے یہ یقین دلایا کہ تم یہ بات مجھے بتادو گے اور اسے منع کردیا کہ وہ دوبارہ کال نہ کرے کیونکہ پاپا بہت غصے میں ہیں اور تم ان کو سمجھانے کی کوشش کررہے ہو۔" وہ چند ثانیے رکی اور پھر دوبارہ بات شروع کی۔ "مگر تم نے مجھے وہ بات نہیں بتائی اور جب میں نے تمہیں کہا کہ میں احمر کے پاس جارہی ہوں تو تم نے اس لڑکی کو وہاں بھیج دیا۔ تم جانتے تھے کہ پاپا دل کے مریض ہیں اور کوئی بھی اچانک صدمہ ان کی جان لے سکتا ہے۔ تم نے جان بوجھ کر ساری بات ان کو بتائی۔ تمہاری قسمت نے تمہارا ساتھ دیا اور وہی کچھ ہوا جو تم چاہتے تھے......" اس نے ایک سرد آہ بھر کر پھر سے کہنا شروع کیا۔
"پھر تم میرے ساتھ بھی ڈراما کرتے رہے تمہارا خیال تھا کہ میں تم سے خلع لے لوں گی یا دوسری صورت میں اگر تم میرا دل جیت لو گے تو کسی طریقے سے جائیداد اپنے نام کروالو گے اور طلاق تو تب تک تم مجھے دے نہیں سکتے تھے۔" اس نے عالیان کا چہرہ دیکھا جو خوف سے زرد ہورہا تھا۔ "تم جانتے تھے کہ پاپا نے میری شادی تم سے طے کردی ہے اور یہ وصیت بھی لکھوادی ہے کہ اگر اپنی ضدی طبیعت کی وجہ سے میں تم سے خلع لیتی ہوں تو ساری جائیداد تمہارے نام منتقل ہوجائے گی اور یہ بات بھی تم نے مجھ تک نہیں پہنچنے دی اور یہ بھی کہ اگر تم مجھے طلاق دے دو تو تمہارے نام ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں

رہے گی اس لیے دنیا کو دکھانے کی خاطر تم مجھ پر نثار ہوتے رہے۔" عالیان نظریں چرا کر رہ گیا۔ "مگر پھر تمہارے سارے ارادوں پر وقت نے پانی پھیر دیا میں تم سے مانوس ہوگئی اور پھر تم نے وہ رستہ اپنایا جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے...... مطلب اگر رائمہ مرجاتی تو بھی ساری جائیداد کے وارث تم بن جاتے...... اور وہ شرفو جو میرے باپ کا نمک کھاتا رہا اور وفاداری تمہاری کرتا رہا۔ اس کے ذریعے ہی تم نے میری گاڑی کے بریک بھی فیل کروادیئے یوں میرے مرنے کا الزام بھی کسی کے سر نہ آتا مگر ایسا نہ ہوسکا۔ جب مجھ تک ساری حقیقت پہنچی تو میں نے انکل فرقان سے مل کر ایک پلان تیار کیا اور اندھی بن گئی۔ پھر جب تم اس روز مجھ سے خلع کے پیپرز سائن کروا رہے تھے میں نے ایک اور ڈراما کیا وہ لیڈی ڈاکٹر انکل فرقان نے ہی بھیجی تھی پھر وہی ہوا جو ہم نے سوچا تھا۔ غصے جذبات میں آ کر تم نے ہر جرم کا اقرار کرلیا اور مجھے طلاق بھی دے دی۔" وہ سب کچھ بتا کر چپ ہوگئی۔

"رائمہ پلیز مجھے معاف کردو لالچ میں آ کر میں اندھا ہوگیا تھا مجھے معاف کردو میں ساری زندگی تمہارے قدموں میں گزار دوں گا۔" وہ رونے لگا۔

"نہیں عالیان احمد...... میں تمہیں معاف نہیں کرسکتی اگر اپنے ساتھ کی گئی زیادتیاں معاف کر بھی دوں تو پاپا کے ساتھ کیا گیا دھوکا معاف نہیں کرسکتی۔ وہ تم پر اندھا اعتماد کرتے تھے تم نے احمر کے متعلق جو بتایا وہ مان گئے۔ تم نے اس فرشتے کی جان لے لی جس نے تمہیں بیٹے کی طرح پالا تھا۔" اس کی آواز بھرا گئی اس نے ایک شاکی نظر عالیان پر ڈالی اور وہاں سے پلٹ گئی۔

❁......☆......❁

وہ پارک میں اسی بنچ پر بیٹھی ہوئی تھی جہاں وہ اور احمر بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ روز اس وقت یہاں آتی تھی۔ آج بھی بیٹھی وہ ماضی کو کرید رہی تھی احمر اور اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈ رہی تھی جب بنچ کے دوسرے کونے پر کوئی آ کر بیٹھا تھا اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور پھر ہٹانا بھول گئی۔ جس کے نام کی تسبیح اس کی سانسیں صبح وشام کیا کرتی تھیں وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"ہیلو...... کیا نظر لگاؤ گی؟" اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ "کیا یقین نہیں آرہا؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

"ایک بار یقین نہ کرنے کی غلطی کرچکی ہوں دوبارہ نہیں کروں گی۔" اس نے نظریں جھکالیں۔ وہ کھسک کر تھوڑا قریب آ گیا اور چپکے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پرندوں نے شور مچانا شروع کردیا۔ اس نے مسکرا کر رائمہ کی طرف دیکھا۔ چند آنسو رائمہ کے رخسار پر لڑھک آئے جنہیں اس نے اپنی پوروں پر چن لیا۔

"احمر...... مجھے معاف......" اس نے بولنے کے لیے لب کھولے تو احمر نے انگلی اس کے ہونٹوں پر رکھ کر چپ کروادیا۔

"اوں ہوں...... کچھ بھی نہیں۔" وہ یک ٹک اس شاندار شخص کو دیکھے گئی۔ "بس ایک جان لیوا سی مسکراہٹ دے دو۔ سب کچھ بھول جاؤں گا کہ تم نے مجھے کتنا ستایا اور روز رات کو بھوتنی بن کر خواب میں کتنا ڈرایا۔" وہ شریر ہوا۔ رائمہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ایسی مسکراہٹ جو دل کے اطمینان کو واضح کررہی تھی۔

"اک کالی رات چھٹ گئی
اور اجالا آ گیا
وہ آرزوئے جاں تھا جو
میری خودی کا بیاں تھا جو
میرا ہم سفر میرے ہم قدم
ان ہی راستوں پہ آ گیا"

عاشق نامراد

زرین قمر

تورے نیناں بڑے دغاباج رے ہائے
تورے نینا بڑے دغاباج رے
کل ملے کل ملے......
کل ملے ہم کا بھول گئے آج رے ہائے دغاباج رے
تورے نینا بڑے دغاباج رے

ارزانش کانوں میں موبائل کا ہینڈ فری لگائے سلمان خان کے گانے کی دھن پر جھوم رہی تھی۔ اس کے سامنے ٹیبل پر کیمسٹری کے نوٹس پڑے تھے اور اس کے سیکنڈ ائر کے امتحان سر پر تھے لیکن ان نوٹس کی طرف اس کی کوئی توجہ نہیں تھی وہ جب سلمان خان کے گانے سنتی یا اس کی کوئی فلم دیکھتی تو اس کا یہی حال ہوجاتا' اسے اپنی کوئی سدھ بدھ نہ رہتی اور اس کی ہیروئن کی جگہ وہ اپنے آپ کو تصور میں دیکھتی تھی اس وقت بھی یہی حال تھا اسے یوں لگ رہا تھا کہ گلابی رنگ کی خوب صورت ساڑھی زیب تن کیے بالوں میں پھول سجائے' ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے وہ سلمان خان کے ساتھ اس گانے کی دھن پر جھوم رہی ہو۔

کل مل سے ہائے
کل ملے ہم کا بھول گئے آج رے
ہائے دغاباج رے......

وہ اپنے خیالوں میں سناکشی بنی ساڑھی پہنے ہواؤں میں اڑ رہی تھی خود کو سلمان خان کی بانہوں میں محسوس کررہی تھی کہ اسی لمحے کمرے میں ماں کی کرخت آواز سنائی دی۔

''ارے......تم پھر گانے سننے میں لگی ہو۔'' اس کی والدہ گرجتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

''نن......نہیں تو......'' وہ بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔

''نہیں تو کیا......کچھ ہوش ہے میں کتنی دیر سے تمہیں آوازیں دے رہی ہوں؟'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''میں نے شاید سنا نہیں۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں سنو گی کیسے یہ کانوں میں ہینڈ فری جو لگا رکھی ہے۔'' انہوں نے کہا۔ غصہ دراصل انہیں ارزانش کی کل والی حرکت پر تھا جو اس نے گھر میں آئے ہوئے مہمانوں کے سامنے کی تھی۔

''تم یہ بتاؤ کہ تم ساری زندگی ایسی ہی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی رہو گی کبھی سنجیدہ بھی ہوگی؟'' انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا ہوا......اب میں نے کیا کردیا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''نہ تو تم پڑھنے میں دلچسپی لے رہی ہو اور نہ ہی تم میں یہ تمیز ہے کہ گھر میں آئے مہمانوں سے کس طرح بات کی جائے۔'' انہوں نے کہا اب ارزانش کی سمجھ میں آیا کہ اس وقت ڈانٹ کس سلسلے میں پڑ رہی ہے۔

''کل جب مہمانوں کے سامنے چائے پیش کرنے تم ڈرائنگ روم میں گئی تھیں تو تمہارا حلیہ کیا تھا؟''

''حلیہ کیا تھا؟'' اس نے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے ان کی بات دہرائی۔ ''ٹھیک تو تھا۔ میں نے جینز اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی بلکل ویسی جیسی پرسوں جو فلم ہم نے دیکھی تھی اس میں مادھوری نے پہنی ہوئی تھی جب وہ سلمان خان کے ساتھ وہ گانا گارہی تھی۔'' ارزانش نے ذہن پر یوں زور دیتے ہوئے کہا جیسے گانا یاد کرنے کی کوشش کررہی ہو۔

''بس بس......رہنے دو' تم اور تمہارا سلمان خان۔ دیکھو ارزانش......تم جانتی ہو تمہاری اوٹ پٹانگ حرکتوں کی وجہ سے کئی رشتے واپس جاچکے ہیں اب تو نصیبن بوا

بھی مزید رشتے بتانے سے توبہ کرچکی ہیں۔ تمہاری عجیب وغریب حرکتیں اور شرطیں انہیں بھی پسند نہیں اور تمہارے ابو بھی مجھے ڈانٹتے ہیں کہ تم نے لڑکی کو کوئی تمیز نہیں سکھائی۔'' انہوں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''امی...... آخر میں نے ایسا کیا کردیا ہے؟ آپ بتائیں میری کیا غلطی ہے اب میں ایسے الٹے سیدھے لوگوں کے لیے تو 'ہاں' نہیں کرسکتی۔'' اس نے جراح کی۔

''کیوں...... الٹے سیدھے لوگوں سے تمہاری مراد کیا ہے؟''

''اب کل جو لوگ آئے تھے آپ نے دیکھا وہ جس لڑکے کو ساتھ لائے تھے وہ کیسا احمق لگ رہا تھا بالکل کانگڑی سا اس کی باڈی دیکھی تھی ایک دم نکما۔'' ارزانش نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

''تمہیں ان کے سامنے جینز اور ٹی شرٹ پہن کر جانے کی کیا ضرورت تھی کیا تمہیں پتا نہیں کہ جب لوگ لڑکی دیکھنے آتے ہیں تو......''

''مجھے سب پتا ہے امی' آپ بہت بار سمجھا چکی ہیں جب لوگ تمہیں دیکھنے آئیں تو ان کے سامنے سیدھی سادی شلوار قمیص پہن کر جایا کرو۔ سر پر دوپٹہ ہو' نظریں جھکی ہوں' آہستہ آہستہ قدم اٹھا کر جاؤ اور چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر تمیز سے واپس آجاؤ اپنی طرف سے کوئی فضول بات نہ کرو۔''

''ہاں سب یاد ہونے کے باوجود تم نے قسم کھا رکھی ہے کہ تم اس میں سے کسی بات پر بھی عمل نہیں کروگی۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔

''امی آپ اتنی سی بات کیوں نہیں سمجھتیں کہ اگر مجھے لڑکا پسند ہوگا تب میں یہ سب کچھ کروں گی نا؟'' اس نے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کیا مطلب؟ لڑکے اور لڑکے والوں کو دیکھنے سے پہلے تم نے یہ فیصلہ کیسے کرلیا کہ وہ تمہیں پسند ہوگا یا نہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"پتا ہے امی' آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھلا دیکھنے سے پہلے پسند یا ناپسند کا فیصلہ کیسے کیا جاسکتا ہے لیکن یہ تو حقیقت ہے نا کہ ہر لڑکا جو ہے وہ سلمان خان نہیں ہوسکتا۔"

"ارزانش تمہاری یہ دیوانگی تمہاری زندگی خراب نہ کردے۔" انہوں نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟" اس نے بھی جرح کی۔

"دیکھو ارزانش...... یہ تو زندگی کے ساتھی کا سوال ہے' ہمارے معاشرے میں لڑکیوں سے کسی بھی معاملے میں ان کی مرضی شاذ و نادر پوچھی جاتی ہے اور عورت کو ساری زندگی دوسروں کی مرضی پر چلنا ہوتا ہے۔ باپ کے گھر میں باپ اور ماں کا حکم ہی اولیت رکھتا ہے چاہے وہ لباس کا معاملہ ہو' تعلیم کا معاملہ ہو یا پھر دوست احباب کے چناؤ کا معاملہ ہو' وہی ہوتا ہے جو ماں باپ چاہتے ہیں اور شادیاں...... وہ تو مکمل طور پر ماں باپ کی پسند سے ہی ہوتی ہیں اور بعض اوقات ماں باپ کی پسند سے بھی نہیں ہوتیں جب اتنا وقت نکل جاتا ہے کہ لڑکیوں کی عمر ڈھلنے لگتی ہے۔ اچھے رشتوں کے انتظار میں تو جو بھی رشتہ ذرا بہتر نظر آتا ہے مجبوراً اسی سے شادی کردی جاتی ہے۔" اس کی والدہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا جس پر اسے غصہ آ گیا۔

"لیکن میرے معاملے میں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میری شادی میری مرضی سے ہوگی اور میری پسند......"

"بس۔" انہوں نے ارزانش کی بات کاٹ دی۔

"میں کچھ سننے کے لیے تیار نہیں' آئندہ احتیاط کرنا میں اب کوئی الٹی سیدھی حرکت برداشت نہیں کروں گی۔" انہوں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے تنبیہی انداز میں کہا اور کمرے سے نکل گئیں۔ ارزانش ہاتھ میں موبائل لیے بے حس کھڑی تھی۔

❀......❀......❀

ایان معمول کے مطابق آج بھی دفتر کے مقررہ وقت سے پندرہ منٹ پہلے ہی پہنچ گیا تھا وہ ایک پرائیوٹ کمپنی میں ٹیم منیجر تھا اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد یہی کمپنی جوائن کی تھی جہاں چار سال سے جاب کررہا تھا اس کے والدین بچپن ہی میں فوت ہوگئے تھے اور اس کی پرورش اس کے رشتے کے چچا نے کی تھی انہوں نے اسے کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی اور حیرت انگیز طور پر اس کے والد کی چھوڑی ہوئی رقم کو بھی ہاتھ نہیں لگایا تھا جو ایک بینک میں محفوظ تھی انہوں نے اس کی تعلیم اور دوسرے اخراجات خود ہی برداشت کیے تھے اور ایان بھی ان کی عزت اپنے والد کی طرح ہی کرتا تھا۔

"یار ایان...... کیا سوچ رہے ہو؟" اچانک وہ اپنے دوست احسن کی آواز پر چونکا' احسن اس کے ساتھ ہی اس دفتر میں ملازمت کرتا تھا اور وہ دوسری ٹیم کا منیجر تھا اور ایان سے بہت گہری دوستی تھی۔ اکثر وہ دونوں اپنی پرسنل باتیں بھی ایک دوسرے سے شیئر کرتے تھے۔

"کچھ نہیں۔" ایان نے اس کا جواب دیتے ہوئے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یار احسن...... تمہیں تو پتا ہے میرا تمہارے علاوہ کوئی دوست نہیں اور میں تم ہی سے ہر مشورہ کرتا ہوں' یہ دیکھ کر بتاؤ کیسی ہے؟" ایان نے لفافہ اسے تھما دیا۔

"یہ کیا ہے؟" احسن نے لفافہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"تم کھول کر تو دیکھو۔"

"اچھا۔" احسن نے لفافہ کھولا تو اس میں ایک تصویر نکلی۔

"ارے' یہ کیا؟ یہ تو لڑکی کی تصویر ہے۔" احسن نے حیرت اور خوشی سے ملی جلی آواز میں کہا۔

"ہاں...... یہ میری چچی جان نے آج ہی مجھے دی ہے وہ چاہتی ہیں میں اس سے شادی کرلوں کسی رشتے بتانے والی عورت نے انہیں لاکر دی ہے۔" ایان نے اسے بتایا۔

''زبردست' یہ تو خوشی کی بات ہے یار...... تم اتنی اداسی سے اور اتنی مسکین صورت بنا کر یہ بتا رہے ہو' بھئی اس پر تو مٹھائی ہونا چاہیے۔'' احسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مٹھائی تو جب ہوگی نا جب میں اسے پسند کرلوں اس کے حق میں فیصلہ دے دوں' ابھی تو میں نے ٹھیک سے دیکھی بھی نہیں میں جب دفتر آنے کے لیے گھر سے نکل رہا تھا تب ہی چچی نے میرے ہاتھ میں تصویر پکڑائی تھی۔''

''یہ تو کوئی بات نہیں' اچھی طرح دیکھ لو۔'' احسن نے تصویر اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو اچھی بھلی لگ رہی ہے' بالکل سناکشی جیسا ہیئر اسٹائل بنایا ہوا ہے۔'' احسن نے تعریفی انداز میں کہا تب ایان نے بھی تصویر کو بغور دیکھا۔ وہ واقعی خوب صورت تھی بالکل انڈین فلموں کی ہیروئنوں کی طرح اس کے بال بھی نئے اسٹائل کے بنے ہوئے تھے اور تصویر دیکھنے سے اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ اپنے رکھ رکھاؤ کے لیے خاصا وقت دیتی ہوگی۔

''لیکن یار احسن...... تصویر تو سب کچھ نہیں بتاتی۔'' ایان نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تصویریں بولتی تو نہیں ہیں' صرف خوب صورت ہونا تو اہمیت نہیں۔''

''ہوں...... تمہارا مطلب ہے کہ......''

''میرا مطلب ہے کہ اس کی عادت واطوار' اس کی بول چال' وہ سلیقہ مند ہے یا نہیں۔ اس کی تعلیم' اس کے شوق' اس کے آئندہ زندگی کے بارے میں خیالات......''

''بس بس دوست ابھی اتنے پریشان مت ہو جب تمہاری چچی نے تمہیں تصویر دی ہے تو لڑکی کے بارے میں مزید معلومات بھی انہی سے تمہیں ملیں گی یقیناً جس نے انہیں یہ تصویر دی ہے اس نے لڑکی کی بارے میں بھی تفصیل سے انہیں بتایا ہوگا۔ تم چچی سے پوچھنا وہ تمہیں سب کچھ بتادیں گی۔'' احسن نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' ایان نے تصویر واپس لفافے میں ڈال کر اپنے بریف کیس میں رکھ لی۔

''ویسے یار...... ایک بات تو بتاؤ' تمہیں کیسی لڑکی پسند ہے؟'' احسن نے دفتر میں تنہائی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھا کیونکہ ابھی کوئی نہیں آیا تھا اور وہ دونوں اکیلے تھے۔

''احسن...... اور لڑکوں کی طرح میری نظر میں صرف خوب صورتی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ خوب صورتی تو بس کچھ دیر کی ہوتی ہے' وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہوجاتی ہے میرے نزدیک اہمیت اچھے اخلاق' خلوص ومحبت اور سلیقہ مندی کی ہے۔ وہ یہ چیزیں ہیں جنہیں زوال نہیں اور جن سے ایک ازدواجی زندگی کامیاب ہوتی ہے۔'' ایان نے کہا۔

''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو لیکن آج کل تو زیادہ تر لڑکے خوب صورت کو ہی اہمیت دیتے ہیں چاہے لڑکی میں سلیقہ ہو یا نہ ہو۔ پڑھی لکھی بھی زیادہ نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں' بس خوب صورتی ہو بھلے چاہے کتنی بھی نک چڑھی ہو۔'' احسن نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نک چڑھی؟''

''ہاں' نک چڑھی' نخروں والی' بات بات پر اپنے حسن کی اہمیت دکھانے والی خود پر اترانے والی۔'' احسن نے اپنی بات کی وضاحت کئی الفاظ میں کی۔

''تم ٹھیک کہتے ہو لیکن مجھے ایسی چاہیے جو میرا اور میرے بچوں کا خیال رکھے خوب صورت بھی ہو لیکن اسے اپنی خوب صورتی پر غرور نہ ہو۔'' ایان نے وضاحت کی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے دوست...... پہلے تم اپنی چچی سے اس لڑکی کے بارے میں معلومات جمع کرو' ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے معیار پر پوری اترتی ہو۔'' احسن نے کہا اور ایان نے اثبات میں سر ہلایا۔ دفتر میں دوسرے لوگ بھی آنا شروع ہوگئے تھے وہ دونوں بھی اپنے اپنے کام میں مصروف ہوگئے پھر ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں

ہوئی تھی۔
ایان نے اپنی چچی سے جب اس لڑکی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے بتایا تھا کہ لڑکی ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ سیکنڈ ائر کا امتحان دے رہی ہے ماں باپ کی اکلوتی ہے اور سلیقہ شعار بھی اپنا گھر خود ہی سنبھالتی ہے۔ ان کے گھر میں کوئی ملازم نہیں والدہ ضعیف ہیں۔
"چچی...... پھر بھی آپ ان کے گھر جا کر صورت حال کا جائزہ لے لیں۔" ایان نے انہیں سمجھانے والے انداز میں کہا۔
"ہاں ہاں وہ تو میں جاؤں گی ہی بھلا کوئی آنکھیں بند کر کے تو شادی نہیں کروں گی۔ میں خود سب چھان پھٹک کرلوں گی تم پریشان مت ہو۔ بس یہ بتاؤ کہ تمہیں کیسی لگی۔" چچی نے اس سے پوچھا۔
"تصویر دیکھنے میں تو اچھی ہے۔" ایان نے کہا۔
"تصویر...... یا لڑکی؟" چچی نے ہنستے ہوئے وضاحت چاہی۔
"ظاہر ہے لڑکی ہی کی بات کر رہا ہوں چچی......" ایان نے جھینپتے ہوئے کہا۔
چچی سے بات کر کے وہ مطمئن ہوگیا تھا اور چچی نے رشتے بتانے والی عورت کے ساتھ لڑکی کے گھر کے کئی چکر لگائے تھے اور اپنی باتوں سے وہ اس رشتے سے مطمئن بھی نظر آرہی تھیں انہوں نے ایان کو بتایا تھا کہ اس لڑکی کا نام ارزانش ہے اور خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سلیقہ مند بھی ہے۔
"مگر ایک بات ہے ایان...... ارزانش کو فلمیں دیکھنے کا بہت شوق ہے بھئی۔" چچی نے ہنستے ہوئے کہا۔
"یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے چچی...... آج کل ساری جوان نسل کو یہی بیماری ہے۔ سب ہی لڑکے لڑکیاں شوق سے فلمیں دیکھتے ہیں۔" ایان نے بے پروائی سے کہا اور چچی ہنسنے لگیں۔
"چلو گھر میں بھی فلمی گانے بجتے رہیں گے ذرا رونق لگی رہے گی۔" چچی نے ہنستے ہوئے کہا اور ایان بھی مسکرانے لگا۔ وہ خوش تھا کہ اس کی زندگی میں بھی بہار آنے والی ہے اور وہ ارزانش کے ساتھ مل کر اپنے سپنوں کے گھر کی بنیاد رکھے گا۔ اس کے والدین ایک ایکسیڈنٹ میں اللہ کو پیارے ہوگئے تھے تب وہ بہت چھوٹا تھا اس کے ذہن میں ایک چھوٹا سا گھر اس میں والدین اور چھوٹے بچے کی صورت ایک خواب تھے اور اس نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شادی کے بعد اپنا گھر بنائے گا جہاں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے خاندان کی بنیاد ڈالے گا یہ اس کا بچپن کا خواب تھا اور اب اس کی تعبیر دیکھنے کا وقت آگیا تھا۔ جب اس کا رشتہ ارزانش سے طے ہوا تو وہ بہت خوش تھا وہ ارزانش کو دیکھنے بھی نہیں گیا اور چچی کو ہی مختار کل بنا دیا تھا اس کے خیال میں اس کا تصویر دیکھنا ہی کافی تھا۔ دوسری معلومات چچی نے کر ہی لی تھیں چنانچہ ارزانش کو مزید تنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔
"یار...... تم نے لڑکی کو دیکھا بھی نہیں؟" احسن نے ایک دن اس سے پوچھا۔
"نہیں آخر کیا ضرورت ہے؟ مجھے وہ لوگ پسند نہیں جو لڑکیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح چیک کر کے پسند کرتے ہیں۔ لڑکی کی بھی عزت ہوتی ہے میں نے تصویر دیکھ لی وہ مجھے پسند ہے بس یہی کافی ہے۔" ایان نے کہا۔
"اور باقی؟" احسن نے پوچھا۔
"باقی سب چچی نے دیکھ لیا ہے۔" ایان نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔ "وہ کئی بار ان لوگوں کے گھر گئی ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ لڑکی بہت سلیقہ والی ہے سارا گھر خود سنبھالتی ہے اسے کھانا پکانا کڑھائی سلائی سب آتا ہے۔ میرے لیے اتنا کافی ہے۔" ایان نے کہا۔
"اور شادی کب ہے؟" احسن نے چھیڑنے والے انداز میں پوچھا۔
"دو ماہ بعد اس کے امتحان ہو رہے ہیں۔ وہ بھی ختم ہو جائیں گے اور ان کے گھر والے شادی کی تیاری کے

لیے کچھ وقت بھی چاہتے تھے۔" ایان نے جواب دیا۔
"تو پھر......؟"
"پھر کیا؟" ایان نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔
"پھر تو مٹھائی بن گئی نا۔" احسن نے زور سے کہا اور دفتر کے دوسرے لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔
"کس بات کی مٹھائی؟"
"کیا بات ہے بھئی احسن......تم ایان سے کیسی مٹھائی مانگ رہے ہو؟ کیا خوش خبری ہے، ہمیں بھی بتاؤ۔" ایک ساتھ کئی سمتوں سے آوازیں آئی اور پھر احسن نے سارے دفتر کو یہ خوش خبری سنادی کہ دو ماہ بعد ایان کی شادی ہورہی ہے۔ سارے دفتر نے ہی اسے مبارک باد دی اور ایان نے اسی روز مٹھائی منگوا کر سارے اسٹاف میں تقسیم کی۔ دو ماہ پلک جھپکتے ہی گزر گئے اور وہ گھڑی آن پہنچی جب ایان کو ارزانش کا گھونگھٹ اٹھانا تھا۔

❁......❁......❁

شادی کی پہلی رات اس کے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو سامنے سرخ لباس میں ارزانش دلہن بنی بیڈ پر بیٹھی تھی اس کا چہرہ روایتی دلہنوں کی طرح گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا ایان دھڑکتے دل کے ساتھ اس کی طرف بڑھا اور پھر بیڈ پر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
"نئی زندگی مبارک ہو ارزانش......" اس نے دھیمی مگر پیار بھری آواز میں کہا لیکن ارزانش کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا اور یوں شرمانا ایک لڑکی کا فطری حق بھی تھا ایان نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے اس کا گھونگھٹ اٹھایا...... ارزانش نے کوئی مزاحمت نہیں کی...... وہ آنکھیں بند کیے خاموش بیٹھی تھی اور چند لمحوں کے لیے ایان اس کے حسن میں مدہوش ہوگیا تھا۔
"آنکھیں کھولو ارزانش۔" اس نے آہستہ سے کہا لیکن آنکھیں کھولنے کے بجائے ارزانش کا سر جھک گیا۔
"ارزانش...... ان قیمتی لمحوں کو یوں ضائع نہ کرو آنکھیں کھولو۔" اس نے اپنے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے کہا لیکن ارزانش کی آنکھیں بند تھیں۔
"اب اتنی بھی کیا شرم ارزانش......ہمیں آئندہ زندگی ایک ساتھ گزارنی ہے اب تم میری بیوی ہو آنکھیں کھولو۔" ایان نے پھر کہا اور اس بار ارزانش نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں لیکن ان کی نظریں ایک لمحے کے لیے بہ مشکل ملی تھیں اور ارزانش نے پھر نظریں جھکا لی تھیں ایان نے جیب سے انگوٹھی کی ڈبیہ نکال کر سونے کی جھلملاتی خوب صورت سی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنادی۔
"ہماری نئی زندگی کے آغاز پر ایک چھوٹا سا تحفہ۔" ایان نے دھیمے سے کہا لیکن ارزانش نے اس پر بھی کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا اور ایان نے یہ بھی اس کی شرم کا حصہ سمجھ کر نظر انداز کر گیا۔
پھر وہ ساری رات ارزانش کو اپنے بارے میں بتاتا رہا کہ اس کے بچپن میں اس کے والدین کس طرح ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہوئے اور وہ دنیا میں اکیلا رہ گیا پھر کیسے اس کے چچا اور چچی نے اس کی پرورش کی اسے تعلیم دلوائی اور پھر اس نے ملازمت کی۔ ایان نے اپنی طرف سے تمام ذاتی معلومات ارزانش کو دے دی تھیں وہ اس کے برابر میں بے حس لیٹی تھی اور اس کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی جب ایان نے اس کا چہرہ اٹھا کر دیکھا تو وہ سو چکی تھی۔ ایان کو حیرت ہوئی کہ ارزانش کی اس سرد مہری کی وجہ کیا تھی وہ کافی دیر تک جاگتا رہا تھا پھر صبح ہوتے اسے بھی نیند آ گئی تھی اس کی شادی کے بعد اس کی چچی اور چچا گاؤں میں اپنی زمینوں پر چلے گئے تھے۔

❁......❁......❁

شادی کے ایک ہفتے بعد جب وہ آفس گیا تو بہت خاموش خاموش تھا۔ احسن نے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھی تو اس نے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کردیا لیکن یہ بہانہ زیادہ عرصے تک نہیں چل سکا چند روز بعد ہی اسے ساری حقیقت احسن کو بتانا پڑی تھی۔
"احسن...... میں تو سمجھ رہا تھا کہ شادی کے بعد میری

دنیا ہی بدل جائے گی اور ساری زندگی کی محرومیاں ختم ہوجائیں گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔" ایان نے اداسی سے کہا۔
وہ دونوں دفتر کے لنچ ٹائم میں قریبی ہوٹل میں آ بیٹھے تھے اور موقع غنیمت جان کر احسن نے اسے پھر کریدا تو وہ اپنے دل کا حال چھپا نہیں سکا۔
"آخر کیا بات ہے..... تم کھل کر بات کرو۔ کیا ارزانش تمہیں پسند نہیں آئی؟" احسن نے پوچھا۔
"یہ بات نہیں ہے احسن..... وہ مجھے بہت پسند ہے لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ خوش نہیں ہے۔" ایان نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔
"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"
"وہ میری کسی بات کا خوش ہوکر جواب نہیں دیتی' کھوئی کھوئی رہتی ہے بات کرنے پر یوں چونک جاتی ہے جیسے وہ ذہنی طور پر میرے ساتھ نہیں' میں اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"کیا تم نے اس سے اس اداسی کی وجہ پوچھی؟" احسن نے کہا۔
"اتنا موقع ہی نہیں ملتا' شادی کے شروع کے دنوں میں گھر میں مہمانوں کا آنا جانا لگا رہا جب میں دفتر آتا ہوں تو وہ کچن میں ہوتی ہے گھر جاتا ہوں تو بھی وہ کام میں مصروف ہوتی ہے۔"
"گویا اس نے تمہاری خواہش کے مطابق گھریلو ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں' تمہیں ایسی ہی شریک حیات چاہیے تھی تو پھر اب پریشان کیوں ہو؟" احسن نے کہا۔
"میں گھر کا کام سنبھالنے کی بات نہیں کررہا احسن..... میں یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ مجھ سے خوش نہیں۔ میں نے اب تک ایک بار بھی اسے ہنستے نہیں دیکھا۔"
"ہوسکتا ہے کہ یہ اس کی عادت ہو' میرا مطلب ہے کہ وہ سنجیدہ مزاج کی مالک ہو۔" احسن نے کہا۔
"نہیں..... یہ بات نہیں ہے' میں نے نوٹ کیا ہے کہ جب وہ اکیلی ہوتی ہے تو وہ خوش بھی نظر آتی ہے اور اکیلے میں گنگناتی بھی ہے۔ ٹی وی دیکھ رہی ہو تو ٹی وی پر آنے والے گانوں کے ساتھ ساتھ خود بھی آواز ملا کر گانے لگتی ہے اس وقت وہ اداس نہیں ہوتی لیکن جونہی کوئی کمرے میں آتا ہے وہ پھر خاموش ہوجاتی ہے۔" ایان نے کہا۔
"یار..... تم بھی کیسے شوہر ہو' یہ بھی کوئی بات ہوئی اسے ایک دن ڈنر پر باہر لے جاؤ اور اس سے اس کی اداسی کی وجہ پوچھ لو۔" احسن نے ترکیب بتائی تو ایان نے اس سے وعدہ کرلیا کہ اب وہ ایسا ہی کرے گا۔
اگلے روز ایان نے ارزانش سے باہر ڈنر کی فرمائش کردی اور ارزانش نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"آج تم میری پسند کا وہ بلیو والا جوڑا پہنو جس پر موتیوں کا کام ہے۔" ایان نے ارزانش سے کہا اس کا اشارہ بری کے جوڑوں میں سے ایک بلیو رنگ کے جوڑے کی طرف تھا جو وہ خاص طور سے اس کے لیے خرید کر لایا تھا' ارزانش نے بھی بلاچوں چرا اس کا کہنا مان لیا اور وہی جوڑا پہن کر تیار ہوگئی۔
"مجھے اپنی قسمت پر رشک آرہا ہے ارزانش کہ تم جیسی خوب صورت بیوی اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی۔" ایان نے اس کی تعریف کی لیکن ارزانش کے لبوں پر اب بھی کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔
کچھ ہی دیر بعد وہ شہر کے بہترین ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے ایان نے ارزانش سے پوچھ کر اس کی پسند کے کھانوں کا آرڈر دیا تھا۔
"ارزانش..... میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" ایان نے اجازت لینے والے انداز میں کہا۔
"جی....." ارزانش نے آہستہ سے کہا۔
"کیا تم اس شادی سے خوش نہیں ہو؟" ایان نے ہمت کرکے پوچھا۔
"جی نہیں..... یہ بات تو نہیں۔" ارزانش نے کہا۔
"تو پھر تم اتنا اداس کیوں رہتی ہو' یوں لگتا ہے جیسے تمہارے دل میں کوئی دکھ' کوئی پچھتاوا ہے۔"
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"اگر کوئی بھی بات ہے ارزانش تو تم مجھے اپنا دوست سمجھ کر بتا سکتی ہو۔ وہ بات، ہم دونوں کے درمیان رہے گی، میں تمہاری خوشی کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔" ایان نے کہا۔ "بتاؤ کیا بات ہے؟" ایان نے پھر پوچھا۔

"وہ...... مجھے امی نے منع کیا تھا۔" ارزانش نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیا منع کیا تھا۔ مجھے بتاؤ اگر تم نہیں بتاؤ گی تو مجھے تمہاری اداسی کی وجہ سمجھ نہیں آئے گی۔" ایان نے اسے سمجھایا۔

"دراصل میں...... میں سلمان کو پسند کرتی ہوں۔" ارزانش نے ڈرتے ڈرتے کہا اور ایان کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا اسے اپنی ساری خواہشیں دم توڑتی محسوس ہوئیں۔

"اگر تم کسی کو پسند کرتی تھیں تو تمہیں اپنے والدین کو بتانا چاہیے تھا تاکہ تمہیں اپنی ساری زندگی پچھتاوؤں میں نہ گزرانا پڑتی۔"

"لیکن میری خواہش پوری نہیں ہوسکتی تھی۔" ارزانش نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں؟"

"اسے تو ہزاروں لڑکیاں چاہتی ہیں، اس تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی تو جیون ساتھی......؟"

"ہزاروں لڑکیاں؟" ایان نے حیرت سے کہا۔

"بھئی وہ سلمان کیا چیز ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سلمان خان......!" ارزانش نے یوں کہا جیسے اسے ایان کی ناسمجھی پر حیرت ہو۔ "انڈین فلموں کا ہیرو سلمان خان......" ارزانش نے زیرلب مسکراتے ہوئے کہا اور ایان حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا وہ سوچ رہا تھا کہ یہ درست ہے کہ سلمان خان کو ہزاروں لڑکیاں چاہتی ہوں گی لیکن ایسی احمق تو شاید ہی کوئی ہو جو اپنی اس چاہت کو اپنی گھریلو زندگی پر برا اثر ڈالنے دے۔

"دراصل میں اس کی فین ہوں، بہت بڑی فین۔" ارزانش نے یوں کہا جیسے خواب میں بول رہی ہو۔

"تو ٹھیک ہے تم اس کی فین ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن میرے ساتھ تمہارا سلوک؟"

"میں نے اپنے والدین کے کہنے پر تم سے شادی کی ہے ایان لیکن میرے سپنوں میں جو شہزادہ بسا ہوا تھا وہ بالکل سلمان خان جیسا تھا میں چاہتی تھی کہ میرا شوہر بالکل ویسا ہی ہو۔"

"کیا بچوں والی باتیں کررہی ہو ارزانش۔"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، میں نے تمہیں سچی بات بتادی۔"

"تو اب کیا ہوسکتا ہے؟" ایان نے پوچھا۔

"کیا تم میری خاطر یہ کرسکتے ہو کہ بالکل اس کی طرح رہو۔"

"اس کی طرح...... کیا مطلب؟"

"اس کا جیسا لباس، اس کے جیسے انداز، اس کی جیسی باڈی......" ارزانش بولتی جارہی تھی اور ایان حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہورہا تھا کوئی ذی ہوش عورت یوں بے باکی سے اپنے شوہر کے سامنے کسی دوسرے مرد سے پسندیدگی کا اظہار نہیں کرسکتی تھی۔

"بولو ایان...... کیا تم میری خاطر ایسا کرسکتے ہو؟" اس نے پھر کہا۔

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی اور میں سمجھتا ہوں کہ تم سنجیدہ نہیں ہو تم میرے ساتھ مذاق کررہی ہو۔"

"نہیں ایان...... میں سچ کہہ رہی ہوں یہ میری زندگی کا خواب ہے۔" ارزانش نے کہا۔ ایان کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا کہ ارزانش جو کچھ کہہ رہی ہے وہ درست ہوسکتا ہے ارزانش کے ساتھ ڈنر کی جو خوشی ملی تھی وہ سب مٹی میں مل گئی تھی۔

"اچھا کھانا لو۔" ایان نے کہا اور اپنی پلیٹ میں روسٹ چکن کی بوٹی ڈالی۔ ارزانش نے بھی تقلید کی پھر دونوں نے نہایت خاموشی سے کھانا کھایا۔ گھر واپس

لوٹتے ہوئے ایان سوچ رہا تھا کہ اس کی زندگی نے یہ کیا نئی کروٹ لے لی ہے اگر ارزانش سنجیدہ ہے تو معاملہ سنگین ہوسکتا ہے کیونکہ اتنی احمقانہ خواہش کوئی لڑکی اپنے شوہر سے نہیں کرسکتی۔

دوسرے دن ایان نے دفتر میں ارزانش کی عجیب و غریب خواہش کے بارے میں احسن کو بتایا تھا تو وہ بھی حیران رہ گیا۔

''کیا کہہ رہے ہو ایان......! مجھے تو یقین نہیں آرہا۔''

''میں خود حیران ہوں' کوئی ہوش مند لڑکی ایسا نہیں کرسکتی۔'' ایان نے بھی احسن کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''پھر اب تم نے کیا سوچا؟''

''سوچنے کے لیے رہ ہی کیا گیا ہے' صاف ظاہر ہے کہ میں اسے پسند نہیں آیا ہوں اور وہ اپنے خوابوں کے شہزادے کے ساتھ جینا چاہتی ہے۔'' ایان نے مایوسی سے کہا۔

''لیکن کسی تصور کے ساتھ ساری زندگی گزار دینا ممکن نہیں ہے ایان۔'' احسن نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''تو پھر......پھر کیا کروں؟''

''تم ایسا کرو نئی نئی شادی ہے تم بھی اپنی خوشیاں قربان مت کرو اور جیسے وہ خوش اس کے ساتھ ویسے ہی رہو۔''

''یعنی......یعنی تم چاہتے ہو کہ میں سلمان خان بن جاؤں؟'' ایان نے حیرت اور غصے سے کہا۔

''ہاں کیا حرج ہے' بھئی آج کی نئی نسل کو دیکھو۔ لڑکے تو اس جیسا ہونے کے لیے کیا کیا جتن کرتے ہیں کوئی اپنی پروفائل پکچر پر سلمان کی فوٹو لگاتا ہے کوئی سلمان کی تصویر والی شرٹ پہنتا ہے کوئی باربر کی دکان پر جا کر فرمائش کرتا ہے کہ اس کا ہیئر اسٹائل سلمان خان جیسا بنا دیا جائے' وغیرہ وغیرہ۔'' احسن نے اسے سمجھایا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس صورت حال سے محظوظ ہو رہا ہو۔

''لیکن میں ان لوگوں سے مختلف ہوں احسن......تم جانتے ہو ہر شخص کی اپنی ایک الگ شخصیت ہوتی ہے اور میں یوں کسی کی نقالی کرنے کو ہرگز بھی پسند نہیں کرتا۔'' ایان نے اپنا فیصلہ سنایا۔

''تم اپنی جگہ ٹھیک ہو لیکن یوں سمجھ لو کہ تھوڑا سا ارزانش کے ساتھ محظوظ ہونے کا موقع ہی ملے گا تمہیں' آہستہ آہستہ تم اسے اپنے رنگ میں ڈھال لینا یہ اس کی بچگانہ خواہشیں ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی اور عمر کے ساتھ اسے اپنی بے وقوفی کا بھی احساس ہو جائے گا اور پتا ہے ایان عمر کے ایک حصے میں جب تم ان دنوں کو یاد کیا کرو گے تو ان باتوں پر ہنسا کرو گے۔'' احسن نے سمجھایا۔

''تو تمہارا مشورہ یہ ہے کہ میں ارزانش کے کہنے پر عمل کروں؟'' ایان نے پوچھا۔

''ہاں فی الحال' بس اسے خوش کرنے کے لیے۔'' احسن نے جواب دیا اس کے بعد ایان نے اس سے کوئی بحث نہیں کی۔

جب وہ گھر پہنچا تو ارزانش نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ کیا؟'' ایان نے حیرت سے پوچھا اسے ارزانش کے بدلے ہوئے رویے پر حیرانی تھی۔

''یہ میں آپ کے لیے گفٹ لائی ہوں' یہ آپ کو پہننا ہوگا اور میں نے آج آپ کے لیے ایک بہت مزے کی ڈش پکائی ہے۔ چلیں آپ کپڑے تبدیل کرلیں پھر ہم دونوں وہ ڈش انجوائے کریں گے۔'' ارزانش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ارزانش کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ ایان نے بغور دیکھی تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے بغیر بحث کیے بغیر پیکٹ تھاما اور کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔ جب اس نے کپڑے تبدیل کرنے کے لیے پیکٹ کھولا تو وہ حیران رہ گیا' اس میں بلیو جینز اور بلیک بنیان تھی اسے یہ کمبینیشن بڑا عجیب سا لگا۔

''بھلا جینز کے ساتھ بنیان کی کیا تک ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔ ''اگر جینز دی تھی تو اس کے ساتھ شرٹ یا ٹی شرٹ دینا مناسب تھا۔'' وہ ارزانش کی چوائس پر حیران تھا جب وہ کپڑے بدل کر ڈرائنگ روم میں آیا تو ڈیک پر ''پارٹنر'' فلم کا گانا لگا ہوا تھا اور ارزانش اس کے ساتھ ساتھ گنگنا رہی تھی۔

ہوگیا رے، ہوگیا رے اس دل کا کام رے
ہوگیا رے، ہوگیا رے دل تیرے نام
یو مائی لو...... مائی لو...... جانِ جاں یو مائی لو

''ارزانش......! یہ کیا ہے؟'' اس نے اپنے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا۔

''ارے ایان...... آپ کو نہیں معلوم آج کل یہ فیشن میں ہے۔'' ارزانش نے ہنستے ہوئے کہا۔

''مجھے تو مناسب نہیں لگ رہا' میں ایسے کپڑے نہیں پہنتا۔'' ایان نے احتجاج کیا۔

''کچھ نہیں ہوتا ایان۔ آپ جلد ہی عادی ہوجائیں گے' دیکھیں آپ کتنے جچ رہے ہیں۔ آپ بہت اسمارٹ لگ رہے ہیں بالکل سلمان خان کی طرح۔'' اس نے جھومتے ہوئے کہا وہ گانے سے پوری طرح محظوظ ہو رہی تھی۔

''توبہ میری توبہ تیرا نخرہ کمال ہے
تعریف کرنے میں تو بڑا بے مثال ہے

ایان اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا اب ارزانش کی توجہ ایان سے زیادہ گانے کی طرف تھی پھر اچانک وہ چونکنے والے انداز میں ایان کی طرف مڑی۔

''ایان...... ایک کام اور ہوسکتا ہے۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا......؟'' ایان نے پوچھا وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اب ارزانش کون سی نئی فرمائش کرے گی۔

''دیکھو آپ کا جسم بہت دبلا ہے' اگر آپ کی باڈی سلمان خان جیسی ہوجائے تو کیا ہی بات ہو۔'' ارزانش نے کہا تو ایان بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر کو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ارزانش اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔

''ارزانش جیسا ہوں میں ٹھیک ہوں' مجھے تنگ مت کرو۔'' ایان نے ناراضگی سے کہا اور واپس بیڈ روم کی طرف جانے لگا۔

''ارے آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' ارزانش نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''مجھے یہ کپڑے اچھے نہیں لگ رہے' انہیں تبدیل کرنے جا رہا ہوں۔'' ایان نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایان...... میری خاطر' آپ مجھے تو اچھے لگ رہے ہیں۔'' ارزانش نے کہا اور ایان عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں احسن کی کہی ہوئی بات آ گئی تھی کہ کچھ دن کے لیے ارزانش کی بات مان لو' کچھ دن بعد وہ خود سب کچھ بھول جائے گی اتنی سی بات کی خاطر اپنی ازدواجی زندگی کو تباہ مت کرو۔

''تم کیا چاہتی ہو ارزانش؟'' ایان نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

''اگر تم میری بات مانو تو......''

''تو کیا؟''

''تو آج کسی اچھے سے فٹنس سینٹر چلتے ہیں۔'' ارزانش نے نئی فرمائش کی۔

''کیا مطلب؟'' ایان نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''دیکھو وہاں اچھے اچھے انسٹرکٹرز ہوتے ہیں وہ ہمیں مشورہ دے سکتے ہیں کہ کس قسم کی ایکسرسائز کرنے سے آپ کی باڈی اور اچھی ہوجائے گی۔'' ارزانش نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''میں ٹھیک تو ہوں ارزانش۔''

''نہیں...... آپ ٹھیک نہیں ہیں' بس آپ چلیں میرے ساتھ۔ میں نے اخبار سے ایک فٹنس سینٹر کا ایڈریس نوٹ کیا ہے اور فون کر کے ان سے ٹائم بھی لے لیا ہے۔'' ارزانش نے ضدی بچوں کی طرح کہا اور زبردستی اس کا ہاتھ تھام کر کھینچتی ہوئی اسے باہر کی طرف لے گئی

ایان نے خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا کچھ ہی دیر میں وہ ایک قریبی فٹنس سینٹر پہنچ گئے تھے۔

"میں اپنے شوہر کے لیے آئی ہوں میں نے آج صبح آپ سے بات کی تھی۔ آپ سہیل صاحب ہیں نا' باڈی انسٹرکٹر؟" ارزانش نے ایک ادھیڑ عمر شخص سے پوچھا جو فٹنس کلب کے ہال میں اسپورٹس سوٹ میں موجود تھا اور ایکسر سائز کرنے والے لوگوں کو ہدایات دے رہا تھا۔

"جی...... جی ہاں۔" اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"جی' یہ میرے شوہر ایان ہیں۔ میں نے ان کے لیے ہی آپ سے بات کی تھی۔"

"ٹھیک ہے آپ میرے آفس میں چلیں' پہلے کچھ ضابطے کی کارروائی ہو جائے تو پھر کام کا آغاز کرتے ہیں۔" سہیل نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔" ارزانش نے کہا پھر وہ لوگ اس کے ساتھ اس کے آفس میں آ گئے جہاں انہوں نے فارم پُر کیا اور ایان کا اندراج سینٹر کے رجسٹر میں کیا گیا...... پھر انہوں نے سینٹر کی فیس جمع کروائی اور اس کے بعد انسٹرکٹر سہیل انہیں واپس ہال میں لے آیا جہاں مختلف قسم کی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔

"آیئے پہلے ویٹ کرلیں۔" انسٹرکٹر نے کہا اور ویٹ کروانے کے بعد ایکسر سائز شروع کروا دی۔

"ارے آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔" ارزانش نے فوراً مداخلت کی۔ "انہیں اس وارم اپ کی ضرورت نہیں ہے آپ سیدھا سیدھا ویٹ اٹھوائیں جس سے ان کی باڈی بنے گی۔" اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"دیکھیں محترمہ آپ مجھے میرا کام کرنے دیں' میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں لیکن میں یہ کام اپنے طریقے سے کروں گا۔" انسٹرکٹر نے اسے سمجھایا۔

"نہیں بھئی میں جیسا کہہ رہی ہوں آپ ویسا ہی کریں۔" ارزانش بھی اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی اور ایان حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا پھر ارزانش نے انسٹرکٹر کی بات نہیں سنی اور اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ ایان سے باڈی بنوانے والے ویٹ اٹھوائے مجبوراً اس نے ویٹ دیئے لیکن ارزانش اس سے بھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

"دیکھیں یہ ایان کتنی آسانی سے اٹھا رہے ہیں آپ ویٹ بڑھائیں۔" ارزانش نے کہا پھر ایان کی طرف مڑی۔

"ایان تم یہ چھوڑو' دیکھو یہ والا ویٹ اٹھاؤ۔" اس نے قریب پڑے زیادہ وزن والے ویٹ کی طرف اشارہ کیا اور ایان نے مجبوراً اس کی بات مانتے ہوئے وہ ویٹ اٹھا لیا جب وہ کئی بار اس ویٹ سے ایکسر سائز کر چکا تو ارزانش نے مزید وزنی ویٹ اٹھانے کی فرمائش کی اور آخر کار ایک مرحلہ یہ آیا کہ ایان مزید ویٹ اٹھانے سے قاصر ہو گیا اور نڈھال ہو کر گر گیا' انسٹرکٹر کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔

"محترمہ آپ اپنے حواسوں میں تو ہیں؟" اس نے غصے سے پوچھا اور ارزانش اس پر برس پڑی۔

"آپ مجھے کہہ رہے ہیں جب کہ آپ خود اپنا کام درست نہیں کر رہے ہیں۔"

"عجیب خاتون ہیں آپ؟" انسٹرکٹر نے یوں کہا جیسے کہہ رہا ہو کہ عجیب پاگل خاتون ہیں آپ پھر انسٹرکٹر بڑبڑاتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا اور ارزانش' ایان کو واپس گھر لے آئی۔

"کتنا احمق انسٹرکٹر تھا' اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ چند ہی دنوں میں تمہیں بالکل سلمان خان جیسا بنا دے گا۔" ارزانش نے غصے سے کہا۔

"ارزانش...... آخر تم کیوں اتنی بضد ہو' کیا میں ٹھیک نہیں ہوں۔ مجھ میں کیا کمی ہے؟" ایان نے درد سے کراہتے ہوئے کہا۔ اتنا ویٹ اٹھانے سے اس کے جسم کا رواں رواں دکھ رہا تھا اس نے زندگی میں کبھی ایکسر سائز نہیں کی تھی اور اب ارزانش یوں اس کے پیچھے لگی تھی کہ اس کا جینا حرام کر دیا تھا۔ وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے ارزانش سے شادی کر کے غلطی کی۔

"اب آپ کو روز فٹنس سینٹر جانا ہے۔" ارزانش نے

کہا۔ ''اور کوشش کریں کہ جلد از جلد وہ نتائج حاصل کرلیں جو مجھے چاہئیں۔'' اس کے لہجے میں حکمیہ انداز شامل تھے اور ایان حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اگلے روز اس نے احسن کو سارا معاملہ بتایا تو وہ بھی حیران ہوا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اور تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس نے میرا ہیئر اسٹائل بھی خراب کروادیا ہے۔ سلمان خان بنانے کے چکر میں......'' ایان نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا تو احسن کی ہنسی نکل گئی۔

''ہاں یار واقعی، تم ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔ یار وہ میرے حواسوں پر سوار ہوگئی ہے، مجھے لگتا ہے اسے میرے دکھ تکلیف کا کوئی احساس نہیں اور نہ ہی میری پسند اور ناپسند کا خیال ہے بس اسے تو اپنے خوابوں کا شہزادہ چاہیے، چاہے میری جان ہی نکل جائے۔'' ایان نے کہا۔

''پھر اب کیا چاہتے ہو؟'' احسن نے اپنی ہنسی کو بامشکل روکتے ہوئے پوچھا۔

''میں کیا چاہ سکتا ہوں، جب گھر جاتا ہوں تو ڈیک پر سلمان خان کی فلموں کے گانے بج رہے ہوتے ہیں۔ اس کے سامنے مجھے اس کے پسندیدہ ہیرو جیسا لباس پہننا پڑتا ہے یہاں سے تھکا ہوا جاؤں تو گھر پر بیوی کو خوش کرنے کے لیے نئی نئی حرکتیں کرنا پڑتی ہیں اور یہ سب میرے مزاج کے خلاف ہے۔'' ایان نے کہا۔

''دیکھو ایان...... کچھ دن ٹھہر جاؤ، ہوسکتا ہے کہ ارزانش کو خود اپنی غلطی کا احساس ہوجائے۔'' احسن نے اسے سمجھایا۔

''نہیں...... اب میری برداشت سے باہر ہوگیا ہے۔'' ایان نے کہا۔

''ایان یار...... کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ سلمان خان کو اس حد تک پسند کرتی ہو کہ ذہنی مریضہ بن گئی ہو کیونکہ تم جو باتیں بتا رہے ہو وہ کسی نارمل انسان سے تو متوقع نہیں کی جاسکتیں۔''

''اور اگر ایسا ہے احسن تو میری تو ساری زندگی تباہ ہوگئی۔'' ایان نے کہا۔

''نہیں...... ایسے کیسے تباہ ہوگئی زندگی، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے۔''

''اس مسئلے کا کیا حل ہے؟ وہ تو کسی کی بات سنتی ہی نہیں۔'' ایان نے مایوسی سے کہا۔

''اسے کسی بہانے سے کسی اچھے ماہر نفسیات کو دکھاؤ۔'' احسن نے مشورہ دیا۔

''تم کیا سمجھتے ہو وہ اس پر راضی ہوجائے گی؟'' ایان نے کہا۔

''بھئی کوئی بہانہ بنادینا، چلو یوں کرتے ہیں کہ میرا ایک ڈاکٹر جاننے والا ہے وہ بہت اچھا ماہر نفسیات ہے پہلے ہم اس سے ملتے ہیں اور سارا معاملہ اس کو سمجھاتے ہیں۔'' احسن نے کہا تو ایان فوراً راضی ہوگیا پھر وہ دونوں آفس کے بعد ڈاکٹر اسلم کے پاس چلی آئے اور اسے ساری صورت حال سمجھائی اور اس سے درخواست کی کہ وہ ایان کی موجودگی میں ہی ارزانش سے ملے اور ایان کو چیک کرنے کے بہانے ارزانش کو چیک کرے اور پھر بتائے کہ اگر ارزانش کو کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے تو اس کا حل کیا ہے پھر ڈاکٹر سے دو دن بعد کا اپائنمنٹ لے کر وہ آ گئے۔ اس روز منصوبے کے مطابق احسن ایان کے ساتھ اس کے گھر گیا تاکہ ایسی صورت حال پیدا کی جائے کہ ارزانش کو ڈاکٹر اسلم کے پاس جانے کے لیے رضامند کیا جاسکے۔

''ارزانش...... یہ میرا بہت اچھا دوست ہے احسن، میں اکثر تم سے اسی کی باتیں کرتا رہتا ہوں آج سوچا تم سے ملوا بھی دوں۔'' ایان نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ......'' ارزانش نے مختصر سا جواب دیا۔

''کیا چائے ملے گی؟'' ایان نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں، میں ابھی لاتی ہوں۔'' ارزانش نے کہا اور کچن کی طرف چلی گئی۔

''یار وہ بہت چالاک ہے بات ایسے کرنا کہ اسے ہم پر شبہ نہ ہو۔'' ایان نے احسن سے سرگوشی کی۔

''تم فکر ہی نہ کرو۔'' احسن نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا' کچھ ہی دیر میں ارزانش چائے لے کر آ گئی۔ وہ دونوں ٹی وی دیکھ رہے تھے لیکن ارزانش نے آتے ہی ٹی وی بند کر دیا اور ڈیک آن کر دیا تھا۔

دوپٹہ تیرا...... دوپٹہ تیرا نو رنگ دا

ہائے نی میرا دل منگ دا

''ارزانش ہم خبریں دیکھ رہے تھے۔'' ایان نے برا ماننے والے انداز میں کہا۔

''ارے ہر وقت ایک ہی جیسی خبریں تو آتی ہیں۔'' ارزانش نے ہنس کر کہا۔

''اچھا ذرا ڈیک کی آواز دھیمی کرو۔'' ایان نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو ارزانش نے ناگواری سے ڈیک کی آواز کم کر دی۔

''احسن...... آپ ہی انہیں سمجھائیں' یہ میری تو بالکل نہیں سنتے۔'' ارزانش نے شکایتی لہجے میں احسن سے کہا۔

''کیا سمجھاؤں؟'' احسن نے پوچھا۔

''بس ہر وقت میری ہر بات کی مخالفت کرتے ہیں اور سلمان خان سے تو جیسے انہیں چڑ ہے۔''

''سلمان خان سے...... بھلا کیوں؟ وہ تو بہت اچھا اداکار ہے۔'' احسن نے کوشش کی کہ ارزانش کی مرضی کی بات کرے اس کی بات سے ارزانش کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی تھی۔

''وہی تو...... میں بھی یہی کہتی ہوں۔'' ارزانش نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''بھئی کوئی پاگل ہی ہوگا جو سلمان خان کو پسند نہ کرے۔'' احسن نے مزید نمبر بڑھانے کی کامیاب کوشش کی۔

''پاگل...... ہاں تم ٹھیک کہتے ہو احسن۔'' ارزانش کے دماغ میں احسن کی بات فوراً سما گئی اور وہ ایان کی طرف مڑی۔

''بس ایان...... کل ہم کسی اچھے ماہر نفسیات سے ملیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''حیرت ہے مجھے پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔'' اس نے تعریفی انداز میں احسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے' آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' احسن نے اسے مزید خوش کرنے کے لیے کہا۔

''آپ کسی اچھے ماہر نفسیات کو جانتے ہیں؟'' ارزانش نے احسن سے پوچھا۔

''ہاں میرا ایک دوست ہے' بہت اچھا ڈاکٹر ہے۔'' احسن نے کہا اسے توقع نہیں تھی کہ ان کا مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہو جائے گا۔

''ٹھیک ہے تو کل ہم تمہارے اس دوست ڈاکٹر سے ملیں گے اور ایان کا چیک اپ کروائیں گے۔'' ارزانش نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں کل نہیں' کل مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ پرسوں ایان کے ساتھ ہی یہاں آ جاؤں گا پھر ہم سب ساتھ ہی چلیں گے۔'' احسن نے بہانہ بنایا کیونکہ وہ مقررہ اپائنمنٹ پر ہی ڈاکٹر اسلم سے ملنا چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' ارزانش نے کہا ایان حیران تھا کہ کتنی آسانی سے ان کا مسئلہ حل ہو گیا' پھر وہ ارزانش کے ساتھ ڈاکٹر اسلم سے ملے اور اس نے ارزانش کے سامنے ہی ایان سے بہت سے سوالات کیے تھے۔

''میں کچھ دیر کے لیے آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر اسلم نے ارزانش سے کہا۔

''مجھ سے...... مجھ سے کیوں؟'' ارزانش نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''دراصل آپ ان کی بیوی ہیں اس لیے ان کے بارے میں کچھ اہم سوالات میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' ارزانش نے کہا اور ایان' احسن کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔

''شکر ہے احسن...... ہم یہاں تک تو کامیاب ہوگئے ہیں۔'' ایان نے باہر نکل کر احسن سے کہا۔

''ہاں ایان...... میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید ہم ارزانش کو ڈاکٹر کے پاس نہ لاسکیں کیونکہ اس کا تیار ہونا ناممکن تھا لیکن یہ کام تو بہت آسانی سے ہوگیا۔ بس اب دعا کرو کہ ڈاکٹر اسلم' ارزانش کا مسئلہ بھی حل کردے۔'' ایان نے کہا۔

''وہ کردے گا' وہ بہت اچھا ڈاکٹر ہے۔'' احسن نے کہا۔

''اور اگر وہ نہیں کرسکا یا ارزانش کو ہم پر ذرا بھی شک ہوگیا تو پھر وہ ہم پر کبھی بھروسہ نہیں کرے گی۔'' ایان نے کہا۔

''نہیں تم اطمینان رکھو' ایسا نہیں ہوگا۔'' احسن نے اسے تسلی دلائی۔ کچھ ہی دیر میں ارزانش واپس آگئی تھی اس کے چہرے کی تاثرات سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہ کچھ برہم ہے۔

''حیرت ہے' علاج تمہارا کرنا ہے اور بیڈ پر اس نے مجھے لٹادیا اور پھر مجھے ہپناٹائز کرکے سلا بھی دیا۔'' ارزانش نے ناراضگی سے کہا۔

''ارے نہیں ارزانش! ایسا اس نے تم سے سوالات پوچھنے کے لیے کیا ہوگا۔'' ایان نے سمجھانے والے انداز میں اس سے کہا تو اس نے شکی نظروں سے ایان کی طرف دیکھا۔

''بہرحال مجھے یہ ڈاکٹر پسند نہیں آیا۔'' ارزانش نے کہا پھر وہ سارے راستے کچھ نہیں بولی اور ایان اور احسن کو اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ برہم ہے۔ گھر پہنچنے کے بعد ارزانش نے ایان پر کوئی تنقید نہیں کی اس کا رویہ یک دم اچھا ہوگیا تھا اس نے بڑی محبت سے اس کے لیے کھانا نکالا اور اس کے ساتھ ہی کھایا تھا۔

''تمہیں ڈاکٹر سے کیا پرابلم ہے۔'' ایان نے اس سے پوچھا۔

''ہم اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کریں گے۔'' ارزانش نے سخت لہجے میں کہا تو ایان بھی چپ ہوگیا۔ پھر کئی روز تک ان دونوں کے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ارزانش پہلے سے بہت زیادہ اس کا خیال رکھنے لگی تھی اب وہ سلمان خان کے گانے بھی نہیں سنتی تھی اور نہ ہی ایان سے پھر فٹنس سینٹر جانے کی بات کی تھی۔ وہ حیران تھا کہ یہ تبدیلی کیسے آگئی ہے یا یہ کہ ڈاکٹر نے اس سے ایسا کیا کہہ دیا ہے کہ وہ بالکل بدل گئی ہے۔ اس نے ایک روز احسن سے بھی اس بات کا ذکر کیا تو احسن نے اسے ایک اور نئی بات بتائی۔

''ایان...... میں ڈاکٹر اسلم سے ملا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے ارزانش کا معائنہ بہت توجہ سے کیا اور پتا چلا کہ وہ بچپن سے سلمان خان کی دیوانی ہے ایسے لوگ ذہنی مریض تو ہوتے ہیں لیکن لوگوں کے سامنے کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے جس سے انہیں ذہنی مریض سمجھا جائے لیکن اگر انہیں ان کی مرضی کے نتائج نہ ملیں یا وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام ہوجائیں تو وہ خطرناک حد تک جاسکتے ہیں یعنی وہ کسی کی جان لے سکتے ہیں وہ کسی حالت میں بھی اپنے مقصود کو نہیں چھوڑ سکتے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو احسن؟ تم نے تو مجھے ڈرادیا۔'' ایان نے کہا۔

''لیکن ضروری نہیں کہ ارزانس اس حد تک جائے وہ تو بالکل نارمل ہے۔'' احسن نے کہا۔

''ہاں' اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا ہوگیا ہے اور اب وہ سلمان خان کے گانے بھی نہیں سنتی۔ میرا بہت خیال بھی رکھتی ہے' میں حیران ہوں یہ تبدیلی اس میں اچانک کیسے آگئی۔ ابھی تو ہم دوسری میٹنگ کے لیے ڈاکٹر کے پاس گئے بھی نہیں۔'' ایان نے حیرت سے کہا۔

''بس اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔'' احسن نے جواب دیا۔ ایان مطمئن ہوگیا تھا کہ بغیر کسی پرابلم کے اس کی ارزانش نارمل ہوگئی تھی اس روز گھر پہنچنے پر ارزانش نے اس کو اس کی پسند کا کھانا دیا تھا۔

''میں نے خاص طور سے پکایا ہے آپ کے لیے۔''

اس نے محبت سے کہا اور اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ "کھانا کھالیں پھر آپ کے لیے سویٹ ڈش بھی ہے۔" ارزانش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ بھئی آج کیا خاص بات ہے؟" ایان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں، بس آج میں بہت خوش ہوں۔" ارزانش نے جواب دیا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ ایان کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھی تھی اور دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی تھی۔

"اچھا چلو اب بہت رات ہوگئی ہے، صبح آفس بھی جانا ہے۔" ایان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" ارزانش بھی کھڑی ہوگئی۔

"آپ بیڈ روم میں چلیں میں آپ کے لیے دودھ لے کر آتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہیں...... دودھ......! اس سے پہلے تو تم نے کبھی......" ایان کی بات مکمل ہونے سے پہلے اس نے ایان کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کردیا تھا۔

"ضروری نہیں کہ اگر کوئی کام پہلے نہیں کیا گیا تو کبھی بھی نہ کیا جائے۔" اس نے کہا۔

ایان لباس تبدیل کر کے بیڈ پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر میں ارزانش اس کے لیے گلاس میں دودھ لے آئی تھی۔

"لاؤ بھئی تمہاری یہ فرمائش بھی پوری کردیں۔" ایان نے اس کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لیتے ہوئے کہا اور ارزانش مسکرانے لگی۔

دودھ پینے کے بعد ایان نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔ پھر اس کی آنکھ اسپتال میں کھلی تھی وہ بیڈ پر لیٹا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ڈرپ لگی تھی اور منہ پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا اور اس کے سرہانے اس کا دوست احسن کھڑا تھا جس کے چہرے پر پریشانی نظر آرہی تھی۔ ایان کو بہت نقاہت محسوس ہورہی تھی اس نے آنکھیں دوبارہ بند کرلی تھیں۔ چند گھنٹوں بعد پھر اس نے آنکھیں کھولی تھیں اس بار اس کے منہ پر آکسیجن ماسک نہیں تھا احسن قریب ہی کرسی پر بیٹھا تھا اس نے سوالیہ نظروں سے احسن کی طرف دیکھا۔

"شکر ہے ایان...... تم ٹھیک ہو۔" احسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں...... یہاں...... کیسے؟" ایان نے بمشکل پوچھا۔

"بس شکر کرو کہ تم بچ گئے ہو باقی میں تمہیں پھر بتاؤں گا۔" احسن نے کہا۔

"ارزانش کہاں ہے؟" اس سے پوچھا۔

"وہ...... یہاں نہیں ہے۔" احسن نے جواب دیا اسی وقت ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا اور ایان کا ہسٹری چارٹ اٹھا کر دیکھنے لگا۔

"اب ان کی طبیعت بہتر ہے، یہ خطرے سے باہر ہیں۔" اس نے احسن سے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے ڈاکٹر صاحب...... آپ لوگوں نے بہت محنت کی ہے۔" احسن نے کہا۔

"کوئی بات نہیں، یہ ہمارا فرض ہے۔" ڈاکٹر نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

"مجھے کیا ہوا ہے احسن مجھے بتاؤ؟" ایان نے پوچھا۔

"ایان...... تمہاری ارزانش تمہیں چھوڑ گئی ہے۔" احسن نے کہا۔

"کیا...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟ یہ نہیں ہوسکتا وہ تو مجھ سے خوش تھی۔" ایان نے رک رک کر کہا۔

"ہاں وہ تم سے خوش تھی تبھی اس نے دودھ میں ڈھیر ساری نیند کی گولیاں ڈال کر تمہیں وہ گلاس دیا تھا، وہ تو میں اتفاق سے تمہارے گھر پہنچا تو گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ارزانش گھر میں نہیں تھی اور تم اپنے بیڈ روم میں موت اور زندگی کی کشمکش کے درمیان بے ہوش پڑے تھے میں نے چیک کیا تو تمہاری نبض بھی بہت آہستہ چل رہی تھی تبھی میں ایمبولینس منگوا کر تمہیں یہاں لایا۔ تمہیں پتا ہے تمہیں دو دن کے بعد ہوش آیا ہے۔ ڈاکٹر تو تمہیں ایڈمٹ ہی نہیں کررہے تھے، میں نے بہت منت سماجت

کی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پہلے پولیس رپورٹ لکھوائی جائے میں نے یہی کہا کہ میں رپورٹ میں کیا لکھواؤں گا۔ میں کچھ نہیں جانتا تمہارے ہوش میں آنے پر ہی پتا چلے گا کہ کیا ہوا ہے پھر ڈاکٹرز کے کہنے پر تمہارے گھر سے کھانے کے نمونے بھی لیے گئے لیکن وہ ٹھیک تھا تمہارے بیڈ روم سے دودھ کا خالی گلاس ملا تھا اس میں چند قطرے دودھ تھا اس کے ٹیسٹ پر پتا چلا کہ اس میں نیند کی گولیوں کی بہت زیادہ آمیزش تھی۔"

"اوہ میرے خدایا...... میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ ارزانش اس حد تک جاسکتی ہے؟" ایان نے دکھ سے کہا۔

"ابھی کچھ دیر میں پولیس آتی ہوگی کیونکہ انہیں تمہارا بیان لینا ہے ڈاکٹر نے تمہارے بارے میں انہیں اطلاع دے دی تھی۔" احسن نے کہا تو ایان پریشان ہوگیا۔

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ ارزانش پر کوئی آنچ آئے۔" اس نے کہا۔

"اب مزید کوئی حماقت کرنے کی ضرورت نہیں ہے ایان...... پولیس کو ساری بات سچ سچ بتا دینا۔" احسن نے اسے سمجھایا اور پھر ایان نے پولیس کو شروع سے آخر تک ساری کہانی سنادی تھی پولیس نے ارزانش کے گھر والوں سے رابطہ کیا لیکن وہ وہاں نہیں تھی پھر جہاں جہاں اس کی موجودگی ممکن ہوسکتی تھی اسے ڈھونڈا گیا لیکن وہ نہیں ملی، چند روز بعد ایان کی اسپتال سے چھٹی ہوگئی تھی احسن نے دوستی کا حق ادا کردیا تھا اس نے ایان کا بہت خیال رکھا تھا۔

اسپتال سے فارغ ہونے کے چند دن بعد ایان دفتر بھی جانے لگا تھا لیکن احسن ایان کے لیے بہت پریشان تھا وہ حیران تھا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔

"ایان...... ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے آس پاس ہی کہیں موجود ہو؟" ایک دن احسن نے اس سے کہا تو وہ چونکا۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"دیکھو تمہیں نیند کی گولیاں دینے کے بعد اگر وہ گھر سے بھاگ بھی گئی ہے تب بھی اس نے یہ خبر ضرور رکھی ہوگی کہ اس کا وار کامیاب ہوا ہے یا نہیں اور اب تک اسے یہ بھی پتا چل گیا ہوگا کہ تم بچ گئے ہو۔ وہ یقیناً تمہارے آس پاس کہیں موجود ہوگی اور اگلے موقع کا انتظار کررہی ہوگی کیونکہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی ہے اور اب اسے یہ بھی پتا چل گیا ہوگا کہ پولیس اسے ڈھونڈ رہی ہے۔ وہ تمہیں ایک بار پھر راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گی۔" احسن نے کہا اور ایان کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

"نہیں احسن...... ایسا نہیں ہوسکتا۔" ایان نے کہا۔

"بچوں والی باتیں مت کرو ایان۔" احسن نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے، دیکھو پاکستان میں بہت عرصے بعد سلمان خان کی فلم لگ رہی ہے "پارٹنر" اس فلم نے انڈیا میں بھی کامیابی کے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ مجھے امید ہے وہ کہیں بھی چھپی بیٹھی ہوگی وہ یہ فلم دیکھنے ضرور آئے گی، کل فلم کا افتتاح ہورہا ہے۔"

"پھر......؟" ایان نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"ہم پولیس کی مدد سے اسے گرفتار کرواسکتے ہیں۔" احسن نے کہا۔

"لیکن احسن......"

"لیکن ویکن کچھ نہیں، تمہیں کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ میں خود سب سنبھال لوں گا، بس تم آفس آجانا اور میں چھٹی کرکے یہ کام کرواؤں گا۔" احسن نے فیصلہ سنادیا پھر اس نے یہی کیا۔ ایان تیار ہوکر دفتر گیا اور احسن پولیس اسٹیشن، وہاں اس نے پولیس کو ساری صورت حال سمجھائی اور انسپکٹر نے ضروری کمک ساتھ لی اور پہلا شو شروع ہونے سے پہلے اس سینما پہنچ گئے تھے جہاں وہ فلم لگنے والی تھی۔ پولیس کے جوان جگہ جگہ پہرہ دے رہے تھے لیکن وہ سادہ لباس میں تھے۔

احسن انسپکٹر کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھا تھا وہ بھی پرائیوٹ گاڑی تھی اور وہ انسپکٹر بھی وردی میں نہیں

تھا۔ پہلے اور دوسرے شو میں انہیں مایوسی ہوئی تھی لیکن تیسرے شو میں رات نو بجے کے قریب احسن نے دور سے ارزانش کو سینما گھر کی طرف آتے دیکھا تو اشارے سے انسپکٹر کو دکھایا اور انسپکٹر نے اپنے کارندوں کو وائرلیس پر خبردار کردیا تھا اس نے ارزانش کا حلیہ انہیں بتادیا تھا پھر چند لمحوں ہی میں ارزانش کو گرفتار کرلیا گیا اور پولیس اسٹیشن لے جایا گیا تھا احسن انسپکٹر سے کل پولیس اسٹیشن آنے کا وعدہ کرکے ایان کے گھر چلا گیا تھا۔

''ایان...... اسے گرفتار کرلیا گیا ہے۔'' احسن نے خوش ہوتے ہوئے ایان کو بتایا تو چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''کیا......؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''ہاں' ہم صبح سے وہاں انتظار کررہے تھے وہ رات نو بجے کا شو دیکھنے آئی تھی۔ میں نے اس کی شناخت کی اور انسپکٹر نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اسے گرفتار کرلیا' اسے پولیس اسٹیشن لے گئے ہیں۔'' احسن نے بتایا تو ایان فوراً کھڑا ہوگیا۔

''تو پھر چلو' مجھے اس کے پاس لے چلو۔'' ایان نے کہا۔

''نہیں' ابھی نہیں...... پولیس کو اس سے پوچھ گچھ کرلینے دو' ہم صبح چلیں گے۔'' احسن نے اسے سمجھایا۔

''جو کچھ بھی ہوا ہے احسن...... وہ اچھا نہیں ہوا۔'' ایان نے دکھ سے کہا۔

''ہاں اچھا نہیں ہوا اگر اتفاق سے اس دن میں تمہیں لینے نہ آجاتا تو ارزانش نے تو اپنا کام کر ہی دیا تھا۔'' احسن نے کہا۔

''وہ جو کچھ بھی ہوا لیکن اب کیا کرنا ہے؟'' ایان نے پوچھا۔

''اب ہمیں کچھ نہیں کرنا ایان...... جو کرنا ہے پولیس کو کرنا ہے۔'' احسن نے کہا۔

''وہ تو اب ٹھیک ہوگئی تھی۔'' ایان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ ٹھیک نہیں ہوئی تھی ایان...... وہ تم پر اپنا اعتماد بحال کرنے میں لگی ہوئی تھی اور اس میں کامیاب بھی ہوگئی۔'' احسن نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''پتا نہیں مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے اس کے ساتھ زیادتی ہورہی ہے۔'' ایان نے کہا وہ پریشان نظر آرہا تھا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' احسن نے جرح کی۔

''میں نہیں جانتا لیکن اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بچپن سے اپنی تخیلات میں رہنے کی عادی تھی اسے جو چیز پسند آجاتی تھی وہ اسے حاصل کرلیتی تھی۔ ماں باپ نے بھی اس کے خوب ناز نخرے اٹھائے تھے پھر کالج میں آنے تک سلمان خان اس کا آئیڈیل بن گیا اس نے بہت سے رشتے اسی چکر میں ٹھکرادیئے کہ وہ اس کے آئیڈیل سے مماثلت نہیں رکھتے تھے آخرکار اس کی ماں نے اسے سمجھایا کہ وہ زندگی کی حقیقت کو تسلیم کرلے اگر اس کے مقدر میں ہوا تو اسے اپنے سپنوں کا راجہ مل جائے گا یا اس کی خواہش کے احترام میں خیالوں کے مطابق ڈھل جائے گا۔''

''تو اس لیے وہ تمہیں سلمان خان بنانے کے لیے کوشش کررہی تھی۔'' احسن نے کہا۔

''ہاں اور جب اسے اپنا مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آیا تو اس نے مجھے نیند کی گولیاں دے دیں۔'' ایان نے کہا۔

''کچھ بھی ہو' اب معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔'' احسن نے کہا۔ ''اچھا اب میں چلتا ہوں اور تم صبح تیار رہنا میں نو بجے آؤں گا اور ہم دونوں ارزانش سے ملنے پولیس اسٹیشن جائیں گے۔''

دوسرے دن احسن مقررہ وقت پر ایان کے گھر پہنچ گیا تھا جب وہ دونوں پولیس اسٹیشن پہنچے تو انسپکٹر کو اپنا منتظر پایا۔

''میں آپ دونوں کا ہی انتظار کررہا تھا۔'' اس نے ایان اور احسن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارزانش تو کسی بھی سوال کا جواب نہیں دے رہی' ہم

نے بہت کوشش کی ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔
"وہ کیا کہتی ہے؟" ایان نے پوچھا۔
"کچھ نہیں، ہر سوال کے جواب میں گانا گانے لگتی ہے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔
"مجھے تو اس کی حالت ٹھیک نہیں لگتی، میرا خیال ہے کہ دماغی طور پر وہ صحت مند نہیں ہے۔"
"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" ایان نے پوچھا۔
"آپ خود دیکھ لیں۔" انسپکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔
پھر وہ دونوں انسپکٹر کے ساتھ ایک دوسرے کمرے میں آئے جہاں سلاخوں کے پیچھے ارزانش زمین پر بیٹھی تھی اس نے وہی لباس پہنا ہوا تھا جو اس رات پہنا تھا جب ایان کو نیند کی گولیاں دی تھی لباس پر بے شمار سلوٹیں تھیں اور وہ میلا ہوگیا تھا اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، گلے میں دوپٹہ بے ترتیب پڑا تھا اور وہ سر جھکائے گنگنا رہی تھی۔

لال دوپٹہ اڑ گیا...... ماہی میرا رس گیا
لال دوپٹہ اڑ گیا...... ماہی میرا رس گیا

"ارزانش......" ایان نے اسے آواز دی تو اس نے چونک کر گردن اٹھائی اس کی طرف دیکھا اور پھر گردن جھکالی۔

لال دوپٹہ اڑ گیا...... ماہی میرا رس گیا

وہ اسی انداز سے گنگنا رہی تھی انداز ایسا ہی تھا جیسے اس نے ایان اور احسن کو پہچانا ہی نہ ہو۔
"ارزانش......" ایان نے دوبارہ اسے آواز دی لیکن اس بار اس نے کوئی رد عمل نہیں دیا۔
"میرا خیال ہے پہلے ان کا دماغی معائنہ کروایا جائے اس کے بعد ہی کوئی کارروائی کی جائے گی۔" انسپکٹر نے کہا پھر وہ دونوں واپس آگئے تھے دوسرے روز ایان کے پاس انسپکٹر کا فون آیا تھا اس نے بتایا کہ ارزانش کو دماغی معائنہ کے لیے ذہنی امراض کے اسپتال بھیج دیا گیا تھا یہ ثابت ہوگیا کہ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ ایان نڈھال ہوکر کرسی پر گر گیا، اس نے قریب رکھا ڈیک آن کردیا تھا جس میں ایان کے لیے لگایا جانے والا گانا بجنا شروع ہوگیا تھا جو ارزانش نے لگایا تھا

لال دوپٹہ اڑ گیا رے میرا ہوا کے جھونکے سے
مجھ کو پیا نے دیکھ لیا ہائے رے دھوکے سے
مانا کہ مجھے دل دے گا وہ
مگر میری جان لے گا وہ

ایان نے آنکھیں بند کرلی تھیں اور اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے۔ اس نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ ارزانش کے خوابوں کا شہزادہ بن سکے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوا تھا اسے ارزانش اچھی لگنے لگی تھی وہ اس کی بیوی تھی اس کی ذمہ داری تھی ساتھ ہی اس کی محبت بھی اور اسے اس وقت ایان کی ضرورت تھی۔ اب وہ سب کچھ بھول کر ہر قیمت پر ارزانش کو بچانا چاہتا تھا، وہ ارزانش کے بغیر خود کو ادھورا محسوس کررہا تھا۔ اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ ارزانش کو دوبارہ اپنی زندگی میں لے کر آئے گا، اس کا علاج کروائے گا اور اپنی اجڑی ہوئی دنیا کو دوبارہ آباد کرے گا۔
دوسری صبح وہ بوجھل قدموں سے اس ذہنی امراض کے اسپتال کی طرف چل دیا جہاں ارزانش داخل تھی اور انسپکٹر نے فون پر اسے اسپتال کا پتا لکھوادیا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے لبوں پر ارزانش کے لیے دعا تھی کہ وہ جلد صحت یاب ہوجائے اور دل جو اس کے لیے دھڑک رہا تھا۔ آج ایان کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ ارزانش کو کتنا چاہتا تھا کہ اس کی ہر خطا معاف کرنے کے لیے تیار تھا اور وہ عاشق نامراد نہیں بننا چاہتا تھا۔

اُجالے تو دے گیا

نفیسہ سعید

وہ جلدی جلدی اپنا ہینڈ بیگ اٹھائی گیٹ سے باہر نکل آئی۔ سامنے روڈ پر رکشہ والا انتظار میں کھڑا تھا لیکن رکشہ کے برابر موجود بائیک اور اس پر بیٹھے شخص کو دیکھتے ہی جویریہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ نیلی شلوار قمیص میں ملبوس اول جلول سے حلیے والا وہ شخص جانے کون تھا جو پچھلے ایک ہفتہ سے جویریہ کو مسلسل پریشان کر رہا تھا زبان سے تو خیر وہ کچھ نہ کہتا مگر اس کی حرکتیں ایسی تھیں جنہیں دیکھ کر بظاہر ایسا لگتا کہ وہ کوئی پاگل یا خبطی انسان ہو مگر جویریہ اندازہ لگا چکی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے وہ ایک اچھا بھلا ہوش مند شخص ہے لیکن وہ یہ حرکتیں کیوں کر رہا تھا اس کی وجہ فی الحال جویریہ کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ابھی بھی وہ پیچ و تاب کھاتی رکشہ میں جا بیٹھی رکشہ اسٹارٹ ہوتے ہی موٹر سائیکل بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی بلکہ اس سے تھوڑا سا آگے اور پھر شروع ہو گیا جو کردن والا روزانہ کا تماشا۔

"اوئے آگے سے ہٹو پتہ نہیں ہے میڈم آ رہی ہے۔" روزانہ استعمال ہونے والا اس کا مخصوص جملہ جو وہ رکشہ کے آگے آنے والی کسی موٹر سائیکل، گدھا گاڑی یا کسی بھی شخص کو دیکھ کر کہتا۔ "اوئے اندھا ہو کر چل رہا ہے ہٹ آگے سے بڑی میڈم جا رہی ہے۔" اس کی آواز سن کر ایک پل کو جویریہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی ریاست کی شہزادی ہو جس کے آگے اس کا خادم لوگوں سے بھرا راستہ خالی کروا رہا ہو۔ دوسرے ہی پل اچانک اس کی نگاہ روڈ کے دائیں طرف کھڑے کچھ لوگوں پر پڑی جو اس کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ یک دم ہی اس کا پارہ ہائی ہو گیا اور وہ رکشہ والے پر چڑھ دوڑی۔

"کیا تماشا ہے، کون ہے یہ بیوقوف آدمی جسے تم روزانہ اپنے ساتھ لگا لاتے ہو۔"

"میں کہاں سے اپنے ساتھ لگا لاتا ہوں جی یہ تو میرے آنے سے پہلے ہی آپ کی گلی کے باہر کھڑا ہوتا ہے۔" رکشہ والے نے اپنا شیشہ درست کرتے ہوئے پیچھے دیکھا جویریہ کو صاف محسوس ہوا وہ بھی مسکرا رہا ہے۔

"ہاں تو تمہارا کام ہے اسے منع کرنا تم تو خود اپنے ساتھ یہ تماشا لیے پھرتے ہو اور خوب خوش ہوتے ہو۔ جیسے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔" ظاہر ہے وہ شخص جو اس سارے تماشے کا موجب تھا۔ اس کی دسترس سے فی الحال دور تھا۔ اس لیے سارا نزلہ قریب موجود غریب رکشہ والے پر ہی گرنا تھا۔

"لو جی وہ کون سا ہمارے رکشہ میں بیٹھ کر یہ سب کر رہا ہے۔ وہ تو باہر روڈ پر ہے اور روڈ پر جاتے ہوئے کسی بندہ کو روک کر سوال جواب کرنا تو ہماری ڈیوٹی نہیں ہے نا۔" اس نے ایک بار پھر شیشے سے پیچھے دیکھا اور جویریہ کے چہرے پر چھائے غصہ کے تاثرات دیکھتے ہی فوراً بولا۔

"جانے دیں باجی! یہ کوئی پاگل ہے ورنہ کوئی ہوش مند آدمی ایسی حرکتیں نہیں کرتا۔" جویریہ نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی سے باہر دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ یہ تماشہ مزید کتنے دن چلے گا آخر کبھی نہ کبھی تو یہ شخص تھک کر خود ہی ہمت ہار جائے گا۔ اپنے دل کو تسلی دیتی وہ رکشہ سے اتر کر اپنے آفس کی بلڈنگ میں داخل ہو گئی۔ نہیں جانتی تھی کہ اس کے دل میں آیا خیال محض خام ہے اور یہ شخص اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑنے والا جس کا اندازہ اسے اگلے دو دن بعد اپنے آفس میں پیش آنے والے واقعہ سے ہو گیا۔

❁......❁......❁......❁

جویریہ ایک بیوہ عورت تھی جس کی عمر لگ بھگ چھتیس

سال تھی۔ شوہر کی وفات کے بعد سے وہ دو بچوں کے ساتھ اپنے بھائی کے ساتھ والے گھر میں رہتی تھی خوش قسمتی سے وہ ایک سرکاری ملازمہ تھی اچھے محکمہ میں اچھی پوسٹ کی بدولت اسے اپنے بچے پالنے کچھ مشکل نہ تھے۔ دونوں بیٹے اچھے اسکول میں زیر تعلیم تھے اور وہ ایک آرام دہ اور فکر معاش سے آزادانہ زندگی گزار رہی تھی کہ جانے یہ انجان شخص کہاں سے آ گیا۔ جس کا مقصد شاید اسے ہراساں کرنا تھا جو بھی تھا وہ یہ سب کچھ اپنے گھر میں کم از کم کسی کو بتا نہ سکتی تھی کیونکہ اس کا چھوٹا بھائی پہلے ہی اس کی نوکری کے خلاف تھا۔ اس طرح انہیں مزید بہانہ مل جاتا جویریہ کو گھر بٹھانے کا جبکہ وہ کسی طور بھی اپنی اتنی اچھی ملازمت چھوڑنا نہ چاہتی تھی یہ ہی سبب تھا جو وہ اس بیوقوف آدمی کی حرکتیں پورے ایک ہفتے سے برداشت کر رہی تھی مگر کیا کرتی مجبوری نے اس کی زبان پر تالے لگا دیئے تھے۔

❁.....❁.....❁.....❁

آج اس کا اسسٹنٹ ہدایت اللہ نہ آیا تھا کل شام کسی ایمرجنسی کی بدولت اسے حیدرآباد جانا پڑ گیا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جویریہ کو آفس کا سارا کام اکیلے ہی ختم کرنا پڑا اور چونکہ آج اتفاق سے آفس میں رش بھی زیادہ تھا۔ جس کے باعث وہ لنچ ٹائم تک اچھی خاصی تھک گئی جیسے ہی لنچ بریک آیا اس نے جلدی جلدی ساری فائلز سمیٹی اور سامنے رکھا فون اپنی جانب بڑھایا تاکہ ایڈمن بلاک میں موجود اپنی دوست عنبرین کو کال کر سکے۔ اس کا ارادہ آج باہر جا کر لنچ کرنے کا تھا مگر قبل اس کے کہ وہ کال ملاتی اس کے آفس کا داخلی دروازہ کھولتا ہوا آفس بوائے سبحان اندر داخل ہوا جس کے ہاتھ میں موجود بازاری لنچ بکس اور کولڈ ڈرنک دیکھ کر جویریہ چونک اٹھی۔ جویریہ کے کسی بھی سوال سے قبل' سبحان نے ہاتھ میں پکڑا باکس اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیا' ساتھ ہی پلاسٹک کی پلیٹ چمچ اور کانٹا بھی جو شاید آفس کے کچن سے لایا تھا۔

''میرا لنچ......؟'' جویریہ نے حیرت سے اپنے سامنے رکھے گئے باکس کو دیکھا جس پر کسی اچھے ریسٹورنٹ کا ٹریڈ مارک جگمگا رہا تھا۔ ''مگر میں نے تو لنچ آڈر نہیں کیا پھر یہ ڈلیوری کیسے ہوئی؟'' وہ سمجھی شاید سبحان کسی کا غلط آڈر اس کے روم میں لے آیا ہے۔

''نہیں جی آپ نے آرڈر نہیں کیا یہ تو آپ کے لئے مشتاق صاحب نے منگوایا ہے۔'' سبحان نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

''کون مشتاق صاحب؟'' جویریہ کو سوچنے سے بھی یاد نہ آیا کہ اس کے آفس میں کوئی مشتاق نامی شخص موجود ہے۔

''وہ جی جو روز آپ کے ساتھ آتے ہیں۔'' سبحان ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔

''میرے ساتھ......!'' ایک دم جویریہ کے ذہن میں چھماکا سا ہوا۔

''کہاں ہیں وہ؟''

''وہ سامنے والے روم میں یونین انچارج کاشف صاحب کے ساتھ ہے۔ آج اس نے یونین کے تمام لوگوں کے لیے لنچ منگوایا ہے بڑا اچھا بندہ ہے جی۔'' وہ جانے اور بھی کیا کہہ رہا تھا مگر جویریہ کا دماغ سن ہونے کے باعث اسے کچھ بھی سنائی نہ دے رہا تھا۔

''اٹھاؤ یہ لنچ یہاں سے۔'' ابھی جانے وہ اور کیا کہتا جویریہ اس کی بات کاٹتے ہوئے چلائی۔ سبحان ڈر گیا جلد سے آگے بڑھ کر لنچ باکس اٹھالیا۔

''دفع ہوجاؤ اور خبردار اگر دوبارہ کبھی تم اس طرح میرے آفس میں بنا میری اجازت میرے لیے کچھ لے کر آئے۔'' سبحان ڈر گیا۔ جلدی جلدی آگے بڑھ کر جویریہ کے ٹیبل پر رکھا سارا سامان اٹھایا اور دم دبا کر بھاگ گیا جبکہ جویریہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا کر وہیں بیٹھی رہ گئی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ بندہ جس کا ابھی ابھی سبحان نے مشتاق نام بتایا اس سے کیا چاہتا ہے لیکن یہ ضرور تھا کہ ہر گزرتا دن اس شخص کے حوالے سے جویریہ کی پریشانی میں اضافہ کررہا تھا۔

اور پھر مشتاق جیسے اس کے آفس کا ایک حصہ بن گیا۔ کبھی کاریڈور اور کبھی یونین کا آفس اس کے بیٹھنے کی جگہ بن گئیں اکثر وہ آفس گیٹ کے باہر بیٹھے پولیس اہلکاروں کے ساتھ بھی نظر آتا یہاں تک کہ جویریہ جب بھی کسی دوسرے سیکشن میں جانے کے لیے اپنے آفس سے باہر نکلتی تو مشتاق کو یہاں وہاں موجود پاتی' پھر وہ ایک دن یونین کے صدر کاشف کے سامنے گرم ہوگئی جب اسے پتہ چلا کہ مشتاق اس کے ساتھ نیچے گودام میں بیٹھ کر چرس پیتا ہے یہ خبر ملتے ہی وہ یونین آفس جا پہنچی۔

''تم نیچے گودام میں چرس پیتے ہو؟'' کاشف کے سامنے جاتے ہی اس نے کھٹاک سے سوال کیا۔

''خیریت ہے میڈم آج آپ میرے آفس کیسے آگئیں؟'' اس کے سوال کو قطعی نظر انداز کرتا کاشف قدرے لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

''میرے سوال کا جواب دو تم نیچے گودام میں غیر متعلقہ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر چرس پیتے ہو؟''

''غیر متعلقہ میں صرف آپ کے مشتاق صاحب آتے ہیں اگر ان کے چرس پینے پر آپ کو اعتراض ہے تو بخدا آج ہی منع کردوں گا۔'' کاشف نے اس کی بات کو اپنے مطلب کے رنگ میں ڈھال لیا اور مسکراتا ہوا بولا۔

وہ کچھ پزل سی ہوگئی سمجھ میں نہ آیا کہ اب کیا کہے یہ ہی وجہ تھی جو مزید کوئی تکرار کیے بغیر وہ وہاں سے نکل کر عنبرین کے سیکشن میں آگئی تاکہ اپنا سارا مسئلہ اس سے ڈسکس کرسکے کیونکہ وہ نہ صرف اس کی اچھی دوست تھی بلکہ اس کا دیا ہوا مشورہ بھی بہترین ہوتا۔ ابھی بھی اس کی بات سنتے ہی وہ فوراً بول اٹھی۔

''میرا خیال ہے پہلی فرصت میں تم اپنی گاڑی خریدلو۔''

''میں گاڑی نہیں رکھ سکتی تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرے دونوں بیٹے ابھی کم سن ہیں' بھائی پہلے ہی مکان' راشن اور ان کے اسکول کے حوالے سے کئی جگہ میرے کام آتے ہیں اب ایسے میں ایک گاڑی لینا پھر اس گاڑی کے تحت پیدا ہونے والی کسی بھی صورت حال پر ان لوگوں کی منتیں کرنا میرے لیے ناممکن ہے اور رکشہ ویسے بھی گاڑی کے مقابلے میں مجھے زیادہ آسان سواری لگتی ہے۔ میں اکیلی عورت گاڑی کا جھنجھٹ نہیں پال سکتی۔''

''تو پھر ایسا ہے کہ واپسی میں' تمہیں میں ڈراپ کردیا کروں گی کیونکہ تمہیں گھر جاتے جاتے شام ہوجاتی ہے' ایسے میں میرے ساتھ چونکہ ڈرائیور ہوتا ہے تو کم از کم تمہارا واپسی کا سفر کچھ تو پریشانی سے دور ہوجائے گا۔'' اس صورت حال میں عنبرین کو بھی سمجھ نہ آرہا تھا کہ وہ جویریہ کو کیا مشورہ دے فی الحال اس کی بات سن کر جویریہ بھی خاموش ہوگئی لیکن آنے والے چند روز اس کی پریشانی مزید بڑھا گئے۔

❁......❁......❁......❁

''ماما میرا پوائنٹر ختم ہوگیا ہے۔'' جویریہ رات کا کھانا

ٹیبل پر لگا رہی تھی جب اس کے چھوٹے بیٹے عبدالمعیز نے اسے پکارا۔

"صبح اسکول سے لے لینا۔" جویریہ نے جواب دینے سے قبل گھڑی پر ایک نظر ڈال کر ٹائم دیکھ لیا تھا تقریباً ساڑھے دس ہو چکے تھے' اسٹیشنری کی دکان ان کے گھر سے خاصی دور تھی۔

"مگر میرا تو ابھی ہوم ورک باقی ہے۔" سات سالہ عبدالمعیز نے اندر سے جواب دیا۔ "اچھا چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں عبدالمقید گیٹ کی کنڈی لگا لو ہم ابھی آ رہے ہیں۔" عبدالمقید اور عبدالمعیز دونوں جڑواں تھے۔ عبدالمقید نے اپنے کارٹون دیکھنے کا عمل چند منٹ کے لئے منقطع کر کے بمشکل باہر کی کنڈی لگائی جویریہ نے عبدالمعیز کا ہاتھ تھاما اور آہستہ آہستہ چلتی اسٹیشنری شاپ تک پہنچ گئی۔

"پوائنٹر کے علاوہ بھی کچھ اور لینا ہے تو لے لو میرے لیے بار بار آنا مشکل ہو جاتا ہے۔" عبدالمعیز کو ہدایت دے کر جیسے ہی وہ پلٹی اپنے پیچھے کھڑے شخص کو دیکھ کر یک دم ساکت ہو گئی اس کے بالکل پیچھے مشتاق کھڑا پورے دانت کھولے مسکرا رہا تھا' وہ فوراً دکان کے کاؤنٹر کی جانب مڑ گئی۔

"پلیز عامر بھائی پہلے مجھے فارغ کر دیں۔" محلے دار ہونے کے باعث وہ اس دکان والے کو جانتی تھی' اس دل گھبرا رہا تھا وہ جلدی جلدی عبدالمعیز کا مطلوبہ سامان لے کر واپس گھر پہنچی' گیٹ کی گھنٹی زور زور سے بجائی اسی دوران وہ پیچھے پلٹ کر بار بار دیکھ رہی تھی گلی کے نکڑ پر وہ ڈھیٹ شخص موجود تھا وہ کیا چاہتا تھا...... اور کیوں یہ سب کر رہا تھا؟ یہ سب سوچ سوچ کر جویریہ کو لگ رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گی اندر داخل ہوتے ہی اس نے عبدالمعیز اور عبدالمقید دونوں کو اپنے پاس بلوایا اور ہدایت کی۔

"اگر میں کبھی گھر پر موجود نہ ہوں تو جب تک میری آواز نہ سنو گیٹ کی کنڈی نہ کھولنا۔" اس ہدایت کے بعد اس نے وین والے کریم بھائی کا نمبر ملایا۔

"کریم بھائی پلیز..... آپ عبدالمعیز اور عبدالمقید کو میرے گھر کا گیٹ کھول کر اندر چھوڑ جایا کریں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔" بچوں کے پاس گھر کی چابی موجود تھی؛ یہ سب ہدایت دے کر وہ کچھ پُرسکون سی ہوئی لیکن اس ساری رات اسے اپنے خواب میں مشتاق آ کر ڈراتا رہا اور مشتاق کے خوف نے اسے ڈھنگ سے سونے بھی نہ دیا اور پھر ایک دن تو مشتاق نے اسے حیران ہی کر دیا۔

❁......❁......❁......❁

آج اتوار تھا۔ صبح سے اپنی کام والی کے ساتھ مل کر سارے گھر کے صفائی کی پھر نہا دھو کر فارغ ہونے کے بعد اپنے دونوں بچوں کے ساتھ بڑے بھائی کی طرف آ گئی۔ کیونکہ آج دوپہر کے کھانے پر اس کی بھابی نے اسے بصد اصرار بلایا تھا اور بچے بھی یہاں آ کر بہت خوش ہوتے تھے بھائی کے گھر پہنچ کر پتہ چلا کہ ڈرائنگ روم میں پہلے سے ہی کوئی مہمان موجود ہے۔

"اندر کون ہے؟" ڈرائنگ روم کا دروازہ بند دیکھ کر اس نے کچن میں کھانا تیار کرتی حمیرا بھابی سے سرسری انداز میں سوال کیا۔

"بابا کے کسی دوست کا بیٹا ہے گورنمنٹ کے کسی اچھے ادارے میں ملازم ہے جانے آج کیسے بابا کا پوچھتا ہوا یہاں ہمارے گھر آ گیا اور اب جب علم ہوا کہ ان کی وفات ہوگئی تو رو پڑا کہہ رہا ہے کہ جب وہ چھوٹا تھا تو بابا ہمیشہ گاؤں اس کے گھر ہی جاتے تھے اور وہ انہیں اپنے باپ کی جگہ سمجھتا تھا۔" جویریہ جانتی تھی کہ اس کے بابا کا تعلق ایک گاؤں سے ہے ان کی کچھ زمینیں بھی تھیں جوان بہن بھائیوں نے بابا کی وفات کے بعد بیچ دی تھیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنے بچپن میں گاؤں ضرور گئی تھی لیکن پڑھائی کا عمل شروع ہونے کے بعد ان کا گاؤں جانا قدرے کم ہوگیا اور پھر دادا جی کی وفات کے بعد تو وہ کبھی بھی نہیں گئی۔

"اچھا....." مختصر جواب دے کر اس نے ٹوکری اٹھائی اور باہر آ گئی تاکہ سلاد تیار کر سکے اسی وقت عبدالمقید دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اس کے ہاتھ میں پانچ ہزار کا نوٹ تھا۔

"یہ مجھے انکل نے دیا ہے۔" ماں کے ہاتھ میں پیسے تھماتے وہ خوشی خوشی بولا۔

"اتنے پیسے....." نوٹ ہاتھ میں لیے وہ حیران ہوگئی اور پھر فوراً جا کر ڈرائنگ روم کا اندرونی جانب کھلنے والا دروازہ بجا دیا اگلے ہی پل اسد بھائی باہر نکل آئے۔

"یہ اتنی ساری رقم عبدالمقید کو کس نے دی؟"

"مشتاق بھائی نے دیئے ہیں پانچ ہزار تمہارے دونوں بچوں کے لیے ہیں رکھ لو گاؤں کا سیدھا سادا آدمی ہے واپس کیے تو ناراض ہو جائے گا۔" باقی ساری باتیں تو ثانوی تھیں اہم وہ نام تھا جو سب سے پہلے جویریہ کے کانوں میں پڑا وہ چونک اٹھی مگر یہ وقت بھائی سے کچھ کہنے کا نہ تھا پہلے وہ دیکھنا چاہتی تھی آیا اس کے دل میں آیا خیال درست ہے یا غلط اور یہ اس وقت ہی ممکن ہو سکتا تھا جب وہ اپنی آنکھوں سے ڈرائنگ روم میں موجود شخص کو دیکھ پاتی۔ اسی لیے ہی وہ جلدی جلدی سلاد کاٹ کر اوپر ٹیرس میں آ گئی جہاں سے ان کے گھر کا داخلی دروازہ صاف دکھائی دیتا تھا؛ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا اور تقریباً پندرہ منٹ بعد ڈرائنگ روم میں موجود شخص باہر نکل آیا؛ جس پر نظر پڑتے ہی جویریہ کے بدترین اندیشے کی تصدیق ہوگئی وہ مشتاق خبطی ہی تھا جو اس وقت بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کے بھائی سے گلے مل کر رخصت ہو رہا تھا۔ جویریہ کا دل چاہا ابھی نیچے جا کر بھائی کے سامنے اس کی حقیقت بیان کر دے مگر وہ ایسا نہ کر سکی کیونکہ وہ ایک مجبور عورت تھی اور ڈرتی تھی کہ کہیں کاشف کی طرح یہاں بھی اس کی بات کو غلط رنگ نہ دے دیا جائے۔ اس لیے خاموشی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی مگر اس کی یہ خاموشی ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے نقصان دے رہی تھی۔ جس کا اندازہ مشتاق کی اپنے بھائی کے ساتھ دوستی دیکھ کر اسے ہوا ضرور مگر وہ سمجھ نہ پائی کہ ساری بات کس طرح کی جائے کہ اس پر کوئی الزام نہ آئے اور اسی شش و پنج میں

اسے کئی دن بیت گئے۔

⚙......⚙......⚙......⚙

گزرنے والے دنوں میں اسے علم ہوا کہ مشتاق کسی منسٹر کا خاصا سر چڑھا آدمی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں اس محکمہ میں بھی اس کی خاصی عزت ہے کیونکہ اس کے ذریعے مختلف لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے کام نکلواتے اور ان کے الوسیدھے کرنے کے بہانے وہ سارا دن جویریہ کے آفس کے پاس منڈلاتا رہتا۔ جویریہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ اسے نظر انداز کردے مگر پھر کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ہوجاتا جو اس کا بلڈ پریشر بڑھانے کا سبب بن ہی جاتا۔ ابھی کل ہی اس کا اتفاقیہ طور پر کاشف سے ٹکراؤ ہوگیا۔ اس وقت جب وہ آفس کے اندر داخل ہو رہی تھی کاشف نے اسے دیکھتے ہی فوراً سلام جھاڑا۔

''وعلیکم السلام۔'' مختصر جواب دے کر اس نے چاہا کہ آگے نکل جائے جب اسے کاشف نے وہیں رک جانے پر مجبور کردیا۔

''مبارک ہو میڈم مشتاق صاحب تو آپ کے دور کے رشتہ دار نکل آئے۔''

''اب یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟'' باوجود غصہ کے اس نے اپنا لہجہ پُرسکون رکھا۔

''ارے اس نے خود بتایا ہے شاید آپ کے والد سے اس کے والد کا کوئی رشتہ تھا' آپ لوگ دونوں پیچھے سے ایک ہی گاؤں کے ہیں۔''

''اچھا ہوسکتا ہے مگر مجھے علم نہیں۔'' بلاوجہ الجھنے سے زیادہ بہتر تھا کہ لاعلمی کا اظہار کردیا جائے جو اس نے اس وقت کیا اور خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ ابھی اس بات کو دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ سبحان نے اندر آ کر اطلاع دی۔

''میڈم آپ سے ملنے کوئی خاتون آئی ہیں؟''

''بھیج دو۔'' اس کی ملازمت ایسی تھی کہ کسی بھی وقت کوئی ضرورت مند مرد یا عورت اس سے ملنے آسکتے تھے' سبحان سے کہہ کر وہ اپنے سامنے رکھی فائلیں دیکھنے میں مصروف تھی جب وہ خاتون اندر داخل ہوئی اور اس کے وجود سے اٹھتی تیز پرفیوم کی مہک جویریہ کے نتھنوں میں بری طرح گھسی اس نے سر اٹھا کر دیکھا' قدرے سانولی سی رنگت والی وہ ایک عام سی عورت تھی جو اس کے سامنے رکھی کرسی پر آن بیٹھی۔

''جی فرمائیں......'' جویریہ نے اس کے بیٹھتے ہی اسے مخاطب کیا۔

''مجھے جویریہ صاحبہ سے ملنا ہے؟''

''جی میں جویریہ ہی ہوں۔''

''آپ جویریہ ہیں۔'' خاتون کے لہجہ میں حیرت اتر آئی۔ ''آپ تو خاصی خوب صورت اور ویل ڈریسڈ خاتون ہیں۔'' ستائشی جملوں میں اس کی جو تعریف کی گئی اس میں حیرت کا پہلو زیادہ نمایاں تھا' جویریہ سمجھ نہ سکی کہ وہ خاتون اتنی حیران کیوں ہوگئی مگر اگلے ہی پل اس کی زبان سے ادا ہونے والے جملوں نے جویریہ کو حیرت زدہ کردیا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا آپ جیسی عورت کس طرح مشتاق جیسے مرد سے محبت کرسکتی ہے۔''

''دماغ خراب تو نہیں ہوگیا کیا بکواس کر رہی ہو تم۔'' باوجود غصہ کے اس نے اپنے لہجہ کو حتی الامکان دھیما رکھا تاکہ باہر موجود سبحان کے کانوں تک اس کی گفتگو کا ایک بھی لفظ نہ پہنچنے پائے۔

''میں وہ کہہ رہی ہوں میڈم جو مجھے مشتاق نے بتایا وہ میرا کزن ہے' اس کی بیوی شادی کے دوسرے سال بعد ہی فوت ہوگئی تھی تب سے وہ اسی طرح تن تنہا گھوم رہا ہے مگر اب جانے اسے کیا ہوا وہ آپ کی محبت میں اس بری طرح گرفتار ہوا ہے کہ سب کچھ بھلا بیٹھا ہے بلکہ اس کا تو کہنا یہ تھا کہ...... بہرحال وہ آپ سے شادی کا خواہش مند......'' اس عورت نے اپنا جملہ درمیان میں ہی ادھورا چھوڑ دیا مگر جویریہ سمجھ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہتی تھی ساتھ ہی اسے یہ بھی احساس ہوگیا تھا کہ اس عورت پر بگڑنا بے کار ہے اس نے اسے تحمل سے اپنی بات سمجھانے کا سوچا۔

''دراصل آپ سے مشتاق نے جو کچھ بھی میرے

متعلق کہا وہ غلط ہے مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے لہٰذا براہ مہربانی آپ اسے سمجھائیں ہوسکتا ہے وہ آپ کی بات سمجھ جائے ویسے بھی ہمارے ہاں بیوہ عورت کی دوبارہ شادی کا رواج نہیں ہے۔'' جویریہ کا آخری جملہ سراسر جھوٹ پر مبنی تھا مگر اس وقت اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کس طرح اس عورت کو آمادہ کرے کہ وہ مشتاق سے اس کا پیچھا چھڑادے۔

''ٹھیک ہے میں کوشش کروں گی اسے سمجھانے کی۔''

سامنے بیٹھی خاتون یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔اللہ مشتاق کو ہدایت دے۔''

پھر جویریہ کے لاکھ روکنے کے باوجود نہ رکی اور اس کے آفس سے چلی گئی' مشتاق کا اس طرح کسی عورت کو جویریہ کے پاس بھیجنا' اس پر کم ازکم یہ بات واضح کر گیا تھا کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہ رہا ہے اور اس بات کا اندازہ لگاتے ہی جویریہ کو ہنسی آ گئی۔اس کی نظروں کے سامنے مشتاق کا اول جلول سا حلیہ گھوم گیا بڑھی ہوئی داڑھی' اندر کو دھنسی آنکھیں' کالے ہونٹ' شلوار قمیص کے ساتھ پاؤں میں چپل پھنسائے مشتاق جویریہ جیسی خوب صورت عورت کے عشق میں گرفتار ہوگیا تھا سچ ہے محبت نہیں دیکھتی کہ کس سے ہونے جارہی ہے۔ ہوسکتا ہے اس بات کے بعد جویریہ کا دھیان مکمل طور پر مشتاق سے ہٹ جاتا اگر اس کے بعد وہ اپنی حرکتوں سے باز آجاتا' مگر مشتاق نے اپنی حرکتوں سے جویریہ کو اتنا زچ کیا کہ بحالت مجبوری وہ ایک دن اس کی شکایت لے کر ایم ڈی کے آفس جا پہنچی۔

۞......۞......۞......۞

ایک دن دوپہر میں وہ کسی ضروری میٹنگ میں شرکت کے بعد جب واپس آفس لوٹی تو ٹیبل پر رکھا مٹھائی کا ڈبہ دیکھ کر حیران رہ گئی اسے ایسا بھی لگا جیسے ہدایت اللہ نے اسے اچانک آفس میں داخل ہوتا دیکھ کر مٹھائی چھپانے کی کوشش بھی کی ہے' جس میں وہ بری طرح ناکام ہوچکا تھا۔

''یہ مٹھائی کہاں سے آئی؟'' سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے سرسری سے انداز میں سوال کیا۔

''کاشف کے آفس سے؟''

''کیوں کیا آج کوئی الیکشن تھا یونین کا؟'' عام طور پر یونین آفس سے مٹھائی الیکشن کے بعد ہی آیا کرتی تھی۔

''نہیں وہ کہہ رہا تھا کہ......'' ہدایت اللہ اس کے ساتھ پچھلے آٹھ سالوں سے ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا تھا اس حوالے سے دونوں میں اچھی خاصی دوستی تھی' اس کے جملہ ادھورا چھوڑنے پر جویریہ سمجھ گئی کہ کوئی خاص بات ہے۔

''کیا کہہ رہا تھا کاشف پوری بات بتاؤ رک کیوں گئے ہو......؟''

''یہ مٹھائی مشتاق نے سارے آفس میں بانٹی ہے۔'' اب ہدایت اللہ کو بتانا پڑا کہ مٹھائی بھیجنے والا اصل شخص کون ہے۔

''خبطی مشتاق کہونا؟'' ساتھ ہی وہ ہنس دی۔ ''شادی کرلی ہے کیا اس نے؟''

''پتہ نہیں کیا سین ہے وہ پاگل آدمی تو سب سے کہہ رہا ہے کہ تمہارا اس سے رشتہ طے ہونے والا ہے۔''

''واٹ......'' جویریہ کو حیرت کا ایسا شدید جھٹکا لگا کہ وہ فوراً کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ریلکس یار......'' اس کے شدید ردعمل نے ہدایت اللہ کو پریشان کردیا۔

''ایسی کی تیسی اس پاگل کی' اب یہ مجھ سے نہیں بچے گا۔'' اپنا ہینڈ بیگ اٹھائے وہ آفس سے باہر نکل گئی ہدایت اللہ سمجھ نہ پایا کہ وہ کیا کرنے جارہی ہے' جویریہ آفس سے نکل کر سیدھی ایم ڈی کے آفس جا پہنچی جہاں سامنے کاؤنٹر پر ان کا پی اے امجد موجود تھا۔ امجد اس کا غصہ سے سرخ چہرہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''کیا ہوا میڈم خیریت ہے؟''

''مجھے لغاری صاحب سے ملنا ہے۔ ابھی اسی وقت بہت ضروری کام ہے۔'' وہ شدید غصہ میں تھی جس کا اندازہ امجد کو ہوچکا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے اندر آفس چلا گیا اور پھر ایک ہی سیکنڈ میں واپس آ گیا۔

"چلی جائیں میڈم سر آپ کو بلا رہے ہیں۔" امجد کے گرین سگنل دیتے ہی وہ اندر آفس میں چلی گئی لغاری صاحب پچاس، پچپن کے لگ بھگ ایک کافی سمجھ دار آدمی تھے جو اپنے ادارے میں کام کرنے والی ہر عورت کی بے حد عزت کرتے تھے، جویریہ نے سلام کے بعد ہی مشتاق کے حوالے سے تمام بات ان کے گوش گزار کردی اس دوران وہ مسلسل رو بھی رہی تھی اس کے ہر لفظ نے لغاری صاحب کو حیرت زدہ کردیا' بنا اسے کوئی جواب دیے انہوں نے گھنٹی بجائی اگلے ہی پل امجد اندر آ گیا۔

"صفدر خان کو بلاؤ۔" صفدر ایم ڈی کا ڈرائیور تھا جو غالباً ان کی سیکیورٹی کے فرائض بھی انجام دیتا تھا امجد کے واپس جاتے ہی پانچ منٹ کے بعد تیم شحیم صفدر خان اندر داخل ہوا' ابھی تک جویریہ کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ آخر لغاری صاحب کیا کرنا چاہ رہے ہیں۔ "خان ان بی بی کے ساتھ جاؤ اور جو بندہ یہ تمہیں بتائیں اسے اٹھا کر یہاں میرے آفس لے آؤ۔"

"او کے سر......" خان نے مؤدبانہ انداز میں جھک کر جواب دیا۔

"جویریہ...... یہ میرا خاص آدمی ہے قابل اعتماد اور قابل بھروسہ یہ آپ کے ساتھ جائے گا۔" اب لغاری صاحب اس سے مخاطب ہوئے۔ "آپ صرف اتنی زحمت کریں کہ اس بندے کی نشاندہی کردیں' کون ہے؟ پھر باقی معاملات، ہم بعد میں دیکھتے ہیں۔" لغاری صاحب کی بات سنتے ہی وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

جویریہ ان کا شکریہ ادا کرتی صفدر خان کو ساتھ لیے اپنے ڈپارٹمنٹ آ گئی۔ ہدایت اللہ اس کے ساتھ خان کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ وہ کہاں گئی تھی؟ صفدر خان آفس کے اندر موجود خالی کرسی پر بیٹھ گیا' ابھی اسے یہاں بیٹھے بمشکل پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ حسب عادت بنا اجازت کے مشتاق اپنے مخصوص انداز میں چلتا اندر آفس میں داخل ہوا اور جویریہ کو دیکھتا ہوا ہدایت کی جانب بڑھا اور بڑے اسٹائل سے بولا۔

بشریٰ افضل (بہاولپور)

السلامعلیکم: آج میرے ہاتھوں میں حجاب کا تیسرا شمارہ ہے۔ اس سے پہلے آنچل سے ہمارا پرانا ناطہ ہے اور رہے گا ہمارا آنچل جو ٹھہرا۔ اب ہمارا دل پسند ماہنامہ حجاب ہمارے ہاتھوں میں جگمگا رہا ہے۔ میرا نام بشریٰ افضل ہے جیسا کہ سب جانتے ہیں میں بہاولپور شہر میں رہتی ہوں، بہن بھائیوں میں میرا پانچواں نمبر ہے۔ حجاب اور آنچل میری زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ آنچل کے تو گرویدہ تھے ہی اب حجاب نے بھی اپنی تحریروں اور نئے انداز سے اپنا گرویدہ بنالیا۔ حجاب میں' میں نے عروج ناز نظامی صداکارہ کا انٹرویو بھیجا تھا جو حجاب کے خوب صورت صفحات کی زینت بنا۔ اور میرا مان بڑھا دیا۔ حجاب نے۔ ویسے تو اور میگزین میں بھی لکھتی رہتی ہوں۔ اخبار میں نیوز ایڈیٹر کی جاب کی۔ موسم میں مجھے سردی کا موسم بہت پسند ہے۔ پھلوں میں آم پسند ہے۔ ریڈ رنگ میرا من پسند ہے۔ پھولوں میں گلاب کی خوشبو پسند ہے۔ مجھے غصہ بالکل نہیں آتا اگر آتا ہے تو بہت ہی آتا ہے۔ میرا انٹرویو کیسا لگا۔ پسند آیا تو اپنی آراء سے ضرور آگاہ کیجئے گا۔ آنچل اور حجاب کے لیے خصوصی دعا دن دوگنی رات چوگنی ترقی پائے (آمین)

"ہدایت صاحب میں سب کو پارٹی دے رہا ہوں بتادیں آپ نے کیا کھانا ہے؟ آپ کے لئے بھی منگوادوں۔" اس کا جملہ سنتے ہی ہدایت نے گھبرا کر ایک نظر جویریہ کے سرخ چہرے پر ڈالی اس سے قبل وہ مشتاق کو کوئی جواب دیتا مشتاق جویریہ کی سمت پلٹا۔

"میڈم جی آپ بھی بتادیں کیا کھائیں گی؟ آخر آپ کے اعزاز میں تو سارا اہتمام ہے۔" خاصے لوفرانہ انداز میں ایک آنکھ دباتا وہ جویریہ کو دیکھ کر مسکرایا اور بس پھر ایک لمحہ لگا صفدر خان تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر مشتاق کی گردن اپنی آہنی گرفت میں لے لی۔

"یہ ہی بندہ ہے میڈم۔" وہ مشتاق کو دبوچے جویریہ سے مخاطب ہوا۔ جویریہ نے بمشکل اپنے حلق

میں آیا تھوک نگلا اور ایک غصہ بھری نگاہ سامنے کھڑے مشتاق پر ڈالی۔

"کیا ہو گیا سائیں میری گردن تو چھوڑ دو توڑ دو گے کیا۔" ڈھیٹ مشتاق نے صفدر کی گرفت سے خود کو آزاد کروانے کے لیے پورا زور لگاتے ہوئے دہائی دی' صفدر بنا جواب دیئے اسے گھسیٹتا ہوا باہر نکل گیا اور اگلے پندرہ منٹ بعد جویریہ کو ایم ڈی آفس سے بلاوا آ گیا۔ جب وہ وہاں پہنچی تو دیکھا مشتاق زمین پر بھیگی بلی بنا بیٹھا تھا' جب کہ ایم ڈی کے سامنے کرسی پر کاشف بھی موجود تھا۔

"آ جائیں بی بی۔" لغاری صاحب اپنے مخصوص انداز میں اس سے مخاطب ہوئے۔

"سر...... یہ جو کچھ کرتا ہے اس میں کاشف صاحب کی پوری حمایت شامل ہوتی ہے۔ اس کا ہر عمل ان صاحب کی شہہ پر ہوتا ہے۔" وہ کاشف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ارے میرا نام کیوں لے رہی ہیں بلاوجہ مجھے مت گھسیٹیں۔" کاشف اس کی باتیں سنتے ہی تڑپ اٹھا۔

"اور سائیں میری خطا بھی تو بتائیں مجھے یہاں کیوں بٹھا رکھا ہے۔" کاشف کے بولتے ہی مشتاق نے بھی واویلا مچا دیا۔

"بکواس بند کرو اپنی۔" پیچھے کھڑے صفدر نے ایک زوردار پاؤں اس کی کمر پر مارا۔

"کہاں کام کرتے ہو تم؟" لغاری صاحب نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا جواب میں مشتاق نے جلدی سے اپنے محکمہ کا نام بتا دیا۔

"سر یہ منسٹر اکرام الٰہی کا خاص بندہ ہے بلکہ اس کا کہنا تو یہ ہے کہ اکرم صاحب اس کے کزن بھی ہیں۔" یہ جواب کاشف کی جانب سے آیا تھا۔

"یہ اگر وزیراعظم کا کزن ہو تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے نزدیک سب سے اہم وہ شخص ہے جو میرے آفس میں میرے ساتھ کام کرتا ہے اور خاص طور پر ایک عورت کی عزت میرے لیے ہر بات سے زیادہ اہم ہے گھر سے نکلنے والی ہر عورت ٹائم پاس نہیں ہوتی۔ ان کی عزت کرنا سیکھو تاکہ دوسرے تمہارے گھر میں موجود تمہاری عورتوں کی بھی عزت کریں۔" لغاری صاحب نے کاشف کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں جواب دیا' کاشف شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

"معافی مانگو میڈم سے اور آئندہ کبھی اس آفس میں دوبارہ نظر مت آنا ورنہ تم اور تمہارے یہ یونین والے صاحب دونوں جیل کی ہوا کھاتے نظر آؤ گے۔" لغاری صاحب کے کہتے ہی مشتاق نے ایک نظر جویریہ کے سرخ چہرے پر ڈالی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آواز نہیں آئی صاحب نے کیا کہا ہے؟" اسے اپنی جگہ کھڑا دیکھ کر صفدر نے پیچھے سے ٹوکا دیا۔ جواباً مشتاق خاموشی سے آگے بڑھا اور عین جویریہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"معاف کر دیں میڈیم جی...... آئندہ آپ کو نظر نہیں آؤں گا۔" جویریہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ بھی سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا' جانے اس کی آنکھوں میں ایسا کیا تھا کہ جویریہ گھبرا اٹھی اسے واضح طور پر مشتاق کی آنکھوں میں ایک شیطانی چمک نظر آئی ہو سکتا ہے یہ اس کا وہم بھی ہو لیکن جو بھی تھا یہ طے تھا کہ جویریہ اس وقت مشتاق سے ڈر گئی تھی۔

"اٹس اوکے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اس سے ایک معافی نامہ لکھوا لو ساتھ ہی شناختی کارڈ کی کاپی بھی لگا دو اور اسے آفس میں جمع کرا دو۔" لغاری صاحب نے اپنے سامنے کھڑے امجد کو ہدایت دی۔

"ٹھیک ہے سر۔" امجد نے مودبانہ انداز میں انہیں جواب دیا۔ ساتھ ہی صفدر مشتاق کو بازو سے پکڑ کر باہر لے گیا ان کے کمرے سے باہر نکلتے ہی کاشف بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں جاؤں سر۔"

"ہاں لیکن یاد رکھنا آج کے بعد یہ شخص مجھے اس ادارے میں دوبارہ نظر نہ آئے ورنہ اس کے ذمہ دار

تم ہوگئے۔''

''اوکے سر۔'' نہایت شریفانہ انداز سے کہتا' کاشف کمرے سے باہر نکل گیا۔

''تھینک یو سر...... مجھے سمجھ نہیں آرہا میں آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔'' وہ لغاری صاحب کی صدق دل سے مشکور تھی۔

''شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے بی بی آپ اس ادارے کے اندر ہماری ذمہ داری ہیں اور اگر یہاں کوئی آپ کے ساتھ غلط حرکت کرتا ہے تو یہ بات ہمارے لیے باعث شرم ہے کہ ہم اپنی بہن' بیٹیوں کی حفاظت نہیں کرسکتے۔'' جویریہ واپس اپنے آفس میں آگئی' اس کے بعد اسے کبھی بھی وہاں مشتاق دوبارہ نظر نہ آیا' ظاہری طور پر تو وہ اس کی زندگی سے نکل چکا تھا کبھی کبھی تو اسے ایسا لگتا جیسے اس نے مشتاق نامی کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا لیکن اس کے سر پر سوار مشتاق کا بھوت آہستہ آہستہ غائب ہورہا تھا جب اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے مشتاق کو اس کی زندگی میں ایک بار پھر لا کھڑا کیا۔

جویریہ کچھ دنوں سے کافی پریشان تھی جس کی وجہ اس کا حالیہ ہونے والا ٹرانسفر تھا جو ایک ایسے دور دراز علاقے میں ہوگیا تھا جو نہ صرف اس کے گھر سے خاصا دور تھا بلکہ وہاں اکثریت مردانہ اسٹاف کی تھی اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ علاقہ دہشت گردی اور ڈکیتی و رہزنی کے معاملے میں بھی خاصا بدنام تھا' ٹرانسفر آرڈر وصول کرنے سے پہلے جویریہ نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ کسی طرح اپنا متوقع ٹرانسفر رکوا سکے مگر فی الحال اسے کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی اور اُمید تھی کہ آنے والے ماہ تک اسے وہاں بھیج دیا جائے گا جویریہ کو محسوس ہورہا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو اسے شاید اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے گے کیونکہ وہ کسی بھی صورت وہاں جا کر ملازمت جاری نہ رکھ سکتی تھی وہ اسی شش و پنج میں گرفتار تھی کہ اگلا ماہ آگیا اس کے سیکشن کے توصیف صاحب کا ٹرانسفر آرڈر آگیا جسے دیکھ کر وہ یوں ہی بولی اٹھی۔

یاد

مجھے تم یاد آتے ہیں
میں جب بھی کسی محفل میں بیٹھوں
مجھے تمہاری باتیں تمہاری قسمیں
تمہارے وعدے میرے جسم سے روح کو جدا کرجاتے ہیں
مجھے تم یاد آتے ہو
تیرا پیار تیرا ساتھ تیری ہر بات
تیری ہر یاد میری آنکھوں میں آنسو بھر جاتے ہیں
مجھے تم یاد آتے ہو
ہر بار دل کو سمجھاتی ہوں کہ اب نہیں تڑپنا
مگر تیری جدائی مجھ کو رلاتی ہے
مجھے تم یاد آتے ہو
قسم سے تم مجھے بہت یاد آتے ہو

غزل عبدالخالق...... فیصل آباد

''توصیف صاحب تو چل دیئے لگتا ہے اب میرا بھی دو چار دن میں چل چلاؤ ہونے والا ہے۔''

''آپ کہاں جارہی ہیں میڈم؟'' ہدایت اللہ نے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میرا بھی ٹرانسفر ہوگیا ہے توصیف صاحب کے ساتھ' اب دیکھو قسمت میں کیا لکھا ہے ٹرانسفر یا استعفیٰ اور تم ایسے پوچھ رہے ہو جیسے تمہیں کچھ بھی علم نہیں لیکن ابھی آپ کے آرڈر تو نہیں آئے نا۔''

''ہوسکتا ہے ایک دو دن تک آجائیں۔ آپ ایڈمن سیکشن سے معلوم کرلیں جہاں تک میرا خیال ہے آپ کا ٹرانسفر رک گیا ہے۔'' ہدایت اللہ کی جانب سے دی جانے والی یہ خبر جویریہ کے لیے خاصی حیران کن تھی۔

''تمہیں کس نے کہا؟'' وہ حیرت سے بولی۔

''ایک اندازہ ہے کیونکہ آج تمام لوگوں کو ٹرانسفر آرڈر مل گئے ہیں سوائے آپ کے' اس لیے میرا خیال ہے جا کر ایڈمن سیکشن سے معلوم کرلیں۔'' ہدایت اللہ کی

بات سننے کے بعد جویریہ کے لئے مزید وہاں بیٹھنا محال ہوگیا اور وہ اپنے آفس کے ضروری کام ختم کرکے فوراً ایڈمن بلاک جا پہنچی جہاں جاکر اسے معلوم ہوا کہ ہدایت اللہ کی بات سو فیصد درست تھی اس کا ٹرانسفر واقعی رک گیا تھا۔ وہ حیران رہ گئی کیونکہ اس کی ہر کوشش آخری وقت تک ناکام ہوچکی تھی اس لئے وہ وہاں موجود کلرک عدنان کے پاس جا پہنچی۔

''میرا ٹرانسفر ہورہا تھا؟'' اس نے جاتے ہی عدنان سے سوال کیا۔

''جی میڈم لیکن اب نہیں ہورہا اوپر سے آرڈر آئے ہیں آپ کا ٹرانسفر کینسل ہوگیا ہے۔'' عدنان اپنے سامنے رکھی فائلیں درست کرتا ہوا بولا۔

''اوپر سے آرڈر۔'' یکے بعد دیگرے ملنے والی ایک نئی خبر۔ ''میں معلوم کرنا چاہتی ہوں اوپر سے کس کے آرڈر کے تحت میرا ٹرانسفر روکا گیا ہے۔'' وہ ٹیبل کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی جانے کیوں اسے عجیب سا محسوس ہورہا تھا ایسا کون تھا جس کے کہنے پر اس کا ٹرانسفر آرڈر کینسل کردیا گیا اور پھر کلرک عدنان کی تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ جاننے میں کامیاب ہوگئی کہ اس کا ٹرانسفر رکوانے کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا اور یہ جان کر ہکا بکا رہ گئی کہ اس ساری کارروائی کا سہرا خبطی مشتاق کے سر جاتا تھا۔

''آپ کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی؟'' یہ سوال وہ کوئی دسویں بار عدنان سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں میڈم..... میں نے جس سے معلوم کیا ہے اس کے پاس پکی اطلاع ہے اس سلسلے میں مشتاق ایک دوبار ہمارے آفس بھی آیا تھا۔ اب جویریہ کے لئے مزید کچھ جاننا بے کار تھا وہ خاموشی سے اٹھی اور اپنے سیکشن میں آگئی ہدایت اللہ کسی کام سے جاچکا تھا جویریہ کا سارا دن ایک بار پھر مشتاق کو سوچتے ہوئے گزر گیا مگر اس دفعہ اس کی سوچ میں تبدیلی آچکی تھی نفرت کی جگہ ہمدردی نے لے لی تھی اور اسے حیرت ہورہی تھی کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود وہ اس کے کام آسکتا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آج تک مشتاق کو غلط سمجھ رہی تھی ان ہی سوچوں میں گھری وہ صبح آفس جا پہنچی اور بہت سوچنے کے بعد اس نے ہدایت اللہ کو پکارا۔ ہدایت اللہ نے اس کی آواز پر پلٹ کر دیکھا' وہ اپنے ٹیبل کی دراز کھولے جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

''جی میڈم۔''

''تمہارے پاس مشتاق کا کوئی کونٹکٹ نمبر ہے۔'' دراز بند کرتی وہ سیدھی ہوئی اور آہستہ سے بولی۔

''خیریت۔'' ہدایت اللہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں..... اس کا شکریہ ادا کرنا ہے کیونکہ اس کی کوشش سے میرا ٹرانسفر کینسل ہوا ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ اگر اس نے میری مدد کی ہے بنا کسی لالچ کے تو میں کم از کم اس کا شکریہ ہی ادا کردوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔'' بات کے اختتام پر اس نے ہدایت اللہ سے تصدیق چاہی۔

''بالکل ٹھیک۔'' ہدایت اللہ کا نارمل رویہ یہ ظاہر کررہا تھا کہ وہ بھی جانتا ہے کہ اس ساری کارروائی کا سہرا مشتاق کے سر ہے اور پھر اس نے جویریہ کو خبطی مشتاق کا نمبر دے دیا چاہیے تو یہ تھا کہ وہ نمبر لے کر فوراً اسے فون کرتی مگر اگلے کئی دنوں تک اسے ٹائم ہی نہ ملا کہ وہ فون کرکے مشتاق سے بات کرسکتی۔ اس دن بھی اتفاق سے وہ موبائل میں کسی کا نمبر تلاش کررہی تھی جب اچانک ایم کی لسٹ میں مشتاق سولنگی لکھا نظر آگیا۔

''اوہ میں بھی کتنی بھلکڑ ہوں اس غریب کو فون کرنا ہی بھول گئی بے چارا سوچ رہا ہوگا کہ کس قدر بے مروت عورت تھی پلٹ کر شکریہ کا ایک لفظ بھی نہیں کہا۔'' اسی سوچ کے تحت اس نے مشتاق کا نمبر ملایا' مسلسل بیل جارہی تھی مگر کسی نے فون اٹینڈ نہیں کیا' اس رات جویریہ نے بہت کوشش کی مگر اس کی مشتاق سے بات نہ ہوسکی' صبح وہ آفس نہ گئی کیونکہ وہ اپنی بھائی کے ساتھ دو دن کے لئے گاؤں جارہی تھی۔ وہاں جاکر بھی اسے مشتاق یاد نہ آیا' لیکن جب گاؤں سے واپس آئی تو ایسے ہی ایک دن دوپہر میں مشتاق کا نمبر ملالیا دو یا تین بیل کے

بعد کسی نے فون اٹھالیا۔
"ہیلو......" دوسری طرف سنائی دینے والی آواز کسی عورت کی تھی۔
"السلام علیکم! جی مجھے مشتاق صاحب سے بات کرنی ہے۔" بہت سوچ کے بعد بمشکل اس کے حلق سے مشتاق کا نام نکلا۔
"آپ کون بات کررہی ہیں؟"
"میں ان کی ایک کولیگ ہوں وہ میرے ساتھ آفس میں کام کرتے ہیں۔"
"حیرت ہے باجی! آپ ان کے آفس میں کام کرتی ہیں اور آپ کو یہ علم نہیں کہ آج مشتاق کا سوئم ہے مرگیا ہے وہ پرسوں صبح چھ بجے۔" ساتھ ہی وہ عورت رونے لگی لیکن اس کے الفاظ جویریہ کو ہکابکا کرگئے۔ مشتاق خبطی مرگیا وہ بھی اتنی خاموشی سے اسے یقین نہ آرہا تھا۔
"آپ کون بات کررہی ہیں؟" اس نے بے یقین انداز میں اس روتی ہوئی عورت سے پوچھا۔
"اس کی گھر والی۔" ایک اور چونکا دینے والی خبر، جبکہ وہ آج تک مشتاق کو ایک رنڈوا مرد سمجھتی رہی جس کے بقول جویریہ کی شکل اس کی مرحومہ بیوی سے ملتی تھی۔
"مگر وہ تو کہتا تھا کہ اس کی بیوی مرچکی ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"جھوٹ کہتا تھا وہ......" عورت روتے ہوئے بولی۔
"آپ جویریہ بی بی تو نہیں ہیں؟" روتے روتے اس عورت کو کچھ یاد آ گیا۔
"ہاں......" اب اپنا آپ چھپانے کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ "تم مجھے کیسے جانتی ہو؟" جویریہ نے حیرت سے سوال کیا۔
"میں آپ کو اس وقت سے جانتی ہوں جب میرا مرد آپ کے عشق میں گرفتار ہوکر اپنی دنیا بھلا بیٹھا وہ اپنی ہر بات گھر آ کر مجھے بتاتا تھا میں جانتی تھی کہ وہ آپ کے پیچھے بہت خوار تھا۔"
"تو پھر تم نے اسے روکا کیوں نہیں؟" جویریہ کو اس عورت سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا۔
"کیا کرتی روک کر باجی میں تو صرف یہ چاہتی تھی کہ کسی بہانے وہ خوش رہے اسے خوش دیکھنا میری زندگی تھا بیچارا پچھلے دو سالوں سے اپنے جسم میں کینسر کا روگ پالے پھر رہا تھا وہ اور اس مرض نے اس سے سب کچھ چھین لیا ہر دم پریشان رہتا کیونکہ جانتا تھا کہ عنقریب موت اسے آن دبوچے گی۔ ایسے میں اسے آپ کی صورت میں اپنی زندگی نظر آ گئی اور جانے کیسے وہ آپ کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔" اس عورت کا ایک ایک لفظ جویریہ کے دل کے اندر اتر رہا تھا جب اس نے یہ سنا کہ مشتاق خبطی کینسر کا مریض تھا اس کی آواز بالکل بند ہوگئی اسے سمجھ نہ آرہا تھا کہ اب وہ کن الفاظ میں دوسری طرف موجود عورت کو پرسہ دے۔
"آپ کی محبت نے چند دنوں کے لئے اسے وہ ہی پرانا مشتاق بنادیا جیسے دیکھ کر میں جی اٹھی اور اس کی خوشی میں راضی ہوگئی۔ ویسے بھی بڑی بے ضرر سی خوشی تھی اس کی جو کسی کا کچھ نہ بگاڑ رہی تھی پھر میں اسے کیوں روکتی۔" ساری وضاحت کے بعد اس عورت نے ایک بار پھر جویریہ کے سوال کے جواب میں اپنا سوال دہرایا جس کا کوئی جواب جویریہ کے پاس نہ تھا یہاں تک کہ اب شاید بول بھی نہ سکتی تھی۔
"مجھے بہت......" اس نے کہنا چاہا مگر آنسوؤں کا ایک بڑا سا گولہ اس کے حلق میں پھنس گیا، جویریہ نے بنا کچھ کہے خاموشی سے فون بند کردیا اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سچ ہے کچھ لوگ دنیا چھوڑ دینے کے بعد اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں اور خبطی مشتاق بھی ان ہی چند لوگوں میں سے ایک تھا جس کی اہمیت کا اندازہ اس کے جانے کے بعد ہوا۔

قسط نمبر 8

دل کے دریچے

صدف آصف

گزشتہ قسط کا خلاصہ

دادا ابا کی دائمی جدائی کا صدمہ سفینہ کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا ہے تو دوسری طرف فائز بھی آلام روزگار میں الجھ کر بے حد مصروف ہوجاتا ہے۔ جلال خان سفینہ اور فائز کی جلد شادی کرنا چاہتے ہیں جبکہ یہ خبر سن کر دلشاد بانو اور سائرہ بیگم ہتھے سے اکھڑ جاتی ہیں۔ ان کا یہ رویہ جلال خان کو بے حد آزردہ کردیتا ہے ایسے میں سائرہ بیگم سفینہ کے لیے واضح انکار کرتے شرمیلا کو اپنی بہو بنانے کا خیال ظاہر کرتی ہیں لیکن جلال خان کے غصے سے خائف ہوکر فی الحال خاموشی اختیار کرلیتی ہیں۔ دوسری طرف ریحانہ بیگم بھی اپنی بیٹی کا مستقبل غیر محفوظ جانتے ہوئے اس کے رشتے کے سلسلے میں اشرفی خالہ کی مدد لیتی ہیں اور ایک مشہور بزنس مین کے بیٹے کے رشتے کی بابت جان کر بے حد خوش بھی ہوتی ہیں لیکن بہزاد خان اور سفینہ ان کے اس اقدام پر ٹوٹ کررہ جاتے ہیں۔ فائز ان تمام حالات سے بے خبر دکان کے معاملات میں الجھ جاتا ہے۔ جلال خان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر زاہد نہ صرف دکان کا سارا مال غائب کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے بلکہ تمام رقم بھی لوٹ کر فرار ہوجاتا ہے یہ اچانک صورت حال فائز کے لیے مزید مشکلات لاتی ہے۔ دوسری طرف جلال خان کے کمزور اعصاب ان نامساعد حالات سے گھبرا کر جواب دے جاتے ہیں انہیں فالج کا شدید اٹیک ہوتا ہے اور وہ بستر کے ہوکر رہ جاتے ہیں۔ سفینہ تایا جان کی یہ حالت دیکھ کر بے حد متفکر ہوجاتی ہے۔ سائرہ بیگم کا سارا غرور بھی جھاگ کی مانند بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کے ہسپتال کے سارے واجبات بھی بہزاد خان ادا کرتے ہیں اور اس مشکل وقت میں فائز نہایت بے بسی محسوس کرتا ہے۔ شرمیلا تمام کوشش کے بعد فائز کی جانب سے مایوس ہوجاتی ہے جب ہی اپنی دوست صائمہ کے کہنے پر نبیل سے مراسم بڑھاتی ہے۔ صائمہ نبیل کو اپنے بھائی کا دوست بتا کر اسے امیر گھرانے کے چشم و چراغ کی حیثیت سے متعارف کرواتی ہے جو صرف اس کے حسن سے مرعوب ہوکر اپنی توہین کو نظر انداز کردیتا ہے۔ نبیل کی محبت شرمیلا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے جب ہی وہ نبیل کے سابقہ تمام رویوں کو بھلا کر اس کی جانب متوجہ ہوجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁ ❁ ❁

''کیا کہا آپ نے پیسے نہیں دیں گی۔'' بہزاد خان نے ہاتھ میں پکڑا کپ زمین پر پھینکتے ہوئے بیوی سے پوچھا۔

''جی کیوں کہ وہ میری بیٹی کے شادی لیے رکھے ہوئے ہیں۔'' ریحانہ نے اپنی بات پوری کی مگر ان کی طرف دیکھنے سے گریزاں رہیں۔

''مجھے کوئی بات نہیں سننی۔ آپ جائیں اور الماری سے پیسے نکال کرلائیں۔'' وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ ریحانہ ہل کر رہ گئیں۔

''کیا ہوا؟'' سفینہ شور سن کر نہ جانے کب آ کھڑی ہوئی تھی باپ کے غصے کی وجہ جاننا چاہی۔

''آپ ابھی تک یہیں کھڑی ہیں جاتی کیوں نہیں؟'' بہزاد نے بیٹی کی طرف دیکھا بھی نہیں اور بیوی پر ایک بار پھر

چلائے، جو وہیں پر جمی سراسیمہ سی دکھائی دیں۔
"امی...... بابا کیا مانگ رہے ہیں؟" اس نے استعجاب سے انہیں لڑتا دیکھا تو ماں کا بازو ہلا کر پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ بیٹی کو اس بات کی ہوا بھی لگنے نہیں دینا چاہتی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھنے کے لیے منہ کھولتی انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔
"سفینہ بیٹا...... میں اور تمہارے بابا ایک ضروری بات کر رہے ہیں۔ تم ذرا کچن میں جا کر سالن دیکھنا۔" ریحانہ نے اسے بہانے سے ہٹانا چاہا۔
"ٹھیک ہے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کمرے سے باہر نکل گئی مگر قدم دہلیز سے آگے نہ بڑھ سکے چپکے چپکے ان دونوں کی باتیں سننے لگی۔
"ریحانہ۔" ان کا انداز وارننگ دینے لگا۔
"میں ایک بار نہیں سو بار کہتی ہوں کہ وہ پیسے میری بچی کی امانت ہے نہیں دوں گی۔" ریحانہ نے سرکش لہجے میں جواب دیا۔
"احسان فراموش عورت تم کچھ بھی نہیں جانتی۔" انہوں نے مٹھیاں بھینچ کر دکھ بھرے انداز میں بیوی کو دیکھا۔
"کیا نہیں جانتی سب جانتی ہوں کہ آج کل آپ کے اوپر بڑے بھائی کی محبت اتنی سوار ہوگئی ہے کہ اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے جمع کیے ہوئے پیسے بھی ان پر نچھاور کرنے چلے ہیں۔" ریحانہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر تڑ سے جواب دیا۔
"چپ کر جاؤ ایک لفظ بھی اور نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ بری طرح سے گرجنے برسنے لگے۔
"یا اللہ یہ کون سے پیسوں کا ذکر ہو رہا ہے۔" سفینہ نے اپنی کانپتی لرزتی انگلیوں کو مسلتے ہوئے سوچا۔
"کیوں سچ سننا بہت مشکل ہے نا۔" ریحانہ نے بے خوف انداز میں شوہر کو گھورا۔
"سچ سننے کی ہمت ہے تم میں۔" وہ چلائے اور چٹاخ کی آواز کے ساتھ ریحانہ کے چہرے پر ان کی انگلیاں چھپ گئیں۔
"آپ نے مجھے مارا۔" ریحانہ ہکا بکا رہ گئیں انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ایسا ہو چکا ہے۔
"افسوس کہ تم نے مجھے اس بات کے لیے مجبور کر دیا۔ اب غور سے میری بات سنو وہ پیسے بھائی جان نے ہی سب سے چھپ کر مجھے دیئے تھے تاکہ نکاح کے وقت ہمیں کسی قسم کی تنگی اور تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔" بہزاد احمد کو اپنی حرکت پر پچھتاوا ہونے لگا زبان سے سچ اگل دیا۔
"یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔" سفینہ جو چھپ کر والدین کی باتیں سن رہی تھی، سینے پر ہاتھ رکھ کر لرزنے لگی، ریحانہ بس گال پر ہاتھ رکھے شوہر کو بے یقینی سے دیکھے جا رہی تھیں۔
"اب اگر تمہاری غیرت گوارا کرے تو بھائی جان کا یہ پیسہ دبا کر بیٹھی رہو، اس بیمار آدمی کے علاج پر خرچ نہ ہونے دو۔" وہ دھیمے سے بولتے ہوئے شکست خوردہ دکھائی دیئے۔
"یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی؟" وہ اٹک اٹک کر بولیں۔
"کیا بتاتا بھائی جان کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ تم دونوں کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچے خیر رہنے دو میں کہیں اور سے انتظام کر لوں گا۔" وہ سر جھکائے اپنے ہاتھ کو دیکھتے رہے، جو پہلی بار جان سے عزیز بیوی پر اٹھا تھا۔
اتنا کچھ ہونے کے بعد ریحانہ کی غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ ایک روپیہ بھی رکھیں، شرمندگی سے کچھ کہے بغیر اٹھیں اور الماری کھول کر کپڑوں کی تہہ میں چھپا کر رکھے ہوئے سارے نوٹ نکال کر شوہر کے سامنے بیڈ پر پھینک دیئے اور خود

تکیے میں منہ دے کر بری طرح سے رودیں، باہر کھڑی سفینہ ہاتھوں میں منہ چھپا کر الگ بلکنے لگی۔

٭......٭......٭

گلاس ٹاپ ٹیبل پر ذرا سا جھک کر دونوں کہنیاں میز کی سطح پر ٹکائے وہ براہِ راست اُس کی آنکھوں میں جھانک کر بے حد خوابناک آواز میں باتیں کررہا تھا۔ لہجہ اتنا گھمبیر اتنا خاص تھا کہ وہ مغلوب ہوئی جارہی تھی، پھر بھی کچھ ایسا تھا جو اس کے پہلو میں کانٹے کی طرح چبھنے لگا، صائمہ نے زبردستی نبیل کی چور آنکھوں میں جھانکا اور اس کے دل کا راز جاننا چاہا۔

''ہیلو ہیلو کن خیالوں میں گم ہو ڈیئر یہ دیکھو چکن برگر تمہیں اپنی طرف بلارہا ہے۔'' ویٹر کھانا سرو کر کے جاچکا تھا، نبیل نے شرارتی انداز میں اسے متوجہ کرنا چاہا۔

''آں ہاں......لنچ بھی ہوجائے گا مگر ایک بات کہوں؟'' اس نے مسکرا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''حاضر جناب۔'' نبیل نے ایک ادا سے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو جھکایا۔

''اگر تم آج مجھے نہ بلاتے تو میرے اندیشے درست ثابت ہوجاتے۔'' صائمہ کے ہونٹوں کی تراش میں طنزیہ مسکان اتر آئی، جو نبیل کو کچھ جتلاتی محسوس ہوئی۔

''تم خوامخواہ فضول باتوں کو اپنے اوپر سوار نہ کرلیا کرو۔'' اس نے پیار بھرے انداز میں کہا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی متنازع بات نکلے۔

''کیوں سچ سننا بہت مشکل ہوتا ہے؟'' صائمہ نے طنز فرمایا، اسے یہ انداز گراں گزارا، ہونٹ چبا کر اسے دیکھا، وہ بے نیازی سے کانٹے سے کھیلنے لگی۔

''یہ لڑکی تو سر پر چڑھی چلی آرہی ہے۔'' نبیل کے سفید وجیہہ چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا، سامنے رکھے گلاس سے پانی کا گھونٹ بھرا۔

''اب دل ہی دل میں مجھے کوسنے نہ لگ جایئے گا۔'' وہ اس کی سوچ تک پہنچ کر کولڈ ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے بولی۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' نبیل نے نگاہ چرائی تپ چڑھ گئی' مگر اپنے جذبات کنٹرول سے باہر نہیں ہونے دیے۔

''اصل میں اب آپ اس طرح سے بات نہیں کرتے جیسے شروع میں کیا کرتے تھے۔'' صائمہ نے کانٹے سے چکن کا پیس اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے شکوہ کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' نبیل نے برا سا منہ بنایا اور جوس کے گلاس پر انگلی پھیری، اس نے کھانے میں ذرا دلچسپی نہ دکھائی۔

''اچھا تو پھر کیسی بات ہے؟'' وہ تھوڑا شوخی دکھاتے ہوئے اترائی۔

''صائمہ......پلیز تم جلدی سے لنچ ختم کرو مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔'' نبیل نے گھڑی میں وقت دیکھنے کے بعد عجلت میں اس کی بھری ہوئی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں کیا شرمیلا سے ملنا ہے؟'' صائمہ نے شک بھرے انداز میں پوچھا۔ وہ تھوڑا گھبرایا پھر خود پر قابو پالیا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں بس پاپا کے ساتھ ایک پارٹی سے ملنے جانا ہے۔'' چہرے کے تاثرات بہتر کرنے کے بعد بظاہر مسکرا کر جواب دیا۔ آج وہ صائمہ کی ضد پر اسے ایک ریسٹورنٹ میں لنچ کے لیے لے کر آیا تھا، ورنہ اب اس کا شرمیلا کے سوا کسی اور کی طرف دیکھنے کو بھی جی نہیں کرتا تھا۔

''نبیل مجھے ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی نگاہ میں میری کوئی وقعت نہیں رہی۔'' اسے کھویا کھویا دیکھ کر صائمہ

نے ٹیبل پر اسپون مارا۔

"تم ایسی باتیں کیوں سوچتی ہو، جس کا کچھ حاصل وصول نہ ہو؟" وہ تھوڑا چڑا۔

"ہر عورت کے اندر ایک چھٹی حس ہوتی ہے جو مرد کے نگاہ بدلتے ہی الارم کی طرح بجنے لگتی ہے۔" وہ ٹشو سے منہ صاف کرتے ہوئے زیرلب بڑبڑائی۔

"اوہ صائمہ..... آج تمہیں کیا ہوگیا ہے آخر اتنا کیوں الجھ رہی ہو۔" نبیل نے سنبھلتے ہوئے اسے بہلانا چاہا۔

"اس لیے کہ میں خود ایک الجھن میں ہوں۔" وہ فلسفی بن گئی۔

"وہ کیا؟" نبیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے ریسٹورنٹ میں چھوڑ کر باہر نکل جائے۔

"میں سب سمجھتی ہوں یہاں بیٹھ کر بھی آپ اسی کے پاس ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"ارے یار وہ کوئی یاد آنے والی چیز ہے تم بس مجھ پر یقین رکھو۔ ہر قسم کے شک وشبہ کو اپنے دل سے نکال دو۔" اس نے صائمہ کے سانولے ہاتھ پر جان بوجھ کر اپنا سفید مضبوط ہاتھ رکھا۔

"سچ۔" صائمہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں جھوٹ۔" نبیل کے ہنسنے کے دلکش انداز سے اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"اگر وہ آپ کو اچھی نہیں لگتی تو اس کے اتنے نخرے کیوں برداشت کرتے ہیں۔" وہ دوبارہ کھانے کی جانب متوجہ ہوگئی پھر ایک دم رک کر پوچھا۔

"پاگل لڑکی ایک ہی بات کے پیچھے پڑگئی ہے۔ شرمیلا ہے بھی تو اس قابل کے انسان ساری عمر اس کے ناز اٹھائے۔" نبیل نے دل میں اسے کوسا۔

"بولیں نا۔" وہ ایک ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر بڑی آس سے پوچھا۔

"آں ہاں یار ہے ایک وجہ ہے۔" اس نے بڑے خاص انداز میں کہا۔

"اچھا وہ کیا؟" صائمہ چونکی ہوئی۔

"میں اس کا غرور فنا کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بے ساختہ بولا، پھر پچھتایا۔

"اومگر یہ بات کچھ ٹھیک نہیں۔" صائمہ کو جیسے قرار آ گیا، پھر دوست کا خیال آیا۔

"پلیز اب کوئی لیکچر نہ دینا، اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے کہا تو وہ مجبوراً چپ ہوگئی۔

"اچھا میں یقینی مجھ سے اپنے تعلق کو کیا نام دیں گے؟" اس نے اٹھنے سے پہلے پلکیں اٹھا کر ایک اور سوال کیا۔

"تم تو میری جان ہو۔" نبیل نے ہنس کر اسے دیکھا کہ وہ پلکیں جھکانے پر مجبور ہوگئی اور وہ ہاتھ پر دباؤ بڑھاتا گیا۔

❁......❁......❁

سفینہ نے اپنی گلابی متورم آنکھوں کو موندنے کے بعد ان پر موی انگلیاں پھیریں، آج رات تو پرانی یادوں نے جانے کیوں دل پر قیامت ڈھائی ہوئی تھی، یوں لگ رہا تھا، جیسے سب نے مل کر اس کے خلاف گٹھ جوڑ کرلیا ہو اور دماغ میں ایسا اُدھم مچایا کہ نیند کی دیوی بھی روٹھ کر کہیں بہت دور چلی گئی۔ ایک طرف فائز کی رفاقت میں گزرنے والے چند انمول پل جیسے ہاتھوں سے پھسلتے چلے جارہے ہوں اور وہ ان حسین لمحوں کی بے تحاشہ قیامت خیزی کے آگے سرنگوں ہونے لگی تو دوسری جانب ہجر وفراق کے طوفان چنگھاڑتے شور مچاتے اس کی جانب بڑھتے محسوس ہوئے۔

"نہیں مجھ سے دُور رہو۔" سفینہ نے بے ساختہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا اور کپکپاتے وجود کو سنبھالا۔

رات تو سونے کے لیے بنی ہے مگر چند دنوں سے شب کی خاموشیاں اور تنہائیاں اس کے لیے عذاب کے کئی دریچے وا

کیے، نیندیں اڑانے پر تلی ہوئی تھیں۔ اس کے اور فائز کے بیچ جیسے ایک دھندسی حائل ہوگئی تھی، وہ نگاہ اٹھا کر اس کے پار دیکھنا چاہتی تو محبت اٹھلاتی بل کھاتی، جھانکتی ہوئی دکھائی دیتی، بچپن سے لے کر جوانی تک، ایک ساتھ گزارے ہوئے کئی حسین پل اور انمول گھڑیاں فلم کے منظر کی طرح ذہن کی اسکرین پر گزرتی چلی جاتیں، بہت ساری معصوم شرارتیں، قیمتی یادیں جوان کے لیے محبت کی نوید لے کر آئے، لبوں پر زخمی مسکراہٹ بکھیر دیتی۔ شعور کی منزلیں طے کرتے ہوئے سفینہ نے جب زندگی کے حسن کو نظر بھر کر دیکھا تو فائز کے پیار کو اپنے اندر تک اترتا محسوس کیا' وہ ہی وقت تھا، جب مسرتوں نے اس کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں' سحر انگیز سنہری آنکھوں نے بہت سارے خواب بُن ڈالے اور لبوں نے پیار کے گیت گنگنانے سیکھ لیے، اس کے بعد سے ہی اس نے محبت سے چور لمحوں کو سدا کے لیے اپنے احساسات میں قید کر لیا تھا۔ وہ دن جواب کبھی لوٹ کر نہیں آسکتے۔ وہ لمحے دوبارہ پلٹ نہیں سکتے۔ وہ تو فقط ماضی کی کتاب کے چند صفحوں میں محفوظ ہو کر رہ گئے تھے، اچھی یادیں بن کر کھو سے گئے ہیں۔

یاس بھری کیفیت سے باہر نکلنے کے لیے اس نے چمکتے چاند کی دودھیا روشنی کی لکیروں سے الجھنا چاہا، ستاروں کی ٹمٹماتی روشنی سے دل بہلایا۔ فضا میں چھائی مٹی کی بُو کو اپنے اندر اتارنا چاہا، تیز ہوا کے جھونکے کو بھی اس پیاری سی لڑکی کے ساتھ شرارت کی سوجھی، تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور بال بکھیر کر رکھ دیے، جنہیں ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے نیم کے پتوں کی سرسراہٹ پر اس نے جھک کر بے ساختہ باہر جھانکا تو ذہن میں ایک دم احمد ندیم قاسمی کا کلام گونج اٹھا۔

اندھیری رات کو یہ معجزہ دکھائیں گے ہم
چراغ اگر نہ جلا تو دل کو جلائیں گے ہم
ہماری کوہ کنی کے ہیں مختلف معیار
پہاڑ کاٹ کر رستے نئے بنائیں گے ہم
جنونِ عشق پہ تنقید اپنا کام نہیں
گلوں کو نوچ کے کیوں تتلیاں اڑائیں گے ہم
بہت نڈھال ہیں سُستا تو لیں گے پل دو پل
الجھ گیا کہیں دامن تُو کیوں چھڑائیں گے ہم
اگر ہے موت میں کچھ لطف تو بس اتنا ہے
کہ اس کے بعد خدا کا سراغ پائیں گے ہم
ہمیں تو قبر بھی تنہا نہ کرسکے گی ندیم
کہ ہر طرف سے زمین کو قریب پائیں گے ہم

سفینہ اپنے اردگرد پھیلی تنہائیوں سے مغلوب ہو کر ایک ایک شعر دہراتی چلی گئی پھر اچانک آنسو برسات کی طرح آنکھوں سے رواں ہوگئے۔ اس نے لرزتی کانپتی انگلیوں سے گالوں پر پھسلتے پانی کے ان قطروں کو صاف کیا۔ گہری اداسی نے جیسے وجود کے گرد اذیتوں کی لکیر کھینچ دی تھی۔

''کیا میری فریاد آسمان تک نہیں پہنچ پا رہی؟'' وہ اپنے بے رنگ آنسوؤں کو سمیٹتے ہوئے بڑبڑائی اور شکوہ کناں نگاہیں اٹھائیں۔

''کیا وہ یہیں زمین کا حصہ بن کر رہ جائیں گی۔'' اس نے سوچا اور بہت دیر تک آسمان کی طرف تکتی رہی۔

❁......❁......❁

آج پورے دو ماہ ہو گئے تھے، جلال خان کو بے بسی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ وہ دن بہ دن نحیف ہوتے چلے جارہے تھے، زبان کی لکنت بڑھ رہی تھی، چلنے پھرنے میں الگ دشواری تھی، کسی سہارے کے بغیر دو قدم اٹھانا دوبھر ہو جاتا، پیسے کی کمی کی وجہ سے علاج بھی ٹھیک طریقے سے نہیں ہو پارہا تھا، ان کی جلد صحت یابی کی امیدیں جیسے دم توڑنے لگیں۔ بہزاد خان سے جس طرح بھی بن پاتا چپکے چپکے بڑے بھائی کی مالی اور اخلاقی مدد کرتے، مگر سائرہ کو ان سے پیسے لینا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا، حالات نے آج انہیں اس قدر بے بس کردیا تھا کہ دینے والا ہاتھ لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ پتا نہیں یہ مکافاتِ عمل تھا یا حالات کی گردش جو بھی تھا ان کی عقل و سمجھ سے بالاتر تھا سب کچھ۔

یہ سب دیکھتے ہوئے دلشاد نے بھی بیٹی کو دھیرے دھیرے اکسانا شروع کردیا کہ اپنے پورشن کو کرائے پر چڑھا کر میکے چلی چلے، اس طرح سے کرائے کی مد میں لگے بندھے معقول پیسے ہر مہینے ہاتھ میں آجائیں گے تو کچھ آسانی ہو جائے گی۔ سائرہ کا بس چلتا تو وہ ایک پل بھی یہاں نہ رکتی اور میکے شفٹ ہو جاتی۔ مگر جلال خان کی اس گھر سے انسیت انہیں زبان بند رکھنے پر مجبور کرتی۔ وہ جانتی تھی کہ اس معاملے میں بیٹا بھی ان کا کبھی ساتھ نہیں دے گا۔ حالات سے مجبور ہو کر وہ الجھ ضرور گیا تھا مگر سفینہ سے دُور چلے جانا اسے بالکل بھی گوارا نہیں ہوگا۔

کاروبار ٹھپ ہو گیا تھا۔ دکان کی چوری کا معاملہ بھی وہیں کا وہیں اٹکا ہوا تھا، تھانے کے چکر لگا لگا کر بھی کچھ حاصل نہ ہوا تو اب وہ امید چھوڑ بیٹھا تھا۔ حالات کو خرابی کی جانب بڑھتے دیکھا تو اس نے نوکری کے لیے ہاتھ پیر مارنے شروع کردیئے۔ ان دِنوں اس پر جلد از جلد اچھی جاب ڈھونڈنے کی دھن سوار ہو گئی چاچا سے بھی مشورہ کیا تو انہوں نے حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے یہ ہی بہتر جانا، اس سلسلے میں بھتیجے کی حتی المقدور مدد کرنے کی بھی کوشش کی اور جہاں جہاں ان کے تعلقات تھے وہاں جا کر اس کا سی وی خود ڈراپ کی مگر ابھی تک کہیں سے کوئی مثبت جواب نہیں ملا تھا۔

✿......✿......✿

بھری دوپہر میں جب سب اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تو سفینہ بہت بوریت محسوس کررہی تھی۔ کئی دنوں کے بخار کے بعد اس کی طبیعت آج ذرا سنبھلی تو وہ دھیرے دھیرے زینہ چڑھتی ہوئی چھت پر چلی آئی اور کونے میں بچھے تخت پر پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ نیلے آسمان پر اڑتے بے فکر پرندوں کے غول کو رشک سے اڑتے دیکھا تو اپنے آپ کو زندگی کی قید میں محسوس پایا۔ وہ چپ چاپ سوچتی رہی، ایک دم پاس پڑے سیل فون کی بیل بجی تو اس کے خیالات کی ڈوری ٹوٹی۔

''ہیلو۔'' سفینہ نے یس کا بٹن دبا کر کان سے موبائل لگایا۔

''سفی...... کیسی ہیں آپ؟'' دوسری طرف سے سنبل نے خوش دلی سے پوچھا۔

''الحمدللہ میں تو ٹھیک ہوں۔ تم نے اس وقت مجھے کیسے یاد کرلیا۔'' اسے خوش گوار سی حیرت ہوئی۔

''کیوں، کیا ہم آپ کو فون نہیں کرسکتے؟'' ثوبیہ نے فون چھینا اور چہک کر جواب دیا۔

''بالکل کرسکتی ہو خیر یہ بتاؤ تم دونوں اور چھوٹی خالہ، خالو کیسے ہیں؟'' اس کا لہجہ محبت آمیز ہوا۔

''ہم سب کے ساتھ پاس پڑوس والے بھی بخیریت سے ہیں۔'' سنبل کے پُرمزاح انداز پر اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''اچھا یہ بتائیے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا اس وقت آپ سوتی ہیں نا۔'' ثوبیہ نے بہن سے فون چھین کر زور سے پوچھا۔

''نہیں بھئی تم لوگ اتنی فارمل کیوں ہو رہی ہو۔'' سفینہ نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

''میں بھی سنبل سے یہ ہی کہہ رہی تھی کہ ہم سفی کو کسی بھی وقت کال کرسکتے ہیں، وہ بالکل برا نہیں مانیں گی۔''

ثوبیہ کھلکھلائی۔

"صحیح بات ہے مجھے اس وقت تم دونوں سے بات کر کے واقعی بہت خوشی ہو رہی ہے۔" سفینہ کے تصور میں اُن دونوں کی شرارتی مسکراہٹ چلی آئی۔

"فائز بھائی ٹھیک ہیں؟" دوسری طرف سے چھیڑنے والا انداز تھا۔

"ہوں۔" سفینہ کی آواز دھیمی ہوئی اور خیالات کی رُو فائز کی جانب بھٹک گئی۔

"ہیلو...... ہیلو......" اس کی چپ پر سنبل نے بے قراری سے کہا۔

"بولو میں سن رہی ہوں۔" سفینہ نے اپنی لٹ کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے خیالوں سے چھٹکارا پایا۔

"کیا ہوا ایک دم چپ کیوں ہو گئیں۔" سنبل نے پریشانی سے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں تم سناؤ کال کیوں کی۔" سفینہ نے جلدی سے بات بدلنا چاہی۔

"ہمارا دل چاہ رہا ہے کہ آپ چند دنوں کے لیے ہماری طرف رہنے کے لیے آجائیں۔" سنبل اس کی کیفیت سمجھ گئی تو اسے دعوت دے ڈالی۔

"نہیں تایا جان کی بیماری کی وجہ سے ہم سب بہت پریشان ہیں، ایسے میں میرا دل کہیں بھی نہیں لگے گا۔" سفینہ نے رسانیت سے انکار کر دیا۔

"سفی حوصلہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فون ثوبیہ کے ہاتھ میں تھا، اس نے تسلی دینا چاہی۔

"پتا نہیں ثوبی مجھے تو یوں لگتا ہے، جیسے وقت منجمد ہو گیا ہو۔" سفینہ نے فون دوسرے کان سے لگاتے ہوئے سرد آہ بھری۔

"آپ بھول گئی نانو اماں کہا کرتی تھیں کہ "کبھی کے دن بڑے تو کبھی کی راتیں۔" اس نے بڑے بوڑھوں کے انداز میں سمجھایا۔

"ہاں یہ بات تو ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے گھر کو کس کی نظر لگ گئی ہے۔" وہ بلبلا اٹھی۔

"ہم لوگ خود آپ کے اور بڑی خالہ کے لیے بہت فکر مند رہتے ہیں۔" ثوبیہ نے دھیرے سے کہا، سنبل نے اس سے فون چھینا۔

"پاپا بھی آپ لوگوں کے لیے کافی پریشان رہتے ہیں۔" سنبل نے خیر خواہوں میں باپ کا نام بھی شامل کیا۔

"تم لوگوں کی محبت ہی تو ان مشکل حالات میں سہارہ دیتی ہے ورنہ......" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"حوصلہ رکھیں حالات مشکل سہی مگر ہمیشہ ایسے نہیں رہیں گے۔" اس کے لہجے میں رسانیت تھی۔

"جو کچھ ہونے والا ہے اسے سہنے کے لیے کہاں سے اتنا حوصلہ لاؤں؟" نہ چاہتے ہوئے بھی سفینہ کے منہ سے شکوہ نکل گیا۔

"کیا ہونے والا ہے پلیز سفی مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی اور بات بھی آپ کو پریشان کر رہی ہے؟" سنبل نے تیزی میں پے در پے سوال کیے۔

"کیا کہوں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بتانے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں ہو۔" سفینہ کے منہ سے سرد آہ نکلی۔

"آپ کو ہماری قسم جو بات بھی ہے صاف صاف بتا دیں۔" ثوبیہ نے سنبل کے تاثرات دیکھ کر موبائل چھینا اور ہیجان آمیز انداز میں پوچھا۔

"امی میری شادی کہیں اور کرنا چاہ رہی ہیں۔" سفینہ نے اپنے دل کا درد اپنی بہنوں جیسی دوستوں سے کہہ ہی ڈالا۔

"کیا بڑی خالہ آپ کی شادی کہیں اور کرنا چاہ رہی ہیں امپاسبل۔" اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔
"ہاں بلکہ وہ ایک جگہ میرے رشتے کی بات چلا بھی چکی ہیں۔" سفینہ نے روتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔
"اچھا فائز بھائی کو یہ سب پتا نہیں ہے کیا؟" سنبل نے بے حد پریشانی سے پوچھا۔
"ہمارے گھر کا ماحول پہلے جیسا نہیں رہا ہے۔ فائز اپنی جاب ڈھونڈنے میں مصروف ہیں اس پر تایا جان کی بیماری۔" بولتے بولتے اس کا حلق خشک ہوگیا۔
"ان کو بتایا؟" ثوبیہ نے فون چھین کر پوچھا۔
"نہیں فائز کو کچھ خبر نہیں ہے۔" سفینہ نے نفی میں سر ہلا کر کہا، اچانک کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔
"سفی مجھے کس بات کی خبر نہیں ہے۔" فائز کی بھاری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔
"وہ فائز۔" سفینہ نے تھوک نگلتے ہوئے پھٹی ہوئی آنکھوں سے اسے مڑ کر دیکھا۔

✿......✿......✿

اس واقعے کو کافی دن گزر چکے تھے مگر ریحانہ کی ناراضگی ختم نہیں ہو پا رہی تھی۔ بہزاد بہانے بہانے سے بیوی کو منانے کی کوشش کرتے، کبھی ان کی پسند کی چیزیں لاتے، کبھی بیٹی کے ساتھ مل کر زبردستی ڈنر پر لے جانا چاہتے مگر انہوں نے جیسے ہر چیز سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی، ضرورت کے تحت بات کرتیں، گھر کے کام کاج کرنے کے بعد جا کر اپنے کمرے میں بند ہوجاتیں۔ سفینہ اس ماحول سے گھبرا اٹھی، بہزاد کو بھی پچھتاووں نے آ گھیرا، ریحانہ ایسی بیوی تھی جنہوں نے انہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا، ہر بُرے وقت میں شوہر کے دم قدم رہیں۔ ان کی کم آمدنی میں بھی تِل میں سے تیل نکالتی رہیں، مگر گھر کا بھرم قائم رکھا اور اتنی ریاضتوں کے صلے میں انہوں نے کیا دیا، ان پر ہاتھ اٹھا بیٹھے۔ دن رات کا پچھتاوا انہیں گھیرے رکھتا۔ گھر میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی، سفینہ اپنی کلاس فیلو کے ساتھ پڑھنے گئی ہوئی تھی، بہزاد آفس سے لوٹے تو ٹیرس پر کرسی ڈال کر بیٹھ گئے۔ ریحانہ نے شوہر کو چائے بنا کر دی اور وہاں سے اٹھ کر جانے لگیں۔ بہزاد نے کلائی تھام کر پیار بھری نگاہوں سے دیکھا اور برابر میں رکھی کرسی پر بیٹھنے کی ضد کی، وہ بے رخی سے سمٹ کر بیٹھ گئیں۔
"ریحانہ......پلیز ایک بار میری طرف دیکھیں تو۔" بہزاد نے نرمی سے بیوی سے درخواست کی جو ریلنگ سے باہر جھانک رہی تھیں۔
"میں جانتا ہوں کہ اس دن جو کچھ بھی ہوا وہ ٹھیک نہ تھا مگر آپ نے اس قدر طیش دلا دیا کہ......" انہوں نے بیوی کا ہاتھ تھاما ہا مگر وہ بنا جواب دیئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"کیا مجھے معافی نہیں مل سکتی۔" انہوں نے کلائی سے تھام کر متانت سے پوچھا۔
"اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ۔" ریحانہ نے کچھ دیر بعد طنز کیا۔
"اگر کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے تو اسے معاف کرنا اچھی بات ہے۔" انہوں نے بڑی آس سے سمجھایا۔
"بعض غلطیاں بھلانے کے قابل نہیں ہوتیں۔" ریحانہ کی آواز بھرا گئی، ان کا سر جھک گیا۔
"یہ تو ہے پھر بھی کچھ گنجائش نکال لو۔" بہزاد نے سرد آہ بھر کر اعتراف کرنے کے ساتھ درخواست کی۔
"کڑوے رویے، رشتوں کی شفافیت کو دھندلا دیتے ہیں۔" ریحانہ کا انداز کافی تیکھا تھا۔
بہزاد نے سرد آہ بھر کر دیکھا اور تھکے ہوئے انداز میں وہاں سے اٹھ گئے۔

پیریڈ فری ہوا تو وہ دونوں چائے پینے کے لیے کینٹین میں جا بیٹھیں۔ شرمیلا کو یوں لگا جیسے صائمہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔ وہ بولنے کے لیے لب کھولتی اور ایک دم چپ ہو جاتی مگر شرمیلا نے کچھ خاص پروا نہیں کی وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔ ایک ہفتہ گزر گیا تھا مگر نبیل نے پلٹ کر کال نہیں کی، اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا کہیں تو اتنا حق جتا رہا تھا اور کہیں یوں اجنبی بن بیٹھا۔

''شاید اس دن جو میں نے اچانک کال کاٹ دی، تو اسے یہ ہی بات بری لگی ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا۔

''اب شرمیلا کو میرے ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' صائمہ کو اس کی غائب دماغی بری لگ رہی تھی۔

''ایک دو دن اور دیکھتی ہوں پھر خود ہی کال کروں گی۔'' شرمیلا نے سامنے رکھا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے سوچا۔

''ہیلو میڈم کہاں ہو۔'' صائمہ نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا، مگر وہ اپنے خیالوں میں کھوئی رہی۔

''نہیں اس طرح تو وہ اور دماغ دکھائے گا اب میں اتنی بھی گری پڑی نہیں ہوں۔'' شرمیلا نے دانت کچکچا کر سوچا اور بے ساختہ نفی میں گردن ہلائی۔

''یہ کس کے خیالوں میں اتنی گم ہے کہ میری پکار بھی نہیں سن رہی؟'' صائمہ مسلسل اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگوں کو تکنے لگی۔

''صائمہ کیا ہوا کچھ کہنا چاہتی ہو۔'' شرمیلا نے نگاہ اٹھائی تو اسے خود کو گھورتا پایا۔ مجبوراً بیزار سے انداز میں پوچھا۔

''ہاں...... نہیں تو۔'' صائمہ نے لب وا کیے پھر بھینچ کر انکار کیا۔

''اسے کیا ہوا، چند دنوں سے عجیب انداز میں ری ایکٹ کر رہی ہے۔'' شرمیلا نے کاندھے اچکا کر سوچا اور چائے گھونٹ گھونٹ کر کے حلق سے اتارنے لگی۔

''تم کیا سوچ رہی ہو؟'' صائمہ نے اس کے خیالات جاننے کی کوشش کی اور نگاہوں کے سامنے چٹکی بجائی۔

''کچھ نہیں یار۔'' وہ بے پروائی دکھانے لگی۔

''بے خودی بے سبب نہیں غالب۔

کچھ تو بات ہے جس کی پردہ داری ہو رہی ہے۔'' اس نے لہک کر شعر پڑھا۔

''واللہ تم تو میری کھوج میں شعر پڑھنے لگ گئی۔'' وہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

''چلو اسی بہانے تم ہنسی تو سہی۔'' صائمہ نے اس کا موڈ ٹھیک ہوتا دیکھا تو شکر ادا کیا۔

''بس یار کچھ خاص نہیں۔ ایسے ہی آج دل کچھ اداس سا ہے۔'' جانے کیوں اب وہ صائمہ سے نبیل کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہچکچاتی تھی۔

''کچھ تو گڑبڑ ہے۔'' صائمہ نے اسے ٹٹولا۔

''افوہ تم تو ایک بات کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہو کہا نہ کوئی بات نہیں۔'' ان دونوں کے بیچ ان دیکھی دیوار سی کھنچ رہی تھی۔

''کہیں نبیل کی یاد تو نہیں ستا رہی؟'' صائمہ نے اپنے تئیں چھیڑنے کی کوشش کی۔

''جسٹ شٹ اپ، تمہیں تو بس بکواس ہی سوجھتی ہے۔'' شرمیلا ایک دم آگ بگولا ہوئی، اس کا چہرہ اتر گیا۔

''اوہ آپ تو ناراض ہو گئیں۔'' صائمہ نے اسے عجیب نظروں سے گھورا مگر شرمیلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''سچ بتاؤ کیا معاملہ ہے؟'' صائمہ نے لمحوں میں خود پر قابو پاتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

"یار مجھے خود نہیں معلوم تو تمہیں کیسے بتاؤں؟" شرمیلا نے اپنے جذبات چھپاتے ہوئے ہونٹوں پر مسکان سجائی۔
"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ نبیل سے تمہاری دوبارہ ملاقات ہوئی کہ نہیں؟" صائمہ نے رازدارانہ انداز میں کریدا۔
"ہاں ایک بار ملا تو تھا۔ باتیں بنانا جانتا ہے۔ کافی ذہین اور لفظوں کا کھلاڑی لگتا ہے۔" شرمیلا نے جان بوجھ کر جھوٹ گھڑا۔
"او اچھا۔" صائمہ کے اندر کچھ بھسم ہونے لگا مگر بظاہر مسکراتی رہی۔

❁......❁......❁

بہزاد خان نے ان حالات میں فائز کو اکیلا نہیں چھوڑا ہر قدم پر وہ شانہ بشانہ اس کے ساتھ کھڑے رہے، اس نے بھی چاچا سے ہر معاملے میں راہنمائی لی۔ اسے شروع سے بیرون ملک جا کر اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کا شوق تھا مگر شومئی قسمت کے اس کے دوست نے ویزہ بھیجا بھی تو کن حالات میں جب وہ بیمار باپ کو چھوڑ کر باہر جانے کا ارادہ موقوف کر چکا تھا۔ بہزاد خان نے بھتیجے کو آفر بھی کی کہ اگر وہ جانا چاہے تو چلا جائے یہاں وہ بڑے بھائی کی دیکھ بھال کر لیں گے مگر اس کا دل نہیں مانا۔ خود پر جبر کرتے منع کر دیا اور پھر اپنے ملک میں ہی قسمت آزمانے کی ٹھانی۔ بہزاد خان کے ایک دوست کی فرم میں آج اس کا انٹرویو ہوا تھا، کئی گھنٹوں کے انتظار کے بعد جب باری آئی تو پتا چلا یہاں جو پوسٹ خالی ہے، وہ اس کے حساب سے اوور کوالیفائڈ ہو رہا ہے، اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔ حالات کی نزاکت سمجھتے ہوئے اس نے فی الحال یہاں کم تنخواہ پر بھی نوکری کے لیے رضامندی ظاہر کر دی۔ کافی دیر ٹریفک کے شور وغوغا سے نمٹنے کے بعد اس نے تھکے ہوئے قدم، گھر کی دہلیز پر رکھے اور خود کو ماں کے سوالوں کے جواب دینے کے لیے تیار کرنے لگا۔
"السلام علیکم...... پاپا۔" وہ ماں کو تلاش کرتا ہوا اندر داخل ہوا تو بیڈ پر موجود نحیف فالج زدہ باپ کو تکتے ہوئے اس کی تھکن دگنی ہوگئی۔
"ممی کہاں ہیں؟" اس کی آواز پہ اونگھتے ہوئے جلال خان نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور کچن کی طرف اشارہ کیا۔
"ایک جگہ انٹرویو دے کر آیا ہوں۔" اس نے باپ کا ہاتھ تھام کر خود ہی بتانا شروع کیا۔
"کیسا ہوا؟" جلال خان نے اشاروں میں پوچھا۔
"اچھا ہوا ہے بس آپ دعا کیجیے گا۔" اس کے کہنے پر، ان دھندلی آنکھوں میں ایک لمحے کو آس جاگ اٹھی اثبات میں سر ہلایا۔
"ارے تم کب آئے باہر تو بہت گرمی ہے پانی پلاؤں؟" سائرہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر واپس مڑ گئیں اور فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل اور گلاس لے کر واپس لوٹیں۔
"یہ لو۔" پی لو فائز نے ماں کے ہاتھ سے گلاس لے کر ایک سانس میں پورا پانی ختم کر ڈالا، واقعی گرمی نے آدمی کی مت ماری ہوئی تھی۔
"بیٹا آج جہاں انٹرویو دیا ہے وہاں نوکری کی کوئی امید بندھی؟" انہوں نے بڑی آس سے بیٹے کو دیکھا۔
"ممی امید پر دنیا قائم ہے۔" فائز نے ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا اور بہت نرمی سے ماں کا کاندھا ہلایا۔
"یہ تو سچ ہے مگر گھر میں رکھے سارے روپے خرچ ہوگئے ہیں۔ ان کی دوائیں بھی ختم ہونے والی ہیں......" سائرہ کا مایوس کن لہجہ اس کا دل چیر گیا۔
"ممی فکر نہ کریں ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔" اس نے جوتے کے تسمے کھولتے ہوئے کہا۔ یہ وہ ہی سائرہ جلال تھیں، جن کے متکبرانہ انداز ختم ہی نہیں ہوتے تھے مگر آج حالات کے ہاتھوں کس قدر مجبور ہو چکی تھیں، سر جھکائے

پژمردہ سی بیٹھی تھیں۔

''اللہ تمہارے یقین کو سلامت رکھے۔'' انہوں نے کچھ دیر سوچا پھر سر اٹھا کر بڑے درد بھرے انداز میں دعا دی۔

''آمین۔'' فائزہ نے دل میں کہا اور ماں کا ہاتھ تھام لیا، اس کی آنکھوں میں یاس اور رنج ہلکورے لینے لگا تھا۔

❁......❁......❁

ڈھلتے دن کے ساتھ ہی آدھے صحن میں دھوپ پھیل گئی اور آدھے پہ منڈیر کا سایہ جھک گیا، آج شرمیلا کا موڈ بہت اچھا تھا، آج نبیل نے خود کال کی تھی، اس کے شکوہ کرنے سے قبل ہی وہ اپنے بھاری لہجے میں صفائی دینے لگا کہ وہ کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اسے بہت مس کر رہا تھا مگر مصروفیت کی وجہ سے کال نہ کرسکا وغیرہ وغیرہ۔ شرمیلا کے لیے یہ بھی بہت تھا کہ اس نے یاد تو رکھا، اس کی پُر لطف باتوں میں پوری دوپہر یوں گزر گئی کہ پتا ہی نہیں چلا۔ وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تو پسینے میں شرابور ہو رہی تھی، چپچپاتے کپڑوں سے چھٹکارا پانے کے لیے وہ نہانے گھس گئی۔

ان کا پورشن اوپری منزل پر بنا ہوا تھا۔ جہاں دھوپ بغیر کسی رکاوٹ کے سیدھی پڑتی تھی، چھت کے ساتھ ساتھ دیواریں تک گرم ہو جاتیں۔ شرمیلا نے حبس زدہ موسم کی وجہ سے شام کی چائے بنانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور سب کے لیے کیری کا شربت بنانے کا سوچا۔ بتول ایک دن قبل ہی اچار ڈالنے کے لیے بہت ساری کیریاں خرید کر لائی تھیں۔ جس سے استفادہ اٹھاتے ہوئے، اس نے انہیں چھیل کاٹ کر ابالا اور پھر ''پنا'' بنایا۔ ٹھنڈا ہونے کے بعد گلاسوں میں شربت انڈیلا اوپر سے آئس کیوب اور پسی کالی مرچ چھڑکی اور ٹرے میں گلاس سجانے لگی کہ باہر کے دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔

''دیکھنا تو کون آیا ہے۔'' شرمیلا نے چھوٹی بہن کو بلند آواز میں ہدایت کی۔

''السلام علیکم! آنٹی۔'' صائمہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی پُر جوش انداز میں چلائی۔

''وعلیکم السلام بیٹا! آؤ آؤ یہاں آ کر بیٹھو۔'' بتول جو قمیص کی سلائی ادھیڑنے میں مصروف تھیں، عینک سے جھانکتے ہوئے شفیق انداز میں کہا۔

''شرمیلا نہیں ہے کیا؟'' اس نے تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد گردن گھما کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''شرمیلا نے کہاں جانا ہے محترمہ۔'' وہ شوخی سے گنگناتی ہوئی ہاتھ میں ٹرے تھامے کچن سے برآمد ہوئی اور پہلے ماں کو شربت پیش کیا۔

''صائمہ کو پلاؤ۔'' بتول نے مسکرا کر مہمان نوازی نبھائی۔

''واہ بھئی تم بھی کچن کا رخ کرتی ہو۔'' صائمہ نے اس کا بڑھایا ہوا گلاس تھام کر لطیف انداز میں چوٹ کی۔

''جی جناب چلو پی کر بتاؤ کیسا بنا ہے؟'' اس نے چڑنے کے بجائے خوشگوار مسکراہٹ سے نوازا۔

''یہ بڑی خوش دکھائی دے رہی ہے، کہیں نبیل اور اس کی بات چیت دوبارہ شروع تو نہیں ہو گئی۔'' وہ ایک دم چونکی ہوئی۔

''آؤ اندر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' شرمیلا نے گلاس اٹھایا اور بولی۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' صائمہ کے تو من کی مراد پوری ہو گئی، جلدی سے سر ہلایا اور اس کی تقلید میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁......❁......❁

بہزاد خان آفس سے لوٹے تو لباس تبدیل کرنے کے بعد چپ چاپ گھر کے عقب میں بنے ہوئے صحن کی جانب نکل آئے، باپ کی یاد بہت بے چین کر رہی تھی، ان ہی کی چارپائی پر لیٹے تو بہت اچھا لگا جانے کب نیند کی دیوی مہربان

ہوگئی اور وہ سوتے رہے، ادھر ریحانہ کا برا حال ہوگیا۔ پچھتاووں نے گھیر لیا وہ سمجھیں کہ شاید ان کی بے رخی سہتے سہتے بہزاد تھک ہار کر کہیں چلے گئے ہیں، سفینہ کے سامنے رونے لگ گئیں۔

''ارے بابا آپ یہاں اکیلے کیوں لیٹے ہیں؟'' سفینہ نے بہزاد کے قریب پہنچ کر پھولی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا تو ان کی آنکھ کھل گئی۔

''حیرت ہے مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔'' بہزاد نے آنکھیں مل کر کہا، بیٹی کے لہجے میں چھپی تشویش اچھی لگی۔

''آپ ہم سے ناراض ہیں؟'' اس نے زمین پر اکڑوں بیٹھ کر باپ کا کاندھا ہلا کر پوچھا۔

''نہیں چندا بس اس طرف نکل آیا تو لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔'' بہزاد نے تسلی دیتے ہوئے بتایا۔

''پتا ہے امی کتنی پریشان ہورہی ہیں انہوں نے پورا گھر چھان مارا، تایا جان کے یہاں پتا کیا مگر آپ کا کہیں پتا نہیں چلا تو رونے بیٹھ گئیں۔'' سفینہ نے مزے لیتے ہوئے ریحانہ کا حال بتایا۔

''اچھا مگر ایسا کیا ہوگیا؟'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا۔

''وہ یہ سمجھ رہی ہیں کہ آپ ہم سے ناراض ہوکر کہیں چلے گئے ہیں۔'' سفینہ نے چارپائی پر بیٹھنے کے بعد بتایا۔

''حیرت ہے ورنہ آج کل تو وہ میرے بارے میں جانے کیسا الٹا سیدھا سوچنے لگی ہے اور......'' کسی سوچ کے تحت بہزاد نے بیٹی کے سامنے کچھ اور کہنا مناسب نہ سمجھا۔

''بابا وہ الگ بات ہے مگر امی سچ مچ میں بہت فکر مند ہیں......'' سفینہ نے سر ہلا کر اپنی بات پر زور دیا۔ وہ ان دونوں کے بیچ قائم سرد مہری کی دیوار کو گرانے کی خواہش مند تھی۔

''سفی کیا ہوا تمہارے بابا کا کچھ پتا چلا۔'' ریحانہ دور سے پکارتی ہوئی اسی طرف آگئیں۔

''امی...... یہاں آجائیں بابا یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔'' سفینہ چہکی تو ریحانہ کی جان میں جان آئی۔ دل میں شکر ادا کیا۔

''واہ بھئی آپ اب بھی ہمارے لیے پریشان ہوتی ہیں۔'' بہزاد نے بیوی کا پسینے میں تر چہرہ دیکھا تو چھیڑا۔

''کیا مجھے تنگ کرنے کا یہ کوئی نیا طریقہ سوچا ہے۔'' ریحانہ نے شدید ترین بے بسی محسوس کرتے ہوئے شکوہ کیا۔

''ہم نے کسی کو کیا تنگ کرنا ہے۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔

''تنگ کرنا اور کسے کہتے ہیں جو پورا گھر چھوڑ کر اس ویران گوشے میں چلے آئے۔'' انہوں نے نم لہجے میں کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو کافی دنوں سے خود اسی اضطراب کا شکار ہوں کہ کہیں اپنی غلطی کی وجہ سے تمہیں کھو نہ دوں۔'' بہزاد نے خالی ہاتھ ملتے ہوئے بے تابی سے کہا۔

''آپ دونوں دل کی بھڑاس نکال لیں میں چلی۔'' سفینہ دل میں سوچ کر مسکرائی اور دبے پاؤں ان کے بیچ سے اٹھ کر اپنے پورشن کی جانب چل دی۔

''عمر کے اس حصے میں کیا کھونا کیا پانا۔'' ریحانہ نے جانے کیا سمجھانا چاہا۔

''کسی کو کھو دینے کے خوف کا تعلق دل سے ہوتا ہے عمر سے نہیں۔'' بہزاد کے چہرے کے نقوش میں گہری سنجیدگی در آئی۔

''ہاں تو جہاں خوف رکھا تھا وہیں دل میں بیوی کے لیے تھوڑی سی عزت بھی رکھ لیتے۔'' ریحانہ کا چہرہ لال بھبھوکا ہونے لگا۔

''جو تھوڑی سی عمر باقی ہے وہ ایسے ہی جلی کٹی سننے اور تمہیں منانے میں کٹے گی کیا؟'' بہزاد نے ریحانہ کا ہاتھ تھام کر

شرارت سے پوچھا۔
"نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے۔ بہت دن ہوگئے کہیں ڈنر پر نہیں گئے آج چلتے ہیں۔" ان کے لہجے کی چہکار واپس آ گئی، مسکرا کر فرمائش کی۔ شوہر کی کچھ دیر کی گمشدگی نے ان کا دل ہلا کر رکھ دیا تھا، اسی لیے بات کو یہیں ختم کرنے میں عافیت جانی۔
"شکر ہے بیگم صاحبہ سے معافی تو ملی ورنہ میں تو جنگل بیاباں میں نکلنے کا سوچ رہا تھا۔" وہ خوش دلی سے بولے تو ریحانہ ہنس دیں۔

❁......❁......❁

"اب بتاؤ کیا نئی تازی ہے۔" اس کے بیڈ پر آرام دہ حالت میں بیٹھتے ہوئے صائمہ نے بے صبری سے پوچھا۔
"سب باسی اور پرانی ہیں۔" اس نے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ہنس کر جواب دیا۔
"اچھا چہرہ تو بڑا کھلا کھلا سا ہے۔" صائمہ نے شکی نگاہوں سے دیکھا تو وہ گڑبڑائی۔
"پتا نہیں، کیا بات ہے..... آج کل نبیل کی کوئی خیر خبر ہی نہیں آرہی۔" شرمیلا نے یوں ہی جھوٹ گھڑ دیا۔
"کیوں کیا تمہاری اس سے فون پر بھی بات نہیں ہوئی؟" صائمہ نے بغور تکتے ہوئے پوچھا۔
"تمہیں نبیل کی اور میری بڑی فکر رہتی ہے خیریت تو ہے۔" شرمیلا نے یخ شربت کا سپ لیتے ہوئے اس کا وار اسی پر لوٹایا۔
"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" اس نے جلدی سے گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے خود پر قابو پایا۔
"تمہیں نبیل سے پیار ہو گیا ہے نا۔" تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد صائمہ نے اس کا دل ٹٹولا۔
"یہ تم نے کیا واہیات بات کی۔" شرمیلا نے گھور کر دیکھا۔
"یار..... اب تم مجھ سے تو اپنی پریم کہانی نہ چھپاؤ۔ مجھے اس بات کا ایک سو ایک فیصد یقین ہے۔" صائمہ نے جل کر گلاس پٹخا۔
"اچھا اگر ایسا ہو بھی تو تمہارے غصے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔" شرمیلا کو اس کے اصرار پر طیش آ گیا۔
"دیکھو شرمیلا تم بہت اچھی لڑکی ہو مردوں کے چلتر سمجھنا تمہارے بس کی بات نہیں اور....." صائمہ نے مزید کچھ کہنا چاہا پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گئی۔
"کون سے چلتر؟" شرمیلا نے گلاس منہ سے ہٹایا اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔
"تم پہلے میرے سوال کا جواب دو۔" وہ سسپنس پھیلا کر اصرار کرنے لگی۔
"کون سا سوال؟" شرمیلا انجان بن کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔
"یہی کہ کیا تمہیں نبیل سے پیار ہو گیا ہے اور....." اس نے مسکرا کر کہا۔
"اور کیا؟" وہ بھنا اٹھی۔
"اور یہ کہ تم فائز کو مکمل طور پر بھلا چکی ہو۔" صائمہ نے طنز کا بھالا اس کے سینے میں اتارا۔
"مجھے نہیں پتا۔" فائز کے نام پر شرمیلا کے دل کو کچھ ہوا، جواب دینے کے قابل ہی نہیں رہی۔
"ایک بات تو بتاؤ پہلے تو تم خود نبیل کی حمایت میں مری جاتی تھی اور اب اچانک یہ بدلاؤ کیسا؟" شرمیلا نے خود پر قابو پایا اور تجسس سے پوچھا۔
"پہلے تم میری بات کا جواب دو اس کے بعد ہی میں کچھ کہوں گی۔" صائمہ ضد پر اڑ گئی۔

"جاؤ میں تمہیں کچھ نہیں بتاتی۔" وہ بھی چلانے لگی۔
"اوکے میں نبیل سے خود پوچھ لوں گی ویسے بھی وہ اپنا بزنس ٹرپ مکمل کرکے لوٹ آئے ہیں۔" صائمہ کی زبان بے خیالی میں پھسل پڑی اور شرمیلا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

❁......❁......❁

"اے لو یہ مل گیا ہے۔" اشرفی خالہ نے دوپٹے سے پسینہ پونچھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔
"کیا خالہ......؟" ریحانہ کا دھیان کہیں اور تھا غائب دماغی سے پوچھا۔
"آفاق میاں کے دفتر کا نمبر اور کیا؟" اشرفی خالہ نے بوسیدہ بٹوے سے لشکارے مارتا کارڈ نکال کر ریحانہ کو تھمایا۔
"یہ تو بہت بڑا کام ہوگیا۔ اچھا تو خالہ پھر کیا میں بات کرلوں؟" ریحانہ نے آسودگی کا سانس بھرا پھر کارڈ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں ہاں تو نمبر کیا سنبھال کر رکھنے کو دیا ہے، بہزاد میاں سے کہو کہ لڑکے سے رابطہ کرلیں۔" انہوں نے ٹھنڈے ٹھار شیک کا مزہ لیا اور ہنستے ہوئے کہا۔
"اگر میں خود فون کرلوں تو۔" ریحانہ کے ہاتھ میں کارڈ دبا تھا فون نمبر پر انگلی پھیرتے ہوئے پوچھا۔
"ہائیں کیوں بھئی ایسے تم دفتر میں فون کرتی ہوئی کیا اچھی لگوگی۔" انہوں نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا اور خالی گلاس تپائی پر رکھ دیا۔
"اصل میں خالہ میں نے آپ کو بتایا تو تھا کہ سفی کے بابا اپنے بھائی کے بیٹے فائز کے علاوہ کوئی دوسرا نام سننے کے روادار نہیں۔" ریحانہ نے اٹکتے ہوئے اپنی مشکل بتائی۔
"ہائے اللہ تو کیا باپ کی مرضی کے بغیر شادی کروگی؟" ان کے کان کھڑے ہوئے۔
"خالہ آپ کیسی باتیں کرتی ہیں ایسا بھلا کبھی ہوسکتا ہے؟" وہ تھوڑا اچڑیں۔
"اے تو پھر؟" انہوں نے بٹوے میں سے پان نکال کر منہ میں دبایا۔
"میں پہلے آفاق سے خود بات کرکے مطمئن ہونا چاہتی ہوں، اس کے بعد ان سے بات کروں گی۔" ریحانہ نے آرام سے بتایا۔
"اچھا میری بچی اگر یہ مشکل ہے تو اللہ کا نام لے کر تم خود ہی فون کرلو۔" انہوں نے سر ہاں میں ہلایا اور پان چبایا۔
"میں تو چاہتی ہوں کہ کسی طرح سے سفینہ کا رشتہ اس بڑے گھر میں طے پا جائے پھر بھائی کا سارا غرور دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔" ریحانہ نے نتھنے پھلا کر اندرونی جذبات کا اظہار کیا۔
"میں تو ایک پتے کی بات سمجھاؤں گی بیٹا ماننا نہ ماننا تمہارے ہاتھ میں ہے۔" ریحانہ کا جوش دیکھ کر اشرفی کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔
"آپ میری اماں کی جگہ ہیں چپ کیوں ہوگئیں۔ بتایئے نا خالہ؟" ریحانہ نے محبت سے ان کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھا۔
"اگر سفینہ کے حق میں آفاق شاہ کے خاندان میں رشتہ ہونا اچھا ہو تو ضرور ایسا ہو......ورنہ نہ ہو کیونکہ آنے والے اچھے برے وقت کی تو صرف میرے اللہ کو خبر ہوتی ہے انسان بلاوجہ کی ضد کا ہے کو باندھ بیٹھے۔" اشرفی نے بٹوے سے مہین کٹی ہوئی چھالیہ کے دانے نکالے اور منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔
"آہ......ہا......یہ بھی سچ بات ہے۔" ریحانہ نے فوراً ہی تائید کی۔

"ویسے ایک بات کہوں اگر تم اپنے جیٹھ کے بیٹے کے رشتے پر نظر ثانی کر لیتی تو اچھا تھا۔" انہوں نے چٹکی بھر تمباکو پھانکتے ہوئے کہا۔

"نہیں خالہ میں اب اپنی بچی کو اس گھر میں بیاہنے کے حق میں نہیں ہوں۔" انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

"بیٹا اچھی طرح سے سوچ لو۔" اشرفی خالہ نے سمجھانا چاہا۔

"نہیں بھئی بڑی بھابی اور ان کی اماں کے ہتھے چڑھنے کے بعد تو میری بچی شادی کے بعد رُل کر رہ جائے گی۔" ریحانہ نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

"اچھا جیسی تمہاری مرضی ورنہ کہتے ہیں اپنا مارے، تب بھی چھاؤں میں ڈالتا ہے۔" انہوں نے دبی زبان میں کہنا چاہا۔

"توبہ کریں خالہ اگر اپنے نے مار ہی ڈالا ہے تو چھاؤں میں پھینکے یا دھوپ میں مرنے والے کو کیا فرق پڑتا ہے۔" ریحانہ نے مذاق اڑایا۔

"اللہ نہ کرے بی بی خیر کی بات منہ سے نکالو۔" اشرفی نے سینے پر ہاتھ مار کر انہیں گھورا۔

"کیا کہوں خالہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں، اشرفی خالہ کی سوالیہ نگاہیں خود پر مرکوز دیکھیں تو دوبارہ بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں ٹوٹا تھا۔

"میں تو سفینہ کی خوشی کے لیے یہ کڑوا گھونٹ پینے کو بھی تیار ہو گئی تھی مگر وہاں تو جس کو دیکھو اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا ہے۔ بڑی بھابی پہلے ہی کم تھیں کہ ان کی والدہ ماجدہ بھی سفینہ کا پیچھا لینے کے لیے یہاں آ گئیں۔" ریحانہ کے حد درجہ شکایت بھرے انداز پر اشرفی نے چونک کر دیکھا۔

"ارے بیٹا کیوں فکر کرتی ہو کچھ نہ کچھ اچھا ہی ہو جائے گا۔" اشرفی خالہ نے جانے کے لیے پر تولے۔

"بس آپ اپنی کوشش جاری رکھیں۔" ریحانہ نے لجاحت سے ان کا ہاتھ دبا کر کچھ نوٹ مٹھی میں دبائے۔

"بیٹا پریشان نہ ہو ہماری سفینہ ہے ہی اتنی پیاری کہ آفاق کی بہن تو دیکھتے ہی لٹو ہو جائے گی۔" انہوں نے مسکرا کر ریحانہ کو دلاسہ دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں تو بس یہ ہی چاہتی ہوں کہ سفینہ کی شادی ایسی جگہ ہو کہ ساری دنیا منہ میں انگلی داب لے۔" ریحانہ نے جوش سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"تھوڑا صبر رکھو ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" وہ ہنس دیں۔

"بس پھر میں کل آفاق کو کال کرتی ہوں۔" ریحانہ نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ہاں مگر شاید وہ تمہیں پہچانے گا نہیں۔" اشرفی خالہ نے ناک پر انگلی جما کر سوچنے کے بعد کہا۔

"ہاں یہ بات تو میرے دماغ میں آئی ہی نہیں۔" ریحانہ نے ایک دم ہول کر انہیں دیکھا۔

"اچھا ایک کام کرو پہلے تم روشنی سے بات کر لو وہ آفاق کی چھوٹی بہن ہے۔" اشرفی نے ایک اور راہ سجھائی۔

"میرے خیال میں یہ بات زیادہ مناسب رہے گی۔" وہ سکون بھری سانس کھینچتے ہوئے بولیں۔

"اسے یہ لو اس پر نمبر لکھا ہے۔" اشرفی خالہ نے ایک بار پھر بٹوہ کنگھال ڈالا اور مڑا تڑا سا کاغذ ریحانہ کو تھمایا۔

"چلیں ٹھیک ہے کل صبح ہی بات کرتی ہوں میں اس لڑکی سے کیا نام بتایا تھا آپ نے؟" وہ سوالیہ انداز میں بولیں۔

"اس کا نام روشنی ہے میرا حوالہ دے دینا اور کہنا کہ رشتے کے سلسلے میں ملنا چاہتی ہوں۔" خالہ نے دھیرے سے سمجھایا۔

"ایسے ہی کہوں گی۔" انہوں نے ہنستے ہوئے سر ہلایا۔
"تم دیکھنا ان شاء اللہ یہاں سفینہ بیٹی کی بات بن جائے گی بہت اچھے لوگ ہیں۔" اشرفی خالہ نے ریحانہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔
"آمین۔" ریحانہ کے لبوں سے ادا ہوا۔
"بس بیٹا ایک بار سفینہ سے ضرور پوچھ لینا وہ مجھے بہت عزیز ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی دل آزاری ہوجائے۔" اشرفی خالہ نے برقعے کی ڈوری کستے ہوئے وہ بات کہہ ہی دی، جس کے لیے کافی دیر سے ہمت مجتمع کررہی تھیں۔
"جی۔" ریحانہ نے حیرت سے انہیں یوں دیکھا، جیسے اشرفی خالہ نے ایک نئے امتحان سے دوچار کردیا ہو۔

ڈھلتی شام بھی سورج کی حدت کم نہیں کرپائی تھی، پنکھے سے نکلنے والی گرم ہوا خود سے بیزار کررہی تھی، ریحانہ سلائی میں لگی ہوئی تھی، پہلے تو فائز کی چھیڑ چھاڑ میں وقت کٹ جاتا تھا، مگر آج کل اس کا کچھ اتا پتا نہ تھا، سفینہ پر بوریت کا شدید دورہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے کچھ دیر ادھر ادھر ٹہل کر وقت گزارا پھر ایگزامز کی تیاری کے لیے کتابیں کھول کر بیٹھ گئی، بڑی مشکل سے ایک پیراگراف پر نگاہ دوڑائی، دل جیسے پڑھائی سے اچاٹ ہونے لگا، مجبوراً نوٹس اٹھا کر سائیڈ میں رکھ دیئے۔ خیالات اتنے منتشر تھے کہ کسی پل قرار نہیں مل رہا تھا۔ سفینہ نے باتھ روم میں جاکر منہ ہاتھ دھویا، گیلے بالوں کو انگلیوں سے سنوار کر کیچر لگایا، کمرے میں پھیلے حبس سے چھٹکارا پانے کے لیے وہ ٹیڈی کو بغل میں دبائے باہر نکل آئی، زینے کی سیڑھیاں چڑھ کر، اپنی مخصوص جگہ پر جاکر بیٹھ گئی، تازہ ہوا نے اس کا خوش دلی سے خیر مقدم کیا تو اسے کچھ سکون میسر آیا۔ وہ اور فائز اکثر یہاں بیٹھ کر دنیا جہاں کی باتیں کیا کرتے تھے، سفینہ نے گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائی تو ایک دم خیالات کی بوچھاڑ اس پر بارش کی طرح برسنے لگی۔ وہ جب بھی فائز کو اجڑے ہوئے حال میں دیکھتی اس کا دل دھاڑیں مار مار کر گھٹنوں روتا...... اگر بس میں ہوتا تو وہ لمحوں میں تایا جان اور فائز کو کرب کے طوفانوں سے نکال لیتی۔ مگر اس معاملے میں وہ بے بس تھی، چاہتے ہوئے بھی کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ فائز آج کل کتنا خاموش رہنے لگا تھا، پہلے سے زیادہ کمزور بھی ہورہا تھا۔ سفینہ کا دل چاہتا کہ وہ پہلے کی طرح، اس سے اپنی ہر بات شیئر کرے تاکہ وہ اس کے غموں میں حصہ دار بن سکے، اسے تسلی دے سکے مگر سب کچھ بے سود تھا۔ فائز سے اس کی بات ہونا تو درکنار ملاقات بھی نہیں ہوپاتی۔ کتنے دن گزر جاتے پر وہ اوپر نہیں آتا، ریحانہ بھی سفینہ پر کڑی نگاہ رکھتی، اسے نیچے جانے کی سختی سے ممانعت تھی، وہ فائز کا چہرہ دیکھنے کو ترس گئی تھی فون کرتی تو وہ بہت جلدی میں ہوتا، ذمہ داریوں کا پورا پہاڑ اس پر آگرا تھا جن سے نمٹنا زیادہ ضروری تھا۔
"پورا ایک ہفتہ گزر گیا ہے، ان سے تسلی سے بات نہیں ہوئی۔" سفینہ نے انگلیوں پر دن گنے۔ "کاش وہ کسی بہانے سے آجائیں تو میں انہیں جی بھر کے دیکھ تو لوں۔" سفینہ نے آنکھیں بند کرکے اس کا تصور کیا اور دل میں دعا مانگی۔
"سفینہ۔" فائز جو ابھی اوپر آیا تھا، اسے جوگیوں کی طرح آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھا دیکھا تو مسکراہٹ ہونٹوں پر آگئی۔
"یہ تو فائز کی آواز ہے یا میرے کان بج رہے ہیں۔" اس نے دل میں سوچا اور آنکھیں کھولی۔
"آپ یہاں؟" وہ ایک دم کھل اٹھی۔
"کیوں کیا میرے یہاں آنے پر پابندی عائد ہے؟" وہ شوخ ہوا۔
"نہیں تو۔" اس نے گردن ہلائی تو بال بھی حرکت میں آگئے۔
"کیا دنیا سے سنیاس لینے کا ارادہ ہے جو سب سے چھپ کر یہاں بیٹھی ہو۔" فائز نے جھک کر اس کی آنکھوں میں

جھانکا۔

''وہ میں......'' سفینہ نے گڑبڑا کر اس کی نظر سے نظر ملائی، پلکوں کی جھالر گرتی چلی گئی۔

''لڑکی آرام سے بات کرو مجھے ہکلاتی بیوی بالکل نہیں پسند۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اتنے دن سے، کہاں تھے؟'' وہ بلش ہوگئی فوراً بات بدلی۔

''تمہارے پاس اور کہاں جاؤں گا۔'' اس کا دل شرارتوں پر آمادہ ہوا۔

''بس رہنے دیں منہ دیکھے کی باتیں۔ اب تو، بات بھی نہیں کرتے، لگتا ہے ہماری یاد بھی نہیں آتی؟'' سفینہ نے بڑی معصومیت سے گویا شکایتوں کی بھرمار کردی۔

''سفی تم جانتی تو ہو سب۔ حالات ایسے بن چکے ہیں کہ کچھ نہیں کرپارہا۔'' وہ کچھ یاد کرکے ایک دم خاموش ہوگیا۔

''میں سب سمجھتی ہوں تب ہی اتنا برداشت کرتی ہوں، آپ سے بالکل نہیں لڑتی۔'' اس نے سرخ ہونٹ نکال کر جتایا گویا اپنی سمجھداری کی دھاک بٹھانی چاہی۔

''واقعی......میری سفی بہت سمجھدار ہوگئی ہے۔'' فائز نے اس کی بل کھائی لٹ کو کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے پیار سے سراہا۔

''فائز!'' وہ ایک دم جھینپ گئی۔

''یہ بتاؤ کچھ ہوا ہے کیا؟'' فائز کو ایک دم سے خیال آیا۔

''کیا ہوا ہے؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''اس دن تم چھت پر کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئی تھی۔'' فائز نے یاد دلایا مگر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ آنکھیں خود بخود نم ہوگئیں۔

''پلیز سفی رونا مت میں پہلے ہی حالات کے ہاتھوں بہت رویا ہوں۔ لگتا ہے اب تو آنسو بھی جواب دے چکے ہوں۔ فائز نے تڑپ کر اس کا ہاتھ تھاما۔

''فائز اتنے دنوں بعد ریلیکس ہیں اگر میں نے انہیں اس وقت اپنے رشتہ کی خبر سنادی تو بلاوجہ موڈ آف ہوجائے گا۔'' سفینہ نے اس کی پریشان صورت دیکھی تو اپنا ارادہ ملتوی کرڈالا۔

''سفی میں نے کچھ پوچھا ہے؟'' فائز نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے اپنی جانب موڑا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ سر ہلانے لگی۔

''او کے اب یہ رونا بند کرو تو میں ایک خوش خبری سناؤں۔'' فائز نے انگلی سے اس کے گال پر ٹپکنے والے آنسو کے قطرے کو سنبھالا۔

''اچھا بابا نہیں روتی اب خوش۔'' سفینہ نے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھ ڈالے اور زبردستی مسکرائی۔

''ہاں خوش۔'' اس کا چہرہ ایک دم جوش سے تمتمایا۔

''کیا کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے جو مسکراہٹ نہیں تھم رہی۔'' سفینہ نے چھیڑا۔

''یہی سمجھ لو اصل میں میری ایک جگہ جاب لگ گئی ہے۔'' فائز نے مسکرا کر اسے بتایا۔

''الحمدللہ یہ تو بہت اچھی خبر سنائی۔'' سفینہ نے دل سے خوش ہوکر کہا۔

''چاچی کہاں ہیں میں ان کو یہ گڈ نیوز سنانے آیا تھا چاچا کو تو کال کرکے بتا چکا ہوں؟'' فائز کو خیال آیا کہ وہ اوپر کس

کام سے آیا تھا تو جلدی سے پوچھا۔
"امی تو شاید نہا رہی ہیں۔"
"اوٹھیک ہے۔انہیں بتا دینا۔"
"ویسے فائز دادا ابا ہوتے تو یہ سن کر کتنا خوش ہوتے۔" سفینہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک دم کہا۔
"تم صحیح کہہ رہی ہو وہ ہماری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے،ان کے جاتے ہی لگتا ہے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔" فائز نے ایک آہ بھری اور بیتے وقت کو یاد کیا۔
"یہ تو سچ ہے۔ان کے قدموں کی برکت تھی جو اس گھر میں امن وسکون قائم تھا۔ہمیں ان کے جانے کے بعد اکیلے ہونے کا احساس زیادہ ہو رہا ہے۔" سفینہ نے ہونٹ بھینچ کر کہا،ابرار خان سے دونوں کو اس قدر لگاؤ تھا کہ وہ ایک ایک پل میں ان کی یادوں میں ساتھ رہتے تھے۔سفینہ اور فائز کافی دیر تک وہاں کھڑے ماضی اور حال کے جھروکوں سے تانک جھانک کرتے رہے تھے۔

٭......٭......٭

روشنی نے مسلسل بجتی بیل سے پریشان ہو کر جینز کے پاکٹ میں ہاتھ ڈال کر سیل فون نکالا،کسی نامعلوم نمبر سے کال آرہی تھی،بھائی کی ہدایت پر وہ عام طور پر انجان نمبرز سے آنے والی کال نہیں اٹھایا کرتی تھی،مگر اس وقت ایک دم سے ریسیو کر لی۔
"ہیلو!!" اس کی مہین سی آواز سن کر ریحانہ کے دل کو قرار ملا۔وہ تو مایوس ہو کر لائن ڈسکنکٹ کرنے والی تھیں۔
"میں ریحانہ بات کر رہی ہوں۔" جلدی سے اپنا تعارف پیش کیا۔
"میں روشنی بات کر رہا ہوں۔" اس نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں جواب دیا۔
"بات کر رہا ہوں یہ کیا کوئی لڑکا ہے۔مگر اشرفی خالہ نے تو کہا تھا کہ آفاق کی چھوٹی بہن کا نام روشنی ہے۔" ریحانہ تذبذب کا شکار ہو گئیں۔
"اصل میں بیٹا مجھے،آفاق احمد کی چھوٹی بہن سے بات کرنی تھی وہ موجود ہوں تو ذرا بات کرا دو۔" ریحانہ نے تفصیلاً سمجھایا۔
"آنٹی جی میں روشنی ہی بول رہا ہوں آفاق میرے ہی بڑے بھائی کا نام ہے۔" اس کی ٹون نہیں بدلی۔
"ہیں اچھا اچھا۔" ریحانہ نے پریشانی سے ماتھے پر ہاتھ مارا۔
"آپ کو کوئی کام ہے؟" روشنی نے تھوڑا بیزاری سے پوچھا۔
"ہاں وہ یہ نمبر مجھے اشرفی خالہ نے دیا تھا۔میری بیٹی کے۔رشتے کے سلسلے میں۔" ریحانہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی پھر بھی مدعا بیان کیا۔
"واؤ ہم نے اشرفی خالہ کو بھابی ڈھونڈنے کا کہا تھا اچھا آپ کی لڑکی کیسی ہے؟" روشنی کی آنکھیں چمکیں۔
"بیٹا یہ باتیں فون پر کرنے کی نہیں آپ لوگ ہمارے گھر تشریف لے آئیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔" ریحانہ کو روشنی کا انداز ناگوار گزرا مگر رسانیت سے جواب دیا۔
"سو سوری وہ مجھے جلدی سے بھابی گھر لانا ہے۔بہت بور ہوتا ہوں۔" روشنی نے بڑے جوش وخروش سے بتایا۔
"کوئی بڑا نہیں ہے کیا؟" ریحانہ کو ہول اٹھ رہے تھے،خود ہی فرمائش کی۔
"اچھا آپ ایسا کریں۔عشوا اماں سے بات کرلیں وہ ہی اس گھر کی بڑی ہیں۔" روشنی نے کچھ سوچ کر فون پاس

کھڑی بوا کو تھمایا اور صوفے پر جا کر بیٹھ کر پیر ہلانے لگی، ریحانہ نے بھی سکون کا سانس لیا اور عشو بیگم سے معاملات طے کرنے لگی۔

❁......❁......❁

"یا میرے مالک رحم کردے۔" سائرہ نے بہت دنوں بعد جائے نماز پر بیٹھ کر خشوع و خضوع سے نماز کی ادائیگی کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"ہمارے اس گھر کی خوشیاں لوٹا دے۔" انہوں نے سرد آہ بھر کے چاروں جانب نگاہ دوڑائی اور حسرت سے کہا۔

"میرے مالک تیرے دربار میں کسی چیز کی کمی تو نہیں ہے۔ تو میرے خاندان کی خوشیاں بھی لوٹا دے۔ میرے شوہر کو صحت یاب کردے میرے بچے پر رحم فرمادے اور ہم ناشکروں کے گناہوں کو معاف فرمادے۔" انہوں نے سجدے میں گر کر ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے آہ وزاری کی پھر وہیں لیٹ گئیں۔

"ممی کیا ہوا؟" فائز جو ماں کو ڈھونڈتے ہوئے دلان میں نکل آیا تھا، انہیں سجدے میں بے سدھ پایا تو ایک دم گھبرا کر کاندھا ہلایا۔ سائرہ ایسے ہی آنکھیں بند کیے لیٹی رہیں۔ فائز کا دل بری طرح گھبرا لیا۔

"پلیز آنکھیں کھولیں ایسے کیوں لیٹی ہیں۔" اس نے ماں میں جنبش ہوتے نہیں دیکھی تو ایک بار پھر ہلایا۔

"یا اللہ اب کسی نئے امتحان سے دوچار نہ کرنا میرا حوصلہ جواب دے گیا ہے۔" وہ ایسے ہی زمین پر ماں کے برابر میں بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر التجا کرنے لگا۔ "ممی اٹھیں نا......" اس نے بے قراری سے ایک بار پھر انہیں جھنجھوڑ ڈالا۔

"آں ہاں کیا ہوا۔" سائرہ نے مندی آنکھوں سے بیٹے کو دیکھ کر کہا۔

"میں کب سے آوازیں دے رہا ہوں مگر آپ جواب ہی نہیں دے رہی تھیں۔" ماں کی آنکھیں کھلتی دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی نم آنکھیں صاف کرڈالیں۔

"شاید میں نماز پڑھتے پڑھتے جائے نماز پر ہی سوگئی تھی۔" سائرہ بانو نے مشکل سے سر اٹھایا اور بیٹے کو دیکھ کر پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

"اچھا میں تو ڈر گیا تھا۔" فائز نے ماں کو سہارا دیا، انہوں نے نگاہ اٹھائی، وہ ہلکی ہلکی شیو میں مہکتے ہوئے سفید کرتا شلوار میں بھی بہت پیارا لگ رہا تھا۔

"پتا نہیں اچانک کیا ہوا ہے سر بری طرح سے گھوم رہا ہے۔" سائرہ نے اٹھتے ہوئے سر کو تھام لیا۔

"شاید آپ کا بی پی لو ہوگیا ہے۔" فائز نے ماں کی کلائی تھامی۔

"پتا نہیں بیٹا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" وہ دقت سے بولیں۔

"گرمی بھی تو اتنی پڑ رہی ہے پھر آپ کو پاپا کے ساتھ رات میں کئی بار اٹھنا پڑتا ہے طبیعت تو خراب ہوگی آج رات کو میں ان کے ساتھ سوجاؤں گا۔" فائز نے ماں کو ہمدردی سے دیکھا اور فکرمندی سے کہا۔

"فائز میں بہت پریشان ہوں تمہارے پاپا کو یوں لاچار دیکھتی ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی میرا دل مٹھی میں لے کر بھینچ رہا ہو۔ میری تو رب سے بس اتنی ہی التجا ہے کہ انہیں لمحوں میں پہلے جیسے چلتا پھرتا مضبوط بنادے۔" سائرہ بیگم نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں فریاد کی۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیا ہوگیا ہے کہ آناً فاناً سب کچھ تلپٹ ہوکر رہ گیا ایسا لگتا ہے کہ غموں نے یہاں کا راستہ دیکھ لیا ہو جیسے......" فائز نے بھی بہت دنوں بعد ماں کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔

"یہ سب میرے گناہوں کی سزا ہے۔" وہ کہتے کہتے رو پڑیں۔

''ایسا نہیں سوچتے ممی۔'' فائز نے دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے ماں کا ہاتھ تھاما۔
''کیا کروں پچھتاوے راتوں کو ڈراتے ہیں۔'' انہوں نے دھیرے سے کہا۔
''لیکن......'' وہ کچھ بولتے بولتے رُکا اور ماں کا ہاتھ تھپتھپایا۔
''ہاں بیٹا میری سوچ غلط تھی دیکھو نا...... ہمیں صرف اپنے اللہ سے امید رکھنی چاہیے، اُس کے سوا کوئی اور ہمارا حاجت روا نہیں ہے مگر میں نے کیا کیا اندھے اعتقاد پر چلتی ہوئی اس ڈھونگی ملکی بابا کے چکروں میں پڑ گئی اور اس دن کے بعد سے پریشانیوں نے جیسے اس گھر کا راستہ دیکھ لیا ہے۔'' سائرہ نے ڈبڈبائی نظروں سے بیٹے کو دیکھ کر جیسے اعتراف جرم کیا۔
''بے شک ممی اللہ تعالیٰ تو خود اپنے بندوں سے کہتا ہے کہ تم مجھ سے مانگو میں تمہیں عطا کروں گا مگر نادان انسان پھر بھی اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔'' فائز نے محبت سے کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر تائید کی۔
''انسان ہے ہی نادان اور خود غرض صرف اپنے فائدے کے بارے میں سوچتا ہے، اسی لیے پھنستا ہے۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولیں۔
''واقعی ہمیں سوچنا چاہیے کہ اگر ہماری دعائیں قبول نہیں ہو رہی تو اس میں بھی کوئی مصلحت ہو سکتی ہے، ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے رب پر بھروسا قائم رکھنا چاہیے کیوں کہ یہ تو اس کا فرمان ہے کہ مجھ سے کبھی مایوس نہ ہونا۔'' فائز نے آسمان پر نگاہ جما کر دھیرے سے کہا۔
''میرے رب مجھے معاف کر دینا۔'' سائرہ نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور بیٹے کو تھام کر رونے لگیں۔
''ممی آپ کو اس بات کا احساس ہو گیا ہے یہ ہی بہت ہے۔'' اس نے کچھ دیر ماں کی بھڑاس نکلنے کا انتظار کیا پھر مسکرا کر خود سے لپٹا لیا۔
''اچھا اب تم مجھے کمرے میں لے چلو۔'' انہوں نے جوان بیٹے کے مضبوط کاندھوں پر ہاتھ رکھا اور سہارہ لیتے ہوئے بولیں۔
''چلیں اندر چل کر لیٹ جائیں میں آپ کو مزید ارسی لسی لا کر پلاتا ہوں۔'' فائز نے ماں کو بہلانے کے لیے کہا۔

❁......❁......❁

''نبیل...... تمہیں دنیا میں کیا چیز سب سے پیاری ہے؟'' شرمیلا نے اس کی نئی گاڑی میں بیٹھتے ہی امتحان لینا شروع کیا۔
''ایک ہے جو مجھے بہت زیادہ پیاری ہے۔'' نبیل نے اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے، اسے گھمانا چاہا۔
''ہمیں بھی تو پتا چلے کہ وہ خاص ہستی آخر ہے کون؟'' شرمیلا نے ناز سے گردن گھمائی اور یوں سوال کیا، جیسے اسے پہلے سے جواب آتا ہو۔
''صرف تم جاناں۔'' اس کا خوب صورت اور بھاری لہجہ کانوں میں گونجا، وہ حد درجہ بے باکی پر تھا شرمیلا لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی۔
''یہ مسٹر تو بہت پھیل رہے ہیں انہیں حد میں رکھنا ضروری ہے۔'' شرمیلا نے سوچتے ہوئے بے خیالی میں سر ہلایا۔
''سوری شاید میرا اندازِ تخاطب تمہیں بُرا لگا ہے۔'' وہ عشق کے میدان کا پرانا کھلاڑی تھا، اس کے اندر کی بات جان گیا۔
''بالکل صحیح سمجھا، پلیز...... مجھے اس قسم کی فضول باتوں سے کوفت ہوتی ہے۔'' اسے کنٹرول کرنے کے لیے شرمیلا کا ناراض ہونا ضروری تھا۔

''اس کا مطلب ہے تم ابھی تک میری محبت کو قبول نہیں کر پائی ہو۔'' نبیل نے اسے بڑے خاص انداز میں دیکھا اور مایوسی سے پوچھا۔

''مجھے محبت پر بالکل اعتبار نہیں۔'' شرمیلا نے اسے آزمانے کی ٹھانی اور انکار میں سر ہلا دیا۔

''مانا کہ محبت دکھائی نہیں دیتی لیکن یہ اپنا وجود رکھتی ہے اور اگر کوئی کسی کے عشق میں مبتلا ہو تو اسے اپنا آپ محسوس کرانا بھی جانتی ہے۔'' نبیل کا انداز فلسفیانہ ہوا۔

''یہ سب کتابی باتیں ہیں۔'' شرمیلا نے انگلیوں کو جنبش دیتے ہوئے مذاق اڑایا۔

''محبت حقیقت رکھتی ہے، تب ہی تو کتاب لکھنے والے، اس کے بارے میں لکھنے پر مجبور ہوئے۔'' وہ ایک نئی دلیل لے کر آیا۔

''میں نہیں مانتی۔'' اس نے قائل ہوتے ہوئے بھی انکار کیا۔

''پھر تو تمہارا دعویٰ خود فریبی کی علامت ہے۔'' نبیل اسے باتوں سے زیر کرتا چلا گیا۔

''ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔'' شرمیلا نے سرد مہری سے جواب دیا۔

''یہ تو بے جا ضد ہوئی۔'' وہ اس کے انداز پر ہنس پڑا۔

''نبیل صاحب بات یہ ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے عشق کے دعویٰ دار دیکھے ہیں۔ جو محبت کے پاکیزہ لفظ کا جال پھینک کر کسی کے مشکل وقت اور حالات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعد میں رفو چکر ہونے میں دیر نہیں لگاتے۔'' شرمیلا نے دکھی لہجے میں کہا۔

''کیا تمہیں میں ایسا لگتا ہوں۔'' نبیل کو لگا جیسے شرمیلا کے طنز کے نشانے پر اس کا وجود ہو، وہ اسٹیرنگ تیزی سے گھماتے ہوئے چیخ اٹھا۔

''کسی کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔'' شرمیلا نے بغیر سوچے کہا۔

''مائی گاڈ۔'' اسے یہ بات تیر کی مانند لگی۔ وہ ایک بار پھر باہر کے نظاروں میں محو ہوگئی۔

''کیوں ایسا کیا ہوا ہے؟ جس نے تمہارا یقین محبت پر سے ہٹا دیا ہے۔'' نبیل کا اجڈپن عود آیا، چہرے کے عضلات تن گئے۔

''پتا نہیں......'' اسے نبیل کا لہجہ برا لگا کاندھے اچکا کر شک کو مزید ہوا دی۔ دونوں کے بیچ چند لمحوں کی خاموشی آگئی۔

''ویسے یہ بات بہت غلط ہے یار۔'' نبیل نے خود پر قابو پاتے ہوئے ریلیکس انداز میں اسے پکارا۔

''کون سی بات؟'' اس نے مڑ کر سوال کیا اور بالوں کا کیچر ٹھیک کیا، بالوں کی لٹیں نکل کر چہرے پر بکھر رہی تھیں۔

''تمہاری صرف ایک جھلک دیکھنے کی خاطر میں اتنی دور سے یہاں آیا ہوں اور تم ہو کہ منہ بنا کر بیٹھ گئی ہو۔'' اس نے منانے میں پہل کی۔

''آں......نہیں تو۔'' شرمیلا کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''مجھ ناچیز پر ایسا ظلم نہ کیا کرو یار۔'' اس کے لبوں پر شکوہ مچلا مگر شرمیلا کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا، وہ خاموش بیٹھی رہی۔

''شرمیلا! پلیز میری خاطر غصہ تھوک دو۔'' اس نے قدرے جھکتے ہوئے پیار سے ایک بار پھر پکارا۔

''نہیں مجھے کسی پر غصہ کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور اس کی طرف دیکھنے سے گریزاں رہی۔

''میں کسی نہیں ہوں تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں۔'' نبیل نے ڈیش بورڈ پر رکھے، اس کے مومی ہاتھ تھام کر

نرم لہجے میں جتایا۔
''اچھا تو چاہتے رہو۔'' اس نے دلکش انداز میں ہنستے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا کر گود میں رکھ لیا۔
''مزہ تو جب ہے کہ تم بھی اس بات کا اقرار کرلو۔'' وہ اب پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔
''کس بات کا؟'' شرمیلا کو جان کے انجان بننا اچھا لگا۔
''یہ ہی کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو......'' نبیل نے لفظوں کے جال بننے شروع کیے۔
''مجھے کیا خبر۔'' وہ بڑی ادا سے مسکرائی۔
''تو کسے خبر ہوگی؟'' نبیل پر ضد سوار ہوئی، اسے بغور دیکھا، پنک کرتی میں وہ کھلا گلاب لگ رہی تھی اسے شرمیلا کے منہ سے اقرار کروانا ہی ہے۔
''شاید میرے دل کو۔'' اس نے دھیرے سے جواب دیا اور لب بھینچ لیے۔
''تو پلیز اپنے دل سے پوچھ کر بتاؤ نا۔'' وہ اقرار کروانے پر تلا بیٹھا تھا۔
''اتنی جلدی بھی کیا ہے؟'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔
''سنو میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اپنی جان سے بھی بڑھ کر اور اب تمہارے بغیر جینے کا میرے پاس کوئی تصور نہیں بچا......'' اس کے دھیرے دھیرے بولنے پر شرمیلا کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔
''تم......'' اس نے سر ہلا کر اسے تنبیہ کی مگر اس کا وجود نبیل کی چاہت کی بارش میں بھیگنے لگا۔ اُس کی خمدار پلکیں لرز اٹھیں۔ شرمیلا کا دل اس کی محبت کا جواب محبت سے دینے کو مچلا۔ وہ مسکرا کر اس کی جانب مڑی اور پیار بھری نگاہوں سے اس کے وجیہہ چہرے کو اپنی گرفت میں لیا۔
''مردوں کے چلتر تم کیا جانو۔'' اچانک صائمہ کی باتیں ذہن میں گونجنے لگیں، چہرے کے تاثرات ایک دم بدلتے چلے گئے۔
''کیا ہوا؟'' نبیل نے اس کے خیالات میں ہونے والی تبدیلی کو بھانپ لیا، اسی لیے چونک کر پوچھا۔
''کیا میں جان سکتی ہیں تمہارا صائمہ سے کوئی رشتہ ہے۔'' شرمیلا نے نبیل کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تشکیک بھرے انداز میں سوال کیا۔
''کون صائمہ؟'' نبیل ایک دم گھبرا سا گیا، مگر اس کا چہرہ اس کی بات کی نفی کرنے لگا۔
''واہ اب تم صائمہ کو نہیں جانتے چند دنوں بعد پوچھو گے کہ شرمیلا کون ہے۔'' وہ بھڑک اٹھی۔
''تمہیں اچانک کیا ہوگیا ہے۔'' نبیل ایک دم گڑبڑا گیا اسے شرمیلا کی طرف سے ایسے غیر متوقع سوال کا اندازہ تک نہ تھا۔
''میرے سوال کا جواب دو۔'' شرمیلا نے اسے گھورا۔
''ہاں وہ صائمہ تمہاری سہیلی ہے نا۔'' وہ اٹکنے لگا مگر اس کے انداز سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے۔

❁......❁......❁

''السلام علیکم عشو اماں!'' عائشہ بیگم جو صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں آفاق شاہ کے بھاری اور خوب صورت لہجے پر نظر اُٹھا کر دیکھا، کیسا ویل مینرڈ اور ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔
''وعلیکم السلام ماں صدقے آ گیا میرا بچہ۔'' انہوں نے جلدی سے اپنی جگہ چھوڑی اور کچن کی جانب بڑھ گئیں۔
''ہائے......'' روشنی نے ہمیشہ کی طرح چہکتے ہوئے بڑے بھائی کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''وعلیکم السلام روشنی۔'' آفاق شاہ نے اسے ٹوکا۔
''سوری بھائی میں بھول گیا تھا السلام علیکم کیسے ہیں آپ۔'' روشنی نے سر پر ہاتھ مار کر شرارتی انداز میں کہا۔
''بھائی کی جان نے دن بھر کیا کیا۔'' آفاق نے اسے خود سے لگا کر پوچھا۔
''کچھ نہیں، کھایا پھر سویا پھر کھایا۔'' اس کا قہقہہ گونجا۔
''تم نے یوگا کلاسز لینا پھر چھوڑ دی؟'' آفاق شاہ نے بہن کو گھورا، وہ جینز پر ڈھیلی سی ٹی شرٹ میں بھی فٹ نہیں آ رہی تھی۔
''بھائی مجھ سے روزانہ وہاں نہیں جایا جاتا۔'' روشنی نے اندر آتی عشو اماں کو دیکھ کر جواب دیا۔
''ہاں بیٹا میں نے ہی اسے ابھی منع کیا تھا بچی کا دل نہیں چاہتا تو زبردستی کیسے کی جائے۔'' انہوں نے ہمیشہ کی طرح روشنی کی بے جا حمایت کی۔
''عشو اماں آپ اس کا حال دیکھ رہی ہیں کل کو شادی بھی ہونی ہے۔'' آفاق شاہ نے متفکر نگاہوں سے بہن کو دیکھ کر سر ہلایا، جو ملازم کے لائے ہوئے لوازمات پر ہاتھ صاف کرنے میں جت گئی۔
''بھائی شادی تو اب آپ کی ہونے والی ہے۔'' روشنی نے چکن نگٹس پلیٹ میں بھرے پھر اس پر کیچپ ڈالتے ہوئے کہا۔
''افوہ یہ لڑکی بھی غلط وقت پر غلط بات منہ سے نکالتی ہے۔'' چائے پیتی عشو کو ایک دم ٹھسکا لگا۔
''اچھا وہ کیسے؟'' انہوں نے سرسری انداز میں پوچھا۔
''وہ اسری خالہ نے کسی رشتے والی کو یہ مشکل کام سونپا تھا انہوں نے آپ کے لیے ایک بہت پیاری لڑکی تلاش کی ہے۔'' روشنی کھانے اور بولنے کا کام ایک ساتھ کر رہی تھی۔
''کاش اسے پہلے سمجھا لیتی تو یہ بات آفاق میاں کے سامنے تو نہیں نکلتی۔'' عشو بظاہر مسکراتے ہوئے کلس کر رہ گئیں۔
''او کے ٹھیک ہے۔'' آفاق شاہ نے بجھے بجھے انداز میں سر ہلایا۔ اسے ابھی شادی سے قطعی دلچسپی نہیں تھی مگر روشنی کی وجہ سے یہ قدم اٹھانا ضروری ہو گیا تھا۔
''تم کچھ کھا نہیں رہے میرے لال۔'' عشو بیگم نے اُس کے چہرے پر پھیلی فکرمندی کو جانچتے ہوئے کہا۔
''نہیں اماں تھینک یو۔'' وہ اپنی ڈائٹ کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا۔ جب ہی تو ہزاروں میں الگ دکھائی دیتا۔
آفاق شاہ بلا کا پُراعتماد، لمبا، مردانہ وجاہت کا حامل پُرکشش نوجوان تھا۔ اعلیٰ تعلیم اداروں سے کوالیفائیڈ۔ انتہائی بااخلاق، جہاں جاتا محفل کی جان بن جاتا، اُس کی ہنسی کی دلنشین گونج لڑکیوں کے دلوں پر قیامت ڈھاتی۔ آنکھوں میں ایسی سحر انگیزی تھی کہ نگاہیں اٹھا کر بات کرتا تو سامنے والا مسحور ہو جاتا۔ پورے شہر میں اس کی بزلہ سنجی کے چرچے تھے مگر اندر سے کس قدر تنہا اور اداس تھا یہ بات صرف وہ جانتا تھا یا اس کا کمرہ جہاں وہ تنہائی میں اپنے چہرے پر اوڑھا نقاب اتار دیتا اور اپنے غموں کو سینے سے لگا کر سو جاتا۔

❁......❁......❁

سائرہ نے جلال خان کا منہ ہاتھ صاف کیے اور انہیں ناشتہ کروانے کے لیے پیالے میں دلیہ نکالا ابھی ابھی چولہے سے اتارا تھا اس لیے کافی گرم لگا، چمچہ چلاتے ہوئے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں لگ گئیں، بستر پر دراز جلال خان نے بڑی حسرت سے بیوی کو دیکھا، وقت کی گردش میں ان کا طمطراق کہیں کھو سا گیا تھا، اب تو وہ صرف ایک بیوی اور ماں بنی

ہوئی تھیں۔
"یہ کہاں چلا۔" کھٹر پٹر کی آواز پر سائرہ نے کھڑکی سے جھانکا تو فائز کچھ ڈھونڈتا دکھائی دیا۔ اس نے بلیک جینز پر لائٹ بلو شرٹ پہن رکھی تھی کہیں جانے کی تیاری تھی۔
"فائز بیٹا ذرا سننا۔" سائرہ نے پیچھے سے آواز دی۔
"جی ممی۔" وہ انگلی میں چابی کا چھلا گھماتے ہوئے پلٹا۔
"اماں نے اپنے گھر سے کچھ سامان منگوایا ہے تم جا کر وہ لے آنا۔" سائرہ نے حکم نامہ جاری کیا۔
"ممی ایسا کریں نانو کو بھی کہیں کہ وہ تیار ہو جائیں۔" فائز کو شرمیلا کا سامنا کرنے کا سوچ کر ہی کوفت محسوس ہوئی، ایک تدبیر نکالی۔
"وہ کیوں؟" انہوں نے بھنویں اچکائیں۔
"میں ان کو ساتھ لے جاتا ہوں، وہ اپنی مرضی سے سارا سامان لے آئیں گی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔
"یہ ٹھیک ہے ویسے بھی انہیں کئی دنوں سے اپنے گھر کی ہڑک ہو رہی ہے۔" سائرہ نے کچھ سوچنے کے بعد سر ہلایا۔
"نانو کہاں ہیں؟" اس نے اِدھر اُدھر نگاہیں گھما کر پوچھا۔
"وہ گیسٹ روم میں ہوں گی ایسا کرو تم خود جا کر انہیں اپنے ساتھ جانے کے لیے منالو۔" سائرہ نے سادگی سے کہا۔
"یہ ٹھیک ہے۔" وہ وہاں سے باہر چل دیا۔ جلال خان نے بیٹے کی چوڑی پشت کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا، وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔
"میرے خیال سے ہمیں بہت جلد فائز کی شادی کر دینی چاہیے۔" جلال خان نے سائرہ کو پاس بیٹھے دیکھا تو اشارے میں سمجھانا چاہا۔
"ہم کیوں نہیں بہت اچھا خیال ہے۔ مگر جب تک آپ مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتے اور فائز کی جاب نہیں ہو جاتی تب تک رک جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔" سائرہ نے شوہر کا منہ صاف کر کے دلیہ کھلاتے ہوئے تسلی دی۔
وہ جلال خان کو منع نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جلال خان فائز کے رشتے کے حوالے سے بہت حساس ہیں اور یہ بات انہیں برداشت نہیں ہوگی مگر دل ہی دل میں ان کا ارادہ کچھ اور بن چکا تھا۔ انہیں جلد ہی یہ گھر چھوڑ کر چلے جانا تھا۔

❁.......❁.......❁

"ارے کس سوچ میں گم ہو۔" اشرفی خالہ نے سوچوں میں گم کھڑی ریحانہ کو پکارا۔
"خالہ آپ کب آئیں؟" وہ اپنے خیالوں سے چونک کر باہر نکل آئیں۔
"کب سے تو پکار رہی ہوں مگر تم کوئی جواب ہی نہیں دے رہی۔" انہوں نے برقعے کی ڈوریاں ڈھیلی کرتے ہوئے منہ بنایا۔
"اچھا مجھے خبر ہی نہیں ہوئی آپ آئیں یہاں پنکھے کے نیچے بیٹھیں میں شربت لاتی ہوں۔" ریحانہ نے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔
"یہ سب تو ہوتا رہے گا پہلے تم بتاؤ کہ روشنی سے بات ہوئی؟" انہوں نے دوپٹے کے پلو سے پسینہ پوچھا۔
"بات تو ہوئی مگر مجھے وہ لوگ کچھ سمجھ میں نہیں آئے۔" ریحانہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔
"ہائے اللہ بڑے اور خاندانی لوگ بھی تمہیں سمجھ میں نہیں آرہے۔" اشرفی خالہ کا منہ کھل کر رہ گیا۔
"خالہ وہ کچھ عجیب سے ہیں۔" ریحانہ اپنا مطلب واضح نہیں کر پا رہی تھیں۔

"بس بھئی جب اتنا اعلیٰ گھرانا اور شاندار لڑکا تمہیں سمجھ میں نہیں آرہا تو میری طرف سے معذرت قبول کرلو۔" اشرفی خالہ بلبلا اٹھیں۔
"خالہ آپ نے تو ایک دم غیروں والی بات کردی۔" ریحانہ نے بھی ناگواری سے منہ بنایا۔
"بیٹا اور کیا کہوں یقین جانو میں اس سے اچھا رشتہ مر کر بھی نہیں ڈھونڈ سکتی۔" انہوں نے مصلحتاً نرمی دکھائی۔
"خالہ ایک بات بتائیں آپ نے تو کہا تھا کہ آفاق شاہ کی ایک چھوٹی بہن ہے روشنی اور وہاں سے تو کسی لڑکے نے فون اٹھایا۔" ریحانہ نے صاف بات کی۔
"اے لو..... تو یہ بات ہے۔" اشرفی خالہ نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ٹھٹھا لگایا۔
"کیوں..... کیا یہ کوئی بات ہی نہیں؟" وہ جلبلائیں۔
"ہاں بیٹا مجھ سے غلطی ہوگئی جو تمہیں پوری بات نہیں بتائی۔" انہیں اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔
"پوری بات؟" ریحانہ کا انداز الجھن زدہ ہوا۔
"اصل میں روشنی اٹھارہ سال کی لڑکی ہے، ماں کا انتقال برسوں پہلے ہوگیا تھا، گھر میں ایک بوا، وہ بھی مجھے کچھ خودغرض سی لگی، باپ اور بھائی کی شفقت میں پلی بڑھی اس لڑکی کے سارے انداز لڑکوں والے ہیں وہ بولتی بھی یونہی ہے میں کھاتا ہوں میں جاتا ہوں۔" اشرفی خالہ نے ہنستے ہنستے بات مکمل کی۔
"اچھا تب ہی تو۔" ریحانہ کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"ارے یہ باتیں چھوڑو۔ اصل بات یہ کہ اتنا مختصر سا خاندان ہے سفینہ راج کرے گی راج۔" اشرفی خالہ نے سرگوشی کرتے ہوئے ہاتھ دبایا۔
"ہاں خالہ یہ بات تو ٹھیک ہے۔" ریحانہ کو افسوس ہوا کہ وہ نہ جانے کیا کیا الٹا سیدھا سوچے بیٹھی تھی۔
"ایک بات اور ہے وہاں سے کسی عشو نامی خاتون نے بات کی صاف لگ رہا تھا کہ وہ مجھے ٹالنا چاہ رہی ہیں۔" ریحانہ نے ایک اور مشکل بتائی۔
"عائشہ بیگم ساٹھ سال کی عورت ہے مگر ابھی بھی کافی تیز اور پھرتیلی ہے، اس نے ہی آفاق اور روشنی کو پالا پوسا ہے، اسی وجہ سے اس کا پورے گھرانے پر بڑا اثر و رسوخ ہے وہ کیوں چاہے گی، آفاق میاں کی شادی ہو اور سفینہ مالکن بن کر پورے گھر پر قابض ہوجائے۔ مگر ان کی سگی خالہ اسری پر ہی اب ضد سوار ہے کہ بھانجے کی شادی کروا کر دم لے گی دیکھو جیت کس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔" اشرفی خالہ نے تلخ لہجے میں حقائق بیان کیے اور ہاتھ پر ہاتھ مارا۔
"جی.....! کیا مطلب؟" ریحانہ نے حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

❁.....❁.....❁

"میں اسے کیوں بتاؤں گی کہ تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق ہے۔" صائمہ نے نبیل کے سوال پر زیرلب کہا۔
"پھر اسے کیسے پتا اس نے یہ سوال کیوں کیا مجھ سے کہ میرا تم سے کیا رشتہ ہے۔" وہ بری طرح سے بھنایا ہوا تھا۔
"مجھے کیا خبر؟" صائمہ نے نگاہیں چرائیں۔
"تم جتنا اسے بھولی سمجھتی ہو۔ اتنی وہ ہے نہیں تم سے کہیں زیادہ تیز دماغ رکھتی ہے۔" نبیل نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔
"میں بھی تمہیں یہ ہی سمجھا رہی ہوں کہ اتنی آسانی سے وہ تمہارے ہاتھ آنے والی نہیں۔" صائمہ نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھانا چاہا۔
"تم مجھے کیا سمجھتی ہو میں کوئی عقل سے پیدل ہوں۔" نبیل نے ناگواری سے پوچھا۔

''نبیل اپنا وعدہ یاد رکھنا اگر تم بھولے تو میں تمہیں یاد دلاتی رہوں گی۔'' صائمہ کے لہجے میں دھمکی چھپی تھی۔
''مائی فٹ۔'' وہ دل ہی دل میں صائمہ کو دیکھتے ہوئے بولا مگر فی الحال اسے بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔
''ایک بات اور کچھ بھی ہو وہ میری گہری دوست ہے۔ اگر اسے کچھ ہوا تو میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔'' صائمہ نے نبیل کے ارادوں کو بھانپتے ہوئے سختی سے کہا۔
''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو میں ایسا کچھ نہیں کر رہا۔ خوامخواہ میں شکوک و شبہات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' نبیل نے اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے سمجھانا چاہا۔ ''میں اس سے صرف محبت کا کھیل...... کھیل رہا ہوں اور اس کا یقین پانے کے لیے میں تم سے یہ سب کردار رہا ہوں ورنہ......'' اس نے اپنی ساحر آنکھیں صائمہ پر جمائیں۔
''ورنہ کیا؟'' صائمہ نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔
''ورنہ میں کبھی بھی اس کے ساتھ دل سے انوالو نہیں ہوا۔'' نبیل اسے جانے کیا جتانا چاہتا تھا۔
''نبیل تمہیں معلوم ہے وہ مجھ پر کتنا بھروسہ کرتی ہے۔ اگر اسے ایک مرتبہ بھی تمہاری حقیقت کا پتا چل گیا تو وہ تم سے محبت تو کیا نفرت بھی کرنا گوارہ نہیں کرے گی اور اس کے بعد شاید ہم دونوں کی دوستی کا آخری دن ہوگا اور میں شرمیلا کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ پاؤں گی۔'' اس کی آنکھ بھر آئیں۔
''اچھا اور میرے بنا......'' اس نے جھک کر براہ راست آنکھوں میں جھانکا۔
''یہی تو مشکل ہے جو مجھے پاگل کیے دے رہی ہے۔'' صائمہ کے گالوں پر آنسو کے قطرے ٹپکنے لگے۔
''اوہ......! یہ کیا صائمہ...... پاگل مت بنو رو کیوں رہی ہو یار، دیکھو میں سمجھتا ہوں۔ پلیز مجھ پر بھروسہ کر کے میری ہر خطا کو درگزر کر دو۔'' نبیل اسے پبلک پلیس پر روتا دیکھ کر پریشان ہو گیا۔
''چلو میں تمہاری پسند کی آئس کریم کھلاتا ہوں مگر اب ایک آنسو بھی نہیں ٹپکنا چاہیے۔'' نبیل کے پچکارنے پر صائمہ نے مسکراتے ہوئے گالوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی جان میں جان آئی، اسے ڈر لگنے لگا تھا کہ کہیں یہ بے وقوف لڑکی دوست کی محبت میں مزید اس کے ساتھ چلنے سے انکار نہ کر دے اور کہیں جوش میں آ کر شرمیلا کو جا کر سب کچھ سچ سچ بتا دے تو اس کا بنا بنایا کھیل خراب ہو جاتا۔

❁......❁......❁

جلال خان کی مسلسل گرتی صحت اور گھر کے دگرگوں حالت کی وجہ سے سائرہ ایک دن جیسے تھک گئی اور ماں کے گلے لگ کر رونے لگی۔
''ہائے کیا ہو گیا سائرہ ایسے کیوں رو رہی ہو؟'' دلشاد بانو کے دل پر جیسے گھونسا پڑا۔
''اماں! میں نے کیا کیا کچھ سوچ رکھا تھا۔ مستقبل سے کتنی روشن امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں مگر اب لگتا ہے جیسے سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔'' وہ دکھی لہجے میں بولیں۔
''ہا...... ہا جانے کس بدنظر کی نظر کھا گئی میری بچی کے ہنستے بستے گھر گھرستی کو۔'' دلشاد بانو نے سر پکڑ لیا۔
''میرا بچہ کیسا کملا گیا ہے۔'' سائرہ نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔
''ہاں یہ تو سچ ہے بچے کا اتنا سا منہ نکل آیا ہے۔'' دلشاد نے بھی پُرزور انداز میں تائید کی۔
''کتنا شوق تھا اسے باہر جانے کا اب ویزہ آیا بھی تو حالات ہی ایسے نہ تھے کہ وہ بیمار باپ کو چھوڑ کر جا سکے۔'' فائز سے زیادہ سائرہ کو اس بات کا قلق تھا۔
''اے میں کہتی ہوں کہ اچھا ہوا فائز بیرون ملک نہیں گیا، ورنہ تیرا اس دنیا میں کوئی بھی نہ رہتا۔'' وہ جوش سے تیز آواز

میں بولنا شروع ہوئیں۔
"اپنے سسرالی رشتے داروں سے تو خیر کی امید نہ رکھو۔" دلشاد بانو کبھی بیٹی کو تسلی دیتیں تو کبھی ان کے سسرال والوں کو دو دو سناتیں۔
"اماں تھوڑا آہستہ بولیں۔" سائرہ نے ماں کا ہاتھ دبایا کہ کہیں کوئی سن نہ لے۔
"بیٹی تو میری بات مان اور یہ گھر چھوڑ کر میرے ساتھ چل۔ میں بھی یہاں رہتے رہتے تھک گئیں ہوں۔ اب اپنے گھر جانا چاہتی ہوں مگر کیا کروں وہاں جا کر بھی تم لوگوں میں ہی دل اٹکا رہے گا۔" دلشاد بانو نے بیٹی پر میکے شفٹ ہونے کے لیے دوبارہ زور ڈالا۔
"اماں اب تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ فائز کی جاب تو لگ گئی ہے مگر تنخواہ اتنی نہیں ہے یہ نیچے کا پورشن کرائے پر چڑھا دوں گی تو مل ملا کر گزارہ ہو جائے گا۔" سائرہ نے پہلی بار سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا۔
"میں تو کب سے یہ بات سمجھا رہی ہوں تُو میرے ساتھ چل کر رہ تو میرا بھی دل لگا رہے گا اور تیرا روز روز کے لڑائی جھگڑوں سے بھی پیچھا چھوٹ جائے گا۔" دلشاد نے خوش ہو کر کچھ زیادہ ہی غلط بیانی کر دی ورنہ بہزاد نے جس طرح سے ریحانہ کو دبا کر رکھا تھا وہ جٹھانی کی غلط بات کو بھی ہنس کر ٹال جاتیں۔
"فائز آجائے تو اس سے بات کرتی ہوں۔" سائرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
"اے یہی بات ٹھیک رہے گی میں پہلے بھی تجھ سے کئی بار کہہ چکی ہوں کہ تیری دیورانی نے ہی کالا جادو کروایا ہوا ہے۔" دلشاد نے ایک اور فتنہ اٹھایا۔
"ہائے نہیں اماں۔" سائرہ کا دل نہیں مانا تو نفی میں گردن ہلا دی۔
"ارے...... وہ کمبخت ماری کبھی بھی تجھے چین وسکون سے رہنے نہیں دے گی۔" دلشاد نے ایک بار پھر سائرہ کے کان بھرنا شروع کر دیے۔ وہ بھی ماں کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنے لگیں۔ گھر کے حالات کی وجہ سے یہ نقطہ ذہن میں اٹک گیا۔
"میں کسی بھی طرح سے جلال خان کو راضی کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔" سائرہ کی ضعیف الاعتقادی نے پھر کام بگاڑا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ماں کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے بولی۔
دلشاد بیٹی کی حالت دیکھ کر اسے کئی دنوں سے اپنے گھر شفٹ ہونے پر مجبور کر رہی تھیں۔ شاید اسی میں سائرہ کی اپنی مرضی بھی شامل تھی۔ دلشاد کا ایک ہی مقصد تھا کہ فائز کسی بھی طرح چاچا چاچی اور ان کی بیٹی سے دُور رہے اور پھر جب سائرہ اور فائز عملاً دلشاد کے گھر میں آجائیں گے تو شرمیلا سے اس کا میل جول ویسے ہی بڑھ جائے گا، یوں فائز کا دل بھی سفینہ سے ہٹ کر شرمیلا کے بارے میں سوچنے لگے گا۔ کیا ہی عجیب بات ہے کہ ہر ماں کو ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ اس کی بیٹی اپنے سسرال میں پریشان ہے۔ حالانکہ سائرہ نے وہاں سب کو پریشان کر کے رکھا ہوا تھا۔ ساس بھی نہیں تھی گھر میں لے دے کے ایک سسر تھے ان کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ مگر پھر بھی دلشاد کو لگتا تھا کہ اس کی بیٹی وہاں بہت پریشان ہے اور وہ اسے کسی صورت بھی مزید وہاں رکنے نہیں دیں گی۔

❀......❀......❀

"لڑکی کیا اس سال پیپر دینے کا ارادہ نہیں ہے؟" شرمیلا نے اسے دو دن بعد کالج آتے دیکھا تو گیٹ پر ہی پکڑ لیا۔
"وہ کیوں بھئی؟" صائمہ نے بیگ ہاتھ سے کاندھے پر منتقل کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔
"بھول گئی میم انیسہ خالد نے شارٹ اٹینڈنس پر لاسٹ ٹائم کیا وارننگ دی تھی۔" شرمیلا نے پاپ کارن چباتے

ہوئے کہا۔
''ہاں وہ ایڈمٹ کارڈ ایشو نہیں کریں گی۔'' اس کی یاد دہانی پر صائمہ نے دہرلیا۔
''تمہاری اس مہینے میں یہ چوتھی آف تھی۔'' شرمیلا نے اس کی طرف پاپ کارن بڑھاتے ہوئے جتایا۔
''نہیں یار موڈ نہیں۔'' اس نے بے رغبتی سے سر ہلایا۔
''صائمہ کیا بات ہے؟'' شرمیلا نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔
''کوئی بات نہیں ہے یار۔'' وہ چڑی جب سے نبیل نے وارن کیا تھا، اس نے اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔
''تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔ کچھ تو ہے جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔'' شرمیلا نے صائمہ کو مسلسل خاموش دیکھا تو اس کے پیچھے پڑ گئی۔
''نہیں کچھ نہیں بس ایسے ہی۔'' اس نے چونک کر نگاہ اٹھائی اور نفی میں سر ہلایا۔
''کیا کوئی گھریلو مسائل پیدا ہو گئے ہیں، جو مجھ سے چھپا رہی ہو۔'' اس نے چھیڑا۔
''ہاں ساس نندوں کے دکھڑے ہیں جو میں رونا نہیں چاہتی۔'' صائمہ نے ایسے جل کر کہا کہ شرمیلا کی ہنسی چھوٹ گئی۔
''آخر کوئی بات تو ہے میں تمہاری اتنی پرانی دوست ہوں مجھے نہیں بتاؤ گی۔'' شرمیلا نے کچھ دیر بعد اسے دوستی کا احساس دلا کر بات اگلوانا چاہی۔
''بس یار کچھ سمجھ نہیں آ رہا کوئی مجھے مسلسل ایک بات پر ٹارچر کررہا ہے۔'' صائمہ نے اس کا حسین چہرہ دیکھا تو دل میں حسد پیدا ہوا، ایک دم سے بول پڑی۔
''کوئی......!تم کس کی بات کررہی ہو؟'' شرمیلا کا دل ایک دم ڈوبنے لگا تو صائمہ کو مزہ آیا۔
''اب ہر بات بتانے والی تو نہیں ہوتی نا۔'' اس نے نبیل کی جھاڑ جھپاڑ کا اچھی طرح سے بدلہ لے لیا من شانت ہو گیا۔
''تم نے پہلے تو کبھی مجھ سے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا، پوری بات تو بتاؤ نا یار۔'' شرمیلا نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ہاتھ ملتے ہوئے بولی صائمہ کے ہونٹوں پر ایک پر اسرار سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

ام الہدیٰ نیازی

پرچھائیں

"ارے بھئی کہاں ہو تم سب لوگ؟ سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ میں تو تلاش کر کے بھی تھک چکی۔" ہانیہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور پھر اندر آتے ہی دھپ سے کشن پر گر گئی۔ سیڑھیوں پر تیزی سے چڑھنے کے باعث اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"کیا صبح صبح شور مچا رکھا ہے تم نے...... اور آرام سے سیڑھیاں چڑھا کرو۔ ایسے تیزی سے چڑھتی ہوئی آتی ہو، جیسے پیچھے کوئی ڈنڈا لے کر ہانک رہا ہو۔" ہما آپی نے مٹر چھیلنے کا سلسلہ موقوف کر کے ہانیہ کی خبر لی جس کا وہ کوئی اثر لینے والی نہیں تھی۔

"مجھ سے نہیں ہوتی یہ سستی...... میں تو سب کام جلدی جلدی کیا کرتی ہوں۔ میرا اسٹائل ایک دم بھرپور اور زندہ دل ہے۔" ہانیہ نے فرضی کالر جھاڑ کر داد وصول کرنا چاہی۔

"اچھا آپ کچھ کرتی بھی ہیں؟" عائشہ نے مصنوعی حیرت چہرے پر سجا کر پوچھا۔ "ویسے کیا کیا کرتی ہیں آپ؟"

"بکواس مت کرو۔" ہانیہ نے جھینپ کر کہا تو سب ہنسنے لگے۔

"آج صبح صبح کیسے یاد آ گئی ہماری؟ یہ وقت تو تمہارے سونے کا ہوتا ہے۔ آج تمہارا سورج جلدی کیسے نکل آیا؟" ہما آپی سارے چھلکے تھیلے میں ڈالنے لگیں۔

"رانیہ کی بچی ابھی تک سوئی پڑی ہے۔ میں بور ہو رہی تھی تو سوچا آپ کا سر کھا لیا جائے۔ ویسے اصل میں تو میں آپ کے ہاتھ کا بنایا ہوا شربت پینے آئی ہوں۔ خود بنانے کا موڈ نہیں ہوا تو سوچا آپ کے پاس جاؤں گی تو آپ ضرور آداب میزبانی ادا کریں گی۔" اس نے آخری جملہ دبی آواز میں کہا اور شرارت سے مسکرا دی۔ اس کی زبان ایسے ہی تیز رفتاری سے چلتی تھی۔

"چلو چھٹی کرو۔ کوئی شربت نہیں ملنے والا۔ روز کا معمول بنا لیا ہے تم نے۔" ہما آپی نے مصنوعی خفگی دکھائی۔ "کوئی کام خود بھی کر لیا کرو۔ اگلے گھر جا کر سب کا نام بدنام کرو گی؟"

"ہما آپی پلیز!" اس نے واقعی بے چاری سی شکل بنائی تو ہما آپی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور انہوں نے عائشہ کو شربت بنانے کے لیے کہا جو تھوڑی پس و پیش کے بعد بڑبڑ کرتی اٹھ گئی۔

"جیو میری آپی۔" ہانیہ نے عائشہ کے نکلتے ہی نعرہ لگایا تو ہما آپی نے ہاتھ میں پکڑا مٹر اسے کھینچ مارا جو وہ پھرتی سے کیچ کر گئی۔ جب عائشہ شربت کا جگ بھر کر لائی تو ہما آپی مٹر چھیل کر فارغ بیٹھی تھیں جبکہ ہانیہ کارپٹ پر نیم دراز۔

"یار عائشہ تم بہت اچھی بہنا ہو۔" ہانیہ نے شربت کا ٹھنڈا ٹھار گلاس پکڑتے ہوئے کہا۔

"زیادہ مکھن مت لگاؤ، اب ٹھونس بھی لو۔" وہ خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"ارے واہ...... مزہ آ گیا۔" دو گلاس خالی کر کے ہانیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کتنی بے مروت ہو تم لڑکی، صرف شربت پینے تک بیٹھی تھیں اور اب چلتی بن رہی ہو؟" عائشہ نے اس کے لتے لیے۔

"یار وہ کیا ہے کہ میں دو دن سے نہائی نہیں...... موسم تبدیل ہو رہا ہے تو ٹھنڈ لگتی ہے۔ اب جا کر نہانا ہے اور کپڑے بھی بدلنے ہیں ورنہ ماما میرا خون پی جائیں گی۔"

"جناب تمہاری طرف تو برف باری شروع ہو گئی ہے۔ جو ابھی سے ٹھنڈ لگتی ہے۔" ہما آپی کی بات پر وہ

ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

"لو بھئی سنبھالو اپنے کپڑے...... دھو کر استری بھی کر دیئے ہیں۔ اب میرا سر مت کھانا۔" تائی امی ہینگ کیا ہوا سوٹ لیے اندر داخل ہوئیں تو ہانیہ پر نظر پڑی۔ وہ کھل اٹھیں۔

"آج تو میری بیٹی آئی ہوئی ہے۔" انہوں نے اسے ساتھ لگا کر ماتھے پر بوسہ دیا مگر اس کی توجہ سوٹ کی جانب تھی۔

"ہما آپی! یہ آپ نے نیا سوٹ لیا ہے؟"

"ارے نہیں یار! یہ تو عائشہ کا ہے۔"

"بہت خوب صورت ہے۔ کتنے میں لیا؟" ہانیہ کی نظروں میں حقیقی ستائش تھی۔ سفید اور نیلے امتزاج کے ساتھ خوب صورتی اور صفائی سے کیا کام بالکل نیا اور منفرد سا لگ رہا تھا۔

"لیا نہیں خود بنایا ہے۔" عائشہ نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے سوٹ لیا اور پرشوق انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب خود بنایا ہے؟"

"جیسے خود بناتے ہیں گھر میں۔ ویسے ہی گھر میں بنایا ہے۔" عائشہ نے سادگی سے کہا تو وہ اور بھی بے یقین ہوئی۔

"نہیں یار یہ تو ریڈی میڈ ہے۔ اس پرا پیلک کا کام گھر پر ہو ہی نہیں سکتا اور ہاتھ کا کام بھی بہت نفیس ہے۔"

"ہانیہ...... مان لو چندا۔ یہ عائشہ کی اپنی محنت ہے اور سلائی کا کام امی نے کیا ہے۔" ہما آپی نے متانت سے کہا تو اسے یقین کرنا پڑا۔

"مجھ سے تو کبھی یہ سب نہ ہو۔ اتنی محنت سے تو بہتر ہے بندہ ریڈی میڈ لے آئے۔ کم از کم بتاتے ہوئے مزہ تو آئے کہ میں نے اس بوتیک سے لیا ہے۔" اس نے گردن جھٹکتے ہوئے نخوت سے کہا تو عائشہ کے دل کو دھچکا سا لگا۔ اس کے ہاتھوں کی رفتار میں واضح سستی در آئی تھی۔ ماحول میں غیر محسوس سا بوجھل پن اتر آیا تھا۔ ہما آپی جزبز ہو کر غیر محسوس طریقے سے باہر نکل گئیں۔ امی نے خوب صورتی سے بات کو بدلا۔

"ہانیہ بیٹا...... تم نے کچھ کھایا پیا، یا بس تمہیں باتوں پر لگا کر کھا تھا ان دونوں نے؟"

"جی تائی امی! میں نے شربت پیا ہے۔ اب بس نیچے جا رہی ہوں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئی مگر سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کا سامنا اسامہ سے ہوا جو کہ اوپر آ رہا تھا۔ ہانیہ نے اسے کہا تو کچھ نہیں مگر ایک شرارتی سی مسکراہٹ اچھال کر پونی ہلاتی نیچے اتر گئی جبکہ وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

✿✿✿✿

ہما آپی تیسری بار وہاں سے گزری تھیں مگر وہ ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھی جانے کیا سوچ رہی تھی۔ وہ کچھ پل وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہیں پھر قریب جا کر عقب سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"اتنی دیر سے فیصلہ نہیں ہو سکا کیا؟"

"نہیں آپی! میں تو ویسے ہی......" وہ چونکی پھر شرمندگی سے بولی۔

"اپنی آپی پر یقین ہے؟" ہما آپی گھوم کر اس کے برابر آ بیٹھیں۔

"خود سے زیادہ یقین ہے آپ پر......" عائشہ نے آنکھیں میچ کر گویا مضبوطی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

"تو میری بات کا یقین کر لو۔ اس سے بہتر سوٹ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کے ایک ایک موتی میں تمہاری محبت پروئی ہوئی ہے۔ دھاگے کا ہر تل تمہاری محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس کی عمدہ سلائی میں امی کی مہارت پوشیدہ ہے۔ کسی قیمتی برانڈ کا لیبل لگنے سے کچھ بھی خاص نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ہماری محبت اور نظروں کی ستائش چیز کو خاص بناتی ہے۔"

آپی...... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" عائشہ شرمندگی سے نظریں جھکا گئی۔

"اچھا جو بھی مطلب تھا، اب اٹھو اور جلدی سے اسے پہن کر تیار ہو جاؤ۔ اسامہ کے آنے سے پہلے ٹیبل

سیٹ کرنا ہے۔ اُسے ایک خوب صورت سرپرائز بھی تو دینا ہے۔" آپی نے اُسے پچکارا تو وہ سوٹ ہاتھ میں لیے مسکرادی۔

"اُف جانے کتنے کام ہیں اور میں یہاں بیٹھی باتیں بنارہی ہوں۔" ہما آپی سر پر ہاتھ مارتی باہر کی جانب دوڑیں تو وہ کھل کر ہنس دی۔

آج اسامہ کی سال گرہ تھی۔ ہما آپی ہمیشہ ہی ایک چھوٹی سی پارٹی ارینج کرتیں اور اسامہ کو سرپرائز دیتیں۔ پارٹی میں رکھی جانے والی ہر چیز ان کے ہاتھوں کی لذت لیے سب کی توجہ کا مرکز بنتی۔ آج بھی کامن روم میں بھرپور رونق جاگ اٹھی تھی۔ نیچے کے پورشن سے چچا کی ساری فیملی بھی موجود تھی۔ ہما آپی بھاگ بھاگ کر سارے کام نبٹا رہی تھیں۔

اسامہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تو سب سے پہلے برآمدے سے ملحق کچن میں جھانکا مگر خالی کچن بھائیں بھائیں کررہا تھا۔ وہ ہر طرف نظر دوڑاتے ہوئے گھر کی خاموشی پر حیران تھا۔ لکڑی کے بھاری بھرکم دروازے کو دھکیل کر کامن روم میں داخل ہوا تو اندر سے سال گرہ مبارک کی پکار اٹھی اور اس کے بہن بھائی اس سے لپٹ گئے۔ بلاشبہ وہ گھر بھر کا لاڈلا تھا۔ ایک انوکھی سی خوشی نا صرف اس کے چہرے سے عیاں تھی بلکہ آنکھیں بھی خوشی کے احساس سے چمک اٹھیں۔

"اگر سچ پوچھو تو یہ سب ہما بیٹی کا کمال ہے۔" امی نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا تو اس نے محبت بھری نظروں سے خود سے بڑی بہن کو دیکھا جو پھر سے کاموں میں مصروف نظر آرہی تھی۔

"اسامہ بھائی یہ آپ کے لیے......" ہانیہ نے آگے بڑھ کر خوب صورت ریپر میں پیک تحفہ دیا تو وہ لمحہ بھر کے لیے اس پر سے نظر ہٹانا بھول گیا۔ ان کہی سی معصومیت اس کے چہرے اور آنکھوں میں ہمیشہ ہی جگر جگر کرتی نظر آتی تھی۔ چچا، چاچی نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونک کر نظروں کا زاویہ بدل گیا۔

"آپ وقت نکال کر آگئے، یہی کافی ہے۔ اس سب کی ضرورت نہیں۔" اسامہ نے سادگی سے انکار کیا۔

"ارے ینگ مین رکھواسے۔ ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے تم۔" انکل نے زبردستی اس کی جیب میں لفافہ ڈالا اور پھر گلے سے لگایا۔ پارٹی کا آغاز ہوا تو ہما آپی نے ٹیبل کو مختلف لوازمات سے بھر دیا۔ پیزا، فروٹ چاٹ، دہی بھلے، چکن رول اور نگٹس۔ انہوں نے خود بنائے تھے البتہ کیک بازار سے منگوایا تھا۔

"اتنا سب کچھ کیوں بنا ڈالا تم نے؟ ہم گھر کے لوگ ہی تو تھے۔ کون سا مہمان بلانے ہوتے ہیں؟" انکل نے موہوم سا احتجاج کیا۔ اسامہ نے کیک کاٹا تو سب اپنی اپنی پلیٹیں لے کر خوش گپیوں میں مصروف ہوگئے۔

"آج سب سے خوب صورت ڈریس عائشہ اور حمزہ بھائی کا ہے جبکہ آپ تو ایک دم 'وہ' لگ رہے ہیں۔" ہانیہ نے شرارت سے کہا۔

"'وہ' کا مطلب......؟" اسامہ نے بھویں اُچکائیں۔

"'وہ' کے پیچھے جو مرضی لگالیں۔ یا پھر سب لوگ اپنا اپنا مطلب اخذ کرلیں۔" وہ سب کو دیکھ کر مسکرائی۔

"ہانی ڈیئر...... جب بھی بولنا، فضول ہی بولنا۔" اسامہ نے چوٹ کی تو وہ سب کھلکھلا کر ہنس دیئے جبکہ ہانیہ تپ کر رہ گئی۔

"ہما بیٹا' تم نے پیزا تو لاجواب بنایا ہے۔ مجھے تو شک ہونے لگا ہے کہ کہیں بازار سے نہ منگوایا ہو۔" انکل نے تعریف کے ساتھ اسے چھیڑا۔

"ہما آپی، آپ مجھے بھی پیزا کی ترکیب لکھ کر ضرور دینا۔ میں بھی بناؤں گی۔ واقعی کھا کر مزہ آگیا۔" رانیہ نے بھی دل کھول کر تعریف کی جبکہ ہما آپی مسکرادیں۔

"صرف اسے ہی نہیں، میری دوسری نکمی بیٹی کو بھی کچھ سکھا دو۔ اتنی بڑی ہوگئی ہے مگر چائے تک ڈھنگ سے بنانی نہیں آتی۔" آنٹی کا اشارہ ہانیہ کی طرف تھا۔

"ارے تم فکر نہ کرو۔ سب بچیاں ایسی ہی ہوتی ہیں شادی سے پہلے۔ جب ذمہ داری پڑتی ہے تو سب سیکھ

جاتی ہیں۔ وقت بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔" تائی امی نے حسب معمول ہانی کا دفاع کیا۔

"دیکھیں نا تائی جان، جب مجھے پسند ہی نہیں کوکنگ کرنا تو میں کیوں کروں......؟" ہانیہ نے پلیٹ میز پر پٹخ دی۔ "اور جس کام میں انسان کا شوق شامل نہ ہو اس کے سیکھنے کا بھی فائدہ نہیں۔ میں چاہے جتنی بھی محنت کرلوں۔ اس کام میں مزا نہیں آئے گا۔"

"ہانی...... تمہیں تو شاید دنیا کا کوئی بھی کام کرنا پسند نہیں سوائے اچھا کھانے اور پہننے کے......" حمزہ نے گویا اس کی دم پر پاؤں رکھا۔

"دیکھا آپ نے تایا جان۔" وہ روہانسی ہوکر واپس پلٹی۔

"ارے کیا تم سب بچی کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ جو کام اس کا دل چاہے گا کرے گی ورنہ بھاڑ میں جائے سب۔" ابو نے تو بات ہی ختم کردی۔

"اور ویسے بھی جب ساری چیزیں بازار سے مل جاتی ہیں تو میں کیوں خود کو ہلکان کروں؟" وہ کندھے اچکا کر بے پروائی سے گویا ہوئی۔ "بس ایک فون کال کی دیر ہوتی ہے۔ پھر سب گھر بیٹھے مل جاتا ہے۔" بڑے اپنی باتوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ اس کا مخاطب حمزہ تھا۔

"کیا تمہارے تایا جی کا بزنس ہے جو ایک فون کال پر سب مفت مل جاتا ہے۔" حمزہ نے اسے زچ کیا۔

"میں نے مفت کی بات کب کی؟" وہ چیخ کر بولی۔ "پیسے کس لیے ہوتے ہیں۔ پیسے کی بدولت ہی تو انسان کو ہر آرام اور آسائش ملتی ہے۔ جب جیب میں پیسہ ہو تو دنیا بھی مٹھی میں......"

"اور اگر پیسہ نہ ہو تو......؟" اب کی بار اسامہ نے سوال کیا۔

"کیوں نہ ہو؟" وہ تیکھے چتون سے بولی۔ "پیسہ اب بھی بہت ہے اور آگے بھی اللہ نوازتا رہے گا۔ قسمت تو انسان خود بناتا ہے۔ آخر کو اللہ نے دماغ کیوں دیا ہے۔ اپنے راستے خود ہی تو ہموار کرنے پڑتے ہیں۔ دوسروں پر تکیہ کرنے والے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو ترستے ہیں اور میں اپنے راستے بنانا جانتی ہوں۔"

"اتنی چھوٹی عمر میں اتنی بڑی بات...... محترمہ آپ کی جیب بھری ہے۔ آپ کہہ سکتی ہیں کچھ بھی۔ جو سارا دن کام کرکے چند روپے کماتے ہیں ان سے پوچھو قسمت کیا ہوتی ہے۔ ان سے پوچھو جو جسم میں سکت نہ ہونے پر بھی چند سکوں کے لیے سڑکوں پر بھیک مانگتے ہیں۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوگیا۔

"بے وقوفی ہوتی ہے ان کی...... میں نے کہا نا قسمت انسان خود بناتا ہے۔" ہانیہ نے پھر بات کا آغاز کیا۔

"پلیز ہانی۔" عائشہ نے ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہماری ہانی کے پاس دماغ کے ساتھ ساتھ حسن کی بھی دولت ہے۔ وہ قسمت کو مٹھی میں لے سکتی ہے۔" ہما آپی نے اسے ساتھ لگا کر گال پر بوسہ دیا اور کھینچ کر دور لے گئی ورنہ اسامہ اور ہانی کی جنگ طویل بھی ہو جایا کرتی تھی۔ اسامہ نے دور کھڑی ہانیہ کو نظروں کے حصار میں رکھا۔ جو بھی تھا۔ دونوں کے خیالات یکسر مختلف سہی مگر دل کسی اور ہی جذبے کا پابند ہو چکا تھا۔ وہ جذبے جو سب کے سب ہانیہ کے نام تھے۔ اس نے گہری سانس لے کر پانی کا گلاس اٹھالیا۔

❁❁❁❁
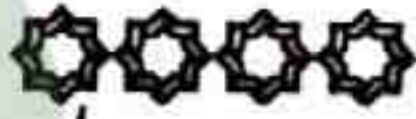
میز پر ناشتا لگ چکا تھا۔ وہ کالج یونی فارم میں ایک دم تیار اور تر و تازہ سی ڈائننگ ہال میں پہنچی۔ کرسی گھسیٹ کر اس نے آملیٹ کا انتخاب کیا۔

"تم نے کالج نہیں جانا کیا؟ ابھی تک ایسے ہی نظر آرہی ہو۔ تمہاری وجہ سے میں بھی لیٹ ہو جاتی ہوں۔" ہانیہ نے ہاتھ روک کر رانیہ کی طرف دیکھا جو اپنے کمرے سے ملگجے لباس میں ہی نکلی تھی۔ البتہ چہرہ ابھی تک نم تھا اور بال سلجھے ہوئے۔

"ماما نے منع کیا ہے کہ آج نہیں جانا۔" وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"مگر کیوں......؟" اس کے تیور بگڑے۔

"کیوں کہ گاڑی نے صبح ہی صبح جواب دے دیا ہے۔" ماما کچن سے نکلتے ہوئے بولیں اور اس کی پلیٹ میں گرما گرم پراٹھا منتقل کیا۔

"تو پاپا کی گاڑی کس کام کی ہے۔ کیا اُسے ڈیکوریشن پیس کے طور پر گیراج میں سجانا ہے؟ ڈرائیور سے کہیں وہ گاڑی نکال لے۔" ہانیہ نے بے پروائی سے کہتے ہوئے ناشتہ شروع کیا۔

"پاپا اپنی گاڑی لے کر جاچکے ہیں۔" رانیہ نے طنزاً اطلاع فراہم کی۔

"اتنی صبح وہ کہاں گئے ہیں؟ روز تو نو بجے سے پہلے نہیں جاتے۔"

"ہانی بیٹا...... کہا نا گھر پر انتظام نہیں ہے۔ گاڑی خراب ہے جبکہ تمہارے پاپا ضروری کام سے شہر سے باہر گئے ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کے جاگنے سے پہلے ہی نکل گئے تھے۔" ماما نے نرمی سے تفصیل بتائی۔

"اگر ایسا مسئلہ تھا تو آپ پہلے بتا دیتیں۔ ان محترمہ کو بھی تو پتا تھا، پھر مجھے کیا ضرورت پڑی تھی تیار ہونے کی؟" وہ بدتمیزی سے ہاتھ میز پر مارتی کھڑی ہوگئی۔

"کب بتاتی تمہیں؟ ابھی تک تو کمرا بند تھا تمہارا۔ دو بار دروازہ بجا چکی تھی مگر کوئی جواب نہیں دیا تم نے۔ جبکہ رانیہ تو کافی دیر سے جاگ رہی ہے۔" ماما نے اسے گھور کر بتایا مگر وہ قطعاً اثر لینے والی نہیں تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔ مجھے تو جانا ہے۔ میں اتنی صبح جاگ کر تیار ہونے کی زحمت بھی اٹھا چکی ہوں۔ نیند الگ خراب ہوئی۔"

"ہانی آپی...... پلیز۔" رانیہ نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ کر ملتجی لہجے میں کہا۔ صبح سویرے گھر کی فضا کھنچی کھنچی ہوگئی تھی۔ "جب ماما منع کررہی ہیں تو مت جائیں آج۔ ایک دن سے کیا فرق پڑجائے گا......؟"

"تم چپ کرو......" اس نے تیزی سے۔ "زیادہ فرماں بردار بن کر ماما کی چمچی بنتی ہو۔ جب میں نے کہہ دیا کہ جانا ہے مجھے تو بس پھر جانا ہے۔" اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"تو جاؤ اپنے ابا جان کا جہاز منگوالو۔" مما نے درشتگی سے کہتے ہوئے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے یوں بیزاری سے کہا جیسے مطلب ہو کہ جاؤ مزید سر مت کھاؤ۔

"بیٹا...... تم نے ناشتا کیوں ادھورا چھوڑ دیا؟ چلو تم ختم کرو اپنا آملیٹ۔" انہوں نے رانیہ کو پکارا جو مایوسی سے ہانیہ کو تک رہی تھی۔

"بس ماما اور دل نہیں چاہ رہا۔ آپ چائے بنا دیں میرے لیے۔" ہانیہ کچھ لمحے کھڑی رہی مگر کوئی توجہ نہ پاکر مزید تلملا گئی۔ اپنا شولڈر بیگ اور سن گلاسز اٹھاتی اور دھپ دھپ کرتی باہر نکل گئی جہاں عائشہ بھی یونی فارم میں تیار کھڑی حمزہ کا انتظار کررہی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں یار گاڑی خراب ہے اور پاپا اپنی گاڑی لے کر کہیں جلدی میں نکل گئے ہیں۔ اب میں ماہین کو فون کررہی ہوں کہ جاتے ہوئے مجھے بھی پک کرلے مگر......" اس نے مایوسی سے سیل فون بیگ میں ڈالا۔

"شاید وہ بھی نکل چکی ہے۔"

"تم اسامہ بھائی سے کہو وہ چھوڑ دیں گے۔" عائشہ کی نظر سیڑھیاں اترتے حمزہ اور اسامہ پر پڑی تو فوراً مشورہ دیا۔

"کیا ہوا ہانی؟" اسامہ نے قریب آکر بے چینی سے ٹہلتی ہانیہ سے سوال کیا اور پھر اپنی بائیک پر جا بیٹھا۔

"ہانی کو آج کالج چھوڑنے والا کوئی نہیں۔ گاڑی خراب ہے اور انکل بھی گھر پر نہیں۔ جبکہ ان کی دوست بھی کال اٹینڈ نہیں کررہی۔" عائشہ نے معلومات دی۔

"تو میں چھوڑ دیتا ہوں تمہیں۔" اسامہ نے گلاسز کے اوپر سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بلاشبہ وہ اپنی شخصیت میں بے مثال تھا۔ اپنی یونیورسٹی کا اسمارٹ اور ذہین لڑکا۔ ہانی نے نظر بھر کر اسے دیکھا اور گہرا سانس خارج کیا۔ "چلنا ہے کیا؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔ عائشہ بھی حمزہ کے پیچھے بیٹھ چکی تھی۔

"کیا...... بائیک پر......؟" وہ چونک کر خیالات سے

باہر آئی۔
''ظاہر ہے بائیک پر...... اب کرولا تو ہے نہیں میرے پاس۔'' اسامہ نے بے زاری سے کہتے ہوئے گھڑی پر وقت دیکھا۔
''نہیں۔ مجھے بائیک پر نہیں جانا۔'' وہ دو قدم پیچھے ہوئی۔
''ڈرومت، آہستہ چلاؤں گا۔''
''نہیں۔ بات ڈرنے کی نہیں ہے۔ مجھے شرم آتی ہے بائیک پر جاتے ہوئے۔ کالج کے باہر لڑکیاں کیا کہیں گی دیکھ کر...... ہانیہ مصطفیٰ اور وہ بھی موٹر سائیکل پر......؟'' اس نے آخری جملے پر زور دے کر کہا تو سب ہکا بکا رہ گئے۔
''اور مجھے عادت بھی نہیں ہے اس سواری کی۔ اس لیے میں بہت بے سکونی محسوس کروں گی۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ اس کے توہین آمیز انداز پر عائشہ کا دل چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ سما جائے۔ ان سب میں سب سے زیادہ حساس طبیعت اسی کی تو تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اسامہ کو دیکھا جس کے ماتھے پر ان گنت شکنیں موجود تھیں۔ اس کی آنکھوں میں کیا تھا یہ تو سن گلاسز کے پیچھے چھپ گیا تھا مگر ایک واضح دکھ کی لہر اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔ اس نے خاموشی سے بائیک اسٹارٹ کی اور باہر نکل گیا۔ اس کی تقلید میں حمزہ نے بھی دیر نہیں لگائی تھی۔
ہانیہ نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا اور غصے سے پاس پڑے گملے کو ٹھوکر ماری۔ کالج نہ جا پانے کا دکھ اسے اپنے الفاظ کی بدصورتی دکھانے میں ناکام ہوگیا۔ اپنا نام نہاد اسٹیٹس اسے بہت پیارا تھا۔ شکست خوردہ سی وہ جھنجلاتی ہوئی واپس لوٹ آئی۔

☆☆☆☆

وہ سب ''نوشاہی منزل'' کے مکین تھے۔ جس میں مصطفیٰ درّانی اور احمد درانی اپنے اہل خانہ کے ہمراہ پیار، محبت اور اتفاق سے رہائش پذیر تھے حالاں کہ دونوں گھروں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا اور اس فرق کی بنیادی وجہ مادّی زر و دولت ہی تھا۔ مصطفیٰ درّانی شہر کے مایہ ناز سرجن تھے۔ جن پر قسمت بھی خوب مہربان تھی۔ پیسے کی فراوانی صرف اور صرف ان کی ذاتی محنت کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے اپنی فیلڈ میں سر توڑ جدوجہد کی تھی جبکہ احمد درّانی ایک بینک میں ملازم تھے۔ ان کی آمدنی بھی اچھی تھی مگر وہ کبھی بھی مصطفیٰ درّانی کے برابر نہیں آسکے تھے۔ مصطفیٰ درّانی کی دو بیٹیاں تھیں۔ ہانیہ مصطفیٰ اور رانیہ مصطفیٰ۔ دونوں ہی باپ کی لاڈلی تھیں اور انہوں نے دنیا کی ہر آسائش میں ہی آنکھ کھولی اور پروان چڑھیں جبکہ احمد درّانی کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی ہما جو کہ سب کی آپی تھیں۔ پھر اسامہ، حمزہ اور عائشہ۔ انہوں نے اپنی آمدنی کا آدھے سے زائد حصہ اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ گھر کے حالات جو بھی سہی، مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان کی ضرورتوں نے بھی دراز ہونا شروع کیا اور اسی قلیل آمدنی میں بڑھتے ہوئے اخراجات نے انہیں کفایت شعار بھی بنا ڈالا تھا۔ ہما آپی نے صرف ''بی اے'' کیا تھا مگر وہ گھر کے سب کاموں میں ماہر ثابت ہوئی تھیں۔ اسامہ کے ''ایم بی اے'' کا آخری سمسٹر تھا جبکہ حمزہ ''بی کام'' کررہا تھا۔ عائشہ نے اپنے لیے میڈیکل کی لائن منتخب کی تھی۔ روپے پیسے کے فرق کے ساتھ ماحول میں بھی نمایاں فرق نظر آتا تھا۔ مصطفیٰ درّانی اور روبینہ بیگم نے اپنی بچیوں پر زیادہ سختی نہیں کی تھی۔ ان کی تربیت میں آج بھی جھول نظر آتا تھا۔ مگر جو بھی تھا، مصطفیٰ درّانی نے الگ گھر نہیں لیا تھا۔ وہ اس سے بہتر گھر لے سکتے تھے مگر دونوں بھائی اپنے آبائی در و دیوار کی محبت سے مغلوب تھے۔ سو مصطفیٰ درّانی اس پرانی طرز کے مگر آرٹسٹک گھر کے زیریں پورشن میں رہائش پذیر جبکہ احمد درّانی بالائی پورشن میں مقیم تھے۔ یہ ان کا آپس میں اتحاد و اتفاق ہی تھا کہ آج بھی ہر چھوٹی بڑی خوشی مل بیٹھ کر بانٹ لی جاتی۔ اسی لیے ہر دن کا آفتاب اور رات کا مہتاب ''نوشاہی منزل'' کے مکینوں کے لیے سکون و عافیت کی خبر لے کر آتا تھا۔

☆☆☆☆

وہ کتاب پر جھکا دنیا سے مکمل طور غافل تھا۔ اپنا ٹاسک

تیار کر کے اس نے تھکاوٹ سے بھرپور ایک انگڑائی لی اور دیوار گیر گھڑی پر نظر دوڑائی تو ابھی بارہ بجے تھے۔ ''یعنی ابھی کچھ دیر اور پڑھائی کی جاسکتی ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے کتاب کے ورق پلٹے اور نیا ٹاپک نکال لیا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ہما آپی ہاتھ میں چائے کا کپ لیے اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے چائے کے ساتھ کچھ ڈرائی فروٹ بھی اس کی میز پر رکھے تو وہ آسودگی سے مسکرادیا۔

''سچ بہنا...... بہت طلب ہورہی تھی چائے کی۔ رات کے اس پہر نیند غالب آنے لگتی ہے۔ اگر تم چائے نہ پلاؤ تو شاید میرے امتحان اتنے اچھے نہ ہوں۔ یہ تمہاری محبتوں کا نتیجہ ہے جو تم بنا مانگے ہی میری طلب جان لیتی ہو۔'' اسامہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فراخ دلی سے تعریف کی تو وہ مسکرادیں۔

''بھائی...... کسی بھی کامیابی کے لیے انسان اکیلا نہیں لڑسکتا۔ دوسروں کی مورل سپورٹ آکسیجن کا کام کرتی ہے۔ اس وقت جب انسان تھک کر نڈھال ہونے لگے۔ آپ کی کامیابی ہماری ہی کامیابی ہے۔ اس لیے آپ کی محنت میں ہم آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ جہاں تک ہمارے لیے ممکن ہوسکے گا۔'' ہما آپی نے اس کے ماتھے پر بکھرے بال سمیٹے تو دھاڑ سے دروازہ کھولتی ہانیہ اندر داخل ہوئی۔ رات کی اس دبیز خاموشی میں اتنا زوردار دھماکا دماغ میں جا کر لگا، یہاں تک کہ ہما آپی بھی اپنی جگہ اچھل کر رہ گئیں۔

''ہما آپی...... میرے سوٹ کی زپ خراب ہوگئی ہے اور یہی سوٹ پہن کر مجھے صبح کالج جانا ہے اور اس نے اس وقت مجھ سے دغا کردی ہے۔'' وہ اسامہ کے ناگوار تاثرات کو دیکھے بنا سیدھی ہما تک آئی تھی جبکہ نیلے رنگ کی قمیص ہاتھ میں جھول رہی تھی۔

''اچھا یہ قمیص مجھے دے دو۔ میں کل ٹھیک کردوں گی۔ تم صبح کچھ اور پہن لو۔'' ہما آپی نے اس کے ہاتھ سے قمیص لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں نا آپی مجھے صبح یہی پہن کر جانا ہے۔ آپ ابھی کچھ کریں نا۔'' وہ حسب عادت ضدی لہجے میں بولی۔

''مگر ابھی تو......''

''بس مجھے نہیں پتا، ابھی کردیں۔'' اس نے ہما کی بات کاٹ کر اپنی بات پر زور دیا۔

''اچھا کردیتی ہوں۔'' ہما آپی نے گہری سانس لیتے ہوئے تھکن زدہ لہجے میں کہا کیونکہ وہ سارا گھر سمیٹ کر اب سونے کی تیاری کررہی تھیں اور صرف اسامہ کو چائے دینے آئی تھیں۔ تھکاوٹ ان کی آنکھوں میں سرخی بن کر جھانک رہی تھی مگر ہانیہ کو اپنے کام کے آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

''تم ابھی تک یہاں کیا رہی ہو؟ اپنے گھر میں ٹِک کر کیوں نہیں بیٹھتیں؟ جب دیکھو یہاں پر پائی جاتی ہو۔'' اسامہ نے منہ بناتے ہوئے اسے گھورا اور پھر سے کتاب کھول لی۔

''تو آپ سے مطلب؟ میرے تایا جی کا گھر ہے۔ میری مرضی جب آؤں، جب جاؤں اور اگر چاہوں تو مستقل یہاں ڈیرہ ڈال لوں۔'' وہ جل کر بولی۔

''کسی خوش فہمی میں مت رہنا لڑکی! یہاں تمہیں کوئی نہیں لے کر آنے والا۔'' اسامہ نے اس کی بات کو دوسرے انداز میں لیا تو وہ اندر تک سلگ کر رہ گئی۔ ''ہم تمہیں اتنا ہی برداشت کرلیں تو کافی ہے اور تم جانے کیا کیا سوچے بیٹھی ہو۔ بڑی آئیں ڈیرے ڈالنے والی......'' اسامہ کے لہجے میں واضح شرارت تھی جبکہ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''اسامہ بھائی...... آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔'' وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے خونخوار لہجے میں بولی تو ہما آپی پلٹ کر باہر نکل گئیں۔

''ہانی! باہر آؤ چندا اور بتاؤ کیا کرنا ہے اس قمیص کا۔'' وہ ہانیہ کا دھیان ہٹانے کو بولیں تاکہ رات کے اس پہر لڑائی سے امان ہو۔

''میری حدود کب سے مقرر کرلیں تم نے......؟'' اس بار اسامہ نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سنجیدہ لہجے

میں کہا۔

"تائی اماں سے آپ کی شکایت کروں گی۔" اسے اور کچھ نہ سوجھا تو بے بسی سے یہی کہتے ہوئے واپس مڑی۔

"اور سنو میری بات......" اسے اسامہ کی تحکم آمیز آواز سنائی دی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دروازے میں رک گئی۔

"تمہارے بابا کے کمرے میں جو آکسفورڈ ڈکشنری موجود ہے، وہ جلدی سے مجھے لا دو۔ مجھے ضروری کام ہے۔ مگر جلدی......" وہ انگلی اٹھا کر یاددہانی کرنا نہیں بھولا تھا اور وہ ضبط کرتی کمرے سے نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی لبوں پر قید مسکراہٹ خود ہی آزاد ہوگئی تھی۔ اسے ڈکشنری کی قطعاً ضرورت نہیں تھی مگر مقصد صرف ہانیہ کو تنگ کرنا تھا۔ وہ کچھ لمحوں بعد سیڑھیوں پر دھپ دھپ کرتی واپس آئی تھی۔

"یہ لیں پکڑیں۔" اس نے خفگی سے کہا جبکہ سانس بری طرح سے پھولا ہوا تھا۔ ہانیہ نے بھاری بھرکم موٹی ڈکشنری میز پر پٹخی تو چائے کا مگ لڑھکا اور چائے نوٹس پر بکھر گئی۔ اسامہ نے خونخوار نظریں اوپر اٹھائیں تو وہ سہم کر رہ گئی۔

"تمیز نہیں ہے تم کو ذرا بھی......" وہ دہاڑا تو ہانی اچھل کے دو قدم پیچھے ہوگئی ایک ذرا سا کام کہہ دیا تم سے، تم نے تو بدتمیزی کی حد کردی۔"

"سوری اسامہ بھائی' میں تو......" وہ ڈرتے ہوئے بے ربط الفاظ بولی۔

"بس خاموش ہوجاؤ۔" وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہوا تو وہ بھی خائف ہوکر الٹے قدموں دروازے کی جانب کھسکی۔

"کل پیپر ہے میرا اور تم نے سارے نوٹس برباد کردیئے۔ اب رات کے اس پہر کیا کروں گا میں؟" وہ کچھ لمحے پریشانی سے ہاتھ مسلتا رہا پھر دہاڑ کر بولا۔

"یہاں آؤ میرے پاس۔"

"اسامہ بھائی...... میں نے جان کر نہیں کیا۔ غلطی سے ہوا ہے۔"

"ادھر آؤ نا، غلطی کی لگتی......" وہ آگے بڑھا تو وہ تقریباً بھاگتے ہوئے باہر نکلی اور دھپ دھپ کرکے سیڑھیاں پھلانگتی نیچے بھاگ گئی جبکہ اسامہ کا بلند قہقہہ کمرے میں گونج کر رہ گیا۔ نوٹس سے تیاری تو کب کی ہوچکی تھی اور آخری سمسٹر کا آخری پیپر تھا۔ ان کی ضرورت ہی کب تھی اسے۔

"سب کا ناک میں دم کر رکھا ہے اس بالشت بھر کی لڑکی نے......" اس نے مسکراتے ہوئے پھر سے کتاب کھولی۔

✡✡✡✡

شام ڈھلنے کو تھی اور ہلکی سی مسرور کن ہوا اس کے بالوں کو ماتھے پر بکھیر کر شرارت کررہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سڑک پر آنے والے ہر پتھر کو ٹھوکر مار رہا تھا۔ عجب سوچوں میں غلطاں وہ جانے کتنی دور نکل آیا تھا۔ ایم بی اے میں اچھے گریڈ لے کر بھی اسے نوکری کے لیے کوئی کال نہیں آئی تھی۔ سڑکوں پر گھومتے گھومتے تھک گیا تو واپسی کے راستے پر قدم ڈال دیے اور جب وہ گھر میں داخل ہوا تو رات کی تاریکی چاروں اطراف پھیل چکی تھی۔ فضا میں ہلکی سی خنکی در آئی تھی۔ سیڑھیاں چڑھتے ہی سامنے امی ابو خاموشی سے بیٹھے نظر آئے۔ گھر کے تمام ہی نفوس موجود تھے مگر ایک پراسراری سی خاموشی ہر شے کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

"امی' کیا سوچ رہی ہیں؟" وہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ چونک گئیں پھر دھیمے سے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اپنے اس بیٹے سے ان کی بہت سی توقعات وابستہ تھیں۔

"ہما کے لیے کچھ لوگ آئے تھے۔ ان ہی کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"کیسے لگے آپ لوگوں کو؟" اس نے دونوں سے مشترک سوال کیا۔

"بہت مناسب اور اچھی فیملی ہے۔ آگے جو رب کے فیصلے۔ وہی جوڑے بنانے والا ہے۔" اب کی بار ابو نے جواب دیا۔

"میری خواہش ہے کہ یہاں بات بن جائے۔ بظاہر

کوئی نقص نہیں ہے اور دلوں کے حال تو اللہ جانتا ہے۔ کچھ تو اس پر بھی چھوڑنا چاہیے ورنہ ہماری اپنی تسلی تو کافی ہوچکی۔" امی آہستگی سے پھر گویا ہوئیں۔ "مگر وقت کے ساتھ بڑھتے اخراجات نے بھی نڈھال کررکھا ہے۔ اچھے طریقے سے بیٹی رخصت کرنا ہم جیسے لوگوں کے لیے بہت کٹھن مرحلہ ہے۔ مگر جو بھی سہی، اپنی بیٹی کو میں کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دوں گی۔ ویسے تو وہ بہت صابر بیٹی ہے میری۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" اسامہ نے پُرسوچ لہجے میں ڈوبتے ہوئے کہا تو ابو نے بھی اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"کہاں تک پہنچی تمہاری کوشش؟" اب وہ نوکری سے متعلق سوال کررہے تھے۔

"ابھی تو کوشش کا آغاز ہے۔ دیکھیں کہاں تک ہمت ساتھ دیتی ہے۔" اس نے اُمید کا روشن سرا ان کے کمزور ہاتھوں میں تھمانا چاہا۔

"میں تمہیں اچھی تربیت اور تعلیم کے سوا کچھ نہیں دے سکا۔ اپنے لیے باعزت مقام اور بہترین زندگی ربّ کی مرضی، اپنے مقدر اور اپنی محنت سے ہی حاصل کرسکو گے۔ میرے پاس بڑی بڑی سفارشیں نہیں ہیں۔" نہ جانے کیوں آج پہلی بار اسے ابو اتنے نحیف لگے۔ شاید بیٹی کو رخصت کرنے کا خیال ہی کندھے جھکا دیتا ہے۔

"مجھے آپ کی دی جانے والی دونوں چیزیں ایک نعمت کا احساس دلاتی ہیں۔ مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" اسامہ نے مضبوط لہجے میں کہا تو اُن کی آنکھیں لو دینے لگیں۔ امید کی روشن کرنیں آس پاس بکھر گئیں۔

❁❁❁❁

رات کے جانے کس پہر اس کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر کروٹ بدل بدل کر اس نے نیند کے دوبارہ آنے کا انتظار کیا مگر نیند تو جانے اس پہر کیوں ستانے پر تلی ہوئی تھی۔ اس نے سر گھما کر ساتھ لیٹی رانیہ کو دیکھا جو گھپ اندھیرے میں اسے ایک دھندلا سا عکس نظر آئی مگر اس کی گہری سانسیں رات کی خاموشی میں نیند کا پتا دے رہی تھیں۔ ہانی نے کچھ دیر اندھیرے میں آنکھیں کھول کر کچھ ٹٹولنا چاہا مگر پھر بےزاری سے اٹھ بیٹھی۔ ٹیبل سے ہیر بینڈ اٹھا کر بال سمیٹے اور موبائل آن کرکے ٹائم دیکھا تو رات کے دو بج رہے تھے۔ اس نے تاریکی میں فرش پر پاؤں سے چپل ٹٹولے اور انہیں پہن کر دبے قدموں باہر نکل آئی۔ راہداری میں مدہم روشنی کے ساتھ پُراسرار خاموشی کا راج تھا۔ بابا کے کمرے کی لائٹ بھی بند تھی۔ وہ مطمئن ہوکر بالائی پورشن کی سیڑھیوں کی جانب بڑھی۔ رات کے اس پہر عائشہ وہ واحد ہستی تھی۔ جو اس کے کہنے پر نا صرف جاگ اٹھتی بلکہ پی سی پر ٹائم بھی گزارتی۔ کبھی وقت انٹرنیٹ پر چیٹنگ میں گزرتا اور کبھی کسی انگلش فلم میں۔ سیڑھیاں چڑھتے ہی سامنے اسامہ کا کمرہ تھا۔ اندر سے آتی ہلکی روشنی دروازے اور کھڑکیوں کی درزوں سے چھلک رہی تھی۔ یقیناً کمرے کا مکین ابھی جاگ رہا تھا۔ "کتابی کیڑا" وہ منہ بنا کر بڑبڑائی مگر کچھ سوچتے ہوئے رک گئی۔ امتحان ختم ہوگئے مگر یہ پھر سے کوئی کتابیں اٹھالایا ہوگا۔ پاگل نہ ہو تو۔ اسے گزشتہ رات کی عزت افزائی یاد آگئی تھی۔ اس نے ہلکے سے دروازہ کھول کر جھانکا تو اسامہ بیڈ پر الٹا سویا ہوا تھا۔ جبکہ ایک دو کتابیں اس کے آس پاس موجود تھیں۔ وہ دبے قدموں اندر داخل ہوئی اور بیڈ کی پائنتی کی جانب جھک کر نیچے بیٹھ گئی۔ اگلے ہی پل اس نے ہاتھ بڑھا کر اسامہ کے پاؤں پر چٹکی کاٹی تو وہ کسمسا کر سیدھا ہوگیا۔ نیچے سمٹی بیٹھی ہانی کو بدلہ لے کر واقعی لطف آیا تھا۔ اس نے ذرا سی گردن اوپر کرکے جھانکا اور یہی عمل دوبارہ قدرے زور سے کیا۔ اس بار اسامہ جاگ اٹھا۔

"حمزہ مت کرو یار.....سونے دو نا۔" وہ خواب ناک آواز میں کہتا پہلو بدل گیا۔ ہانی نے چند لمحے بعد پھر چٹکی کاٹی۔

"حمزہ کیا تکلیف ہے تمہیں؟ دفع ہوجاؤ اپنے کمرے میں......" وہ نیند میں جھنجلا کر بولا تو ہانیہ نے اپنی کِل کِل کرتی ہنسی کو روکنے کے لیے اپنا ہاتھ لبوں پر رکھ لیا مگر پیٹ میں بل پڑنے لگے تھے۔ اب کی بار اس نے ہاتھ بلند

کر کے چٹکی کاٹنی چاہی مگر اسے مطلوبہ جگہ پر پاؤں نہیں ملا۔ ہاتھ دائیں بائیں ہلا کر تلاشنا چاہا مگر ندارد۔ اگلے لمحے اس نے سر اونچا کر کے دیکھنا چاہا مگر اس سے پہلے اس کی کلائی اسامہ کی مضبوط گرفت میں تھی۔ وہ بوکھلا کر کھڑی ہوئی مگر کلائی پر پڑنے والے جھٹکے سے وہیں تھم گئی۔

''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟'' اسامہ کی سرخ خوابناک آنکھیں غصے کی شدت سے پھٹنے کو تھیں۔

''وہ......وہ میں نے سمجھا کہ......'' اس کے الفاظ منہ میں دم توڑنے لگے۔ اسامہ کا شدت پسند چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا تو خوف سے وہ خود بھی بے دم ہونے لگی۔

''اسامہ بھائی میں نے سمجھا حمزہ بھائی سو رہے ہیں۔'' اس نے معصومیت سے کہتے ہوئے جان چھڑانی چاہی۔

''ہاں ہاں...... میرے کمرے میں حمزہ کیا اس کے والد صاحب بھی سونے آتے ہیں نا جو تمہیں جلتی بتی میں بھی غلط فہمی ہوگئی۔'' اس نے غرا کر کلائی پر مزید زور دیا تو اس کی دبی دبی چیخ نکل گئی۔ ''تم رات کے اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اب کی بار اس نے جواب نہ دیا۔ آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تھا۔

''پلیز چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' وہ روہانسی ہوئی۔ اسامہ نے ایک جھٹکا دے کر کلائی چھوڑی تو اس کی کلائی پر نشان کے ساتھ ساتھ سرخی بھی ابھر آئی ایک لمحہ بھی ضائع کیے بنا باہر بھاگ گئی تھی۔ اسامہ کو اتنی سختی پر افسوس تو ہوا مگر وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔ کمرہ لاک کر کے لائٹ آف کی اور دھم سے بستر پر گر پڑا مگر اب نیند نہیں آنے والی تھی۔

☆☆☆☆

امی نے بے چینی سے پھر گھڑی کی جانب دیکھا شام کا اندھیرا تیزی سے رات کی تاریکی میں بدلتا جا رہا تھا۔ فضا میں سکوت طاری تھا۔ وہ سیڑھیوں تک چکر لگا کر واپس لوٹ آئیں۔

''عاشی بیٹا پھر سے فون ملاؤ نا۔ اسامہ ابھی تک واپس کیوں نہیں لوٹا؟ اب تو رات ہونے کو ہے۔'' امی نے اضطراری کیفیت میں ہاتھ مسلتے ہوئے کہا۔

''امی میں کتنی بار تو ان کے موبائل پر کال کر چکی ہوں مگر وہ کال اٹینڈ نہیں کر رہے۔''

''تو دوبارہ ملانے سے تمہارے ہاتھ میں تکلیف ہو جائے گی؟'' وہ غصے سے پھٹ پڑیں۔ وہاں بیٹھے سب ہی نفوس نے ان کے غصے کو نوٹ کیا جبکہ عائشہ تو ہکا بکا رہ گئی۔

''امی آپ پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ اسامہ بھائی کوئی چھوٹے بچے تو نہیں ہیں۔ ابھی آجائیں گے۔ کسی دوست کی طرف نکل گئے ہوں گے۔ آپ یہاں اطمینان سے بیٹھیں۔ میں دوبارہ فون ملاتا ہوں۔'' حمزہ نے انہیں کندھوں سے پکڑ کر قریبی کرسی پر بٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔

''اتنا بے پروا کب سے ہو گیا ہے وہ کہ کچھ بتائے بغیر دوست کی طرف سارا دن گزار دے۔ اتنی دیر تو اسے کبھی بھی نہیں ہوئی۔'' امی کی بے چینی اور پریشانی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔

''ارے نیک بخت' تم تو ایسے پریشان ہو رہی ہو جیسے خدانخواستہ جوان جہان لڑکی کی گمشدگی کی خبر مل گئی ہو۔'' ابو نے اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھا اور بات کو جیسے چٹکیوں میں اڑا دیا۔

''آپ تو بس رہنے دیں۔ آپ کیا جانیں ماں کے دل کو۔'' آج وہ کسی کی نہیں سن رہی تھیں۔ ڈور بیل بجی تو وہ خود ہی دوڑتی ہوئی باہر تک گئیں۔ اسامہ گھر کے زیریں حصے میں بائیک کھڑی کر کے جب اوپر آیا تو وہ اسے دیکھتے ہی لپکیں۔

بیٹا...... آج اتنی دیر کیوں کر دی۔ تم ٹھیک تو ہو، نا۔ سب خیریت رہی نا؟'' وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر ایسے ٹٹول رہی تھیں جیسے سامنے پا کر بھی یقین نہ آ رہا ہو۔

''جی...... جی...... امی' سب خیریت ہے۔ آپ اتنا پریشان کیوں ہیں؟'' وہ انہیں ساتھ لگائے اندر چلا آیا۔

''تم نے اس قدر دیر کر دی اور وہ بھی کچھ بتائے بغیر۔''

''اوہ...... یہ تو میری غلطی ہے۔ بس کام کے چکر میں یاد ہی نہیں رہا۔'' وہ تھکا تھکا سا کرسی پر ڈھے گیا۔ ''مگر آئندہ

ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے ذرا خیال نہ رہا کہ آپ اس قدر پریشان ہوں گی۔"

"کہاں رہے بھئی سارا دن۔" ابو نے اس کی تھکاوٹ چہرے اور آنکھوں میں بھی چھلکتی دیکھی۔

"سی ایس ایس کی تیاری شروع کردی ہے ابو نوکری تو ملی نہیں کسی پرائیوٹ فرم میں کسی بھی سفارش کے بغیر۔ یہی ایک طریقہ ہے ہم جیسے مڈل کلاس لوگوں کے لیے۔ بس محنت کیے جاؤ۔ شاید کہیں قسمت راستہ بنا ہی دے۔" اس نے مایوسی سے ٹھنڈے شربت کا گلاس تھاما جو ہما آپی لائی تھیں۔

"لیکن کلاسز تو آپ صبح کے وقت لیتے ہیں؟" ہما آپی نے پوچھا۔

"آج سے میں نے ٹیوشن اکیڈمی جوائن کی ہے۔ شام کے وقت کے لیے۔ چھوٹی سی جاب ہی سہی۔" اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے خود کو بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کی مگر وہاں سب کے لیے یہ جواب غیر متوقع ہونے کے ساتھ ساتھ حیران کن بھی تھا۔

"ٹیوشن اکیڈمی کیوں......؟" امی نے بے یقینی سے پوچھا۔

"بتایا تو ہے جب تک میرا تعلیمی سلسلہ جاری ہے، میں شام کو اسی اکیڈمی میں جاب کروں گا۔ نوکری تو کوئی مل نہیں رہی اور جہاں تک مقابلے کے امتحان کی بات ہے تو اس بات کا کیا یقین کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا؟ تو جب تک کوئی ٹھوس ذریعہ آمدنی میرے پاس نہیں ہے، میں اکیڈمی سے ہی اخراجات پورے کرلوں گا۔"

"لیکن بیٹا...... ایسے تو تمہاری تعلیم کا بہت حرج ہوگا۔ تم سارا دن گھر سے باہر نوکری کرو گے تو گھر آ کر پڑھنے کی ہمت کہاں ہوگی؟ اس جاب میں تمہیں محنت زیادہ کرنی پڑے گی جبکہ آمدنی نہ ہونے کے برابر ہوگی۔ اب ایسے بھی حالات نہیں ہمارے کہ تم دو دو بار ایک ساتھ اٹھاؤ۔" ابو کو اس فیصلے نے بہت دکھ دیا تھا۔ ان کے لہجے کی شکستگی بہت نمایاں تھی۔

"بس چھوڑیں آپ سب ان باتوں کو۔ میں نے اگر یہ سب شروع کیا ہے تو کچھ سوچ کر ہی......"

"مگر بیٹا اس طرح تو......" امی کی آواز روہانسی ہوگئی۔ اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔

"اگر میں یہ سب ایک ساتھ نہ کرسکا تو یقیناً چھوڑ دوں گا۔ اپنی ہمت سے بڑھ کر تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ مجھ پر کوئی بار نہیں۔ میں یہ سب اپنی خوشی اور ہمت سے کر رہا ہوں اور ہما آپی...... پلیز کھانا تو مجھے کمرے میں بھجوادیں۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ کہتے ہی باہر نکل گیا جیسے مزید بات کرنے کی گنجائش نہ ہو، باقی سب لوگ اپنی اپنی جگہ حیرت میں ڈوبے رہے۔

✿✿✿✿

ہما آپی کا رشتہ طے پا گیا تھا۔ منگنی کے نام پر ایک سادہ سی تقریب کا انتظام تھا جس میں صرف گھر کے افراد ہی شامل تھے۔ شادی کی تاریخ بھی جلد ہی طے پائی جانی تھی مگر تیاری کی غرض سے کچھ وقت مانگا گیا تھا۔ سارے گھر میں ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ ہر ایک کو اپنے کپڑوں اور تیاری کی فکر لاحق تھی جبکہ ہما آپی کا سارا سامان اور تیاری امی کے ذمہ تھی، گھر میں واحد وہی ہستی تھی جو خاموش اور پُرسکون تھی اور سب کچھ اللہ کے سپرد کر کے اپنے ماں باپ کی سرخروئی کے لیے تہہ دل سے دعا گو تھی۔ امی نے لسٹ کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ بہت سی اشیاء ابھی باقی تھیں۔ مگر آمدنی کا ایک لگا بندھا سلسلہ ہی تھا۔ انہوں نے گہری سانس لے کر دل میں ہی ربّ سے مدد مانگی۔

"ہما کے ابو...... میں کچھ اور بھی سوچ رہی تھی۔" امی نے لسٹ لپیٹ کر اپنے پرس میں رکھی اور سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

"جی فرمایئے۔" انہوں نے اپنی عینک کے اوپر سے جھانکا جبکہ کچھ سوچتے ہوئے قلم روک کر فائل کے اوپر رکھ دیا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ اس خوشی کے موقع پر ایک اور خوشی کا اضافہ کرلیں۔ خرچ تو سب وہی ہوگا۔ اسی میں،

میں اپنے اسامہ کی نسبت طے کرکے دل کے ارمان بھی پورے کرلوں۔ ایک طرف ربّ ہماری ذمہ داری پوری کرنے میں مدد دے گا جبکہ دوسری طرف ہمیں آنے والے وقت کے لیے نئی امید کا سرا بھی تھما دے گا۔" ان کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک ابھری تھی۔

"اسامہ کی نسبت وہ بھی اس قدر جلدی میں......؟" ابو نے قدرے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں تو گھر کی بات ہے، جلدی دیر کا کیسا سوال......؟"

"کیا مطلب ہے امی آپ کا؟" ہما آپی نے چائے کی ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے سوال کیا جبکہ کپڑوں کی پیکنگ کرتی عائشہ بھی ان کو دیکھنے لگی۔

"مطلب میرا ہانیہ سے ہے۔ کیوں نا ہم بھائی جی سے بات کرلیں۔ میری بہت خواہش ہے ہانی بیٹی کے لیے۔"

"ہانیہ کے لیے......؟" عائشہ نے حیرت میں ڈوب کر بامشکل کہا جبکہ ابو پُرسوچ انداز میں خاموش تھے۔

"ہاں تو کیا کچھ غلط کہا میں نے......؟" امی کو عائشہ کا انداز ناگوار گزرا۔

"امی......ہانیہ اس فیصلے کو کہاں تسلیم کرے گی؟ اسے تو ہمارے گھر کی ہر چیز قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے۔ اس کی اور ہماری سوچ میں بہت فرق ہے۔"

"تم تو چپ ہی رہو۔ ابھی تم اتنی بڑی نہیں ہوئیں کہ ان معاملات میں مشورے دو۔" امی نے عائشہ کو ڈپٹ دیا۔

"ہاں سوچتے ہیں اس بارے میں، پھر کوئی فیصلہ کریں گے۔" ابو نے اپنی فائلیں سمیٹ کر گویا بات سمیٹ دی۔

"مگر اسامہ سے بات کرنا زیادہ ضروری ہے۔ پہلے اس سے پوچھ لو پھر کچھ سوچیں گے۔" انہوں نے جاتے جاتے تنبیہ کی مگر امی نے مسکرا کر سر جھٹک دیا۔

"اپنے بیٹے کی آنکھوں میں کیا خواہش جھلکتی ہے۔ کیا میں نہیں سمجھوں گی؟ کہنے کا تو سوال ہی دوسرا ہے۔ میں اس کی ان کہی کو بھی جانتی ہوں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے پھر سے مسکرادیں۔

"مگر امی......!" عائشہ کی الجھن اپنی جگہ قائم تھی جسے وہ الفاظ کی شکل بھی نہیں دے پارہی تھی۔

"عاشی چندا......تم کیوں الجھ رہی ہو؟" ہما آپی اس کا ہاتھ دبا کر پاس بیٹھ گئیں جبکہ امی اسے نظر انداز کرتے ہوئے اپنا چائے کا مگ لیے باہر نکل گئیں۔

"ہانیہ کی اور ہماری سوچ میں فرق ضرور ہے مگر وہ بُری لڑکی نہیں ہے اور سُوچ میں آنے والا یہ فرق فطری ہے کیوں کہ اس نے اپنے گھر کا جو ماحول دیکھا ہے وہ آزاد اور آسائشات سے بھرپور ہے۔ اس لیے مادّی چیزوں کا اثر اس کی شخصیت سے جھلکتا ہے۔ ابھی اس کی عمر بھی کم ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گی۔"

"مگر آپی! اکثر اس کی باتوں میں طنز وحقارت کے اثرات اس قدر شدید ہوتے ہیں کہ ہم سب ہی توہین محسوس کرتے ہیں اور کئی کئی دن تک موڈ بحال نہیں ہوتا۔ سب ایک دوسرے سے یوں نظریں چراتے ہیں جیسے مجرم ہوں۔" عائشہ نے روہانسی ہوکر کہا۔

"وہ طنز نہیں کرتی۔ تم نے ہمیشہ غلط سمجھا۔ اسی لیے تم بات کو دل پر لیتی ہو، وہ ہمیشہ اپنی سوچ کی عکاسی کرتی ہے کہ اگر وہ اس جگہ ہوتی تو کیا کرتی۔ دوسروں پر طنز کرکے دل دکھانا اس کی سرشت نہیں ہے۔ ہاں ہمیں ایسا لگتا ہے کہ شاید وہ ہمیں نشانہ بنارہی ہے۔ یہی فرق تو ہے مگر اللہ بہتر کرے گا۔" ہما آپی نے گہرا سانس لے کر توکّل سے کہا۔ "چھوٹی چھوٹی خامیاں سب میں ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ خامیاں ہانی کی ذات میں نظر انداز کرنا پڑیں گی۔ امی کی خوشی کے لیے اور اس سے بڑھ کر اسامہ کی خوشی کے لیے......"

"آپی! مجھے نہیں لگتا کہ اسامہ بھائی ایسا چاہتے ہیں۔" عاشی نے جتانے کے سے انداز میں کہا۔ ہما آپی کچھ کہے بغیر کھل کر مسکرادیں پھر اس کا گال تھپتھپا کر باہر نکل گئیں جبکہ وہ کندھے اچکا کر پھر سے پیکنگ میں مصروف ہوگئی۔

❁❁❁❁

شادی کی تیاریاں مکمل ہوتے ہی تاریخ بھی جلد ہی طے پا گئی۔ رسموں کا آغاز کافی دن پہلے شروع ہوگیا۔ یہ اس گھر کی پہلی شادی تھی تب ہی سب اپنے اپنے دل کے ارمان پورے کررہے تھے۔ شام ہوتے ہی ڈھولک کی تھاپ فضا میں گونجنے لگتی۔ ہانیہ، رانیہ اور عائشہ کی بہت سی سہیلیوں کے علاوہ محلے کے لوگ بھی بھرپور انداز میں شرکت کررہے تھے۔ کبھی کبھی حمزہ بھی وقت نکال کر سب کو تنگ کرنے آن بیٹھتا اور زنانہ آواز میں گلوکاری کے مظاہرے کرتا۔ امی مہمانوں کی آؤ بھگت اور بازاروں کے چکر نبٹا رہی تھیں جبکہ چچی ان کے لیے بھرپور وقت نکال رہی تھیں۔

"مایوں سے دو روز پہلے اسامہ کی مرضی سے احمد درانی نے اپنے چھوٹے بھائی کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ ہانیہ مصطفیٰ کو اسامہ سے منسوب کرنے کا خیال ان کے لیے بھی خوش کن تھا۔ وقت کم تھا کیوں کہ شادی کے روز ہی دونوں کی منگنی طے پائی جانی تھی لہٰذا مصطفیٰ درانی نے اپنی بیوی سے مشاورت کے بعد ہانیہ سے پوچھنے کا کہا جسے سنتے ہی ہانیہ پھٹ پڑی۔

"مما کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"بیٹا...... میں نے کوئی انوکھی بات تو نہیں کی۔ آج نہیں تو کل تمہیں اپنے گھر جانا ہے۔ اس لیے کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔" انہوں نے تحمل سے اسے سمجھایا۔ "ابھی تک تم نے ایسا نہیں سوچا ہوگا۔ اس لیے تمہارے لیے یہ بات حیران کن ثابت ہورہی ہے لیکن بیٹا سوچنا تو ہے کیوں کہ دنیا کی باقی بیٹیوں کی طرح تمہیں بھی شادی کرنا ہی ہے۔"

"مما...... مجھے اعتراض شادی یا منگنی پر نہیں۔ اسامہ سے رشتہ پر ہے۔" اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

"اسامہ میں کیا برائی ہے بھلا؟ وہ سب لوگ بہت محبت سے تمہارا ہاتھ مانگ رہے ہیں۔ تمہاری تائی تمہیں ہما اور عائشہ کی طرح چاہیں گی۔ ہمیں ان کی محبتوں پر یقین ہے اسی لیے تو اپنی رضامندی تمہارے سامنے رکھی ہے۔"

"مما...... مجھے ان کی محبتوں پر کوئی شبہ نہیں ہے مگر میں اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ دوسروں کی محبتوں کے عوض نہیں کرسکتی۔ میں نے فیصلہ اپنے ہونے والے رشتے کو مدنظر رکھ کر کرنا ہے۔" اس کا لہجہ قطعیت بھرا تھا۔

"تو اسامہ کا کردار تمہارے سامنے ہے کیا برائی یا کیا کمی ہے اس کی ذات میں......؟" مما اب جھنجلانے لگی تھیں۔

"مما اگر میں اسامہ بھائی کے رویے کو پسِ پشت ڈال دوں تو بھی میرے لیے وہ قابلِ قبول نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جھرجھری لی جیسے کوئی انتہائی ناپسندیدہ تصور اس کے ذہن کے پردے پر لہرایا ہو۔

"وہ ابھی تک خود کسی قابل نہیں ہیں۔ وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے اپنے گھر والوں پر انحصار کرتے ہیں تو وہ مجھے کیوں کر شریکِ زندگی کی سہولیات دے سکیں گے اور ویسے بھی میں نے ہمیشہ ان کو بڑے بھائیوں والا احترام دیا ہے۔ میں نے ان کے لیے ایسا کبھی نہیں سوچا۔"

"شادی سے پہلے سوچ ایسی ہی ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ اور رشتوں کے تقاضوں کے مطابق اسے بدلنا پڑتا ہے۔" مما کو اس کے دلائل نہایت احمقانہ محسوس ہوئے۔ "اور جہاں تک بات ہے اسامہ کی جاب کی تو وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ اچھے اداروں کا ڈگری ہولڈر ہے۔ آج نہیں تو کل کسی اچھے مقام پر ہوگا۔ اسامہ کا مستقبل بہت روشن ہے۔ وہ یقیناً بہت آگے نکل جائے گا وقت کے ساتھ کیوں کہ محنت ہی اس کی ذات کا خاصہ ہے۔"

"مما...... مستقبل میں کیا ہونے جارہا ہے یہ نہ آپ جانتی ہیں اور نہ میں...... اس لیے موجودہ وقت کے فیصلے موجودہ حالات کے مطابق ہی ہونے چاہئیں۔ ورنہ مستقبل کی خود سے کی گئی پیش گوئیاں ہمارے فیصلوں کے لیے کتنی سود مند رہیں گی، یہ کون جانتا ہے اور یہ کیسی دانش مندی ہے؟"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ میں تمہیں اس سے

زیادہ نہیں سمجھا سکتی۔ تم اپنے بابا کو خود دلائل دو۔ اگر وہ تمہارے ان فضول دلائل سے راضی ہوتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" مما غصے سے پیر پٹختے ہوئے باہر نکل گئیں۔ جبکہ اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہوتے ہی ڈھولک کی تھاپ گونجنے لگی تھی۔ بالائی پورشن میں مخصوص ہلا گلا جاری تھا۔ اس نے رشتے کے سلسلے میں ہونے والی باتوں کو سر سے جھٹکا اور آج کی تقریب کے لیے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی۔ تائی امی ہمیشہ ہی مخصوص محبت بھرے انداز میں ملتی تھیں مگر آج تو ان کی محبت لٹاتی ممتا سب ہانیہ پر نچھاور تھی۔ اسامہ کسی کام سے اندر داخل ہوا تھا مگر ہانیہ پر پہلی نظر کے بعد دوسری نہیں ڈالی تھی۔ وہ مسلسل تائی امی کے کان سے لگا جانے کیا مشاورت کررہا تھا۔ ہانیہ کچھ دیر اس کی نظروں کی منتظر رہی مگر وہاں نئے حالات کی کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ یکسر سنجیدگی اور بے پروائی، جو اس کی طبیعت کا خاصہ تھی، کے ساتھ باہر نکل گیا۔ وہ بھی کندھے جھٹک کر ڈھولک پیٹنے لگی۔

✿✿✿✿
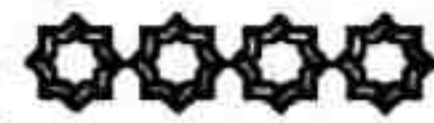
مایوں کی رسم زور و شور سے جاری تھی۔ ہما آپی زرد جوڑے میں سب کے بیچ آبیٹھی تھیں۔ سادہ سے زرد جوڑے میں بغیر کسی ہار سنگھار کے وہ معصوم اور پُروقار لگ رہی تھیں۔ ان کی معصومیت اور حیا کے رنگ چہرے پر بکھر کر انہیں نیا رنگ و روپ عطا کررہے تھے۔

"نہ جانے کیسے ہما آپی نے دیکھے جانے بغیر بلال بھائی کا رشتہ قبول کرلیا؟" ہانیہ کی نظر ان کے چہرے کا طواف کررہی تھی۔ مگر یہ سوچتے ہی اس کے اندر بے چینی پھیل گئی۔ اس نے گہری نظروں سے کچھ جانچنا چاہا مگر ہما آپی کے چہرے پر پُرسکون تاثرات کے ساتھ مدہم سی مسکان بھی تھی۔ شرم و حیا سے جھکی پلکیں بار بار لرز رہی تھیں۔ ابھی وہ اس حیرت سے باہر نہیں آئی تھی کہ رانیہ نے اس کے کان میں بابا کا پیغام دیا۔

"جی بابا..... آپ نے بلایا مجھے؟" ہانیہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا مگر وہاں مما کی موجودگی اور ماحول کا سنجیدہ پن بتا رہا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

"بیٹھو یہاں......" انہوں نے اپنے قریبی صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"جو باتیں تم نے اپنی مما سے کہیں وہ تو مجھے معلوم ہوگئی ہیں مگر میرا بلانے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ تمہیں اچھے اور روشن راستے کی سمت دکھا سکوں، ورنہ تمہیں معلوم ہے میں نے آج تک کسی معاملے میں تم پر یا رانیہ پر سختی نہیں کی۔" بابا نے انگلیوں میں دبا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔ "اسامہ کا رشتہ ہمارے لیے بہترین تھا اس لیے ہم نے تمہارے سامنے رکھا۔ وہ نا صرف اچھے کردار بلکہ اچھے ذہن کا بھی مالک ہے۔ کیوں کہ وہ ہمارے ہاتھوں میں بڑا ہوا ہے اور احمد بھائی کی بے مثال تربیت کا نمونہ ہے۔ اس لیے میرے نزدیک اسامہ سے بہترین انتخاب اور کوئی نہیں ہوسکتا۔"

"لیکن بابا...... مجھے اعتراض اسامہ بھائی کی شخصیت پر نہیں ہے، بلاشبہ وہ ہر لحاظ سے مکمل انسان ہیں مگر وہ ابھی تک اتنے خود انحصار نہیں ہوئے کہ میں اپنا فیصلہ ان کے حق میں دوں۔" ہانیہ نے نظریں جھکا کر دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"ہانی بیٹا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ فی الوقت خود انحصار نہیں ہے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ ہو جائے گا۔ ابھی تو اس نے عملی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ شروع دن میں تو کوئی سیڑھی کی بالائی سطح پر نہیں پہنچ جاتا۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ میں نے بھی زینہ بہ زینہ کامیابی حاصل کی ہے۔" بابا کچھ لمحے توقف کے بعد پھر بولے۔ "اگر وہ خود سے آگے نہ بڑھ سکا تو تمہاری خاطر میں اس کو سپورٹ کروں گا۔ بہت سے راستے میں اس کے لیے آسان کردوں گا اور سب سے اہم بات جس کے لیے تمہاری مما اور میں نے یہ فیصلہ کیا، وہ اسامہ کا اسی گھر میں رہنا ہے۔ تمہیں صرف نیچے سے اوپر کی منزل پر جانا ہوگا۔ بیٹا...... ہمارے لیے تم لوگوں کی جدائی سہنا آسان نہیں۔ میری

بیٹی میری نظروں کے سامنے رہے گی تو مجھے اس کے تحفظ کا احساس رہے گا۔"

"بابا...... زندگی میں بہت سے فیصلے ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے ہمیں کچھ نہ کچھ مشکلیں اور تکالیف اٹھانا پڑتی ہیں۔ آپ میری خوشی اور بہتری کے لیے دوری کا احساس نہیں سہہ سکتے؟" وہ ابھی بھی اپنی ضد پر قائم تھی۔

"میں تمہارے لیے اور تمہاری خوشی کے لیے کچھ بھی برداشت کرسکتا ہوں۔ بہرحال، میرا کام تمہیں سمجھانا اور سب امکان بتانا تھا۔ آخری فیصلہ تو تمہاری مرضی سے ہی ہوگا۔ میں کسی بھی معاملے میں زبردستی کا قائل نہیں مگر حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ یاد رکھنا، تمہیں مانگنے میں تمہارے تایا تائی کی محبتوں کے علاوہ اسامہ کی دلی رضامندی بھی شامل ہے۔ اس نے کل خود میرے سامنے دست سوال پھیلایا تھا۔" اس بار ہانیہ نے حیرت زدہ نظروں سے بابا کی جانب دیکھا۔ "اسامہ مجھے بہت پیارا ہے بالکل تمہاری طرح۔" انہوں نے ہانیہ کی حیران آنکھوں میں جھانکا۔ "مجھے خوشی ہوگی کہ اگر تم میرے ساتھ ساتھ باقی سب کا مان رکھ کر اسامہ کی آرزو بھی پوری کردو۔ میں تم سے کسی اچھے اور مثبت فیصلے کی امید رکھوں گا۔ بہرحال آخری فیصلہ تمہارا ہی ہوگا۔" انہوں نے ہانی کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور باہر نکل گئے۔ مما نے شکوہ کناں نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور اسے فیصلہ کا بھرپور موقع دیتے ہوئے بابا کی تقلید میں کمرے سے نکلتی چلی گئیں۔ خالی کمرے میں وہ سرسراتی خاموشی کے بیچ ماؤف دماغ کے ساتھ بیٹھی رہ گئی۔

❁❁❁❁

رات کے بارہ بج رہے تھے مگر مہندی کے ہنگامے اپنے ساتھ بھرپور رونق لائے تھے۔ عاشی اور رانیہ نے مل کے سارے گھر کو پیلے پھولوں سے سجا رکھا تھا۔ جگہ جگہ پھیلے پھول ہر کسی کو اپنی مسحور کن مہک میں جکڑ رہے تھے۔ ہما آپی کو مہندی تو بیوٹیشن نے گھر آکر ہی لگائی تھی۔ ان کے ہاتھ، پیر، کلائیاں سب کی سب مہندی کے خوب صورت رنگوں کے ساتھ ساتھ دلفریب خوشبو میں رچے بسے ہوئے تھے۔ ہانیہ نے تیل کی کٹوری سے ذرا سا تیل لے کر ان کے کھلے بالوں میں لگایا۔ اس نے بھی ذرا سی مہندی ہتھیلی پر رکھے پان پر لگادی اور تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ سب مل کر ہنسی مذاق اور چٹکلے چھوڑ رہے تھے مگر اس کی زبان کو جیسے تالا لگ چکا تھا۔ اس نے متجسس نظروں سے پھر کچھ تلاشنا چاہا۔ اس افراتفری میں کوئی بھی اس کے بے چین دل کی نہیں جانتا تھا کجا کہ محسوس بھی کیا جاتا۔ بالآخر اسے اسامہ اندر آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کے تھیلے اور چند لڑیاں تھیں جنہیں اندر آتے ہی رانیہ نے جھپٹ لیا تھا۔ وہ تائی جان کے کان میں جھکا کچھ کہتا اور پوچھتا رہا پھر تیزی سے اندر کمرے کی جانب مڑ گیا۔ ہانیہ کے لیے اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ خاموشی سے سب کے بیچ سے سرک گئی۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ الماری سے پیسے نکال کر اپنے والٹ میں رکھ رہا تھا۔ جب اپنی پشت کی جانب ہانیہ کی آواز سن کر چونکا۔ وہ سنجیدہ سی دروازے میں استادہ تھی۔

"ہاں بولو۔ کچھ منگوانا ہے؟" وہ عجلت میں الماری بند کرتا بولا۔

"نہیں، مجھے کچھ منگوانا نہیں، ضروری بات کرنی ہے۔"

"جی، جی...... آپ فرمائیں۔ میں سن رہا ہوں۔" وہ مسکراتا ہوا اب ہمہ تن گوش تھا۔ وہ دروازہ بند کرکے اندر آگئی۔

"آپ نے بابا سے خود بات کی میرے لیے......؟" سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ لمحہ بھر کے لیے چپ رہ گیا کہ ہانیہ مصطفیٰ اس کے سامنے اتنی ہمت بھی کرسکتی ہے۔

"جی، میں نے بات کی تھی۔" وہ قدرے سنبھل کر مسکرایا۔

"آپ کی جرأت کیسے ہوئی میرے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ اور وہ بھی یک طرفہ کرتے ہوئے۔ کچھ تو سوچتے۔ میرے بابا سے بات کرنے سے پہلے مجھ سے

رائے لینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی؟'' اس کی آواز بلند اور لہجہ تلخ تھا۔

''میں ایسے معاملات سرِ راہ طے کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ اس لیے میں نے وہ راستہ اپنایا جو مناسب اور موزوں تھا۔'' تحمل سے پُرسکون سا جواب دیا۔

''مگر میری بات کان کھول کر سن لیں مسٹر اسامہ احمد!'' اس نے شہادت کی انگلی اس کی جانب کی۔ ''میں آپ سے ایسا کوئی بھی تعلق یا رشتہ نہیں جوڑنے والی۔ نہ میں نے ایسا کبھی سوچا اور نہ آئندہ سوچنے والی ہوں۔ اس لیے اگر آپ کے دماغ میں ایسا کوئی کیڑا کلبلا رہا ہے تو اسے نکال باہر کریں۔ یہی آپ کے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔'' اس کا لہجہ اتنا زہر خند اور بے باک تھا کہ وہ جتنا بھی حیران ہوتا کم تھا۔

''سن لیا میں نے......'' اسامہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''اگر آپ کی دھمکیاں ختم ہوگئیں تو برائے مہربانی مجھے راستہ دیں، میں نے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں اور یہ سب باتیں آپ اپنے گھر والوں سے جا کر طے کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ جیسے میں نے سوال کا انداز اپنایا، مجھے جواب بھی اسی طریقے سے چاہیے۔'' اسامہ کے حد درجے پُرسکون لہجے اور انداز پر وہ اور سلگ اٹھی۔

''زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری باتوں کو سنجیدگی سے لیں۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتا کہ آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے۔ وہ بھی میرے بارے میں......؟'' وہ بے یقینی سے اپنی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ ''ٹیوشن پڑھا کر آپ جتنا کما لیتے ہیں، وہ میرے ایک بار کی شاپنگ کے برابر ہے۔ آپ تو اپنا خرچا اٹھانے کے قابل نہیں، آپ نے میرے بارے میں ایسا کیونکر سوچ لیا؟'' اس کی بات گویا تھپڑ بن کر اسامہ کے چہرے پر لگی۔

''میں آپ سے منگنی کے لیے ہاں کردوں تو میں اپنی سوسائٹی میں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی کہ میرا ہونے والا شوہر کیا کرتا ہے؟ ایک ماسٹر ڈگری ہولڈر جاب کی تلاش میں سڑکوں پر مارا مارا پھرتا ہے اور شام کے ٹائم چند ٹیوشنز لیتا ہے۔ او گاڈ! یہ دن بھی دیکھنا تھا مجھے۔'' اس نے ایک ادا سے سر تھاما تو اسامہ کا چہرہ شدت ضبط سے سرخ ہوگیا۔

''اسٹاپ اٹ ہانیہ......'' اس نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔ ''تمہیں اپنے لیے بہتر راستہ نظر آتا ہے تو اس کو چن لینا تمہارا حق بنتا ہے مگر میری ذات کی تذلیل کا حق تمہیں کس نے دیا......؟''

''میں نے آپ کی تذلیل نہیں کی۔'' اس نے تیزی سے۔

''تم نے میرے منہ پر تھپڑ رسید کردیا ہے بے عزتی کا۔''

''یہ صرف آپ کی سوچ ہے، آپ اسے جس بھی انداز میں لیں۔'' ہانی نے تنک کر کہا۔ ''میں نے صرف سچائی بیان کی ہے۔ بات صاف اور سیدھی ہے۔ میں آپ کی اس قلیل آمدنی میں گزارا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ نہ مجھ میں اتنا صبر اور برداشت ہے کہ میں اچھے وقت کی امید پر موجودہ وقت کی چکی میں پستی رہوں۔ اس لیے برائے مہربانی میرے والدین پر جذباتی دباؤ مت ڈالیں۔ ورنہ آپ کے ہاتھ اس صورت میں کچھ نہیں آئے گا۔'' اس نے آخری جملے پر اسامہ کو ایک نظر دیکھا اور اسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر چھپاک سے باہر نکل گئی۔ وہ اپنی جگہ تن کھڑا شدت ضبط کے آخری مراحل میں تھا۔ بے عزتی کے گہرے احساس نے اس کی آنکھیں تک نم کردیں۔ وہ بے دم سا ہوکر بیڈ پر ڈھے گیا۔ جبکہ ہانی باہر کے ہنگاموں میں گم ہوگئی۔

❁❁❁❁

ہما آپی کی رخصتی کیا ہوئی، سارا گھر ایک دبیز خاموشی کی چادر میں لپٹ گیا۔ ایک دل چیر دینے والی خاموشی اور ملال ہر شخص پر چھایا تھا۔ اس میں صرف ہما آپی کی رخصتی کا دکھ شامل نہیں تھا بلکہ ماحول میں ایک اَن کہا سا احساس تھا جس کے تحت سب ہی لوگ ایک دوسرے سے کتراتے پھر رہے تھے۔ بہرحال جو بھی ہوا، جیسا بھی ہوا مگر کسی نے دوبارہ ہانیہ سے رشتے کے متعلق بات نہیں کی تھی یا اسے اتنی جلدی اپنی باتوں کے اثر انداز ہونے کی امید نہیں تھی مگر پھر

بھی وہ مطمئن تھی کہ خطرہ سر سے ٹلا۔ آگے کی آگے دیکھی جائے گی۔ کچھ ہی دنوں میں ایک نیا معمول پھر سے شروع ہوگیا تھا۔ گھر کے بیشتر کام اب عائشہ کو دیکھنے پڑتے تو ہما آپی کا محبت بھرا اور خیال رکھنے والا وجود اور بھی یاد آنے لگتا۔ حمزہ کو گھر کے باہر کے کام نمٹانے پڑتے کیونکہ اسامہ صبح کا نکلا رات گئے ہی واپس آتا۔ ٹیوشن اکیڈمی کی کلاسز میں مزید اضافہ ہوگیا تھا مگر ساتھ ساتھ اس کی اپنی پڑھائی بھی جاری تھی۔ تائی امی کی آنکھوں سے انجانے دکھ بہنے لگتے تھے۔ بیٹھے بیٹھے جانے کیا سوچ کر رونے لگتیں۔ اسامہ کی تھکن زدہ کتراتی ہوئی آنکھیں ان کے دکھ کو اور بھی سوا کر دیتیں۔

✿✿✿✿
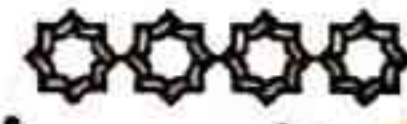
ابھی اس کے گریجویشن کا رزلٹ نہیں آیا تھا کہ اس کے لیے مزمل کا رشتہ آگیا۔ مزمل اس کے بابا کے دوست کا بیٹا تھا۔ مزمل کے والد بھی ایک نامور سرجن تھے جبکہ مزمل ایک پرائیویٹ فرم میں سوفٹ ویئر انجینئر کے طور پر کام کرتا تھا۔ ہانیہ کو ساری معلومات دی گئیں تو اس کی خواہشات کے مطابق سب کچھ ٹھیک تھا۔ مزمل کی رہائش گاہ ان کے اپنے گھر سے کئی گنا بڑی اور خوب صورت تھی۔ اس کا اپنا سیلری پیکج قابل قبول تھا اور یہ سب معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ دونوں گھرانوں میں مراسم اتنے گہرے تھے کہ کچھ چھاننے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ مزمل کو ایک بار دیکھنے کے بعد اس نے فوراً ہاں کر دی۔ رشتہ اتنی تیزی سے طے پایا کہ وہ خود بھی حیران تھی۔ اس کا خیال تھا کہ تایا کی فیملی خوش دلی سے شرکت نہیں کرے گی۔ مگر منگنی کے روز یہ بات بھی غلط ثابت ہوگئی۔ ہما آپی سمیت سب ہی لوگ بے تحاشا تحائف اور دعاؤں کے ساتھ شامل تھے۔ اسامہ اگرچہ تھوڑی دیر ہی بیٹھا مگر وہ بھی آیا ضرور تھا۔ چہرے پر سجی چھوٹی چھوٹی داڑھی اور بلیک سوٹ میں ملبوس مزمل ایک وجیہہ شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔ جسے آنے والے سب ہی مہمانوں نے سراہا تھا۔ ہانیہ ہلکے نیلے کامدار سوٹ میں اپنے من موہنے روپ کے ساتھ مزمل کے قریب براجمان تھی۔ اس کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ تقریب کے اختتامی مراحل میں مزمل صدیقی نے اپنے نام کی انگوٹھی اس کے بائیں ہاتھ میں پہنائی تو گویا اس کی خوشیوں کی تکمیل ہوگئی۔ سب لوگ کھانے کی جانب متوجہ ہوگئے جبکہ وہ انگلی میں پڑی انگوٹھی کو گھماتی خود میں ہی مگن لگ رہی تھی۔

✿✿✿✿

وہ تھکی ہاری رات گئے واپس لوٹی تھی۔ آج کل شادی کی شاپنگ زوروں پر تھی۔ ہانیہ ہر چیز اپنی پسند سے لینا چاہ رہی تھی۔ اسی لیے روز بازاروں کے چکر اسے پاگل کیے دے رہے تھے۔ آج بھی وہ اپنا لہنگا لے کر واپس آئی جو اس نے پچھلے دو ماہ سے آرڈر کر رکھا تھا۔ لاؤنج کی سنٹرل ٹیبل شاپنگ بیگز سے بھری پڑی تھی۔ اس نے ملازمہ سے پانی منگوایا اور پُر جوش انداز میں لہنگا نکال کر دکھانے لگی۔

''دیکھیں ناماما...... کیسا بن کر آیا ہے؟'' اس نے لہنگے کے گھیر کو کارپٹ پر پھیلایا۔ تائی امی صوفے سے اٹھ کر قریب آئیں۔

''ماشاءاللہ...... بہت خوب صورت ہے۔'' انہوں نے لہنگے کے نفیس اور جھل مل کرتے کام پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''واہ آپی...... بہت یونیک ڈیزائن ہے، رنگوں کا امتزاج تبدیل کرنے کے بعد اور بھی نکھر کر سامنے آیا ہے۔'' رانیہ نے دوپٹہ نکال کر دائیں بازو اور کندھے پر پھیلایا۔ جہاں اپنی پسند اور خوب صورتی پر ہانی کا چہرہ خوشی سے گلال ہوا تھا وہیں کچھ یاد آتے ہی عائشہ کے چہرے پر پژمردگی چھا گئی۔ اس نے امی کا چہرہ دیکھا جو افسردگی کی شدید لہر کو مسکراہٹ کی دبیز تہہ کے پیچھے چھپائے ہوئے تھیں۔

''عاشی تمہیں کیسا لگا؟'' ہانیہ نے براہ راست اس سے سوال کیا تو وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

''بہت اچھا ہے ہانی اور بہت مبارک ہو تمہیں۔''

عاشی کے چہرے کی سنجیدگی دیکھنے کی فرصت کسے تھی۔ وہ مزید کپڑے نکال کر پھیلا رہی تھی۔ تائی امی خاموشی سے اٹھ کر ہانی کے قریب آئیں اور لہنگے کا جھل مل دوپٹا اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دیا۔ وہ پہلے حیران ہوئی پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اچھی لگوں گی نا میں پہن کر......؟"

"ہاں بہت خوب صورت۔" تائی نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تو وہ اٹھ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

✡✡✡✡

شادی کی تیاریاں مکمل ہوتے ہی تاریخ بھی رکھ دی گئی۔ مصطفیٰ درانی کے گھر پہلی خوشی تھی اور وہ بھی ان کی لاڈلی چہیتی بیٹی کی شادی۔ وہ دل کھول کر خرچ کررہے تھے۔ ہانیہ کا بہت دل تھا کہ شادی کی شاپنگ میں مزمل اس کا بھرپور ساتھ دے تاکہ دونوں کی پسند سے شاپنگ بھی مکمل ہو اور ساتھ وقت گزارنے سے ایک دوسرے کو سمجھنے اور مزاج آشنائی کا موقع بھی ملے مگر مزمل نے بہت سہولت سے مصروفیات کا بہانہ سامنے رکھتے ہوئے نا صرف معذرت کرلی بلکہ ہانیہ کی طرف سے اس کے لیے بھیجی جانے والی اشیاء کا خوش دلی سے شکریہ بھی ادا کیا۔

شادی کے دن قریب آنے سے گھبراہٹ بھی بڑھنے لگی تھی۔ بارات کی رات وہ بہت روئی۔ اس تقریب میں موجود لوگوں کی آنکھیں بھی پرنم ہوگئیں۔ مگر وقت مقررہ پر اسے اپنے نئے گھر جانا ہی تھا۔ لہٰذا بہت سی دعاؤں کے زیر سایہ وہ مستقبل کے سہانے سپنے مٹھی میں بند کیے مزمل کی سنگت میں سارے گھر کو اداس کرگئی۔

✡✡✡✡

مزمل نے رونمائی میں خوب صورت بریسلٹ کے ساتھ خوب صورت وعدوں کا تحفہ بھی دیا تھا۔

"میں نے تمام وعدے کرڈالے۔ زندگی رہی تو آپ کو پورے بھی کر دکھاؤں گا۔ بہت نیک، تمناؤں سے یہ رشتہ جوڑا ہے میں نے۔" مزمل اس کی کلائی میں بریسلٹ پہناتے ہوئے بولا۔ "اس گھر میں سب لوگ موجود ہیں لیکن آپ ان کی مرضی سے نہیں، اپنی مرضی سے زندگی گزاریں گی اور میں آپ پر کبھی کوئی زبردستی کا فیصلہ مسلط نہیں کروں گا۔ آپ کی مرضی میں جہاں تک ممکن ہوسکا میں ضرور ساتھ دوں گا اور کچھ......؟" اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"جی اور بھی بہت کچھ ہے۔" دل مطمئن اور سرشار ہوتے ہی چہکا۔

"فرمائیے۔" مزمل نے ایک ادا سے دل پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"آپ کو میں نے پیغام بھیجا تھا کہ ہم مل کر شادی کی شاپنگ کریں گے تو آپ نے میرا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ میری شاپنگ تو دور کی بات، اپنی بھی نہیں کی۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"ارے دلہن صاحبہ...... آپ کی پسند اتنی لاجواب تھی کہ مجھے خود جانا ہی نہ پڑا۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولی۔ "کم از کم شادی کا جوڑا تو ہم مل کر لے سکتے تھے؟"

"ہانیہ...... مجھے یہ پسند نہیں کہ شادی سے پہلے اتنا آزادانہ گھوما پھرا جائے۔ آپ نے میرے لیے شاپنگ کرلی اور مجھے پسند بھی آگئی۔ بس یہی کافی تھا البتہ اب آپ جہاں لے جائیں گی ہم آپ کے ساتھ چل دیں گے۔ شاپنگ بھی کریں گے اور گھومنے پھرنے بھی جائیں گے۔"

"سچ......؟" وہ بچوں کی طرح اٹھلا کر بولی۔

"بالکل سچ۔" مزمل نے اس کا ہاتھ دبایا تو وہ سرشار سی خوشبوؤں کی مہکتی فضاء میں کھوگئی۔ جو بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی۔

✡✡✡✡

"آنٹی! اس میں چینی کتنی ڈالوں؟" ہانی نے چمچ ہاتھ میں لیے کوفت سے پوچھا۔ آج اس نے کھیر پکائی تھی جبکہ اس نے آج تک کچن کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اب ہونقوں کی طرح بے چینی سے یہ سب کام کررہی تھی۔ مزمل اسے

نادرن ایریا گھمانے لے گیا تھا۔ بیس دن پر محیط ایک بھرپور ہنی مون منا کر وہ واپس لوٹی تھی مگر اس کی ساس نے اسے کسی کام کے لیے مجبور نہ کیا۔ آج اس کی شادی کو چار ماہ ہونے کو تھے۔ انہوں نے ہانیہ کو کھیر پکانے کو کہا تو جیسے اس پر فکر کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مگر چارو ناچار خاموشی اختیار کرنا ہی پڑی۔ کیوں کہ مزمل کی مرضی بھی اسی میں ہی تھی۔

''سویٹ ہارٹ...... آفس سے واپس آکر سب سے پہلے تمہارے ہاتھ کی پکی کھیر کھاؤں گا۔'' اس نے نکلنے سے پہلے یاددہانی کروائی تو وہ بامشکل مسکراہٹ گھسیٹ کر ہونٹوں تک لائی تھی۔ مزمل بہت اچھا اور خیال رکھنے والا شوہر تھا۔ مگر مزاجاً وہ ہانیہ سے بالکل مختلف تھا۔ پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہوئے وہ ہانیہ کو بھی اکساتا مگر وہ کسلمندی سے پڑی رہتی۔ ہر کام میں جلد بازی اور شور مچانے والی ہانیہ اس کے تشکر اور صبر کو دیکھ کر حیران رہ جاتی۔ جیسے تیسے کھیر پک تو گئی تھی مگر گھر بھر نے بس چکھی ہی تھی کیوں کہ وہ واقعی کھانے کے قابل نہیں تھی۔

''ارے لاؤ بھئی کہاں ہے جناب کی پکائی ہوئی کھیر؟'' مزمل نے چینج کرتے ہی سب سے پہلے یہی سوال کیا تھا۔ جہاں اسے اتنی معمولی بات یاد رہنے پر ہانیہ کو خوشی ہوئی وہیں اگلے پل کھیر کے ذائقے پر تھوڑی شرمندگی بھی محسوس ہوئی۔ مگر وہ ٹرے میں کھیر کا باؤل سجا کر لے آئی تھی۔

''ارے واہ بھئی شاندار۔'' مزمل نے پہلا چمچ لیتے ہی جھوم کر کہا۔ ''تم نے تو کمال کر دیا ہانی ڈیئر...... آج پہلی ڈش تھی تمہارے ہاتھ کی وہ بھی تمہاری طرح میٹھی میٹھی۔'' اس نے کھیر کا پیالہ ذوق و شوق سے ختم کیا تو ہانیہ منہ کھولے بے یقینی کی کیفیت میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

''اچھا اس کا انعام کیا لینا ہے؟'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر والٹ نکالا تو ہانیہ کی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگیں۔

''اگر آپ کو نہیں پسند آئی کھیر تو صاف کہہ دیں۔ میں وہ سچائی برداشت کرلوں گی مگر طنز کر کے میرا دل تو مت جلائیں۔''

''ہائیں...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' مزمل پریشان ہو کر اس کے قریب آبیٹھا۔ ''میں نے کب کہا مجھے کھیر پسند نہیں آئی یا میں نے کب طنز کیا تم پر......؟''

''سارے گھر نے منہ بنا کر بس چکھی اور وہیں چھوڑ دی۔ میں نے خود کھائی مگر اس قدر بدمزہ تھی کہ نہیں کھائی گئی جبکہ آپ کہتے ہیں کہ......'' آگے وہ کچھ بول تو نہ سکی مگر آنسو لڑھک کر گالوں پر بہہ گئے۔

''میں نے سچائی بیان کی ہے۔ کھیر اچھی تھی یا بری۔ سوال یہ نہیں ہے۔ تم نے آج پہلی بار پکائی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی۔'' اس نے ہانی کے آنسو پونچھ ڈالے۔ ''سارے گھر والے کیا ردعمل ظاہر کر رہے تھے۔ یہ تو ان کی مرضی...... مگر میری خوشی اپنی جگہ مسلم ہے۔ اچھا بولو کیا انعام چاہیے؟'' اس نے والٹ کھولا مگر پھر نفی میں سر ہلا کر بولا۔ ''چھوٹا موٹا انعام نہیں چلے گا آج۔ ایسے کرتے ہیں کل شام میں مارکیٹ چلتے ہیں تمہاری پسند کی شاپنگ کے لیے۔'' ہانی نے نم آنکھوں سے اسے مسکرا کر دیکھا اور دوسرے دن واقعی اس نے دل کھول کر شاپنگ کی تھی۔ اتنا دل کھول کر کہ مزمل کی جیب تقریباً خالی ہوگئی تھی مگر وہ ہانی کی خوشی میں خوش تھا۔

❁❁❁❁

شام کے چھ بجنے والے تھے۔ اے سی کی کولنگ سے کمرے میں سکون بخش سی خنکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ آڑی ترچھی بیڈ پر لیٹی دنیا سے غافل لگ رہی تھی۔ دروازے پر ہونے والی کھٹک سے اس کی آنکھ کھلی تو کسلمندی سے کروٹ بدلی۔ مزمل سامنے صوفے پر بیٹھا جوتے اتار رہا تھا۔ مندی مندی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ مزمل نے ایک جھٹکے سے ٹائی کھینچ کر دور پھینکی اور وہیں نیم دراز ہوگیا۔

''مزمل...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' وہ دوپٹا کندھے پر ڈالتے ہوئے اٹھی۔ مزمل نے اس کی طرف دیکھا اور لمبا سانس خارج کر کے اثبات میں سر ہلایا۔

''آج آپ بہت لیٹ بھی آئے ہیں اور پریشان بھی لگ

رہے ہیں۔ بتائیں نا کوئی مسئلہ ہے کیا؟"
"بس یار تھک گیا ہوں اور تو کچھ نہیں۔" وہ اٹھ بیٹھا اور ہاتھ سے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔
"نہیں۔ کچھ تو ہے؟" وہ اٹھ کر اس کے قریب نیچے کارپٹ پر آ بیٹھی۔ "آج سے پہلے تو آپ نے ایسے ری ایکٹ نہیں کیا۔ پلیز بتائیں کیا ہوا؟ مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"
"ہاں...... آج آفس میں کچھ لوگوں سے کھٹ پٹ ہوگئی۔ بس اسی لیے موڈ آف ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔ تم پریشان مت ہو۔"
"اسی وجہ سے آپ لیٹ آئے ہیں؟"
"ہوں۔" وہ غائب دماغی سے ہنکارا بھر کر رہ گیا۔
"اچھا آپ ان باتوں کو سر پر سوار مت کریں۔ جہاں انسان کام کرتا ہے۔ چند لوگوں کے ساتھ رہتا ہے وہاں ایسی باتیں تو ہو ہی جاتی ہیں۔ پلیز آفس کے کام اور پریشانیاں آفس چھوڑ کر آیا کریں۔ میں سارا دن آپ کا انتظار کرتی ہوں۔ تھوڑا سا تو وقت ملتا ہے ہمیں۔ اس میں بھی آپ آفس کی پریشانیاں دل سے لگائے بیٹھے ہیں۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا تو وہ بامشکل مسکرایا۔
"میں نہا کر فریش ہوتا ہوں تم مجھے چائے پلا دو اچھی سی۔"
"ہاں میں ابھی لاتی ہوں۔" وہ چٹکی بجاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اور ہاں آپ کے کپڑے ڈریسنگ روم میں ہیں۔ جا کر تبدیل کرلیں۔" وہ جاتے جاتے مڑ کر بولی اور باہر نکل گئی مگر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ پایا۔

✡✡✡✡

"مزمل...... نئی گاڑی دیکھی پھر آپ نے؟" اس رات وہ آئینے کے سامنے بیٹھ کر کلینزنگ کریم چہرے پر مل رہی تھی جب مزمل کو جانے کہاں کھویا کھویا پا کر پوچھا۔ جبکہ اس کی نظریں ٹی وی اسکرین پر ہی مرکوز تھیں۔ "مزمل میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟" جواب نہ پا کر وہ جھنجلا اٹھی۔

"کیا پوچھا ہے؟"
"مزمل...... آپ کو ہو کیا گیا ہے؟ جب دیکھو کسی سوچ میں گم، جب بات کرو آپ غائب دماغ۔ اگر کوئی پریشانی ہے تو کہہ ڈالیں۔ دل کا بوجھ بانٹ لینے سے بھی سکون ملتا ہے۔" وہ ٹشو سے چہرہ صاف کر کے اب واش روم میں پانی کے چھپاکے مار رہی تھی۔ مزمل کی جانب سے اب بھی کوئی جواب نہیں آیا تھا۔
"میں نے گاڑی کا پوچھا ہے۔ اب اس گاڑی کو جلد ہی بدل لیں تو اچھا ہے۔ ایک تو ماڈل پرانا ہوگیا ہے۔ مجھے اب عجیب سا لگتا ہے اس میں آتے جاتے اور دوسرا اس میں کافی کام نکلنے والا ہے۔ اتنا خرچا کرنے سے بہتر ہے اسے نکال باہر کریں۔" اس نے تولیے سے منہ خشک کر کے تولیہ کرسی پر اچھالا۔
"ہانی...... اچھی بھلی تو گاڑی ہے اور دو سال پرانا ماڈل اتنا بھی پرانا نہیں کہ تمہیں اس پر آتے جاتے شرم محسوس ہو۔" اسے کبھی کبھی ہانی کی باتوں پر سخت حیرت اور کوفت ہوتی تھی۔
"بس میرا دل بھر گیا ہے نا...... اب مجھے نئی گاڑی چاہئے۔" اس نے ایسے کہا جیسے سوٹ بدلنے کی بات کی ہو۔ مزمل گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا۔
"مزمل...... کیا مسئلہ ہے۔ آپ کیوں پریشان ہیں کچھ دنوں سے......؟"
"بتایا تو تھا تمہیں کہ آفس میں کچھ مسائل چل رہے ہیں۔"
"ایسی کیا بات ہوگئی کہ آپ اتنے دنوں سے مجھے بھی نظر انداز کر رہے ہیں۔ ایسے بھی کیا مسائل......؟"
"آفس میں کچھ چپقلش چل رہی ہے۔ خیر یہ سب تو چلتا رہتا ہے زندگی میں۔ مگر ایسے واقعات کا کچھ نہ کچھ اثر تو پڑتا ہی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تمہیں میرے موڈ میں تبدیلی نظر آ رہی ہے۔"
"کیا وجہ تھی اس لڑائی کی؟" وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر بولی۔

''بس کچھ خاص نہیں۔ تم پروفیشنل جیلسی بھی سمجھ سکتی ہو۔ چھوٹی سی بات بڑھ گئی۔ پھر مجھ سے بھی برداشت نہ ہوا۔ تم جانتی ہو کہ مجھے حق کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور حق اور سچائی کے لیے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ فرم کے ایم ڈی سے براہ راست تکرار ہوگئی میری۔''

''پھر......؟'' وہ تیکھے چتون سے بولی۔

''پھر کیا۔ فرم کے متفقہ فیصلے سے مجھے جاب سے فارغ کردیا گیا۔'' اس نے گویا ہانیہ کے سر پر بم پھوڑا۔

''کیا کہا آپ نے؟'' حیرت سے وہ چلا اٹھی۔

''مجھے کمپنی نے نوکری سے نکال دیا ہے۔'' وہ اطمینان سے بتا رہا تھا۔

''مزمل......اتنی اچھی جاب آپ نے ایک ہی ٹھوکر میں اڑا دی؟'' اس کی حیرت اور صدمہ کم ہونے کو نہیں آرہا تھا۔ آخر آپ کچھ تو سوچتے، ہمارا سب کچھ اسی نوکری کے بل بوتے پر تو چل رہا تھا۔ اب کیا ہوگا ہمارا؟''

''کیا مطلب۔ کیا ہوگا؟'' اس نے حیرت سے اس کا منہ تکا۔

''نوکری ختم ہوگئی اور آپ اطمینان سے مجھ سے ہی سوال کیے جارہے ہیں؟''

''ہانی......خدا کے لیے، کیا ہوگیا ہے تمہیں؟'' اسے نا جانے کیوں غصہ آگیا۔ ''اللہ نے ہمیں اتنا کچھ دیا ہے۔ کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی۔ پھر بھی تم کتنی ناشکری بن جاتی ہو۔ ان چند پیسوں کے لیے میں ان کے غلط مطالبات مان لیتا۔ میں ان احکامات کی خلاف ورزی کرتا جو اللہ نے مجھ پر لاگو کیے ہیں؟'' اس کی آواز کافی بلند ہوگئی تھی۔

''مزمل......یہ چند پیسے تو نہیں تھے۔''

''ہانیہ......پھر وہی پیسے......'' دکھ سے اس کی آواز پست ہوگئی۔ ''تمہاری زندگی میں پیسے کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ کسی اور چیز کی اہمیت بھی تم جانتی ہو؟ بہت افسوس ہوا مجھے تمہاری سوچ پر......؟'' وہ افسوس میں سر ہلاتا دکھ سے بولا۔

''مجھے تمہاری فکر ہے مزمل، اس گھر کی فکر ہے۔'' وہ روہانسی ہوکر اس کے گال کو چھونے لگی مگر اس نے تیزی سے ہاتھ جھٹک دیا۔

''تمہیں صرف اپنی آسائشات کی فکر ہے۔'' وہ غصے سے بولتا بیڈ کی دوسری جانب لیٹ گیا۔ ''لائٹ آف کردو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔'' اس نے آنکھوں پر بازو رکھ کر گویا مزید بات کرنے سے انکار کردیا۔ اندھیرے کمرے میں جہاں مزمل کروٹیں بدلتا رہا وہیں ہانی کی سسکیاں بھی ماحول کو بوجھل کرگئیں۔

✿✿✿✿

ڈاکٹر نے اسے ایک نئی امید کا پتا دیا تو گویا سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہانی کی ساس نے اسے ہاتھوں کا چھالا بنالیا۔ گھر کے کام تو وہ پہلے بھی سستی سے ہی کرتی تھی مگر اب تو اسے کھلی چھٹی مل گئی تھی۔ وہ مما کے پاس رہنے آئی تھی کچھ عرصہ۔ ہما آپی بھی اپنے بیٹے کے ساتھ اسے ملنے اور مبارک باد دینے آئی تھیں۔ آج کل گھر بھر میں رانیہ کی شادی کا تذکرہ تھا۔

''مما......اسامہ بھائی کیا کررہے ہیں آج کل؟'' اس نے پوچھا۔

''اسامہ کا سی ایس ایس کامیاب ہوا ہے۔ اسے سترہویں گریڈ کی سرکاری نوکری آفر ہوئی ہے۔'' مما نے ایک حسرت سے بتایا۔ ''خوش نصیب ہیں تمہاری تائی۔ اتنے قابل اور لائق بیٹے ملے ہیں۔ حمزہ کا بھی ایم کام ختم ہونے والا ہے۔ یقیناً وہ بھی اچھی جگہ پر لگے گا کام سے۔ بیٹوں کی ماں ہونا بھی تو کتنی بڑی خوش نصیبی ہے۔'' مما کے لہجے میں پہلی بار بیٹا نہ ہونے کی حسرت جاگی تھی۔ ''تم تو اپنے گھر کی ہوگئیں۔ رانیہ کے رخصت ہونے کا وقت بھی آن پہنچا ہے۔ اللہ مالک ہے ہمارا۔'' انہوں نے اپنی نم آنکھیں صاف کیں تو ہانی کو دلی افسوس ہوا۔

''مما ہم لوگ چلے جائیں گے تو کیا ہوا؟ اسامہ اور حمزہ بھائی تو آپ کے پاس رہیں گے نا۔''

''اسامہ کو جاب کے ساتھ گاڑی اور بنگلہ سب کچھ ملے

گا۔ یقیناً تمہاری تائی بھی اس کے ساتھ جائیں گی۔“ انہوں نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ”کتنا کہا تھا تمہیں اسامہ کے لیے مگر تم نہیں مانیں، آج کم از کم تم میرے سامنے تو ہوتیں۔ ہمیں اپنے مستقبل کے لیے بھی کوئی آسرا نظر آتا۔“

”مما چھوڑیں یہ باتیں۔ وہ سب باتیں خواب ہوئیں۔“ اس نے سر جھٹک کر کہا۔

”میری تو ابھی بھی خواہش ہے کہ اسامہ اور رانیہ...... مگر اسامہ نے انکار کردیا ہے کہ وہ رانیہ کو چھوٹی بہنوں کی طرح سمجھتا ہے۔“ ان کی تمام حسرتیں کہیں اندر ہی دفن ہوگئی ہیں جیسے اس کے سامنے کسی نے بھی سر جھکا دیا تھا۔ اپنی عزت نفس کی دھجیاں خود سمیٹ کر بھی۔

✿✿✿✿

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو مزمل کسی سے فون پر بات کررہا تھا۔ ہنستا مسکراتا چہرہ اور اطمینان بھرا لہجہ۔ ہانیہ گویا اندر تک جل گئی۔

”میری دن رات کی نیندیں اڑا کر خود اس قدر بے پروائی......“ وہ خود غرضی سے سوچتے ہوئے پاس بیٹھ گئی۔

”مزمل آپ کسی اور جگہ نوکری کی کوشش کریں نا۔ ایسے کب تک چلے گا؟“ مزمل کے فون بند کرتے ہی وہ اندرونی انتشار لبوں پر لے آئی۔ مزمل کے مسکراتے لب یکا یک سمٹے تھے۔

”کیا مطلب ہے تمہارا ہانی...... میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہوں؟ تمہارے سامنے ہی تو دن بھر مارا مارا پھرتا ہوں۔ تمہارا کیا خیال ہے مجھے کوئی فکر نہیں ہے نوکری کی......؟“

”مگر مزمل تین ماہ ہونے والے ہیں آپ کو نوکری چھوڑے ہوئے۔“

”تو ان تین ماہ میں کیا میں گھر بیٹھا ہوں چین سے؟“ اس نے تیزی سے کہا۔ ”کوئی ایک دن بھی بتاؤ جب میں گھر پر آرام فرما رہا ہوں یا مجھے کسی پل تسلی ملی ہو؟“

”آپ کے پاس اتنے اچھے ادارے کی ڈگری ہے، سوفٹ ویئر انجینئر سڑکوں پر مارے مارے پھر رہے ہیں کمال ہوگیا جی۔“ عادت کے مطابق اس نے طنز کے تیر چلائے۔

”میرے پاس ڈگری ضرور ہے مگر میرے جیسے ہزاروں ڈگری ہولڈر بے روزگاری کی لائن میں لگے ہوئے ہیں اور سابق فرم کا کوئی تجربہ تحریری طور پر میرے پاس نہیں ہے کیوں کہ وہ لوگ دینے سے انکاری ہیں۔ پھر یہی نتیجہ نکلے گا نا۔“ وہ ہانیہ کے طنز سے بلبلا اٹھا۔

”مزمل...... کوئی ایسی صورت نہیں نکل سکتی کہ آپ دوبارہ اسی فرم......“ اس نے ڈرتے ڈرتے ملتجی لہجے میں کہتے ہوئے کن انکھیوں سے مزمل کو دیکھا اور جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”ہرگز نہیں...... ایسا قیامت تک بھی نہیں ہوسکتا۔“ مزمل کا لہجہ سخت اور دوٹوک تھا۔ ”وہ لوگ جن غیر قانونی اور غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ میں یہ سب جاننے کے بعد بھی ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔“

”پھر سب کیسے چلے گا؟“ ہانیہ نے جھنجلا کر غصے سے کہا۔

”آخر تین ماہ سے بھی تو میں تمہاری ہر ذمہ داری اٹھا رہا ہوں نا...... تمہاری کون سی ضروریات ہیں جن کو میں نے ان حالات میں بھی پورا نہیں کیا؟ کس چیز کی کمی ہونے دی ہے میں نے تمہیں؟ مگر تم ایک ناشکری عورت ہو جس کی تسکین انسانی بساط سے بالاتر ہے۔“

”مگر کب تک مزمل، آپ کا جمع جتھا چلے گا؟“ اب وہ تقریباً رونے لگی تھی۔

”یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔ ”جیسے اب تک سب بخیر و خوبی چل رہا ہے۔ آگے بھی میرا وہی ربّ میرے رزق کا سبب بنا دے گا جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔“ وہ غصے سے بولتا باہر نکل گیا جبکہ دروازہ ایک دھماکے سے بند ہوا تھا۔

”ہونہہ، خود کچھ مت کرنا بس مولانا بنے رہنا جو معجزے کی آس میں بیٹھا ہو۔“ وہ بے بسی سے بیڈ پر اوندھی

لیٹ کر رونے لگی۔

✿✿✿✿

گھر کا ماحول بہت کھنچا کھنچا رہنے لگا تھا۔ آئے دن کے جھگڑے اور لڑائی معمول کا حصہ بن گئی تھی۔ اسے مزمل کے بھائیوں کے وہی ٹھاٹ دیکھ کر اور بھی احساس کمتری ہونے لگا۔ انہی دنوں میں ہانیہ نے مصطفیٰ درانی سے ایک کثیر رقم کا مطالبہ کر کے اس جنگ کو گویا طوالت بخش دی۔ اگر اس کی ساس بیچ میں نہ آتی تو شاید مزمل اسے گھر سے دھکے دے کر باہر نکال دیتا۔

''امی...... اس نے میری عزت کا جنازہ نکال دیا۔ میں اس کی ہر ضرورت ہر جائز خواہش کو فوری پورا کرتا ہوں۔ مگر اس کی نیت کبھی سیر ہی نہیں ہوتی۔ پوچھیں اس سے کیوں مانگے اس نے پیسے؟ کیا اسے یہاں پہننے اوڑھنے کو نہیں ملتا یا کسی چیز میں کمی واقع ہوئی؟'' وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح گرج رہا تھا۔

''میں نے اپنے باپ سے پیسے مانگے ہیں کیونکہ میرا حق بنتا ہے۔'' وہ صحن کے بیچوں بیچ ٹسوے بہاتے ہوئے ابھی بھی شرمندہ نہیں تھی۔

''جاؤ پھر اپنے باپ کے گھر جا کر بیٹھو اور اپنا حق استعمال کرو۔ یہاں کیا لینے آئی ہو؟'' اس نے ہانیہ کو بازو سے پکڑ کر دھکیلا۔

''نہیں بیٹا...... چھوڑو اسے۔'' مزمل کی والدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''مزمل بیٹا...... خدا کے لیے تم اندر جاؤ۔ میں سمجھاتی ہوں اسے۔'' مزمل قریب پڑی کرسی کو ٹھوکر مارتے ہوئے اندر کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ وہ ہانیہ کو سمجھانے لگیں جو کہ سمجھنے والی نہیں تھی۔

گھر میں ایک سرد جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے منہ موڑے اجنبیت کی حدوں کو چھونے لگے۔ دنیا دکھاوے کے لیے ایک ہی کمرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑتے۔ پھر ایک روز ایک نجی کمپنی کی جانب سے مزمل کو کال لیٹر ملا۔ یہ بھی ایک اچھی موبائل کمپنی تھی مگر مزمل کا سیلری پیکج پہلے سے کئی گنا کم طے پایا مگر پھر بھی مزمل رب کا شکر گزار تھا اور حد درجے مطمئن۔

خدا نے اپنی رحمتوں کے در ایک بار پھر کھولے اور ہانیہ کی گود ایک ننھے فرشتے سے بھر گئی۔ وہ جس قدر عاشر کی پیدائش پر آسودہ تھی۔ مزمل اس سے بڑھ کر خوش تھا۔ خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اس نے سجدہ ریز ہو کر خدا کا شکر ادا کیا تو آنکھوں سے بہنے والا خوشی کے آنسوؤں کا سیلاب اس کی چھوٹی سی خوب صورت داڑھی بھگونے لگا۔

''آؤ لڑائی جھگڑے ختم کر لیں اور پھر سے ایک خوش کن زندگی کا آغاز کریں۔'' مزمل نے بیڈ پر لیٹی ہانیہ کی جانب ہاتھ بڑھایا جبکہ اس کی آواز خوشی سے لبریز تھی۔

''لڑائی جھگڑے میری جانب سے کب تھے؟'' وہ نروٹھے پن سے منہ موڑ گئی۔

''آج اس سوال کو چھوڑو کہ بدمزگی کی کیا وجوہات تھیں۔'' اس کا ہاتھ ہنوز پھیلا ہوا تھا۔ ہانیہ نے کچھ لمحے اس کی آنکھوں میں جھانکا پھر خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ آج اس کے محسوسات میں جو تبدیلی آئی تھی وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ بس ان خوشیوں کی بارش میں آنکھیں بند کیے بھیگتی چلی گئی۔

''ہانیہ...... شاید غلطی تمہاری نہیں، غلطی میری بھی تھی۔'' وہ آہستگی سے خمار آلود آواز میں گویا ہوا۔

''تمہاری سوچ کا جو پیمانہ بن چکا ہے، اس میں قصور تمہارا نہیں۔ تمہاری تربیت میں رہ جانے والی کمی کا ہے۔ اگر تمہیں شروع سے ہی اسلامی قدروں اور اخلاقیات سے واقف کیا جاتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اور میں تمہاری سوچ میں تبدیلی لانے کی بجائے مزید چڑنے لگا تھا جبکہ تمہیں یہ سب سمجھنے میں ابھی وقت لگے گا۔''

''مزمل...... میں کچھ نہیں جانتی۔ جو کچھ ہوا اس کے لیے میں صرف اتنا ہی کہوں گی......'' وہ تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوئی۔ ''کہ میں صرف اس گھر کی خوش حالی اور بہتری کے لیے چیختی چلاتی رہی۔ مجھے اپنے اس بچے کے

مستقبل کی فکر تھی۔ اتنی اچھی نوکری کے جانے اور آپ کے اتنے عرصے تک فارغ رہنے نے میری دماغی حالت کو ابتر کیا اور اب بھی آپ کی آمدنی آج کل کے دور کے لحاظ سے نہایت قلیل ہے۔ اس صورت میں مجھے اپنا اور اپنے بچے کا مستقبل محفوظ نظر نہیں آتا۔"

"یہی تو اختلاف ہے ہانیہ تمہارے اور میرے درمیان۔" وہ نرم لہجے میں زور دیتے ہوئے بولا۔ "تمہیں ہمیشہ آگے کی فکر رہتی ہے جسے کسی نے دیکھا ہی نہیں۔"

"مزمل...... ہمارا آج مضبوط ہوگا تو مستقبل خود بخود روشن ہوجائے گا۔"

"نہیں...... غلط کہا تم نے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہ ہمیں آج کا پتا ہے اور کل تو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ جب تم نے مجھ سے شادی کی تھی تو میرا حال مضبوط تھا۔ مگر اب کیا ہوا ہانیہ؟ میرا مستقبل تو اس لحاظ سے روشن ہونا چاہیے تھا۔ تو پھر ہم نے یہ برے حالات کیوں دیکھے؟" مزمل کا سوالیہ چہرہ اس کے سامنے تھا۔ وہ لاجواب سی بیٹھی رہ گئی۔

"تمہیں اپنی اور اپنے بچے کی فکر ہے نا......" مزمل پھر سے گویا ہوا۔ "تو اس بچے کے مقدر میں کتنا رزق لکھا ہے۔ اس نے دنیا میں کیسی زندگی گزارنی ہے۔ یہ تو اس کے پیدا ہونے سے پہلے لکھ دیا گیا ہے۔ یہ پیدا بعد میں ہوا ہے۔ اپنی قسمت پہلے لکھوا کر لایا ہے۔ ہانی ڈیئر...... تم جتنا بھی سر پٹخ لو۔ ہونا تو وہی ہے جو اس عظیم ذات نے فیصلہ کر رکھا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہماری محنت کو دیکھتے ہوئے ہماری صاف اور پاکیزہ نیتوں کے بدلے وہ ہمیں بہتری سے نواز دے۔ ہماری دعاؤں کے بدلے وہ ہماری امیدوں کو سچ میں بدل دے۔"

"تو اس کا مطلب مجھے دعا کرنی چاہیے؟" ہانیہ نے عجیب سی کیفیت میں کہا۔

"ہاں تمہیں دعا کرنی چاہیے۔ اپنے دل اور نیت کو پاکیزہ اور صاف رکھنا چاہیئے۔ بظاہر مٹھی بھر نظر آنے والی چیز میں جب اس ذات کی جانب سے برکت شامل ہوتی ہے نا تو وہ نہ ختم ہونے والے ذخیرے میں بدل جاتی ہے۔ ہانیہ آج کی قلیل آمدنی کی فکر مت کرو۔ اپنے رب سے اس آمدنی کی برکت مانگو جو قلیل میں برکت ڈال کر نہ ختم ہونے والا ذخیرہ بنا دیتا ہے اور اکثر کثیر تعداد میں بے برکتی ڈال کر مٹھی بھر کر دیتا ہے۔" اس نے جیسے ہانیہ کی آنکھیں کھول دیں۔

"میں آپ کو دینے والی تکلیف پر شرمندہ ہوں۔" اس نے اپنی سوچ میں تبدیلی کا آغاز کیا۔

"مجھے تم سے اب کوئی شکایت نہیں۔" مزمل نے شرارت سے اس کا گال چھوا اور اس بھٹکے مسافر کا ہاتھ تھام کر منزل کی جانب گامزن ہونے کا ارادہ کیا اور جب ارادے اور نیتیں صاف ہوں تو راستے خود ہی ہموار ہونے لگتے ہیں۔ مزمل کو لگا اس نے یہ ہاتھ آج ہی تھاما ہے۔ پہلے تو شاید کچھ غلط ہی ہونے جا رہا تھا۔ مزمل نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالا تو وہ آنکھیں موند کر مسکرا دی۔

❁❁❁❁

وہ کچن صاف کررہی تھی کہ اندر سے عاشر کے رونے کی آواز پر چونک گئی۔ ہاتھ میں پکڑا جھاڑن سلیب پر پھینک کر وہ تیزی سے اندر بڑھی۔ ابھی تو وہ اسے سلا کر کچن میں آئی تھی مگر وہ پھر سے جاگ اٹھا تھا۔ ہانیہ نے اسے گود میں بھر کر تھپکنا شروع کیا۔ ماں کی گود میں آتے ہی وہ پُرسکون ہوگیا۔ آج کل وہ عاشر کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی حساس ہوگئی تھی۔ اب بھی اسے زور سے بھینچ کر بھی وہ عدم تحفظ کا شکار تھی۔ اس کی زندگی میں چھائی بے کلی اور بے چینی پہلے سے سوا تھی اور آج کے واقعہ نے اس کی رہی سہی ہمت بھی پست کردی۔ کچھ دن قبل مزمل کی سابقہ فرم کے ایم ڈی کو بہت بے دردی سے قتل کردیا گیا تھا۔ نا صرف وہ خود بلکہ اس کے دو معصوم بچے بھی اس ظلم کا شکار ہوئے۔ نیوز چینل پر آنے والی اس وڈیو کے منظر عام پر آتے ہی بہت سے لوگوں کی طرح ہانیہ کو بھی ہراساں کردیا تھا۔ اس شخص کی بیوی نیم بے ہوشی کی حالت میں تقریباً پاگل ہوتی دکھائی دی۔ ہانیہ کو خود بھی کئی دن تک ہوش نہیں

آیا تھا۔ خوف اور ڈر کی حالت اتنی شدید تھی کہ وہ راتوں کو جاگ کر عاشر کو گود میں بھر لیتی اور ساری رات ایسے ہی بیت جاتی۔ مزمل کے کچھ لمحے دیر سے آنے پر اس کی حالت غیر ہونے لگتی۔

''ہانی کیوں پریشان ہوتی ہو چندا...... کام میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔''

''آپ کم از کم بتا تو دیا کریں کہ آپ لیٹ ہیں۔ آج کل کے حالات تو دیکھیں۔'' گزشتہ روز وہ روہانسی ہو کر اس کے کندھے سے لگ گئی۔ ''ہانی ڈیئر میں راستے میں تھا۔ کیسے بتاتا تمہیں؟'' وہ اسے بچوں کی طرح بہلا رہا تھا۔ ''اچھا آئندہ ایسا نہیں ہوگا تم ٹینشن تو مت لو۔ جو پریشانی تمہیں ہے ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ ان لوگوں کے ساتھ جو ہوا وہ ان کے کیے کی سزا تھی جوان کی اولاد کو بھی ملی۔'' مزمل اسے پیار سے سمجھا رہا تھا۔ ''میں نے اسی لیے ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کی۔ تم نے کس قدر ضد کی تھی مگر دیکھ لو کہ بری سرگرمیوں کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ ایک نہ ایک دن وہ لوگوں کے لیے عبرت بن جاتے ہیں۔'' عاشر اس کی گود میں کسمسایا تو وہ خیالات سے باہر آئی۔ اسے بیڈ پر لٹایا تو احساس ہوا کہ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہے۔ اپنے گالوں کو کلائی سے رگڑ کر صاف کیا۔ فضا میں عشاء کی اذان گونج رہی تھی۔ اس نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑی ہوگئی۔ نماز کے بعد ہاتھ اٹھائے تو الفاظ جیسے گم ہوگئے۔ اپنی غفلت پر جی بھر کر رونا آیا۔ خدا سے دوری اور ایمان کی کمزوری اس کی ذات کا شیوہ رہی تھی مگر اس میں قصور اس کا اپنا بھی نہیں تھا۔ آنسو ٹپ ٹپ کر کے گود میں گرنے لگے۔

✡✡✡✡

آج وہ تائی کے بلاوے پر اسامہ کے گھر گئی تھی۔ حمزہ کی نسبت اس کی خالہ زاد سے طے پائی تھی مگر اسامہ نے ابھی تک شادی کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اسی لیے تائی نے حمزہ کی شادی کا فیصلہ کیا تھا۔ پوری تقریب میں اسامہ نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے پیچھے باہر گئی مگر شاید وہ اسے معذرت کا کوئی موقع دینا ہی نہیں چاہتا تھا اور معذرت کے لیے اس کے پاس الفاظ ہی کہاں تھے۔ الفاظ روح پر لگنے والے زخموں کا مرہم کبھی بھی ثابت نہیں ہو سکتے۔

''کاش میرے ماں باپ نے میرے خیالات کا رخ اس وقت بدلا ہوتا جب مجھے اس کی ضرورت تھی۔'' اپنے والدین کو دیکھتے ہوئے وہ صرف دل میں ہی شکوہ کر پائی۔ ''آپ لوگوں نے مجھے سب کچھ دیا مگر اخلاقی اور مذہبی قدروں سے آشنائی نہ دے سکے بلاشبہ مجھے معذرت کر کے اس شخص کی مزید تذلیل نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ میری غلطی، میرا گناہ معافی کے قابل ہی نہیں ہے۔ خدا کے وضع کردہ حقوق العباد سے رخ پھیر کر میں نے انسانیت کی تذلیل کی تھی۔ ایک اچھے انسان کی دل آزاری کا ارتکاب کیا۔ جس کی معافی نہیں ہے۔ شاید ندامت کا یہ بوجھ مجھے ہمیشہ اٹھانا پڑے گا۔'' وہ اپنی غلطی پر زار و قطار رو رہی تھی۔ عاشر کو دیکھ کر اسے تائی امی کی تکلیف کا اندازہ ہونے لگا۔ جس احساس کو وہ پہلے نہیں سمجھ سکی تھی۔ ماں بننے کے بعد خود ہی سمجھ میں آنے لگا۔

''ایک غلطی میرے ضمیر کو ہمیشہ کچوکے لگائے گی مگر میں دوبارہ ایسی غلطی نہیں دہراؤں گی۔ وہ ربّ کتنا عظیم ہے جس نے مجھے میرے گناہوں کے باوجود مزمل کی صورت میں انعام عطا کیا اور مجھے اس انعام کی قدر ضرور کرنی ہے۔'' وہ آنکھیں ڈوپٹے کے پلو سے صاف کرتی ٹیلی فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی کیوں کہ مزمل کو آج بھی دیر ہوگئی تھی۔

نئی سوچ سے ساتھ زندگی گزارنے کا عہد کر کے اسے لگا ایک نئے دور کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔ رات کی تاریکی پُرنور ہونے لگی تھی اور ہدایت کی روشنی سرعت سے تن من میں اس کے اندر جگمگا گئی تھی۔

✡

آگہی کے بعد

سارہ

سردیوں کی پہلی بارش تھی۔ مناہل جو بارش کی دیوانی تھی۔ اس وقت دوپہر میں دادی اماں کے ساتھ سونے کے لیے لیٹی تھی۔ موسم کی دلفریبی کا احساس ہوا تو سونے کا ارادہ ترک کرکے صحن میں آ گئی۔ آسمان کا رنگ دیکھتے دیکھتے سیاہ ہوگیا۔

''اماں بارش ہورہی ہے۔'' وہ خوشی سے چلائی۔

دانش برآمدے میں بیٹھا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ مناہل نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ روزانہ اس وقت یونیورسٹی میں ہوتا تھا۔ مناہل درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ درخت کے پتوں کے جھونکوں میں دلفریب سی مہک تھی۔ مناہل نے سکون سے اپنی ہتھیلی آگے پھیلادی۔ بارش کے چھوٹے چھوٹے قطرے اس کے ہاتھ پر گرتے اور پھسل جاتے۔ وہ بہت شوق سے اس عمل کو دیکھ رہی تھی۔ بوندوں کی نمی اپنے نازک بدن پہ محسوس کررہی تھی۔ اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا۔ دانش مسلسل اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اتنا زبردست موسم اور اتنا دلکش نظارہ' کسی دلفریب خیال نے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ اماں کی آواز پہ وہ چونکی۔ سامنے برآمدے میں گھورتے دانش کو دیکھ کروہ بری طرح سٹپٹائی۔ دوپٹہ سر پر لیتے ہوئے اس نے کچھ ہی پل میں وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی تھی۔

''مناہل......'' پھوپو کی آواز اسے قریب سے سنائی دی۔

''جی پھوپو'' وہ چارپائی سے اٹھ کر دروازے تک آئی۔

''مناہل پکوڑے اور چائے بنا کے لے آؤ۔'' وہ بے تاثر لہجے میں کہہ کر چلی گئیں۔

''پکوڑے اور چائے' بس فرمائش کرنا آتی ہے' کبھی سویرا کو کچن میں کام کرنا پڑے تو عقل ٹھکانے آجائے۔ سب کو بس میں ہی نظر آتی ہوں۔ مجھ سے پہلے بھی تو کھاتے پیتے تھے۔'' مناہل نے غصے سے اماں کے آگے دل ہلکا کیا۔ پھوپو کا تو رعب ہی بہت تھا۔

''بیٹا یہاں کام کرنا' آگے تمہارے کام آئے گا۔'' اماں نے شفقت سے اسے پچکارا۔

''اماں......میں بتارہی ہوں میں سرگودھا سے یہاں صرف آپ کا خیال رکھنے آئی ہوں' ان کی ملازمہ بننے کے لیے نہیں۔'' مناہل نے خفگی سے کہا۔

''مناہل بیٹا اپنوں کے کام آنے سے کوئی نوکر نہیں بن جاتا۔ تمہارے ہاتھ میں بہت لذت ہے نا اور یہاں سب کھانے کے شوقین مزاج۔ سویرا کو کچھ آتا نہیں ہے رہ گئی اس کی ماں وہ کام کرکر کے تھک گئی۔''

''اپنا سمجھے تب نہ۔'' مناہل نے شکوہ کیا۔

''اماں اب چپ رہیں۔'' بات تو مناہل کی سچ تھی۔ ان کی بیٹی تھی فرزانہ مگر مزاج نجانے کس پہ گیا تھا۔ حاسد' غصیلی' بے مروت' بدلحاظ اور مغرور تھی۔

اماں کے صرف دو ہی بچے تھے۔ بڑے بیٹے صادق جن کی بڑی بیٹی مناہل تھی۔ دوسری منال اور تیسرا بیٹا تیمور تھا۔

صادق بہت شریف النفس انسان تھے' سرگودھا شہر میں ان کی کریانے کی دوکان تھی۔ ان کی اہلیہ ثمینہ ان کی بہترین شریک سفر تھیں۔ ان کی زندگی میں قربانی اور تنگدستی تھی لیکن گھر کے مکین صبر وقناعت کی دولت سے مالا مال تھے۔ مناہل نے بی اے کیا تھا۔ وہ بڑی موڈی لڑکی تھی۔ موڈ ہوا تو سارے گھر کا کام کرلیا ورنہ انکار کرکے ایک طرف بیٹھ جاتی۔ اور پھر منال اسے کبھی مجبور نہیں کرسکتی تھی لیکن یہاں اس کے موڈ کی کسے پروا تھی' وہ مروت میں انکار نہیں کرسکتی تھی۔ اماں ہمیشہ سے ان کے

ساتھ ہی رہیں مگراب ان کا دل لاہور میں مقیم اپنی بیٹی فرزانہ سے ملنے کو تڑپ رہا تھا۔ فرزانہ کی شادی ایک سرکاری افسر سے ہوئی تھی' گھر میں خوش حالی تھی۔ ان کے شوہر نعیم بھی فرزانہ کے ہم مزاج تھے۔ غریب رشتے داروں سے میل جول انہیں پسند نہیں تھا۔ فرزانہ بھی میکے نہیں جانا چاہتی تھیں۔ اماں' ماں جو ٹھہریں بیٹی سے ملنے کا پروگرام بنالیا۔ مسئلہ یہ تھا مناہل ان کی لاڈلی پوتی تھی۔ جس کے بنا وہ ایک دن بھی نہیں گزار سکتی تھیں۔ مناہل ان کے ساتھ سوتی تھی اور اماں کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی۔ اماں کے معاملے میں قطعی موڈی نہیں تھی۔

O......O......O

فرزانہ کے دو ہی بچے تھے۔ بڑا بیٹا دانش اور چھوٹی بیٹی سویرا جو فرزانہ ہی کی ہم مزاج تھی۔ سرگودھا سے بذریعہ بس اماں اور مناہل پہنچ گئیں لاہور اسٹاپ پہ دانش ان کا منتظر تھا۔ دراز قد' لباس میں نفاست' خوبرو اور سنجیدہ سا' اس نے آگے بڑھ کر اماں کو سلام کیا' اماں تو نہال ہی ہوگئیں۔ بڑی اماں کی توصیفی نگاہیں دانش کا بھرپور جائزہ لے رہی تھیں۔ سرسری سی نظر اس نے مناہل پہ ڈالی۔ وہ اس وقت عبایا پہنے ہوئی تھی۔ چہرے پہ نقاب تھا۔ فرزانہ گیٹ پر ہی موجود تھیں۔ لپک کر اماں سے گلے لگیں۔ اماں نے خفگی سے پرے دھکیلا۔

"اب محبت اُمڈ رہی ہے' مدتوں اماں کی صورت نہ دیکھی' بندہ کبھی عید تہوار' شب برات پر ہی چکر لگالے' سرگودھا اتنی دور بھی نہیں۔" فرزانہ پھوپو مصروفیت کا عذر پیش کرنے لگیں۔ سویرا نے دسترخوان لگایا۔ سب کھانے میں شامل تھے کھانا بازاری تھا۔ قورمے کا سالن باسی تھا۔ کباب خوب مرچوں والے اور بریانی مسالے دار۔ اماں کی صحت کے لیے یہ کھانا مضر صحت تھا۔ اماں نے تھوڑا سا سالن نکالا' صد شکر کے پھوپو نے روٹیاں گھر میں پکالی تھیں۔ شاید اماں کے دانتوں کا خیال آ گیا ہوگا۔ مناہل مرچیں بہت کم کھاتی تھی' تھوڑی سی بریانی رائتے کے ساتھ کھائی۔

"مناہل کیا کررہی ہو آج کل؟" پھوپو نے پوچھا۔ ساتھ میں اسے بغور دیکھا۔ صاف رنگت کی مناسب نقوش' بڑی بڑی سیاہ آنکھیں صاف شفاف میک اپ سے پاک چہرہ' سب ہی مناہل کو دیکھنے لگے۔

"میں نے بی اے کیا ہے۔" اس نے دھیمے سے کہا۔

"ماشاء اللہ بہت ہی سگھڑ ہے۔ اسی کا آسرا ہے' ورنہ اس بڑھاپے میں بیماریوں نے تو مجھے کھالیا۔ ہر قسم کے کھانے پکانا جانتی ہے۔ بڑی سلیقہ شعار ہے۔ جس گھر میں جائے گی راج کرے گی۔" اماں نے دانش کو دیکھتے ہوئے ذومعنی انداز میں کہا' انہیں اپنی نیک سیرت پوتی کے لیے اپنا خوبرو دراز قد نواسا بے حد بھایا تھا۔

پھوپو نے فرداً فرداً سب گھر والوں کی خیریت دریافت کی۔ مناہل نے شکر ادا کیا نام تو انہیں یاد تھے۔

"سویرا بیٹا چائے تو لے آ۔" اماں نے رغبت سے

بریانی کھاتی سویرا کو مخاطب کیا۔
"میں......" وہ فرزانہ کی طرف امداد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔
"اماں...... یہ کچن میں نہیں جاتی، میں پکاتی ہوں۔" فرزانہ بولیں۔
"جوان بیٹی کے ہوتے ہوئے کچن میں تم کام کرتی سجتی نہیں ہو اور یہ کون سا بچی ہے۔ اپنی مناہل سے ایک سال بڑی ہی ہوگی۔ اگلے گھر میں بھی کیا تم جا کر اس کو پکا کے کھلاؤ گی۔" اماں نے ناراضگی سے کہا۔ انہیں سویرا کی نافرمانی اور کام چوری پہ افسوس ہوا۔
"اماں آپ بھی آتے ہی بچی کو لتاڑنے لگیں۔" فرزانہ نے شکوہ کیا۔
"مناہل بیٹی جا چائے بنا کے لا، سفر کی تھکان نے سر میں درد کر دیا۔ اب ان بوڑھی ہڈیوں میں کہاں دم ہے۔" اماں کے کہنے پہ مناہل چونکی۔ اس کا خیال تھا پھوپو اسے مہمان سمجھ کر اٹھنے نہیں دیں گی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ پھوپو اطمینان سے کھانے میں مگن رہیں وہ کچن کا پوچھ کر کچن میں آ گئی۔
کچن میں صبح والے برتن یونہی گندے پڑے تھے سنک اور چولہے کی صفائی کا حال برا تھا۔ کیتلی اچھی طرح دھو کر چولھے پر رکھی۔ فریج سے دودھ کا جگ نکالا، چینی پتی کی تلاش میں کیبنٹ کھولے تب ہی دانش کسی کام سے کچن میں آیا۔
"تم یہاں......؟" اسے چند گھنٹوں کی مہمان کو کچن میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔
"میں اماں کے لیے چائے بنانے آئی ہوں۔" مناہل نے گھبرا کر جواب دیا۔
"امی کہہ رہی ہیں چار کپ بنائیں۔" سویرا نے کہا وہ چپ ہی رہی، اسے ہرگز اس مہمان نوازی کی امید نہیں تھی۔ خاموشی سے چائے لے آئی۔
"تھینک یو۔" سویرا نے سب سے پہلے کپ اٹھایا پھر پھوپو نے، اماں نے ایک بار پھر ناگواری سے سویرا کو دیکھا۔ کچھ دیر میں وہ اور اماں آخر والے کمرے میں آ گئیں۔ کمرا بڑا اور کشادہ تھا۔ مگر صفائی شاید کبھی کبھار ہی یہاں ہوتی تھی۔ بیگ کھول کر اپنے اور اماں کے کپڑے نکالے۔ نہا کر تبدیل کیے۔
اماں سوگئی تھیں اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بور ہونے لگی تو گھر فون پہ امی اور منال سے باتیں کرنے لگی۔ صبح فجر کے وقت حسب معمول اس کی آنکھ کھل گئی۔ نماز اور تلاوت کے بعد اماں کے لیے ناشتہ بنایا۔ انہیں ناشتہ کیے کافی دیر ہوگئی تھی سارا گھر سو رہا تھا۔ اماں باہر آ گئیں۔ اس نے ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی آن کر لیا۔ تب ہی پھوپو اٹھ کر آ گئیں۔
"اماں ناشتہ؟" پھوپو نے پوچھا۔
"ہمیں بہت تڑکے ناشتے کی عادت ہے۔" اماں نے جتایا۔
"کیا کروں رات کو دیر سے سوتے ہیں، صبح اٹھا ہی نہیں جاتا۔" پھوپو بے دلی سے بولیں۔
"تو نے تو بری عادتیں اپنا لیں۔" اماں بولیں۔
"اماں آپ بھی تو نہیں بدلیں۔" وہ خلاف توقع مسکرائیں۔
"میں کیوں بدلوں مجھ میں کیا خامی ہے؟" وہ ناراضگی سے گویا ہوئیں۔
"ماسی ابھی تک نہیں آئی، رات کے کھانے کے برتن بھی پڑے ہیں۔" پھوپو نے گھڑی دیکھی۔
"ماسی نہیں آئی تھی تو سویرا سے کہتی برتن دھو لیتی۔" اماں کو سن کر کوفت ہوئی کہ رات کے برتن بنا دھلے پڑے ہیں۔
"اماں سویرا ہماری بہت لاڈلی بیٹی ہے اس کے بابا کو بالکل بھی پسند نہیں کوئی سویرا کو کچھ کہے۔" پھوپو نے جتایا۔
"غلطی ہوگئی معافی چاہتی ہوں۔ تمہیں بیٹی اور اسے نواسی سمجھ کر اس کے بھلے کے لیے کہہ دیا تھا۔" اماں رنجیدہ ہوئیں۔
"اماں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" پھوپو ذرا سی

شرمندہ ہوئیں۔

"مما ناشتہ مل جائے گا؟" دانش اپنے کمرے سے نکلا۔

"میں لاتی ہوں۔" پھوپو اٹھیں۔ دانش وہاں بیٹھ کر ناشتے کا انتظار کرنے لگا۔ ایک ٹرے میں چائے کا کپ' بریڈ' مکھن' دانش جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگا۔

"بیٹا آرام سے کھاؤ اور یہ کیسا ناشتہ ہے' اس میں کوئی غذائیت نہیں ہے۔" اماں نے ٹوکا۔

"اماں صبح صبح پراٹھا کہاں کھایا جاتا ہے۔" دانش نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بیٹا کبھی مناہل کے ہاتھ کا کھا کر دیکھو' پھر کہنا۔" اماں بھی مسکرائیں۔

"پھر تو ضرور کھائیں گے۔" اس نے خوش دلی سے کہا۔

"جا مناہل اچھا سا ناشتہ بنا لا۔" اماں نے حکم دیا۔

"نہیں...... آج مجھے دیر ہورہی ہے کل ٹھیک رہے گا۔" دانش نے معذرت کرلی تھی۔ اماں کے پاس پھوپو بھی ناشتہ لے کر آگئیں۔

"مما ناشتہ دے دیں۔" سویرا کہہ کر رکی نہیں۔ اماں کو سویرا کی ادا ایک آنکھ نہ بھائی مگر کچھ کہتے کہتے رک گئیں بیٹی کی ناراضگی کا خیال آ گیا۔

"پھوپو نے سویرا کو ناشتہ دیا۔" مناہل نے سرگوشی میں پوچھا۔

"اماں سویرا پڑھتی نہیں ہے کیا؟"

"نہیں فیل ہوگئی تھی ایف اے میں' اس کے بعد سے فارغ ہے۔" اماں نے بتایا۔ "دانش کی بہن نہیں لگتی مجھے تو یہ کہیں سے۔" اماں نے سرگوشی کی۔

"کیسے؟"

"وہ سلجھا ہوا خوب صورت اور قابل' یہ نکمی کام چور اور صورت بھی رنگ روپ بھی باپ پر چلا گیا۔" اماں کے کہنے پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔ مناہل نے واشنگ مشین لگا کر اپنے کمرے کے پردے' چادریں' کور بیڈ شیٹ سب دھو

ڈالیں۔ ہر چیز پہ مٹی تھی اور وہ بہت صفائی پسند۔
"ماسی سے دھلوالیتی۔" پھوپو نے کہا۔
"ماسی نے ہی تمہارے گھر کو کباڑ خانہ بنایا ہوا ہے۔ کبھی وہاں میرے گھر آ کر دیکھو میری پوتیوں نے اپنے سلیقے سے گھر شیشے کی طرح چمکایا ہوا ہے۔" اماں بولیں۔
"اماں اپنا اپنا مزاج ہے۔" پھوپو بدمزہ ہوئیں۔
"گندگی پسند کرنا یہ کیسا مزاج ہے؟" اماں نے حیرت سے کہا تو دانش بھی اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کرسکا۔

O......O......O

اماں کی طبیعت خراب تھی' بازاری نت نئے تیز مصالے اور مرچوں والے کھانے کی وجہ سے۔
"اماں...... میں آج خود پکاتی ہوں آپ کے لیے کھانا۔" مناہل نے فکرمندی سے کہا۔
"آلو گوشت اور کھیر پکالو۔" پھوپو نے جھٹ کہا۔
مناہل نے اثبات میں سر ہلایا۔ گوشت فریز سے نکالا' کپڑے سے کچن اور چولہا صاف کیا اس گندگی میں بھلا وہ کیسے صاف ستھرا کھانا پکاسکتی تھی۔ پھر بہت لگن سے اس نے کھانا پکایا' کھیر فریج میں ٹھنڈی ہونے کے لیے رکھ دی۔ سلیقے سے سلاد بنایا' دو بجے کھانا اس نے ٹیبل پہ لگا دیا۔ کھانے کی خوشبو نے دانش کو چونکا دیا۔
"امی یہ کھانا ہوٹل کا تو نہیں لگ رہا؟"
"یہ مناہل نے پکایا ہے۔" اماں فخریہ انداز میں بولیں۔ کھانا واقعی بہت ذائقے دار تھا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔
"کیسا لگا؟" اماں نے کھانے کے بعد پوچھا۔
"زبردست۔" دانش بے ساختہ بولا۔
"بیٹا گھر تو عورت کے سلیقے سے بنتا ہے اب بغیر ہاتھ پیر چلائے نہ تو ہاتھ میں لذت آتی ہے اور نہ گھر صاف رہتا ہے۔" اماں سادگی سے بولیں' مناہل مگر شرمندہ ہوگئی کہ کہیں پھوپو یا سویرا کو اماں کی باتیں بری نہ لگ رہی ہوں۔
"آج سے کھانا مناہل ہی پکائے گی۔" پھوپو نے اطمینان سے کہا۔
"ایک دن سویرا اور ایک دن مناہل پکائے گی۔" اماں نے فیصلہ کیا۔
"سوری' مجھے کوئی شوق نہیں گرمی میں کھڑے ہوکر ایسے کام کرنے کا۔" سویرا نے منہ بنایا۔
"اماں ہم نے سویرا کو ایسے گھروں میں نہیں بیاہنا جہاں عورت کی ساری زندگی چولہے کے آگے گزر جاتی ہے۔" پھوپو نے تکبر سے کہا۔
"کون جانے نصیب میں کیا لکھا ہے' میرے اللہ نے۔" اماں کو ان کا تکبر نہ بھایا۔
"نصیب انسان خود بناتا ہے۔" سویرا نے بے نیازی سے کہا۔
"لیکن فرزانہ اپنی بیٹی کے ہوتے ہوئے دوسری بچی پہ کام ڈالنا مجھے پسند نہیں۔" اماں بھی اماں تھیں۔
"اماں بچوں کو کھانا اچھا لگا تو میں نے مناہل سے کہہ دیا۔ ذرا سے کام سے کیا فرق پڑجاتا ہے۔ ویسے بھی ایسی لڑکیوں کو چاہیے کام سے جی نہ چرائیں ورنہ آگے مشکل ہوتی ہے۔" پھوپو نے ناگواری سے کہا۔ اس نے دادی کا ہاتھ آہستہ سے دبا کر کچھ مزید کہنے سے روکا۔ اماں خاموشی سے چل پڑیں اس نے بھی تقلید کی۔
"مناہل......" دانش کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔
"جی۔"
"آپ پلیز مما کی باتوں کا برا مت ماننا۔ وہ دل کی بری نہیں ہیں۔"
"جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پہ آتا ہے' ایسا کہاں ہوتا ہے دل میں محبت کا طوفان ٹھاٹھیں مار رہا ہو اور زبان انگارے برسا رہی ہو۔" مناہل نے محض سوچا لیکن کہا تو صرف یہ۔
"میں نے برا نہیں مانا۔"
"گڈ گرل۔" اس نے ستائشی انداز میں کہا۔ مناہل پھر چل دی۔
"کیا کہہ رہا تھا دانش؟" اماں نے اس کے کمرے

میں داخل ہوتے ہی بیقراری سے پوچھا۔ اس نے بتادیا۔
''دیکھا کتنا سمجھدار اور خیال کرنے والا لڑکا ہے۔''
اماں خوش ہوگئیں۔

''اماں آپ پھوپو کی باتوں پہ خفا مت ہوا کریں، ہر کسی کا اپنا مزاج ہے۔ کچھ دن بعد ہم نے چلے ہی جانا ہے بعد میں پھر سب بھول بھال کر آپ نے پھوپو کو یاد کرنا ہے۔''

''بول تو ٹھیک رہی ہے تو، پھر ایسا کیا کر کہ دن کا کھانا پکا کر ثواب ملتا ہے کسی کے کام آنے پر رشتے داروں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں۔'' اماں نے جھٹ کہا۔

''جی...... ٹھیک ہے۔'' مناہل نے مرے مرے انداز میں کہا۔

آنے والے دنوں میں مناہل نے مکمل کچن سنبھال لیا تھا۔ اماں نے بھی پھوپو سے الجھنا ترک کردیا تھا لہٰذا پھوپو کا بڑا اچھا موڈ رہتا تھا۔ دانش اب تینوں وقت گھر ہی کھانا کھاتا تھا۔ گھر کے مکین پیٹ بھر کر کھاتے بازاری کھانوں کا سلسلہ بند ہوگیا تھا۔ یہی نہیں مناہل اپنی نگرانی میں ملازمہ سے صفائی کرواتی تھی کچھ ہی دنوں میں گھر صاف ستھرا نظر آنے لگا تھا۔

O......O......O

''مجھے کافی بہت پسند ہے۔ کیا مل سکتی ہے۔'' اسے کچن میں دیکھ کر دانش نے فرمائش کی۔ مناہل کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ اماں کو چائے دے کر سونا چاہتی تھی۔

''مجھے کافی بنانی نہیں آتی۔'' مناہل نے جان چھڑائی۔

''تو اب سیکھ لو مستقبل میں تمہارے کام آسکتی ہے۔'' دانش نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے دلکش انداز میں کہا تھا۔ مناہل اس کے انداز پہ گھبرا گئی تھی۔

''مناہل تم بہت اچھی لڑکی ہو۔'' دانش نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ مناہل کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ تیزی سے کچن سے باہر آگئی۔ آج دانش کے تیور اس کے دیکھنے کا انداز مختلف تھا۔ رات بھر وہ بے چین رہی تھی۔ اسے اکثر لگتا تھا دانش اسے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اس کی آنکھیں بولتی تھیں۔ پیغام دیتی تھیں، مناہل کو اعتراف تھا، دانش میں کوئی خامی نہیں تھی۔ وہ خاندان کے سب لڑکوں سے مختلف تھا۔ وہ اسے پسند کرتی تھی، مگر اب دل کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔

محبت ان کہے لفظوں میں
چھپا اک راز ہے گہرا
جیسے گہرے سمندر میں
چھپا اک قیمتی موتی
جو لفظوں سے عیاں نہ ہو
جو لفظوں میں بیاں نہ ہو
کہانی مضطرب سی اک
قصہ لا بیاں سا اک
سمجھنے کو سمجھانے کو
دل کا ہونا ضروری ہے!!

O......O......O

''اماں مناہل کام کاج میں بڑی تیز ہے۔'' پھوپو نے تعریف نجانے کیسے کی تھی۔

''فرزانہ تیرے گھر کو مناہل کی ضرورت ہے۔ ساری زندگی تمہاری بے لوث خدمت کرے گی اور اپنی ہے، بیٹا تمہارا اکلوتا ہے۔'' اماں نے دل کی بات بیان کی۔

''اماں یہ ممکن نہیں۔'' پھوپو نے بے رخی سے کہا۔

''کیوں کیا خامی ہے مناہل میں؟'' اماں خفا ہوئیں۔

''اماں سگھڑ ہونا ہی بڑی بات نہیں ہے، یہ سب کام تو ملازمہ بھی کرسکتی ہے۔'' پھوپو جھنجلائیں۔ اماں سمجھ گئیں فرزانہ ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گی اس لیے مزید بول کر مناہل کو ارزاں کیوں کرتیں۔

دانش اب آتے جاتے کوئی نہ کوئی دلکش جملہ یا بات اسے کہہ جاتا۔ دانش کی نگاہوں میں مناہل کے لیے پسندیدگی اب کسی سے پوشیدہ نہ تھی۔ پھوپو نے دانش کے لیے لڑکی دیکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ دانش ان دنوں ضروری کام سے تین دن کے لیے اسلام آباد گیا تھا۔

O......O......O

تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے

جیسے ویران ہو راہ گزر حیات
جیسے خوابوں کے رنگ پھیکے ہوں
جیسے لفظوں سے موت رستی ہو
جیسے سانسوں کے تار بکھرے ہو
تم نہیں ہو تو ایسے لگتا ہے
جیسے خوشبو نہیں ہو کلیوں میں
جیسے سونا پڑا ہو شہر دل
جیسے کچھ بھی نہیں ہو گلیوں میں
جیسے خوشبو سے دشمنی ہو جائے
جیسے جذبوں سے آشنائی نہ ہو
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک عمر کی مسافت پر
بات کچھ بھی نہ سمجھ آئی ہو
جیسے چپ چاپ ہو آرزو کے شجر
جیسے رک رک کر سانس چلتی ہو
جیسے بے نام ہو دعا کا سفر
جیسے قسطوں میں عمر کٹتی ہو
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
اک خوف کے جزیرے میں
کوئی آواز دے کے چھپ جائے
جیسے ہنستے ہوئے اچانک ہی
غم کی پروا سے آنکھ بھر آئے
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے!!

اپنے دل کی کیفیت پہ وہ خود حیران اور پریشان تھی ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مناہل نے افسردگی سے سوچا۔ دانش نے رات کو واپس آنا تھا۔

''مناہل بریانی اور کباب بنا لینا۔'' پھوپو نے کہا اور پہلی بار اسے پھوپو کا حکم دینا برا نہیں لگا تھا۔ اس نے بڑی لگن سے بریانی اور کباب بنائے۔ کھانے کے وقت سب ٹیبل پر تھے۔

''بیٹا تمہارے جانے کے بعد تو رونق ہی نہیں رہی تھی۔'' اماں بولیں۔

''اماں میں نے بھی آپ کو بہت یاد کیا تھا۔'' دانش نے نجانے واقعی یاد کیا تھا یا ان کا دل رکھا تھا یہ مناہل کو اندازہ نہیں ہو سکا۔

''بریانی بہت اچھی پکی ہے۔'' اس نے ایک گہری نظر مناہل پہ ڈالی۔ مناہل کو لگا اس کی محنت وصول ہو گئی ہو۔

O......O......O

صبح وہ ماسی سے صفائی کروا رہی تھی، وہ مناہل سے تنگ تھی۔ پہلے وہ جیسے تیسے گندا سندا کام کر کے مزے سے چلی جاتی تھی۔ کبھی فرزانہ اور سویرا نے ٹوکا نہ اپنی ازلی سستی کی وجہ سے اٹھ کر اسے چیک کیا۔ اس لیے وہ مناہل سے تنگ تھی۔

''باجی جی، یہ مناہل بی بی اپنے گھر کب واپس جائیں گی۔'' ماسی نے سوال کیا۔

''وہ کیوں جائے گی، وہاں دال سبزیاں کھا کھا کر تنگ آ گئی ہو گی اب یہاں سے کیوں جانے کا نام لے گی۔'' سویرا نے طنز سے کہا۔ حیا سے سارا خون مناہل کے چہرے پہ سمٹ آیا تھا۔ وہ سب بے خبر تھے، مناہل پیچھے کھڑی پردے اتارنے آئی تھی۔ وہ دکھ سے واپس پلٹ گئی۔

''اماں......'' اس نے نم آنکھوں سے سارا واقعہ بیان کیا۔ اماں بھی بے حد سنجیدہ تھیں۔

''اماں اب تو گھر چلیں پلیز۔'' مناہل نے منت آمیز انداز میں کہا۔

''مناہل سویرا کی بات سے آپ کو دکھ پہنچا۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔'' دانش اماں سے ملنے آیا تھا مگر سب باتیں سن کر اسے افسوس ہوا۔

''ارے بیٹا تم کس بات کی معذرت کر رہے ہو۔ بھلا اس میں تمہارا کیا قصور اور مناہل بڑے اچھے دل کی بچی ہے۔'' اماں بولیں۔

''اماں ابھی میں آپ کو ہرگز جانے نہیں دوں گا۔'' دانش نے اماں سے کہا۔

''اماں میں بھائی کو فون کر لوں گی، وہ مجھے لے جائے

گا۔" مناہل خفگی سے بولی۔
"اے ہے کیا ہوگیا' بھلا میں کیسے رہوں گی تیرے بغیر' سو کام ہوتے ہیں' یہاں کون ہے میرا خیال کرنے والا۔" وہ الٹا مناہل سے خفا ہوئیں۔
"آپ کا اپنا گھر ہے مناہل' جب تک چاہے آرام سے رہیں۔" اس نے بہت اپنائیت سے کہا۔
"ارے ایسے کیسے بنا کسی رشتے کے اپنا گھر ہوگیا۔" اماں نے لتاڑا۔
"رشتہ بھی ہوجائے گا' یہ گھر بھی ان کا ہوجائے گا۔" وہ بے ساختہ بولا۔ ایسا واضح اظہار وہ گھبرا گئی اور وہ بھی اماں کی موجودگی میں۔ وہ جھینپ گئی۔ اماں تو نہال ہوکر اس کی پیشانی چوم کر بے ساختہ دعائیں دینے لگیں۔
"تمہاری اماں امیر لوگوں میں بیاہ کرے گی تمہارا۔" اماں بولیں۔
"اماں جو میں چاہوں گا وہی ہوگا۔ آپ دیکھتی جائیں۔"
اماں بھی مطمئن تھیں مگر اسے پھوپو خاص طور پر سویرا کے رویے سے تکلیف پہنچی تھی۔ اسے یہاں رہتے ہوئے الجھن ہونے لگی تھی۔ اپنا گھر یاد آنے لگا تھا مگر اماں اس مرتبہ جانے کا نام نہیں لے رہی تھیں اور وہ بے حد مجبور تھی۔

O......O......O

آج گھر میں خوب رونق تھی۔ اس نے سنا کہ کچھ خواتین دانش کو دیکھنے آرہی ہیں مناہل کا دل ٹوٹ گیا۔ دانش نے اسے اعتبار وفا دلایا تھا مگر اس وقت وہ بھی خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ مناہل بدگمان ہورہی تھی۔
"مناہل بیٹا۔" پھوپو نے شہد آگئیں لہجے میں پکارا۔ حیران ہونا لازمی تھا۔
"جی......" وہ متوجہ ہوئی۔
"بیٹا بریانی' قورمہ' کھیر' کباب بنالینا' باقی میں بازار سے منگوالوں گی اور ملازمہ تمہاری مدد کردے گی۔" وہ اماں کے پاس آئی۔
"اماں...... مجھے گھر جانا ہے۔ میرا دل نہیں لگتا۔" وہ بے حد دل گرفتہ نظر آرہی تھی۔
"میری بیٹی بس دو دن بعد ہم چلے جائیں گے۔" اماں نے کہا تو اسے اطمینان ہوا۔
آج جو لوگ دانش کو دیکھنے آرہے تھے۔ ڈیفنس میں چھ کنال کا ان کا گھر تھا اور سونے پہ سہاگہ روحی ان کی اکلوتی اولاد تھی۔ پھوپو تو یوں گھبرائی تھیں جیسے نجانے کیا ہونے والا ہو۔ کسی کو ادھر دوڑا رہی تھیں تو کسی کو ادھر' اتنی چستی مناہل کو حیران کیے جارہی تھی۔
آنے والے مہمان بڑی گاڑی میں سج دھج کر آئے۔ ایک مغرور مرد' ایک موٹی بھدی عورت ساڑھی اور بہت سا زیور پہنے۔ مرد کے پاس سنانے کے لیے اپنی دولت کے قصے تھے اور عورت کے پاس سنانے کے لیے ان رشتوں کی تعداد جو روحی کے لیے اصرار کررہے تھے۔ پھوپو بوکھلائی ہوئی تھیں۔ منت ریز انداز میں دانش کو بلایا۔
مہمان تنقیدی نظروں سے ہر چیز کا جائزہ لے رہے تھے لیکن دانش کو دیکھتے ہی ان کا انداز بدل گیا۔ کھانا بہت پرتکلف ماحول میں کھایا گیا۔ وہ دانش کو پسند کرگئے تھے۔ پھوپو ہواؤں میں اڑ رہی تھیں۔ دانش نے صاف انکار کردیا۔ اس کے انکار کو کسی خاطر میں نہیں لایا گیا۔

O......O......O

وہ اماں کے ساتھ واپس جارہی تھی جب دانش نے اسے چپکے سے کہا۔
"مناہل کوئی بدگمانی دل میں مت لانا۔ دعا کرنا سب ٹھیک ہوجائے گا۔" اس نے آس کا جگنو تھمایا۔
"کیا اب بھی؟" مناہل نے شکوہ کیا۔
"ہاں کیوں کہ میں وہی دانش ہوں۔" مناہل چپ رہی۔ وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔
وہاں گھر میں سب بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔ وہ گھر آکر بے حد خوش تھی مگر تنہائی میں کسی کی یاد کا جگنو اسے احساس دلاتا تھا۔ پیچھے رہ جانے والے نے دعا کا کہا تھا۔ لیکن نجانے کیوں وہ دعا نہیں کرپائی' اس کی وجہ یہ تھی کہ پھوپو کی رضامندی کے بنا وہ دانش سے رشتہ نہیں

کرسکتی تھی۔ اسے صرف محبت نہیں عزت بھی چاہیے تھی اور اس کی عزت وہاں کتنی تھی وہ دیکھ چکی تھی۔ اس لیے افسردہ تھی۔

"آپی آپ کچھ سنجیدہ سی ہوگئی ہیں۔" اس کی چھوٹی بہن بولی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"آپی لگتا ہے آپ کا وہاں دل زیادہ ہی لگ گیا تھا۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"اپنے گھر سے زیادہ دل کہیں بھی نہیں لگتا پگلی۔" مناہل اداسی سے بولی۔

O......O......O

فرزانہ اور سویرا آج بہت اہتمام سے سج دھج کے روحی کو دیکھنے آئی تھیں۔ ان کا گھر اور ٹھاٹ باٹ دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں۔ لڑکی کے ماں باپ اپنی امارت کے قصے سنا رہے تھے اور وہ دونوں عقیدت سے سن رہی تھیں۔ تب ہی روحی کمرے میں آئی۔

تنگ پاجامہ پنڈلیوں سے خاصا اونچا' لانگ شرٹ' اسٹیپ کٹنگ میں کندھوں تک کھلے بال' دوپٹے سے بے نیاز۔

"ہیلو۔" وہ سامنے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی۔

سویرا اور فرزانہ پہ اس کے اعتماد نے مزید رعب ڈالا۔ سویرا کا تو اس سے کچھ پوچھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا۔ روحی نے ایک نظر انہیں دیکھا۔ پھر موبائل میں بزی ہوگئی۔

"کیسی لگی آپ کو روحی؟" عورت نے فخریہ انداز میں پوچھا۔ حالانکہ وہ عام سی لڑکی تھی۔ جو خوب صورت نظر آنے کے جتن کرتی تھی۔

"ماشاء اللہ......" فرزانہ نے چاپلوسی سے روحی کو والہانہ نظروں سے دیکھا۔ اگر یہی لڑکی ڈیفنس کے چھ کنال کے گھر میں نہ رہتی ہوتی تو فرزانہ نے لاکھ خامیاں گنوائی تھیں مگر دولت نے اس لڑکی کا پلڑا بھاری کردیا تھا۔ ورنہ اس سے قبل دانش کے لیے خوب صورت نازک سی دولہن لانے کا ارادہ تھا۔

گھر آ کر انہوں نے اماں کو فون کر کے بتایا کہ لڑکی انہیں پسند آ گئی ہے۔ جلد ہی شادی کا ارادہ ہے۔ اماں متفکر نظر آ رہی تھیں۔ مناہل نے سنا تو اداسی سے چھت پر آ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ دانش سے پوچھے مگر حیادار مشرقی لڑکی تھی۔ اپنی محبت کو دانش سے بھی چھپا کے رکھا تھا۔

بس اتنا یاد رکھ مجھے
جیسے کسی کتاب میں
بیتے دنوں کے دوست کا
اک خط پڑھا ہوا ملے
لفظ مٹے مٹے سے ہوں
رنگ اڑا اڑا سا ہو
لیکن وہ اجنبی نہ ہو
بس اتنا یاد رکھ مجھے!!

O......O......O

دانش نے صاف انکار کردیا کہ وہ روحی سے شادی نہیں کرے گا۔ لیکن فرزانہ کو اس وقت دھچکا لگا جب روحی کے والدین نے شرط رکھی کہ دانش گھر داماد بن کے رہے گا۔ انہیں یہ بات پسند نہیں آئی' لڑکی کی ماں کو فون کر کے کہا کہ دانش اکلوتا بیٹا ہے ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں اور گھر داماد وہ کبھی نہیں بننا پسند کرے گا۔ اس پر لڑکی کی ماں نے بے مروتی سے کہا۔

"آپ کی مرضی ہے۔" اور جھٹ فون بند کردیا۔

فرزانہ تلملا کے رہ گئیں۔ ان کے گھر پر اور رشتے کے جانے کے اندیشے سے دانش کو پیار سے سمجھایا مگر وہ گھر داماد کا سن کر بھڑک اٹھا اور خفا ہو کر گھر سے نکل گیا۔ انہیں دانش کی فرماں برداری پہ پورا بھروسہ تھا' سو سر جھٹک کر روحی کے گھر جانے کے لیے مٹھائی کے ٹوکرے تیار کروائے۔ آج رسم کرنے جانا تھا۔ جہاں تک گھر داماد بننے کی شرط تھی' فرزانہ نے یہ حل نکالا تھا کہ کچھ عرصہ دانش ان کے ساتھ رہے گا پھر یہاں آ جائے گا اور روحی جب بیوی بن جائے گی تو وہی کرے گی جو دانش چاہے گا اور دانش وہی چاہے گا جو

فرزانہ چاہیں گی، لیکن یہ ان کی تدبیر تھی انسان خود کو عقل کل سمجھتا ہے۔
فون کی پہلی بیل بجی فرزانہ نے ریسیو کیا۔ اطلاع تھی کہ دانش کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ فرزانہ کے ہوش اڑ گئے۔ وہ چیخیں۔ "نعیم گاڑی نکالیں۔" وہ بوکھلائیں، کچھ دیر میں تینوں ہسپتال پہنچ گئے۔ سویرا اور فرزانہ کا رو رو کر براحال تھا۔ ان کا خوبرو دانش زخمی حالت میں ان کے سامنے تھا۔ فرزانہ گم صم تھیں۔ سارا دن دانش کی خوشی کی پروا کیے بنا تیاریوں میں لگی رہیں اور اب کیسا سکوت تھا۔ ان کے دل کی حالت خراب تھی۔ انہوں نے وضو کیا اور نفل پڑھنے لگیں۔ خوب گڑگڑا کر دعائیں مانگیں، اپنے تکبر کی گناہوں کی معافی مانگی۔ نجانے کب تک یونہی روتیں رہیں سویرا نے بتایا دانش کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔ سن کر دل کو قرار آیا، ایک مرتبہ پھر شکرانے کے نفل پڑھنے لگیں۔ بیٹے کو دیکھ کر بے ساختہ رونا آیا۔ ان کی سب سے بڑی دولت تو وہ تھا پھر وہ کس لالچ میں بھٹک رہی تھیں۔ آنے والے دنوں میں فرزانہ کے نئے روپ نے سب کو چونکا دیا تھا۔

......☆☆☆......

وہ چاروں سرگودھا اچانک پہنچے تھے۔ مناہل ان کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
"فرزانہ......! ایسے یوں اچانک۔" اماں کو حیرت ہوئی۔
"اماں۔" فرزانہ نم آنکھوں سے ماں کے گلے لگیں۔
"اماں آپ سب کی بہت یاد آرہی تھی۔" وہ سادگی سے بولیں۔ اماں نہال ہوئیں۔
"کھانا لگ گیا ہے پھوپو۔" مناہل نے کہا۔
"آج عرصے بعد دوبارہ ہم مناہل کے ہاتھ کا کھانا پیٹ بھر کر کھائیں گے۔" پھوپو نے اس کی پیشانی چوم کر اسے گلے لگایا۔ مناہل نے حیرانگی سے دانش کو دیکھا۔ اس نے جواباً شوخ نگاہوں سے دیکھا اور بولتی آنکھوں سے کہا۔
"کہو کیسا رہا سرپرائز؟"
"میں پہلے نماز پڑھ لوں پھر اپنی بیٹی کے ہاتھ کا کھانا کھاؤں گی۔" پھوپو نے اٹھ کر کہا۔ اماں کی آج حیرت ختم نہیں ہو رہی تھی۔
سویرا بھی بہت اچھی تو نہیں لیکن پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ کھانا سب نے خوش گوار ماحول میں کھایا۔
"اماں، بھائی اور بھابی میں آج آپ لوگوں سے آپ کی پیاری بیٹی مناہل کا رشتہ لینے آئی ہوں۔" سب نے حیرت سے فرزانہ کو دیکھا۔
"آپ لوگ پلیز مان رکھ لیں میرا۔" وہ عاجزی سے بولیں۔
"مناہل تمہاری ہی بیٹی ہے اور دانش ہمارا بیٹا ہے۔" اماں نے اطمینان سے کہا۔
"بالکل۔" مناہل کے امی ابو بھی خوش نظر آرہے تھے۔ مناہل نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اسے عزت کے ساتھ محبت سے نوازا۔
رات کو گھر میں سادہ سی تقریب میں مناہل کو دانش کے نام کی انگوٹھی پہنادی گئی تھی۔
"اب تو اعتبار آ گیا ہوگا میری وفا کا۔" دانش نے چھیڑا۔
مناہل محض مسکرا کر رہ گئی۔
"خوش ہو میرے ساتھ زندگی کے اس نئے سفر پر چلنے کے لیے؟"
"ہم سفر اچھا ہو تو سفر خود ہی اچھا لگنے لگتا ہے۔" مناہل کے جواب میں پہلی مرتبہ اظہار محبت کا اقرار بھی تھا۔
دانش بہت خوش تھا۔ فرزانہ سب سے زیادہ خوش تھیں۔ آگہی نے ان کی زندگی بدل دی تھی۔

معزز قارئین آپ سے التماس ہے www.urdusoftbooks.com پر آپ حضرات کے لیے مسلسل اچھی اچھی کُتب فراہم کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں جس کے لیے وقت اور رقم دونوں صرف ہوتے ہیں جس کی غرض سے ہماری اِس ویب سائٹ کُچھ سپانسر اشتہارات لگائے گئے ہیں جب ویب سائٹ وزٹرز اُن اشتہارات میں سے کسی اشتہار پر کلک کرتے ہیں تو ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن حاصل ہوتی ہے، یہ آمدن ویب سائٹ کے اخراجات کو برداشت کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے Google Chrome یا Mozilla Firefox کی Adblocker Extension کو Pause کردیں یا صرف ہماری ویب سائٹ کے لیے Pause کردیں۔ نیچے نظر آنے والی تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ Adblocker کے Pause ہونے یا انسٹال نہ ہونے کی صورت میں اشتہارات Green Box والی جگہ پر ظاہر ہوں گے۔

HOME | ENGLISH BOOKS | COMPUTER BOOKS | ISLAMIC BOOKS | URDU COMPUTER BOOKS | EARN MONEY ONLINE | FUNNY VIDEO CLIPS | TECH NEWS | SITEMAP

Urdu Soft Books

Download or read online Urdu Books, PDF Books, Urdu Novels, Islamic Books, Computer eBooks, English to Urdu Dictionary, Free Urdu Digest and Magazine.

MONTHLY DIGEST | WRITTERS | CONTACT

SUBSCRIBE FOR NEW UPDATES

Email address... Submit

FEATURED BOOK

Urdu Soft Books
www.urdusoftbooks.com

Find How To Do It Yourself
Get DIY Tutorials & Articles Free!
FREE DOWNLOAD
HowToSimplified

Pakeeza Digest February 2016

January 27, 2016

Pakeeza Digest February 2016

Pakeeza Digest February 2016 read online or download PDF, monthly Pakeeza Digest February 2016, which is one of most famous ladies magazine in Pakistan, young girls and house wives are very fond of Pakeeza Digest February 2016, this magazine contains vast collection of Urdu Novels, Romantic Urdu Novels, Urdu Stories, beauty tips, articles and much more, many Urdu Novels of Pakeeza Digest are published in printed book format which are available in local book markets, current issue of Pakeeza magazine is, Pakeeza Digest February 2016.

Pakeeza Digest February 2016 PDF, you can read online or download Pakeeza Digest February 2016 in PDF Format using below links. Your feedback and comments will help us to improve our Urdu Books collection. Uploaded Today 27-January-2016

FIND YOUR BOOKS

search
search engine by freefind

RECENT BOOKS

1. PAKEEZA DIGEST FEBRUARY 2016 — Jan 27 2016
2. COMPUTING MAGAZINE JANUARY 2016 — Jan 26 2016
3. SUSPENSE DIGEST FEBRUARY 2016 — Jan 23 2016

نیچے نظر آنے والے بٹن پر کلک کرکے ہماری حوصلہ افزائی کے لیے آپ ہماری ویب سائٹ پر جا سکتے ہیں

click here
to visit website

رذیل

نظیر فاطمہ

''ایک، دو، تین، چار اور یہ پورے پانچ۔''
سحرش کو ہزار ہزار کے پانچ نوٹ گن کر جیسے طمانیت کا احساس ہوا تھا۔ یہ روپے اس کی پورے تین ماہ کی بچت تھے۔ اس نے یہ روپے بڑی مشکلوں سے بچائے تھے۔ اُس نے روپے سمیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے اور دائیں ہاتھ سے الماری کھول کر وہ سفید لفافہ نکالا جو اس کی امی آج صبح ملتان واپس جاتے ہوئے اسے تھما گئی تھیں۔ اُس نے لفافے سے رقم نکال کر گنی تو پورے دس ہزار روپے تھے۔

''اب ان روپوں سے میں اپنے اور بچوں کے گرمیوں کے کپڑے خریدوں گی۔'' اُس نے روپے الماری کے دراز میں رکھ کر اسے تالا لگایا۔

سحرش اب قدرے مطمئن تھی۔ چند روز سے وہ بہت پریشان تھی کیونکہ گرمیاں سر پر تھیں اور نہ اس کے پاس گرمیوں کے کوئی مناسب کپڑے تھے اور نہ ہی اس کے بچوں کے پاس۔ پورے تین مہینے کی بچت اُونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر تھی۔ اسی دوران اس کی امی غیر متوقع طور پر ملتان سے اس کے پاس رہنے کے لیے آ گئیں۔ دس روز اس کے پاس رہنے کے بعد واپسی پر وہ اُسے خاموشی سے یہ لفافہ پکڑا گئی تھیں کہ وہ اپنی بیٹی کے حالات اور خودداری دونوں سے اچھی طرح واقف تھیں۔

......☆☆☆......

سحرش کے مالی حالات شروع سے ایسے نہیں تھے۔ اس کے شوہر عرفان کا خوب چلتا ہوا کاروبار تھا۔ مالی تنگی کیا ہوتی ہے؟ سحرش کو اس کا ذرا برابر احساس نہیں تھا کہ اس کے ماں باپ کے یہاں بھی مالی خوش حالی تھی اور جہاں وہ بیاہ کر آئی، وہاں بھی روپے کی ریل پیل تھی۔ سحرش اور عرفان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ یہ سب اچھی خاصی خوش حال زندگی گزار رہے تھے کہ عرفان کو کاروبار میں بڑے پیمانے پر نقصان ہوا۔ اس کا سارا سرمایہ ڈوب گیا اور جو قرض چڑھا سو الگ۔ اپنی ساری بچت، پلاٹ اور سحرش کا زیور بیچ کر قرض تو ادا ہو گیا مگر ان کی ایک بہت بھاری رقم مارکیٹ میں پھنسی ہوئی تھی جو لاکھ کوششوں کے باوجود ابھی تک نہیں ملی تھی۔ یہ رقم اتنی ضرور تھی کہ اگر یک مشت مل جاتی تو عرفان دوبارہ سے کاروبار شروع کر سکتا تھا۔ چار سالوں سے وہ لوگ شدید مالی مشکلات کا شکار تھے۔ وہ تو شکر ہوا کہ جس گھر میں وہ رہتے تھے وہ بچ گیا ورنہ وہ دربدر بھی ہو جاتے۔

عرفان کے پاس دوبارہ سے کاروبار شروع کرنے کے لیے مناسب سرمایہ نہیں تھا سو ان حالات میں ایم بی اے کی ڈگری کام آئی اور انھیں ایک پرائیویٹ کمپنی میں نوکری مل گئی۔ ڈگری اور کمپنی کے حساب سے تنخواہ ٹھیک ٹھاک تھی لیکن ان لوگوں کے لیے یہ بس گزارے لائق ہی تھی کہ اس تنخواہ جتنا تو سحرش کا ماہانہ جیب خرچ تھا۔ خیر اس تنخواہ سے بچوں کے اسکول فیس، بل اور دیگر اخراجات کے بعد جو رقم بچتی اس میں مہینہ پورا کرتے سحرش کو دانتوں پسینہ آ جاتا۔

مالی تنگی نے سحرش کی صحت پر بُرا اثر ڈالا تھا وہ جو سرخ و سفید ہوا کرتی تھی کڑھ کڑھ کر گھلنے لگی۔ اس

نے خود بھی نوکری کی کوشش کی مگر ایک بی اے پاس کو ڈھنگ کی نوکری تو کیا ملتی الٹا اس کا گھر اور بچے متاثر ہونے لگے تو اس نے یہ خیال بھی چھوڑ دیا۔ اب پچھلے چار سالوں سے زندگی اسی طرح گزر رہی تھی گھٹی گھٹی سی۔

......☆☆☆......

''عرفان...... امّی نے جاتے ہوئے مجھے دس ہزار روپے دیے ہیں۔ پانچ ہزار روپے میرے پاس ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ان سے اپنے اور بچوں کے لیے گرمیوں کے کپڑوں کی شاپنگ کرلوں۔''
رات کو اس نے عرفان کو چائے کا کپ پکڑایا تو فرصت سے بیٹھ کر اپنا پروگرام اس کے گوش گزار کیا۔
''ٹھیک ہے اس سنڈے کو چلیں گے۔'' اس نے تائید کی تو سحرش نے مسکرا کر سر ہلایا۔
اگلے روز عرفان آفس سے واپس آیا تو بہت خاموش تھا۔ کھانا بھی برائے نام کھایا۔
''عرفان......آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' سحرش کو تشویش ہوئی۔
''ہاں یار......نعیم صاحب کو جانتی ہونا؟''
''جی......کیا ہوا' خیریت؟''
''اُن کی بیوی بہت بیمار ہیں۔ اسپتال میں ہیں۔''
''اوہ...... اللہ خیر کرے۔'' سحرش سرسری سے انداز میں کہہ کر برتن سمیٹنے لگی۔
''سحرش......'' عرفان نے اُسے پکارا۔ وہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
''برتن رکھ کر میری بات سننا۔'' وہ اثبات میں سر ہلا کر چلی گئی۔
''جی......اب بتایئے کیا بات ہے؟'' سحرش آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔
''سحرش...... کیا وہ پندرہ ہزار روپے جو تم نے شاپنگ کے لیے رکھے ہیں مجھے دے سکتی ہو؟''
''کیوں...... آپ کو کیا ضرورت آن پڑی ہے؟'' سحرش نے قدرے رکھائی سے پوچھا۔
''وہ نعیم صاحب کو پیسوں کی ضرورت ہے۔ ان کی بیوی اسپتال میں ہے۔ اُنھوں نے مجھ سے پچیس ہزار روپے مانگے تھے۔ دس ہزار میرے اکاؤنٹ میں تھے وہ میں نے ان کو دے دیے پندرہ ہزار کے لیے میں نے ان سے صبح تک کا وقت مانگا ہے۔'' وہ خاموش ہوا۔
''میں کیوں دوں پیسے؟ اتنی مشکل سے میں نے یہ پیسے اکٹھے کیے ہیں۔'' اُدھر صاف انکار تھا۔
''دیکھو سحرش...... ان کی ضرورت ہماری ضرورت سے بڑی ہے۔ ان کی بیوی کی زندگی کا

معاملہ ہے۔'' عرفان نے سمجھایا۔
''ہاں ہر کسی کی ضرورت ہم سے بڑھ کر ہے۔ اُنھیں کیا لگا کہ ایک آپ ہی ہیں جو دولت میں کھیل رہے ہیں۔ ایک آپ ہی نظر آئے جو آسانی سے بے وقوف بن سکتے ہیں، اس لیے منہ پھاڑ کر آپ سے پیسے مانگ لیے۔'' سحرش کا مزاج ایسا نہیں تھا بس حالات نے اس کے اندر تلخی بھر دی تھی۔
''ایسے مت کہو سحرش...... نعیم صاحب ایسے آدمی نہیں ہیں۔ وہ بہت خوددار انسان ہیں۔ سفید پوش مگر کفایت شعار ہیں۔ پچھلے دنوں انھوں نے بیٹی کی شادی کی ہے۔ تم جانتی ہو نا کہ ہمارے ہاں بیٹی کی شادی کے بعد ماں باپ بالکل خالی ہو جاتے ہیں۔ اب اچانک اُن کی بیوی بیمار ہوگئی ہیں تو وہ مجبور ہوگئے ہیں۔ صبح تک انھیں پچیس ہزار ہر صورت چاہئیں پھر ہی ان کی بیوی کا آپریشن ہو سکے گا۔'' عرفان کا لہجہ دھیما تھا۔
''آپ کچھ بھی کہہ لیں مگر میں یہ پیسے ہرگز کسی کو نہیں دینے کی۔ آپ جہاں سے مرضی انتظام کریں۔ مجھ سے توقع مت رکھیں۔'' اب کے سحرش کا لہجہ غصیلا تھا۔
''اچھا تم اپنا موڈ خراب مت کرو۔ میں کچھ کرتا ہوں۔'' عرفان نے ٹھنڈی سانس بھری اور سحرش بڑبڑاتے ہوئے اٹھ گئی۔

......☆☆☆......

صبح اذان کی آواز سے سحرش کی آنکھ کھلی۔ اس نے اُٹھ کر وضو کیا، نماز پڑھی اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی۔ تلاوت کرتے کرتے وہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۴۵ پر پہنچی تو آیت کا ترجمہ پڑھ کر چونک گئی۔
''کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اُس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا ہے اور وہی اسے کشادہ کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔'' اسے لگا جیسے یہاں اسے ہی مخاطب کیا گیا ہے اور اسے راہ دکھائی گئی ہے۔ وہ یہ آیت پڑھ کر مسکرائی اور تلاوت مکمل کر کے قرآن پاک کو چوم کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔
''یہ پیسے لے لیں۔'' صبح بچوں کے اسکول جانے کے بعد عرفان آفس کی تیاری کر رہا تھا جب سحرش نے لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔ عرفان نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
''یہ نعیم صاحب کو دے دیجیے گا۔'' اس نے لفافہ عرفان کے ہاتھ میں تھمایا۔
''ایک منٹ بیگم صاحبہ...... یہ انقلاب کیسے آیا؟ رات تو آپ مرنے مارنے پر تُل گئی تھیں۔'' عرفان نے شگفتگی سے پوچھا۔
''بس میری اللہ تعالیٰ سے ایک ڈیل ہوگئی ہے۔'' سحرش کے چہرے پر بہت مطمئن مسکراہٹ تھی۔
''مجھے معلوم تھا میری بیگم بہت اچھی ہے۔'' عرفان نے اسے کلائی سے تھام کر بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔
''اچھا بس اب مکھن لگانا بند کریں۔'' وہ اس کا بازو ہٹا کر کمرے سے نکل گئی۔

......☆☆☆......

''سحرش...... سحرش...... بچوں...... کہاں ہو بھئی سب جلدی سے آؤ۔'' آج عرفان معمول سے دو گھنٹے لیٹ آیا تھا اور آتے ہی سب کو آوازیں دے رہا تھا۔
''یہ دیکھو...... یہ خط پڑھو۔'' اس نے ایک لفافہ سحرش کی طرف بڑھایا۔ وہ جوں جوں خط پڑھتی جا رہی تھی اس کا چہرہ خوشی سے چمکتا جا رہا تھا۔ خط پڑھ کر اس نے بے یقینی سے عرفان کی طرف دیکھا۔

ہری مرچیں

- جوانی کی حماقتیں پھینک دو ضعیفی اپنی حماقتیں خود ساتھ لاتی ہے۔
- حال اور بال کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب وہ خرچ ہوجائیں۔
- تنگ جوتا ایک بڑی نعمت ہے پہننے والا تمام پریشانیاں بھول جاتا ہے۔
- احمقوں کے سامنے غافل رہنے والا عاقلوں کے سامنے احمق ہوتا ہے۔
- ہر پانچ سال کا بچہ اپنے دادا کو پانچ سال کا بچہ ہی سمجھتا ہے۔
- اگر حکومت عوام کی خبر نہیں لیتی تو آگے بڑھ کر عوام حکومت کی مدد لے لیتے ہیں۔
- چند لیڈر واقعات بناتے ہیں جبکہ کچھ واقعات لیڈر بناتے ہیں۔
- اقلیت وہ ہے جو حکومت کرتی ہے اکثریت وہ ہے جو ووٹ دیتی ہے۔
- اپنی صحت کے بارے میں ہر وقت تشویش میں رہنے والے کی قبر پر لکھا تھا دیکھا میری تشویش بے سبب نہیں تھی۔
- اگر آپ کو اپنا ماضی یاد نہیں رہا تو اپنی بیگم کی خدمات حاصل کریں۔
- شوہر ایسی شے ہے جس کے سامنے چھپکلی سے ڈرنے والی ہستی شیرنی بن جاتی ہے۔
- گھر کی آرائش کی ذمہ داری اب مرد بے چارہ نبھا رہا ہے عورت کو اپنی آرائش سے ہی فرصت نہیں۔
- اگر کسی محفل میں خواتین کم بول رہی ہوں تو مجھے تشویش ہوتی ہے کہ ان کی خیریت دریافت کروں۔

لائبہ میر...... حضرو

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ ڈوبی ہوئی رقم، جس کی واپسی سے میں تقریباً مایوس ہوچکا تھا، یوں اچانک واپس مل جائے گی۔ یہ لوگ چار ماہ میں ہماری ساری رقم واپس کردیں گے۔ پھر میں اس سے دوبارہ کاروبار شروع کردوں گا۔ اللہ پھر سے ہمارے دن پھیر دے گا۔'' عرفان بہت پرجوش تھا۔

''عرفان...... میں نے اللہ سے جو ڈیل کی تھی اس کی رو سے میں اپنے دیے ہوئے روپوں کے عوض کئی حصوں کا انتظار تو کررہی تھی مگر وہ مجھے اتنی جلدی اور اتنا زیادہ نواز دے گا یہ تو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔'' سحرش کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ابھی نعیم صاحب کی بیوی کے آپریشن کو مہینہ بھی نہیں ہوا تھا۔

''بس اس پروردگار کے ہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ ہم انسان ہی جلد باز اور کم ظرف ہیں جو اس کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں۔'' عرفان کے لہجے میں بھی نمی تھی۔ سحرش نے دل میں عہد کیا تھا کہ وہ ہمیشہ اپنی حیثیت کے مطابق اللہ کی راہ میں خوش دلی سے خرچ کرتی رہے گی کہ بے شک وہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ سحرش اللہ کی اس کرم نوازی پر نوافل پڑھنے کے لیے اُٹھ گئی۔

تیرے لوٹ آنے تک

سلمیٰ فہیم گل

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

آغامیناظعینہ کی ڈائری میں حسن احمد بخاری کا نام پڑھ کر چونک جاتی ہے اور ظعینہ سے تصدیق کرتی ہے۔ آغامینا اپنی بہن ظعینہ کو پا کر خوش ہوجاتی ہے اور ظعینہ سے اس کی ماں کے حوالے سے سوال کرتی ہے۔ زادیار آغامینا کو ایک بار پھر ارقام کے گھر دیکھ کر چونک جاتا ہے اور آغامینا کے بارے میں ارقام سے پوچھتا ہے جس پر ارقام بات کو مذاق کا رنگ دے دیتا ہے۔ ارقام ظعینہ کو مسلسل اگنور کرتا ہے جس پر ظعینہ اس سے الجھ جاتی ہے اور اس سے اس کے رویہ کی بابت پوچھتی ہے لیکن ارقام ٹال جاتا ہے۔ آغامینا کو فون پر اپنی والدہ کی خراب طبیعت کی اطلاع ملتی ہے وہ ظعینہ اور زادیار کے ساتھ اسپتال پہنچ جاتی ہے ظعینہ کو آغامینا کی والدہ میں اپنائیت محسوس ہوتی ہے جبکہ زادیار ششدر رہ جاتا ہے وہیں مہران سکندر بھی ظعینہ کو پہچان لیتا ہے۔ ارقام اور ظعینہ کو ایک پروجیکٹ پر ساتھ کام کرنا تھا ایک ساتھ ہونے پر وہ ظعینہ کو اب کسی صورت نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ محتاط انداز سے ڈرائیو کرتے ہوئے تورع نے خود کو کسی بڑے حادثے سے بچا لیا تھا جبکہ دوسری طرف زروہ اور زادیار اپنی گاڑی سے نکل کر تورع کی طرف آتے ہیں تورع کی پیشانی سے خون نکلتا دیکھ کر زادیار اسے اسپتال لے جانے کی بات کرتا ہے جس پر تورع انکار کردیتا ہے۔ زادیار آغامینا سے ملنا چاہتا ہے لیکن آغامینا اپنی والدہ کی خراب طبیعت کے باعث یونیورسٹی نہیں آرہی تھی بالآخر زادیار اس کے گھر جاتا ہے جہاں اس رات آغامینا کو چھوڑا تھا لیکن وہ گھر آغامینا کی دوست کا ہوتا ہے زادیار اس سے آغامینا کے گھر کا ایڈریس معلوم کرتا ہے مگر وہ بھی لاعلم ہوتی ہے۔ آغامینا اپنی والدہ کو چہل قدمی کے لیے پارک لے آتی ہے اور اپنی والدہ شہناز سے ظعینہ کے حوالے سے پوچھتی ہے تب ہی ظعینہ تورع کے ساتھ وہاں آجاتی ہے۔ تورع شہناز کو دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے اور ظعینہ کو وہیں چھوڑ کر پلٹ جاتا ہے۔ زادیار آغامینا کا راستہ روکتا ہے اور اس سے ڈھکے چھپے الفاظ میں محبت کا اظہار کرتا ہے آغامینا اس کے بدلے ہوئے انداز پر حیرت کا شکار ہوجاتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیں﴾

❀.......❀.......❀

''یہ کیسے ممکن ہے؟ ان کی کوئی بیٹی کیسے ہوسکتی ہے؟'' ان کے صرف دو ہی بچے تھے وہ شادی نہیں کرسکتی تھیں کیونکہ وہ پاپا کے نکاح میں تھیں۔ پاپا نے انہیں طلاق نہیں دی تھی تو پھر...... نہیں یہ ناممکن ہے شاید میں غلط ہوں؟ ہوسکتا ہے وہ ان کی بیٹی نہ ہو بلکہ لے پالک ہو۔ میں جانتا ہوں وہ مما ہی تھیں میں انہیں پہچاننے میں کبھی دھوکا نہیں کھاسکتا وہ یقیناً مما ہی تھیں لیکن وہ لڑکی...... میں...... میں کیوں ایسے ہی واپس چلا آیا؟ ان سے بات کیوں نہیں کی؟ ان کا حال تک کیوں نہیں پوچھا؟ ان کو مخاطب کیوں نہیں کیا...... کیا میں ابھی بھی ان سے ناراض ہوں؟ ابھی بھی خفا ہوں کہ وہ ہمیں تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھیں؟ ہمارے سر پر ماں کا سایہ رہنے نہیں دیا گیا تھا لیکن...... اس میں ان کا کیا قصور تھا جبکہ میں جانتا ہوں کہ وہ کیوں اور کن حالات میں یہاں سے گئی تھیں پھر میں ان سے کیوں خفا ہوں؟ وہ تو مجبور تھیں، گئی نہیں بھیجی گئی تھیں۔ وہ جانا نہیں چاہتی تھیں، انہیں مجبور کیا گیا تھا تو پھر مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں ان

سے خفا ہوں۔ میں نے کیوں کیا ایسا...... کیوں آخر؟'' وہ اپنے کمرے میں بیٹھا خود سے الجھ رہا تھا۔ خود سے ہی سوال کرر ہا تھا' خود ہی جواب دے رہا تھا۔ کبھی ان سے ناراضگی کا اظہار کرر ہا تھا اور کبھی خود پر خفا ہو رہا تھا مگر کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

❁......❁......❁

''شہناز......'' کشنز سیٹ کرتے انہیں یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے اسے پکارا ہو' سرگوشی نما انداز میں جیسے خواب کے عالم میں ان کا نام لیا ہو۔ انہوں نے چونک کر اردگرد دیکھا لیکن کوئی دکھائی نہ دیا تھا' وہ اپنا واہمہ سمجھ کر دوبارہ سے اپنے کام میں مصروف ہوگئیں۔

''شہناز......'' پھر سے کسی نے پکارا وہ چونکی' اب کہ وہ نظر انداز نہ کرسکی تھیں۔ انہوں نے سرعت سے پیچھے مڑ کر دیکھا کیونکہ آواز ادھر سے ہی آئی تھی۔ دروازے میں ایستادہ مانوس بہت ہی مانوس' بہت ہی اپنے چہرے کو دیکھ کر وہ ایک دم ساکت سی ہوگئی تھیں۔ کتنے ہی پل حیرت اور بے یقینی میں گزر گئے' وہ ایک جگہ پر کھڑی بنا پلکیں جھپکے ہاشم بیگ کو دیکھتی رہ گئیں۔

''بھائی......'' آہستگی سے بہت پیار سے پکارا تھا' انہیں لگ رہا تھا وہ خواب میں ہیں۔ اتنے سالوں بعد وہ اپنے بھائی کو دیکھ رہی تھیں' ان کا بہت ہی قریبی رشتہ ان کا خون' ان کا بھائی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ انہیں خواب کا سا گمان ہی ہو رہا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئیں ان کے قریب آئی تھیں' ہاتھ بڑھا کر ان کے ہونے کا یقین کیا پھر بھی بے یقین ہی آیا۔ ان کے کندھوں ان کے چہرے کو چھوا تھا اور بے ساختہ ان کے گلے لگ گئی تھیں۔ انہیں یقین آ گیا تھا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہیں بلکہ ان کا پیارا بھائی مجسم ان کے سامنے کھڑا ہے' ان کے کندھے سے لگتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

ہاشم بیگ بھیگی آنکھوں سے اسے دلاسہ دینے کی کوشش کررہے تھے مگر دے نہیں پا رہے تھے۔ بہت دیر گزر گئی انہیں ایک دوسرے کے گلے لگے روتے ہوئے مگر آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اتنے سالوں کا گلیشیر پگھلا تھا' اتنی جلدی تو تھمنے والا نہیں تھا۔ تبھی ہاشم بیگ چونکے اور بھیگی پلکوں کو صاف کرتے ہوئے بہت آہستگی سے انہیں خود سے الگ کیا۔

''کہاں چلی گئی تھیں شہناز! بنا خبر دیئے بنا بتائے؟ تئیس سال...... تئیس سال ہم سے دور رہیں...... کتنا ڈھونڈا ہم نے تمہیں' کتنا تلاش کیا مگر تمہیں نہ ملنا تھا نہ ملیں...... کہاں جا چھپی تھیں ہم سب سے؟'' وہ ان کا بازو پکڑے اپنے ساتھ لیے صوفے پر آن بیٹھی تھیں۔

''آپ پہلے بیٹھیں بھائی...... میں پہلے آپ کو جی بھر کر دیکھ تو لوں' یقین تو کرلوں کہ میرا پیارا بھائی میرے پاس بیٹھا ہے۔ عرصہ ہوگیا آپ کو دیکھے' آپ سے بات کیے۔''

''ہاں بہت عرصہ ہوگیا' ایسے لگتا ہے جیسے صدیاں بیت گئی ہیں۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

''آپ کیسے ہیں بھائی...... قاسم بھائی' بھابیاں بچے......''

''سب...... سب ٹھیک ہیں شہناز! سب ٹھیک ہیں۔ قاسم کی بیوی کا انتقال ہوگیا دس برس پہلے' باقی سب ٹھیک ہے ویسے ہی جیسا تم چھوڑ کر گئی تھیں بس عمروں کا فرق آ گیا ہے' بچے جوان ہوگئے ہیں اور جوان بوڑھے' تم بتاؤ ناں کہاں تھیں اتنا عرصہ؟ یوں اچانک کیوں غائب ہوگئیں اگر تمہیں کوئی تکلیف تھی تو ہم سے کہا ہوتا' ہم تمہارے بھائی ہیں' ابھی بھی ویسے ہی جان چھڑکتے ہیں تم پر۔ جانے سے پہلے ایک بار بھی اپنے بھائیوں کا نہ سوچا' یوں بنا بتائے گھر چھوڑ کر چلی گئیں کیوں شہناز؟''

''بس بھائی...... تقدیر نے مسافر بنا دیا تھا' ہاتھ کی لکیروں میں اپنوں سے دوری تھی۔ سفر تو کرنا تھا یوں سمجھ لیجیے کہ میری قسمت مجھے ایک لمبے سفر پر لے گئی تھی' جہاں سے اب واپسی ہوئی ہے۔''

''ہونہہ...... تقدیر' قسمت...... تقدیر نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا شہناز...... حسن احمد بخاری نے کیا تھا اور حسن

احمد بخاری تقدیر نہیں ہے۔" ان کے لہجے و انداز میں محسوس کی جانے والی نفرت تھی' غصہ تھا۔ ناراضگی تھی اور نجانے کیا..... کیا؟ شہناز خاتون بُری طرح چونکی تھیں' جھٹکے سے ان کی جانب دیکھا۔

"نہیں بھائی جان..... نہیں..... یہ صحیح نہیں ہے۔" انہوں نے سر ہلاتے ہوئے ان کی تردید کی تھی۔

"کیا صحیح نہیں ہے شہناز؟ یہ جو اتنا عرصہ تم گھر سے بے گھر رہیں' جانے کہاں کہاں بھٹکتیں رہیں' بلاوجہ بلاسبب اکیلے پن کی سزا کاٹی۔ اپنوں سے دور رہیں' اپنی اولاد سے دور رہیں' کیا یہ صحیح نہیں ہے اور یہ سب کس کی وجہ سے ہوا حسن احمد بخاری کی وجہ سے۔ امی نے تمہیں مجبور کیا تھا صرف اسی کی وجہ سے تم....."

"نہیں بھائی! بخدا ایسا کچھ نہیں ہے' آپ جو سوچ رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے' حسن کو آپ کچھ مت کہیے' ان کا قصور نہیں ہے وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ کیا ہوا' کیوں ہوا..... ایسی کیا مجبوری تھی کہ مجھے اپنے گھر کو اپنے رشتوں کو چھوڑ کر جانا پڑا' اس سب سے وہ اتنے ہی انجان ہیں جتنے کہ آپ۔"

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ حسن احمد بخاری نے تمہیں گھر سے نہیں نکالا تھا' تمہیں گھر چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا تھا' جسے ہم تمہاری در بدری کا سبب سمجھتے رہے' وہ بے گناہ ہے؟ نہیں یہ ناممکن ہے۔ اس نے خود اپنے منہ سے اعتراف کیا تھا کہ....."

"کیا ہوگا بھائی..... ضرور کیا ہوگا کیوں کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ وہ خود سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھتے ہیں' دوسروں کا گناہ بھی اپنے سر لے لیتے ہیں۔ اس بات سے تو آپ بھی انجان نہیں ہیں' سچ یہ ہے کہ وہ بھی شاید سچائی سے انجان ہیں یا پھر جانتے ہیں لیکن کسی اور کو شرمندگی سے بچانے کے لیے خود کو ہی مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔" آخری جملہ انہوں نے آہستگی سے کہا تھا' ہاشم بیگ شاید سن نہیں پائے تھے۔

"کیا کہا تم نے.....؟"

"کچھ نہیں بھائی جان..... سب کچھ بتاؤں گی آپ کو' ابھی تو آپ ملے ہیں ابھی تو مجھے سب سے ملنا ہے۔ اپنے بچوں سے' اپنے بھائی بھابی سے' اپنے بھتیجے بھتیجیوں سے' حسن سے۔" حسن کے نام پر انہوں نے اپنے لب بھینچے تھے' اس سے اندازہ ہوا تھا شہناز کو کہ وہ ان سے کتنے متنفر ہیں۔

"امی..... امی کہاں ہیں..... آپ؟" کچھ دیر ان کے درمیان خاموشی رہی تھی جسے آغا مینا کی آواز نے توڑا تھا۔ وہ انہیں پکارتی ہوئی اسی جانب چلی آئی تھی' جہاں وہ بیٹھے تھے۔ ہاشم بیگ کو امی کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رکی تھی۔ اسی پل شہناز خاتون اور ہاشم بیگ نے بھی ایک ساتھ اس کی جانب دیکھا تھا۔

"آؤ مینا..... اندر آؤ ناں' رک کیوں گئیں۔" شہناز خاتون نے اسے وہیں کھڑے دیکھ کر آواز دی تھی وہ دھیرے سے چلتی ہوئی ان کے قریب چلی آئی۔ "جانتی ہو یہ کون ہیں؟" اسے بتاتے ہوئے ان کی آواز میں بے پناہ خوشی اور لرزش نمایاں تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا وہ کتنی خوش ہیں۔

"ماموں جان!" ان کی جانب دیکھتے ہوئے وہ بے ساختہ بولی۔ شہناز خاتون اس کے یہ جاننے پر کہ وہ اس کے ماموں ہیں بُری طرح چونکی تھیں جبکہ ہاشم بیگ اس کے ماموں کہنے پر چونکے تھے۔

"کیا تم جانتی ہو کہ یہ تمہارے ماموں ہیں؟" شہناز خاتون نے کسی قدر حیرت سے پوچھا۔

"جی امی! میں جانتی ہوں۔"

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ تم....."

"مجھے بھی کچھ دن پہلے ہی علم ہوا تھا امی۔" وہ سر جھکاتے ہوئے شرمندگی سے بولی۔

"یہ کون ہے شہناز؟" ہاشم بیگ نے ان کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میری بیٹی ہے بھائی اور آپ کی بھانجی۔" انہیں ایک دم جھٹکا سا لگا۔

''بیٹی......تمہاری بیٹی......تمہاری اپنی سگی بیٹی ہے؟''
انہوں نے بے یقینی سے دیکھا۔ شہناز خاتون ان کی حیرت اور بے یقینی کو سمجھ گئی تھیں اسی لیے دھیرے سے مسکرادیں۔
''جی بھائی......میری بیٹی......میری اپنی سگی بیٹی۔''
''یہ آغا مینا......آغا مینا......حسن احمد بخاری......''

❀......❀......❀

''پاپا ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' سیب کاٹ کر انہیں دیتے ہوئے اس نے اجازت چاہی تھی اس کے انداز پروہ مسکرائے۔
''ضرور پوچھو بیٹا! اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔''
''میری مما کیسی تھیں پاپا؟'' سیب چھیلتے ہوئے اس نے مصروف سے انداز میں استفسار کیا تھا جبکہ حسن احمد بخاری کو ایک دم جھٹکا سا لگا تھا۔ سیب کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے ان کا ہاتھ وہیں رکا اور وہ یکلخت ساکت سے رہ گئے تھے۔
آج پہلی بار ظعینہ نے اپنی ماں کے بارے میں پوچھا تھا' اتنے عرصے میں پہلی بار کسی نے شہناز کی بات کی تھی۔ تئیس برس بعد آج اس گھر میں اس کا ذکر ہوا تھا' وہ بُری طرح چونکے تھے۔
''آج اچانک تمہیں اپنی مما کا خیال کیسے آ گیا ظعینہ! پہلے تو تم نے کبھی ان کے بارے میں نہیں پوچھا۔''
''پتا نہیں پاپا......میں نے پہلے کیوں نہیں پوچھا' شاید کبھی ان کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ آپ نے اور راخ نے مجھے محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ مما نہیں ہیں لیکن اب جب میں اپنی فرینڈ کی مما سے ملی تو مجھے احساس ہوا ماں کی کیا حیثیت ہے' اپنے بچوں کے لیے ایک ماں خاص کر اپنی بیٹی کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ ماں کا رشتہ کتنا خوب صورت ہوتا ہے' کتنی اپنائیت کتنی ممتا ہوتی ہے اس رشتے میں۔ ایک اسی رشتے میں ہر رشتہ مل جاتا ہے' جیسے میری دوست کو ملا ہے اس کا کوئی نہیں ہے سوائے اس کی امی کے اور وہی اس کے لیے سب کچھ ہیں ماں بھی' بہنیں بھی اور سب سے بڑھ کر ایک دوست' ان سے مل کر ہی مجھے اپنی مما کا خیال آیا ان کے بارے میں جاننے کا دل چاہا' ان کے بارے میں بات کرنے کو دل چاہا۔ میں نے تو کبھی اپنی مما کو دیکھا بھی نہیں' وہ کیسی دکھتی تھیں' کیسے باتیں کرتی تھیں' بتائیں ناں پاپا مما کیسی تھیں؟''
''تمہاری مما بہت اچھی اور پیاری تھیں۔ جتنی وہ خود خوب صورت تھیں اتنا ہی ان کا دل خوب صورت تھا۔ بہت مخلص' ملنسار' ہر کسی کا خیال رکھنے والی' بہت نیک' بہت پولائٹ' بہت دھیمے سروں میں بولتی تھیں۔ دل چاہتا تھا وہ بولتی رہیں اور ہم سنتے رہیں۔''
''پاپا......مما کی تصویر نہیں ہے کیا؟ میں دیکھنا چاہتی ہوں اپنی مما کو۔'' حسن احمد بخاری کتنی ہی دیر تک خاموش بیٹھے رہے پھر کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے ظعینہ کی جانب دیکھا۔
''تم دیکھو گی اپنا مما کی تصویر؟''
''بالکل پاپا......میں مما کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ پلیز مجھ کو دکھائیں ناں۔'' ان کی بات پر وہ ایک دم ایکسائٹڈ ہوئی۔ انہوں نے بنا کچھ کہے آگے بڑھ کر دراز کھولی اور وہی براؤن کلر کا والٹ باہر نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا۔
''یہ دیکھو۔'' اس نے سرعت سے والٹ پکڑا' دل ایک دم دھڑکنے لگا تھا۔ آج پہلی بار وہ اپنی مما کو دیکھنے جارہی تھی' اس نے آہستگی سے مسکراتے ہوئے والٹ کھولا......ہنستا مسکراتا خوب صورت چہرہ اس کے سامنے تھا جسے دیکھ کر اس کے مسکراتے لب ایک دم سکڑے تھے۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''یہ......یہ کون ہیں پاپا؟'' وہ ایک دم چیخی' بے یقینی سی بے یقینی تھی اس کے لہجے میں۔
''تمہاری مما ہیں بیٹا......'' وہ اس کے انداز پر حیران ہوئے۔
''یہ......یہ میری مما ہیں......آر یو سیریس پاپا؟'' وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔
''اس میں یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے اور پھر میں اپنے والٹ میں کسی اور کی تصویر کیوں لگاؤں گا۔ تم اتنی

حیران کیوں ہورہی ہو؟"

"کیونکہ یہ وہی تو ہیں جن سے میں ملی ہوں' میری فرینڈ کی امی۔"

"کیا......؟" ان کے منہ سے سرگوشی نما انداز میں آواز نکلی' انہیں ظعینہ کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"یقین کریں پاپا...... یہ وہی ہیں' وہ ایسی ہی ہیں...... اوگاڈ......! یہ میری مما ہیں۔ اتنی پیاری' اتنی خوب صورت...... میری مما......" بے پناہ خوشی سے اس کی آواز لڑکھڑا سی گئی تھی۔ وہ ان کی تصویر دیکھ کر اتنی شاکڈ ہوئی تھی کہ کوئی اور خیال ہی نہ آیا تھا جب یہ یقین ہوا کہ یہی اس کی مما ہیں تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔

"میں...... میں ان سے ملنا چاہتا ہوں ظعی! مجھے لے چلو ان کے پاس پلیز...... پلیز بیٹا...... مجھے شہناز سے ملنا ہے۔"

"ابھی پاپا...... ابھی چلیں گے آپ؟"

"ہاں بیٹا ابھی' پہلے ہی بہت دیر ہوچکی ہے' مجھے ابھی جانا ہے ابھی ملنا ہے۔ مجھے لے چلو پلیز بیٹا......"

"ریلیکس پاپا...... ریلیکس...... میں لے چلتی ہوں آپ کو۔ زینب گاڑی نکلواؤ جلدی......" ان کے انداز پر وہ یکلخت بوکھلا سی گئی تھی۔ کس قدر اونچی آواز میں زینب کو گاڑی نکلوانے کا کہہ کر وہ ان کی جانب بڑھی۔

❁......❁......❁

"یہ گھر...... یہ درو دیوار...... یہ خوب صورت عمارت...... میرا گھر ہے' میرے پاپا کا گھر' میری امی کا...... ظعی کا تورع بھائی کا...... میرا گھر...... ہمارا گھر' ایک مکمل فیملی کا گھر......" گیٹ کو پیار اور نرمی سے چھوتے ہوئے وہ ہلکے سے بڑبڑائی تھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا' ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اسے ہمت نہیں ہورہی تھی کہ آگے بڑھ کر بیل دے سکے' کتنی ہی دیر تک خاموش کھڑی گیٹ کو تکتی رہی تھی۔

پہلی بار...... ان تیئس برسوں میں اپنی پیدائش کے بعد پہلی بار وہ اپنے گھر آئی تھی۔ وہ بیل دینے کے لیے آگے بڑھی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ بیل پر ہاتھ رکھتی' گیٹ کھلا تھا وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ باہر آنے والا شاید کوئی ملازم تھا' اس نے گہری سانس خارج کی۔

"سنیئے......" اس نے شاید اسے نہیں دیکھا تھا اسی لیے بنا ارد گرد دیکھے آگے بڑھ گیا' اس نے جلدی سے اسے پکارا تھا وہ کسی قدر حیرت سے پلٹا۔

"جی بولئے......"

"مجھے ظعینہ سے ملنا ہے۔" اس نے چند پل سوچنے کے بعد کہا۔

"جی وہ تو گھر پر نہیں ہیں۔"

"اچھا...... اور اس کے پاپا حسن احمد بخاری۔" وہ جھکتے ہوئے گویا ہوئی۔

"جی وہ بھی انہی کے ساتھ کہیں گئے ہیں اور تورع صاحب ابھی تک واپس نہیں آئے۔"

"کچھ بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں؟"

"نہیں جی' بہت جلدی میں تھے' بتا کر نہیں گئے۔"

"اچھا۔" اس نے مایوسی سے سر جھکا دیا۔

"چلیں ٹھیک ہے' بہت شکریہ آپ کا۔" وہ کہہ کر وہاں سے جانے لگی۔

"آپ کون ہیں بی بی؟" تبھی اس نے پکارا۔

"میں...... میں ظعینہ کی دوست ہوں۔" مسکرا کر کہتے ہوئے وہ وہاں سے چلی آئی تھی۔

"تیئس سال بعد میں پہلی بار اپنے پاپا سے ملنے آئی' پہلی بار اپنے گھر آئی اور آج بھی وہ مجھے نہیں ملے۔ جانے کتنا وقت اور لگے مجھے اپنوں تک پہنچنے میں؟ جانے کب میں پورے استحقاق کے ساتھ اپنے رشتوں کو اپنا کہہ سکوں گی؟ اتنے سالوں سے میری فیملی نامکمل ہے' جانے کب میں اسے مکمل کرپاؤں گی؟ جانے کب......" وہ سر جھکائے اپنی ہی سوچوں میں گم چلی جارہی تھی۔ جانے کتنی دیر ہوگئی تھی' اسے بے پروائی سے روڈ کے بیچوں بیچ چلتے ہوئے تبھی گاڑی کے تیز ہارن سے اس کے کان سنسنا اٹھے تھے۔ اس نے چونک کر ارد گرد دیکھا' از حد حیرت ہوئی تھی خود کو بیچ

سڑک میں کھڑے دیکھ کر وہ تیزی سے سائیڈ پر ہوئی۔ گاڑی کے گزرنے کا انتظار کیا مگر گاڑی رک چکی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شخص دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

"ہوش و خرد سے بے گانہ ہو کر کیوں چل رہی تھیں، وہ بھی سڑک کے بیچوں بیچ۔ اگر کچھ ہو جاتا تو......" نا چاہتے ہوئے اس کی آواز میں سختی در آئی تھی، کسی قدر کرخت انداز میں کہا تھا۔

آغا مینا کو اس کا یوں ڈانٹنا بالکل برا نہیں لگا تھا بلکہ اس کا یوں استحقاق سے اسے ڈانٹنا بہت اچھا لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی در آیا تھا جسے اس نے سر جھکاتے ہوئے فوراً پیچھے دھکیلا تھا اسی اپنائیت کی تو اسے تلاش تھی اسی مان کو تو وہ ڈھونڈنے نکلی تھی۔

"سوری۔" دھیرے سے معذرت کی۔

"کہاں سے آ رہی ہو؟" لہجے میں ابھی بھی سختی۔

"جی......وہ میں......ظعینہ سے ملنے گئی تھی۔"

"تو ملی نہیں کیا؟" وہ بہت غور سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"نہیں وہ گھر پر نہیں تھی۔" چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی جانب دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

"اچھا......وہ گھر پر نہیں تھی لیکن اس وقت وہ کہاں گئی ہے خیر آؤ میں تمہیں چھوڑ دوں۔"

"کہاں......؟" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"تمہیں کہاں جانا ہے؟" انہوں نے بالکل غیر ارادی طور پر پوچھا۔

"گھر۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"آؤ......تمہیں ڈراپ کر دوں۔" اس کی بے ساختگی پر وہ بری طرح چونکا اور پھر سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گیا، آغا مینا نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

❁......❁......❁

دل کی چوکھٹ پہ جو ایک دیپ جلا رکھا ہے
تیرے لوٹ آنے کا امکان سجا رکھا ہے
روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسین لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کر ہی تم کو خفا رکھا ہے
تم جیسے مجھے چھوڑ کر گئے تھے ایک دن
ہم نے اس شام کو سینے سے لگا رکھا ہے
چین لینے نہیں دیتا یہ کسی طور مجھے
تیری یادوں نے جو طوفان اٹھا رکھا ہے
جانے والے نے کہا تھا کہ وہ لوٹے گا ضرور
ایک اسی آس پر دروازہ کھلا رکھا ہے

ان کی گاڑی ارقام ملک کے گھر کے اندر موجود تھی، وہ دونوں کتنے ہی پل خاموشی سے اندر ہی بیٹھے رہے تھے۔ دونوں ہی کی کیفیات ایک جیسی تھیں کوئی اسرار تھا کوئی بھید تھا جو ان پر کھلنے جا رہا تھا۔ ظعینہ ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلی تھی، ڈرائیور نے وہیل چیئر باہر نکالی تھی۔ ظعینہ نے ڈرائیور کی مدد سے حسن احمد بخاری کو گاڑی سے نکال کر چیئر پر بٹھایا، ایک گہری نگاہ انیکسی کی جانب ڈالتے ہوئے وہ وہیل چیئر گھسیٹتے ہوئے آگے بڑھی۔

اس وقت وہ دونوں ہی خاموش تھے، دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں مگن تھے اپنے اپنے جذبات کو کنٹرول کرنے کی تگ و دو میں تھے۔ کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا، ایک دبیز خاموشی تھی جو گھر سے لے کر یہاں تک برقرار تھی اس خاموشی میں بہت سے اسرار تھے۔ بہت سے معنی تھے، سوال تھے، بھید تھے جنہیں وہ دانستہ فراموش کیے ہوئے تھے۔ اس وقت بس ایک ہی خیال تھا، ایک ہی احساس تھا جس نے ان کے اردگرد دائرہ سا بنا رکھا تھا جس نے انہیں اپنے گرد و نواح سے بے گانہ کیا ہوا تھا۔

ایک طرف جدائی کا دور ختم ہونے جا رہا تھا......ملن کی گھڑی سامنے تھی......مسافر لوٹ آئے تھے......بچھڑے ملنے والے تھے......اور دوسری جانب......ایک ایسی بیٹی جس نے اپنی عمر کے تئیس برس یہ ہی سمجھتے ہوئے گزار دیئے کہ ماں نہیں ہے اور آج وہ اسی مری ہوئی ماں کو زندہ سلامت دیکھنے اور ملنے جا رہی تھی ایک بیٹی کی حیثیت سے......وہ انیکسی کی حدود میں داخل ہو چکی تھی جوں جوں وہ قریب آتی جا رہی تھی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی

جارہی تھی جب وہ پہلی بار شہناز خاتون سے ملی تھی تو اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا لیکن اس وقت وہ جو محسوس کررہی تھی وہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

سیل فون کان سے لگائے ارقام ٹیکسی سے باہر نکل رہا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ ظعینہ پر پڑی تو وہ چونک کر رکا۔ اس پل ظعینہ کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی۔ دونوں نے ہی ایک ساتھ سرعت سے نظریں چرائی تھیں۔ ایک پل کے لیے دونوں ہی رک گئے تھے' دوسرے پل وہ دونوں آگے بڑھے تھے تبھی ارقام کی نظر وہیل چیئر پر بیٹھے شخص پر پڑی تھی۔ وہ انہیں پہلی بار دیکھ رہا تھا لیکن انہیں ظعینہ کے ہمراہ دیکھ کر فوراً پہچان گیا تھا کہ یہی حسن احمد بخاری ہیں۔

''السلام علیکم!'' قریب پہنچتے ہی اس نے دھیرے سے سلام کیا تھا جس کا جواب انہوں نے محض سر ہلا کر دیا تھا۔

''آغا مینا تو نہیں ہے۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''تو کیا ہم واپس چلے جائیں۔'' انداز میں کسی قدر خفگی و ناراضگی تھی' غصہ تھا۔ ارقام شرمندہ سا ہوگیا' اس کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا تھا۔

''نہیں میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا میں تو......''

''آپ کے کہنے کا جو بھی مطلب تھا' مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ مجھے اپنی مما سے ملنا ہے۔'' اس نے گویا اپنی جانب سے دھما کا سا کیا تھا مگر وہ حیران نہیں ہوا تھا۔

''آئیں۔'' وہ آہستگی سے کہہ کر پلٹا۔

''اوہ......تو انہیں بھی پتا ہے کہ وہ میری مما ہیں۔ شاید ایک میں ہی بے خبر ہوں باقی سب تو سب کچھ جانتے ہیں۔'' گہرے دکھ اور استہزاء کا ملا جلا سا تاثر تھا وہ خود پر ہی دکھی ہورہی تھی اور خود کا ہی مذاق اڑارہی تھی جبکہ وہ اس کی سوچوں سے انجان انہیں لیے اندر چلا آیا تھا۔

''امی کی طبیعت ذرا ناساز ہے وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی سوئی ہیں' اگر آپ کہیں تو میں انہیں جگا دیتا ہوں۔''

''نہیں بیٹا......ابھی رہنے دو' ہم انتظار کرلیں گے۔'' یہ پہلا جملہ تھا جو وہ گھر سے آنے کے بعد بولے تھے۔

جبکہ ظعینہ ارقام کے امی کہنے پر بری طرح چونکی تھی اس لفظ میں اسے بھاری بھرکم معنی پوشیدہ لگے تھے۔ اسے گہرا شاک لگا تھا' ابھی تو شاید یہ شروعات تھی' جانے کس کس راز سے پردہ اٹھنے والا تھا۔

''میں شہناز کو دیکھ سکتا ہوں کیا؟'' ان سے صبر نہیں ہورہا تھا' اسی لیے بے ساختہ کہہ اٹھے وہ چونکا۔

''جی جی انکل...... پلیز' امی وہاں ہیں۔'' ان کے کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس نے شرمندگی سے کہا۔

وہ خود ہی چیئر کو گھسیٹتے ہوئے چلنے لگے تھے تبھی ظعینہ نے قدم بڑھائے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ ان کے پیچھے جاتی ارقام نے فوراً اس کی کلائی پکڑ کر روک لیا۔ اس نے سرعت سے پلٹ کر پہلے اسے اور بعد میں اس کے ہاتھ میں دبی اپنی کلائی کو دیکھا۔ اس نے فوراً اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔

''ایم سوری لیکن میں چاہتا ہوں کہ ابھی تم اندر مت جاؤ' انکل کو اکیلے ہی جانے دو پلیز۔'' نظریں چرا کر کہتے ہوئے اس نے معذرت کی۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی رک گئی' شاید اس کی بات سمجھ میں آ گئی تھی اور بنا کوئی جواب دیے صوفے پر بیٹھ گئی۔

⊛......⊛......⊛

ہزاروں خضر و مسیحا سے قیمتی ہیں عدم
وہ راہزن جو مسافر نواز ہوتے ہیں

وہ جب کمرے میں داخل ہوئے تو گہری خاموشی اور نیم تاریکی تھی۔ سوئچ بورڈ کو ٹٹول کر تلاش کرتے ہوئے انہوں نے ایک بٹن دبادیا تھا یکلخت کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا' ان کی بے تاب نظر بیڈ پر دراز وجود پر آن رکی تھی' وہ چیئر گھسیٹتے ہوئے بیڈ کے قریب چلے آئے تھے۔

''ناز۔'' ایک سرگوشی سی کی۔

یہ شہناز تھیں' حسن احمد بخاری کی شہناز' جنہیں وہ پیار سے ناز کہتے تھے۔ اتنے سالوں بعد انہوں نے اپنی ناز کو دیکھا تھا وہ ویسی ہی تھیں وقت تو لگتا تھا جیسے چھوئے بنا ہی

گزر گیا۔ کچھ کمزور سی لگ رہی تھی مگر خوب صورت ویسی ہی تھی جیسے تیئس برس پہلے تھی، وہ بنا پلکیں جھپکے انہیں دیکھ رہے تھے انداز ایسا تھا کہ اگر پلکیں جھپکالیں تو وہ ہمیشہ کی طرح پھر سے غائب نہ ہوجائیں۔ خواب کی سی کیفیت میں انہوں نے ان کے ہاتھ کو تھاما تھا۔

''تیئس برس بیت گئے، تیئس برس...... ان تیئس برسوں میں کوئی پل ایسا نہیں گزرا جس میں مجھے ایسا لگا ہو کہ تم میرے ساتھ ہو لیکن آج تمہیں دیکھ کر مجھے لگ رہا ہے جیسے وہ سارے پل ایک خواب تھا جو حقیقت کا روپ دھار کر میرے سامنے آن کھڑا ہوا ہے۔ میں نے تمہیں تلاش کرنے کی بہت کوشش کی ناز مگر تم کھوگئیں تو میں تمہیں ایک پل میں ڈھونڈ لوں گا مگر نہیں ڈھونڈ پایا۔ میرے دعویٰ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ تم مجھ سے کھوگئیں اور میں تمہیں ڈھونڈ بھی نہ پایا۔ میں جانتا ہوں ناز...... تم مجھ سے ناراض نہیں ہو اور نہ بھی ہوسکتی ہو۔ میں خود سے بہت ناراض ہوں، بہت خفا ہوں۔ میری ذات نے تمہیں بہت تکلیف پہنچائی ہے تمہاری ہر تکلیف ہر اذیت کا سبب میری ذات ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں ناز تم سے، خود سے، اپنے بچوں سے، سب سے...... میں کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہا۔ لوٹ آؤ کہ میں منتظر ہوں، جو سزا دوگی وہ مجھے منظور ہے، بس تم لوٹ آؤ۔'' اتنی دیر سے ہاتھ پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا، وہ کسمسائی تھیں۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر چھوٹ نہیں رہا تھا۔ وہ ایک دم بے چین سی ہوگئی تھیں، یہ بے چینی اتنی بڑھ گئی کہ بے ساختہ ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

پہلے تو ان کی نظر سیدھی چھت کی جانب اٹھی، چند ثانیے بعد انہیں کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوا تو انہوں نے سرعت سے اپنی نظروں کا زاویہ بدلا اور ایک دم ساکت سی ہوگئیں۔ قوت گویائی جیسے ایک پل کو سلب سی ہوگئی تھی وہ حیرت اور بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں۔

''حسن......'' حسن احمد بخاری نے جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا۔

"ناز......!" ان کی آواز کپکپا سی گئی تھی' شہناز خاتون فوراً اٹھ بیٹھی۔

"حسن......!" وہ ابھی بھی بے یقین سی تھیں۔ "آپ ہیں حسن......کیا آپ واقعی ہیں؟" ان کے انداز میں بے ساختگی تھی۔

"ہاں ناز......میں ہوں' میں تمہارے سامنے ہوں تمہارا حسن......" انہوں نے جیسے یقین دلایا۔ وہ ان کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔ کتنے ہی پل گزر گئے انہیں اتنی شدت سے روتے ہوئے' حسن کو چپ کرانا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ خود ان کا بھی یہی حال تھا۔

"بس کرو ناز......پلیز اب بس کردو۔ پہلے ہی میری وجہ سے بہت رو چکی ہو اب اور مت رو پلیز......میں تمہیں روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا جانتی ہو ناں تم؟ پلیز اب بس کرو۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔" وہ بے بسی سے گویا ہوئے مگر شہناز روتی ہی چلی جا رہی تھیں' اشک تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے آنکھوں میں گویا سمندر اتر آیا تھا۔

"اب بس کرو ناز......پہلے ہی بہت بوجھ ہے میرے دل پر اسے اور مت بڑھاؤ۔ میں تو پہلے ہی تم سے بہت شرمندہ ہوں' تم سے معافی مانگنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا خود کو۔ میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں ناز......لیکن ہمت نہیں ہو رہی مجھ سے......"

"نہیں حسن پلیز کچھ مت کہیں' کچھ نہیں پلیز......" ان کی بات پر شہناز نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

"مجھے کہنے دو ناز......مت روکو مجھے' تئیس برسوں سے جو بوجھ میرے دل پر دھرا ہوا ہے اسے اتارنا چاہتا ہوں میں' تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں' اپنی طرف سے' اماں کی طرف سے۔"

"اماں......" انہیں ٹوکتے ہوئے وہ یکلخت چونکیں۔

"حسن آپ......آپ کیسے جانتے ہیں کہ اماں......"

"میں سب جانتا ہوں ناز......مجھے سب کچھ بتا دیا تھا اماں نے' مرنے سے پہلے انہوں نے اپنا سارا بوجھ میرے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا تھا جسے اٹھاتے اٹھاتے اب میں تھکنے لگا ہوں۔ تمہارے لوٹ آنے کا انتظار کر رہا تھا اب تم لوٹ آئی ہو تو......مجھے اپنے بوجھ کو اتارنے کا حق تو دو' میں بھی اماں کی طرح اس بوجھ کو لے کر قبر میں......"

"بس کریں حسن پلیز......بس کریں۔ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟" انہوں نے تڑپ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھا۔

"صحیح تو کہہ رہا ہوں۔" انہوں نے سر جھکا لیا۔

"سچ کہہ رہے ہیں یا غلط مجھے نہیں پتا مگر میں ایسا کچھ بھی نہیں سننا چاہتی۔ اتنے سال میں آپ کے بغیر رہی' آپ کے لیے میں نے اپنا گھر' اپنا شہر حتیٰ کہ اپنا وطن چھوڑا اور آج اگر آئی ہوں تو بھی آپ کی ہی وجہ سے' اس لیے نہیں کہ آپ مجھ سے معافی مانگیں۔ میرے سامنے شرمسار ہوں بلکہ اس لیے کہ میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی' میرے دل پر بوجھ تھا۔ میں نے بنا اپنے شوہر کی اجازت کے اپنا گھر چھوڑا' اسے بتائے بغیر چلی گئی' میرے دل پر بوجھ تھا کہ جانے میری وجہ سے آپ نے کتنی اذیت سہی ہوگی اسی لیے میں واپس آ گئی ہوں کہ اس لیے کہ آپ ایسی باتیں کریں۔"

"تو اور کیسی باتیں کروں ناز......مجھے مداوا کرنا ہے اپنے......"

"حسن پلیز بھول جائیں گزری ہوئی باتوں کو۔ میں بھی سب بھول چکی ہوں۔"

"کیا اماں کو معاف کرسکو گی ناز؟" انہوں نے بے ساختہ پوچھا۔ انہوں نے ایک پل کو اپنے لب بھینچے دوسرے ہی پل سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

"میں سب کچھ بھول کر آئی ہوں حسن......سب کچھ......اماں کو بھی میں نے معاف کردیا ہے۔"

"تئیس برس تم نے بلاوجہ سزا کاٹی' میں جانتا ہوں۔ ایک ایک پل' ایک ایک لمحہ تم پر کتنا بھاری گزرا ہوگا' کیا تم نے ان لمحوں کو بھلا دیا ہے جس کا سبب اماں تھیں۔"

"میں نے کہا ناں حسن......میں سب کچھ بھول کر دل کی گہرائیوں سے اماں کو معاف کر کے آئی ہوں پلیز میرا

یقین کریں۔ اتنے برسوں میں بدلی نہیں ہوں وہی تیئس برس پہلے والی ناز ہوں آپ کی ناز...... بڑی سے بڑی غلطی کو معاف کردینے والی کینہ اور بغض میری فطرت میں نہیں۔ میں تو سب کو معاف کردیتی ہوں یہ تو پھر آپ کی اماں تھیں۔“

”تم سچ کہہ رہی ہو ناز...... کیا تم نے واقعی میں اماں کو معاف کردیا۔“ وہ ابھی بھی بے یقین تھے انہوں نے اپنی اماں کو تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان کی تکلیف کو محسوس کیا تھا انہوں نے کتنی منتیں کی تھیں ان کی کہ وہ کسی طرح ناز کو ڈھونڈ کر ان کے سامنے لے آئیں مگر وہ نہیں لے کر آسکے تھے اور وہ اپنے دل پر بوجھ لیے اس دنیا سے چل بسی تھیں۔

”میری بیٹی کہاں ہے ناز؟“ بہت دیر تک خاموشی ان کے درمیان حائل رہی تھی اچانک کچھ خیال آنے پر انہوں نے پوچھا۔ دروازے میں ایستادہ تمام نفوس بری طرح چونکے تھے۔

”آپ جانتے ہیں حسن آغا مینا کے بارے میں؟“ آنسو صاف کرتے ہوئے انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”میں نے کہا ناں مجھ سے اماں نے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ انہوں نے ہی مجھے بتایا تھا کہ میری جڑواں بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں ایک ظعینہ اور ایک وہ جسے تم اماں سے منت کرکے اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ اپنے جینے کا سہارا بنا کر۔“ ان کی بات پر دروازے میں ایستادہ سبھی نفوس نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا تورع اور ظعینہ کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

دوسرے ہی لمحے تورع آغا مینا اور ظعینہ اندر چلے آئے تھے جبکہ ارقام دانستہ واپس پلٹ گیا تھا۔ کھٹکے پر حسن احمد بخاری اور شہناز خاتون نے چونک کر دیکھا تھا۔

”مما......“ چند پل وہ خاموشی سے وہاں کھڑے رہے تھے تبھی ظعینہ تڑپ کر شہناز خاتون کی جانب بڑھی اور بے ساختہ ان کے گلے لگ گئی تھی جبکہ آغا مینا اور تورع ابھی بھی خاموش کھڑے تھے۔ تورع شہناز خاتون کو جبکہ آغا مینا حسن احمد بخاری کو دیکھ رہی تھی۔

”مینا آؤ ناں بیٹا! اپنے پاپا سے نہیں ملو گی کیا؟“ ظعینہ کو ساتھ لگائے ان کی نگاہ خاموش کھڑی آغا مینا پر ٹھہری تو انہوں نے فوراً اسے پکارا۔ حسن احمد بخاری نے چونک کر ایک سائیڈ پر کھڑی خوب صورت گڑیا سی بیٹی کو دیکھا اور اپنی بانہیں پھیلا دی اور وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی اور ان کی بانہوں میں سما گئی۔

”میرا بیٹا مجھ سے ناراض ہے کیا؟“ وہ پلٹ کر جا رہا تھا تبھی شہناز خاتون نے دھیرے سے کہا تو وہ بے ساختہ پلٹا مگر آگے بڑھ نہیں پایا تھا۔

”میرے پاس نہیں آؤ گے تورع! میں جانتی ہوں بیٹا کہ آپ مجھ سے خفا ہو۔ میں آپ کو تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھی پر میں کیا کرتی بیٹا...... مجبور تھی ورنہ میں آپ کو چھوڑ کر جاتی کیا؟ اپنی مما کو معاف نہیں کرو گے تورع؟“ وہ آہستگی سے چلتا ہوا ان کے قریب چلا آیا اور ان کے قریب بیٹھتے ہوئے انہیں اپنے کندھے سے لگا لیا۔

”نہیں مما...... میں آپ سے ناراض نہیں ہوں اور پھر میں آپ سے ناراض کیوں ہوں جبکہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اتنے سالوں بعد آپ کو دیکھ کر جانے کیوں یقین نہیں آیا تھا اس لیے میں......“ وہ خاموش ہوا آغا مینا نے حسن احمد بخاری سے الگ ہوتے ہوئے بڑے پیار سے سب کی جانب دیکھا اور آسودگی سے مسکرا دی تبھی ظعینہ کی نظر اس پر پڑی تھی۔ کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کڑے تیوروں سے گھورا۔

”تم کیوں مسکرا رہی ہو تماشا لگا ہوا ہے کیا؟“ اپنے ازلی چنچل سے انداز میں مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا سبھی مسکرا دیئے تھے۔

”نہیں...... تماشا نہیں لگا ہوا۔ میں نے اپنی مکمل فیملی کا خواب دیکھا تھا اسے اپنے سامنے تعبیر ہوتے دیکھ رہی ہوں بہت خوشی ہو رہی ہے۔“

”یہ تو بالکل تم پر گئی ہے ناز! تمہاری طرح دکھتی ہے تمہاری ہی طرح باتیں کرتی ہے۔“

”اور میں پاپا میں کس پر گئی ہوں؟“ ظعینہ نے جلدی

سے پوچھا۔
"تم بالکل اپنے پاپا پر گئی ہو۔"
"ہاں...... یہ بہتر بتاسکتی ہیں یہ مجھے مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔" انہوں نے فوراً تائید کی۔
"آپ بہت خاموش ہو تورع! کیا بات ہے بیٹا؟"
تورع اچھی خاصی قد و قامت والا خوبرو نوجوان تھا اس سے بات کرتے ہوئے انہیں یک پل کو ہچکچاہٹ ہوئی تھی۔ اتنے عرصے بعد (اپنے چند سال کے بچے کو چھوڑ کر گئی تھیں) جو آج بھرپور جوان تھا۔ وہ بہت کم بات کر رہا تھا شاید تبھی اس کی خاموشی انہیں بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔
"کچھ نہیں مما...... بس یونہی۔" بے ساختہ اس کی نظر حسن احمد بخاری پر پڑی۔ وہ شہناز کے پہلو سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور وہ چونکے۔
"ایم سوری پاپا...... آئی ایم رئیلی سوری، میں غلط تھا۔ میں نے بھی اوروں کی طرح آپ کو ہی موردالزام ٹھہرایا مگر اب میں سب جان گیا ہوں۔ آغا مینا نے مجھے سب بتادیا ہے پلیز مجھے معاف کردیں۔ میں بہت برا ہوں ایک اچھا بزنس مین تو بن گیا مگر اچھا بیٹا نہ بن سکا۔ ایم سوری پاپا...... سوری فار ایوری تھنگ۔" وہاں پر موجود سب کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ حسن احمد بخاری نے بے ساختہ اسے گلے سے لگالیا غلط فہمیاں دور ہوئی تھیں اپنے اپنوں سے مل گئے تھے۔
"گھر چلیں ناز......؟" شہناز نے چونک کر دیکھا انہیں یقین نہیں آیا تھا۔ "اپنے گھر ناز......" انہوں نے دوبارہ کہا جیسے یقین دلانا چاہتے ہوں۔
"ہاں کیوں نہیں۔ اپنے گھر جانا ہے مجھے لیکن...... آپ میرے محسنوں سے نہیں ملیں گے کیا جنہوں نے تئیس برس میرا ساتھ دیا میرا خیال رکھا اپنوں سے بھی بڑھ کر۔"
"کیوں نہیں ضرور ملنا چاہوں گا اس عظیم انسان سے جس نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ ان کا تو جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہے۔"
"تو پھر چلیں۔" وہ فوراً بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں تبھی ان کی نظر حسن احمد بخاری کی چیئر پر پڑی تھی انہیں جھٹکا لگا وہ جیسے اٹھی تھیں ویسے ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔
"یہ...... یہ کیا ہے حسن......" ان کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز پر وہ بھی متوجہ ہوئے تھے وہ تلخی سے مسکرادیے۔
"یہ اس اذیت اور سزا کا تھوڑا سا حصہ ہے جو تم نے اتنے عرصے تنہا جھیلی ہے۔"

❁......❁......❁
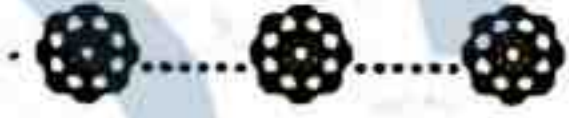
حسن احمد بخاری کے والد محمد احمد بخاری سونے کا چمچ منہ میں لے کر پیدا نہیں ہوئے تھے نہ ہی وہ کوئی امیر کبیر شخصیت تھے۔ وہ ایک گاؤں کے غریب کسان کے گھر میں پیدا ہوئے تھے جہاں بھوک و افلاس سے اکثر و بیشتر سامنا رہتا تھا۔ محمد احمد دو بہن بھائی تھے انہوں نے جب میٹرک کیا تو ان کی والدہ وفات پاگئیں کچھ عرصے بعد بہن کی شادی ہوگئی۔ والد نے انہیں شہر پڑھنے بھیج دیا پڑھائی آخری سالوں میں تھی جب انہوں نے مستقل شہر میں رہنے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ والد بھی نہیں رہے تھے بہن اپنے سسرال میں تھی۔ خود وہ اکیلے تھے اس لیے تعلیم مکمل ہونے تک وہ وہیں رہے جونہی تعلیم مکمل ہوئی گاؤں میں جو چند ایکڑ زمین تھی وہ انہوں نے بیچ دی اور شہر آکر بہت چھوٹے پیمانے پر کاروبار شروع کیا۔ ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ تھا تیزی نہیں تھی وہ ایک جھٹکے میں آسمان نہیں چھونا چاہتے تھے مگر دھیرے دھیرے آگے بڑھنا چاہتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ انسان جتنی تیزی سے آگے بڑھتا ہے اتنی ہی تیزی سے نیچے بھی آتا ہے اس لیے وہ دھیرے دھیرے چلتے رہے اور ایک دن کامیاب بزنس مین کہلانے لگے۔
وہ خاصے ایمان دار انسان تھے انہوں نے اپنے بزنس پر بہت محنت کی تھی اور اسی محنت کا پھل اللہ انہیں دے رہا تھا اس طرح چھوٹے پیمانے سے شروع کیا ہوا محمد احمد کا بزنس بڑھتا ہی چلا گیا۔ ان کی شادی عارفہ الٰہی سے ہوئی

جوایک بزنس مین کی بیٹی تھیں، خوب صورت و نیک سیرت ہونے کے ساتھ ساتھ ذہانت میں بھی کمال رکھتی تھیں۔ بزنس میں انہوں نے قدم قدم پر محمد احمد کا ساتھ دیا تھا۔ شادی کے تین برس بعد ان کے ہاں حسن پیدا ہوئے اور حسن کی پیدائش کے بعد عارفہ نے خود کو حسن تک ہی محدود کرلیا تھا' ان کی تعلیم و تربیت میں خود کو مصروف کرلیا۔ وہ مکمل طور پر گھریلو خاتون بن گئیں، گھر' گھر داری اور اپنے اکلوتے بیٹے پر مکمل توجہ دینے لگیں۔ حسن احمد بخاری کی پرورش نہایت اچھے خطوط پر ہوئی تھی۔ وہ ایک بہت ایمان دار اور مخلص انسان تھے ان کی تعلیم آخری مراحل میں تھی جب محمد احمد ہارٹ اٹیک کے باعث دنیا سے چل بسے۔ ان کی وفات کے بعد حسن پر ایک ساتھ کئی ذمہ داریاں آن پڑی تھیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ انہیں گھر اور بزنس پر بھی توجہ دینی پڑ رہی تھی' تعلیم مکمل کرتے ہی وہ مکمل طور پر بزنس لائن میں آگئے اور کچھ ہی عرصے میں وہ پکے بزنس مین بن گئے۔

شہناز خاتون ہاشم بیگ اور قاسم بیگ کی اکلوتی بہن تھیں' بخاری فیملی اور بیگ فیملی ایک ہی لین میں رہتے تھے۔ ایک تو یہ کہ ان کے آپس میں بہت اچھے تعلقات تھے' دوسرا وہ آپس میں بزنس پارٹنر بھی تھے۔ شہناز اور حسن کی تعلیم ایک ساتھ شروع ہوئی تھی اور ایک ساتھ ہی مکمل ہوئی تھی۔ ایک ساتھ رہنا' ایک ساتھ آنا جانا' دن کا بیشتر حصہ ان کا اکٹھے ہی گزرتا تھا۔ لڑتے' جھگڑتے بھی تھے موقع کی مناسبت سے چلتے تھے اگر دل چاہ رہا ہوتا تو بیسٹ فرینڈ اگر لڑائی کا موڈ ہوتا تو جانی دشمن بن جاتے تھے مگر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مخلص تھے۔ ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ حسن تو اکثر شہناز کو کہتے تھے کہ وہ اس سے عشق کرتے ہیں جبکہ شہناز مذاق مذاق میں شدید نفرت کا اظہار کرجاتی تھیں مگر وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ آپس میں کتنی محبت رکھتے ہیں۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا اور دونوں فیملیز کے مشترکہ فیصلے پر ان دونوں کی شادی کردی گئی' بزنس پارٹنر اب رشتہ دار بن گئے تھے۔

شادی کے بعد وہ دونوں بے انتہا خوش تھے اور خوش عارفہ بھی زیادہ تھیں۔ وہ شہناز کو جی جان سے پسند کرتی تھیں' وہ انہیں بہو نہیں بلکہ بیٹی مانتی تھیں۔ وہ اس کا بے حد خیال رکھتی تھیں' اسی طرح شہناز بھی انہیں اپنی ساس کی بجائے ماں ہی مانتی تھیں۔ ان دونوں میں اتنا اتفاق اور پیار و اتحاد دیکھ کر کوئی یقین نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ماں بیٹی نہیں بلکہ ساس بہو ہیں۔

شادی کے ڈھائی سال بعد ان کے ہاں تورع پیدا ہوا' تورع بہت خوب صورت' سفید گول مٹول سا بچہ تھا۔ ماں اور باپ دونوں کے نقش چرائے تھے اس نے' سب کچھ اچھا چل رہا تھا ان کا بزنس' ان کا گھر اور ان کے رشتے وہ سبھی اپنی اپنی جگہ مطمئن و خوش تھے کہ اچانک سب کچھ الٹ پلٹ ہونے لگا' ہاشم بیگ اور حسن احمد میں بزنس کو لے کر تو' تو میں' میں ہونے لگی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے لگے۔ حالات دیکھتے ہی دیکھتے بد سے بدتر ہونے لگے مگر اس کے باوجود حسن بزنس کی پریشانی کو گھر سے دور ہی رکھتے تھے انہوں نے بزنس کی رنجش کو رشتوں کی رنجش بننے نہیں دیا مگر نا چاہتے ہوئے بھی ہاشم بیگ اس رنجش کو رشتوں تک لے آتے تھے مگر پھر بھی وہ حتیٰ الامکان درگزر کر جاتے تھے سبھی دیکھ اور سن رہے تھے مگر خاموش ہوجاتے لیکن عارفہ خاموش نہیں رہ پائی تھیں۔ کبھی کبھی وہ ہاشم کی طنزیہ گفتگو پر بول جاتی تھیں مگر پھر بھی دل میں اس بات کو نہیں رکھتی تھیں یہ صرف اسی وقت کی بات ہوتی تھی۔ دوسرے ہی پل وہ سب بھول جاتی تھیں۔

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ بزنس کی ساکھ مزید خراب ہوتی جارہی تھی اور وہ اسے سنبھالنے کی بجائے اپنے ہاتھ سے کھسکتے ہوئے دیکھتے جارہے تھے کچھ کر نہیں پارہے تھے۔ حسن احمد بخاری بہت زیادہ پریشان رہنے لگے تھے اور عارفہ انہیں دیکھ دیکھ کر ان سے بھی زیادہ پریشان رہنے لگی تھیں۔ ایک روز وہ یونہی پریشان اور پژمردہ سوچوں میں گم بیٹھی تھیں کہ ان کی ملازمہ اختری ان کے پاس چلی آئی۔

"بی بی جی...... مجھے ایک دن کی چھٹی دے دیں جی۔"
اس کی کرخت آواز پر عارفہ بری طرح چونکی اور کسی قدر ناگواری سے اس کی جانب دیکھا تھا' وہ ایک پل کو گڑ بڑا سی گئی تھی۔
"کیوں...... چھٹی کیوں چاہیے تمہیں؟" وہ کبھی ایسے سختی سے بات نہیں کرتی تھیں مگر ان دنوں وہ اتنی پریشان تھیں کہ نا چاہتے ہوئے بھی لہجے میں سختی در آئی تھی۔
"جی وہ اپنی بہن کو بابا جی کے پاس لے کر جانا ہے۔"
"بابا جی کے پاس...... کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"کیا بتاؤں بی بی جی...... تیس کی ہوگئی ہے میری بہن' رشتے تو آتے ہیں اور منگنی بھی ہو جاتی ہے مگر شادی کا وقت نہیں آتا اور منگنی بھی ٹوٹ جاتی ہے' سب کہتے ہیں کہ جادو ہوگیا ہے میری بہن پر۔"
"جادو ٹونہ بے وقوف ہو تم بھی اور کہنے والے بھی' یہ سب اللہ کے کام ہیں اور اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اگر تمہاری بہن کی شادی نہیں ہو رہی تو ضرور اللہ نے اس کے لیے بہتر سوچا ہوگا' یہ جادو وغیرہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"
"پڑتا ہے بی بی جی...... بہت فرق پڑتا ہے۔ وہ بابا جی بڑے نیک اور پہنچے ہوئے ہیں' کیا نور ہے ان کے چہرے پر۔ ایک ہی تعویز سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے' میں نے بہت آزمایا ہوا ہے جی۔ آپ بھلے یقین نہ کرو پر مجھے تو بہت یقین ہے بابا جی پر۔"
"اچھا اچھا' بس کرو' ٹھیک ہے چلی جانا۔" وہ پہلے ہی بہت پریشان تھیں اس کی باتوں نے مزید سر میں درد کر دیا تھا' اکتا کر بولی تھیں۔
"شکریہ بی بی جی۔" وہ اٹھ کر جانے لگی پھر کچھ سوچ کر دوبارہ بیٹھ گئی۔ "ایک بات کہوں بی بی جی؟"
"اب کیا ہے اختری؟" وہ بے زاری سی بولیں۔
"آج کل آپ بھی پریشان ہیں' آپ بھی بابا جی کے پاس چلیں وہ آپ کے سارے مسائل حل کر دے گا۔"
"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے' ہر مسئلے کا حل اللہ کے پاس ہوتا ہے۔ یہ بابا وغیرہ سب ڈھونگی ہوتے ہیں' مجھے کوئی یقین نہیں ہے اس سب پر۔"
"یقین کریں بیگم صاحبہ...... ایک بار جا کر تو دیکھیں' آپ کو پتا ہے وہ سامنے والی بیگم صاحبہ جس کا بیٹا غائب ہوگیا تھا؟"
"وہ غائب نہیں ہوا تھا' خود بتا کر گھر چھوڑا تھا اس نے۔" انہوں نے فوراً ٹوکا تھا۔
"جو بھی تھا جی لیکن کتنے سال گزر گئے تھے مگر وہ واپس نہیں آیا تھا تب میں انہیں بابا جی کے پاس لے کر گئی تھیں۔ دوسرے ہی مہینے وہ واپس آ گیا تھا' میں تو کہتی ہوں آپ بھی ایک بار چلیں۔ بہت نیک ہیں بابا جی...... آپ ایک بار چلیں تو سہی پھر دیکھیے گا کہ......"
"شٹ اپ اختری...... جاؤ اپنا کام کرو' مجھے کوئی مطلب نہیں ہے اس سب سے۔" انہوں نے اکتا کر جھڑک دیا تھا' اختری برا سا منہ بناتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی تھی۔
مگر عارفہ جو بات ان کے دل میں ڈال گئی تھی جسے وہ اگرچہ جھٹک رہی تھیں لیکن گھر اور بزنس کے حالات دیکھ کر مکمل طور پر جھٹک بھی نہیں پا رہی تھیں۔ وہ سنجیدگی سے اس کا سوچنے لگی تھیں' بہت سوچنے کے بعد انہوں نے اختری کے ساتھ بابا کے پاس جانے کا فیصلہ کر لیا اور ایک روز اس کے ساتھ بابا کے پاس چلی آئیں۔ بابا کی شخصیت خاصی بارعب سی تھی' سفید بال' سفید ہی داڑھی' رنگت بھی سرخ و سفید مگر پھر بھی جانے کیوں اس کی نظریں انہیں بہت بری لگیں۔ وہ اس وقت مجبور تھیں' ایک تو وہ اپنے بیٹے کی وجہ سے بہت پریشان تھیں' انہیں اپنے مسائل کا حل چاہیے تھا۔
"بولو بی بی...... کیا مسئلہ ہے تمہارا۔" بابا کا یوں پکارنا انہیں بہت برا لگا تھا مگر ضبط کر گئیں اور سب بتانے لگیں۔
"تمہارے گھر میں کون کون رہتا ہے؟" بابا نے پوچھا تھا۔
"میں ہوں' میرا بیٹا بہو اور پوتا اس کے علاوہ

ملازم ہیں۔"

"سب کے نام بتاؤ۔" انہوں نے فرداً فرداً سب کے نام بتادیئے تھے۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور دوبارہ آنا' تب تک میں چلہ وغیرہ کاٹوں گا' حساب کتاب نکالوں گا پھر مسئلے کی جڑ تک پہنچوں گا۔ اس کے بعد ہی حل نکلے گا اب تم جاؤ۔" وہ بھاری بھرکم رقم دے کر وہاں سے چلی آئیں تھیں۔ اس کے ایک ہفتے بعد وہ دوبارہ اختری کے ساتھ بابا کے پاس چلی آئیں۔

"دیکھو بی بی......تمہارے گھر میں اور تو سب ٹھیک ہے لیکن تمہاری بہو کے قدم بہت بھاری ہیں' جب سے وہ آئی ہے تب سے ہی تمہارے گھر کے حالات اور کاروبار میں بدلاؤ آرہا ہے۔" انہیں ایک دم جھٹکا سا لگا تھا' وہ دل ہی دل میں ان کی بات سے ناچاہتے ہوئے بھی اتفاق کرنے پر مجبور ہوگئی تھیں واقعی میں جب سے وہ اس گھر میں آئی تھی تبھی سے حالات بدلنے لگے۔

"اب کیا کریں بابا......اس کا کوئی حل تو ہوگا ناں؟"

"حل تو بس ایک ہی ہے جب تک تمہاری بہو گھر میں ہے حالات نہیں بدل سکتے۔"

"تو اب میں کیا کروں بابا؟" وہ ایک دم پریشان سی ہوگئی تھیں۔

"اپنی بہو کو کسی طرح سے گھر سے نکال دو' یہی بہتر راستہ ہے۔" بابا کی بات پر ان کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"نہیں بابا......یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں اسے کیسے نکال دوں اور وہ تو اتنی اچھی ہے کہ......"

"عورت کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا بی بی اور ساس تو کچھ بھی کرسکتی ہے۔" بابا نے فوراً بات کاٹی تھی وہ وہاں سے آگئی تھیں خاموشی سے' مگر ان کے دل میں بال آچکا تھا یہی وجہ تھی کہ ان کے رویے میں بدلاؤ آتا جارہا تھا۔ بات بات پر ٹوکنے لگی تھیں' نکتہ چینی کرتیں' بھائیوں کو لے کر طعنے دیتیں۔

شہناز ان کے اچانک بدل جانے والے رویے پر ازحد حیران تھیں حالانکہ یہ ایسا کچھ حیران کن نہیں تھا موجودہ حالات کو لے کر مگر وہ پھر بھی حیران تھیں اور پریشان بھی۔ ساس کا رویہ دیکھ کر انہیں کچھ غلط ہونے کا احساس ہونے لگا تھا مگر جان کر انجان بننے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔ تو رع پانچ سال کا ہوگیا تھا' شہناز پھر سے حاملہ تھیں' ایسے میں وہ اور زیادہ فکرمند ہونے لگی تھیں۔ انہی دنوں حسن احمد بخاری کو بزنس کو سہارا دینے کے لیے پارٹنر شپ کی آفر ہوئی تھی' یہ آفران کے لیے تنکے کا سہارا کے مترادف تھی۔ ادھر شہناز کی ڈیلیوری انہی دنوں متوقع تھی' اُدھر حسن احمد بخاری کا جانا ضروری تھا۔

دونوں ہی ان کے لیے اہم تھے' انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کریں۔ ایسے میں عارفہ کو موقع مل گیا تھا اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا۔ انہوں نے حسن کو میٹنگ کے لیے جانے پر فورس کرنا شروع کردیا اس وقت شہناز نے بھی ان کی بات کی حمایت کی تھی' مجبوراً حسن کو شہناز کو اللہ کے سہارے چھوڑ کر جانا پڑا تھا۔ شہناز نے گھر میں دائی کی مدد جڑواں بیٹیوں کو جنم دیا تھا' عارفہ نے جان بوجھ کر اس کے گھر والوں کو اطلاع نہیں دی تھی اور خود ان کے پاس کڑے تیوار لیے چلی آئیں۔

"اماں آپ......" وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھیں۔

"ہاں میں' ایک بات تو بتاؤ شہناز......تم حسن کے لیے کیا کرسکتی ہو؟" انہوں نے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جی......" وہ حیران ہوئی تھیں۔

"ہاں' بتاؤ ناں۔ تم کہتی ہو کہ تم حسن سے بہت محبت کرتی ہو' تو بتاؤ تم حسن کے لیے کیا کرسکتی ہو؟ میں اس کی ماں ہوں اس سے بے انتہا محبت کرتی ہوں اس کے لیے وہ سب کچھ کرسکتی ہوں جو اس کے لیے بہتر ہو۔ تم بتاؤ تم کیا کرسکتی ہو؟" ان کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وہ ایک دم گھبرا سی گئی تھیں' ایک دم انہیں کوئی خطرہ سا محسوس ہوا تھا۔

"میں کچھ بھی کرسکتی ہوں اماں' کچھ بھی۔" ناچاہتے ہوئے بھی ان کی آواز میں لڑکھڑاہٹ آگئی تھی۔

"ہنہہ......اگر کچھ بھی کرسکتی ہو تو تمہاری زبان میں

یہ لڑکھڑاہٹ کیسی ہے؟'' وہ تمسخرانہ بولی تھیں' شہناز خاموشی سے سر جھکا گئیں تھی۔

''تمہیں یہاں سے جانا ہوگا شہناز۔''

''کیا......؟'' انہوں نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔

''ہاں تمہیں جانا ہوگا' حسن کی زندگی سے' ہماری زندگی سے۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں......! میں حسن کو اور بچوں کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں؟''

''چھوڑنا پڑے گا تمہیں ورنہ تمہارے بھائی جس انداز میں دشمنی نبھارہے ہیں' وہ تمہارا بھی خیال نہ کریں گے۔''

''مگر اماں میں کہاں جاؤں...... کیسے جاؤں...... میں حسن کے بغیر کیسے رہ سکتی ہوں۔ اپنے بچوں کے بغیر میں مرجاؤں گی' نہیں اماں...... میں نہیں جاؤں گی کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں ان کا دل جیسے بند ہونے لگا تھا انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کیا کریں۔

''تمہیں جانا ہوگا شہناز ورنہ......''

''ورنہ...... ورنہ کیا اماں؟'' ان کا دل ڈوب کر ابھرا تھا اس پل وہ انہیں دنیا کی ظالم ترین عورت لگی تھیں۔

''ورنہ...... ہنہہ جو عورت اپنے بیٹے کی خاطر اپنا رویہ بدل سکتی ہے' ماں کی بجائے ساس بن سکتی ہے وہ کچھ بھی کرسکتی ہے۔ کچھ بھی...... میرا بیٹا صرف تمہاری وجہ سے ان حالات میں پہنچا ہے' تم اگر خود نہ گئیں تو میرے پاس اور بھی بہت سے طریقے ہیں تمہیں یہاں سے نکالنے کے۔ تمہیں برباد کرسکتی ہوں' تمہاری عزت و کردار کو اتنا بدتر بنا سکتی ہوں کہ حسن تو کیا خود تمہارے اپنے بھی تمہیں منہ نہ لگائیں' کچھ بھی کرسکتی ہوں شہناز...... کچھ بھی...... آگے تم سمجھ سکتی ہو۔'' وہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں' جو عورت اپنے دل میں نرمی اور اخلاص رکھتی تھی آج ان کا یہ روپ اگر کوئی دیکھ لیتا تو کبھی یقین نہیں کرپاتا' شہناز کو بھی یقین کرنا دشوار ہورہا تھا۔

''کچھ بھی کرلیں اماں...... پر میں نہیں جاؤں گی میں اسے......''

''اگر حسن ہی نہ رہے تب بھی نہیں جاؤ گی کیا؟ تورع نہ رہے تمہاری بچیاں نہ رہیں تب بھی یہیں رہو گی' ہاں......؟'' سفاکی کی انتہا تھی' شہناز ساکت سی رہ گئی تھیں اور پھر انہوں نے فیصلہ کرلیا' گھر چھوڑ کر جانے کا۔ وہ اپنوں میں کسی کے گھر نہیں جاسکتی تھیں۔ اماں کا خیال تھا کہ اگر وہ بھائیوں کے یا کہیں اور رشتے دار کے گھر گئی تو...... تو کیا آگے وہ سب سمجھ گئی تھیں۔

''تم بچیوں کو لے کر نہیں جاسکتیں۔'' وہ اپنی بچیوں کی جانب بڑھی تھیں' عارفہ کی کرخت سی آواز نے قدم روک لیے۔

''لیکن اماں میں اکیلی کیسے رہوں گی...... تورع اور بچیوں کے بغیر میں مرجاؤں گی اور پھر میرے بچے میرے بغیر کیسے رہیں گے؟''

''رہ لیں گے' جن کی مائیں مرجاتی ہیں وہ بھی تو رہ لیتے ہیں۔ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ ان کی ماں نہیں ہے۔''

''اماں پلیز' مجھے میرے بچوں سے جدا مت کریں میں...... کیا کروں گی...... کس کے سہارے تنہا رہوں گی......؟ میں مرجاؤں گی اماں...... پلیز یوں تنہا نہ کریں مجھے۔''

''ٹھیک ہے' میں تمہیں تنہا نہیں کرتی' شاید اسی لیے اللہ نے تمہیں دو بیٹیاں دیں کیونکہ وہ سب جانتا ہے۔ تم ایک بچی کو لے جاؤ' مجھے حسن کو بھی تو جواب دینا ہے۔'' بے پناہ سفاکی میں یہ رتی بھر ہمدردی جانے کیسے رہ گئی تھی۔ ایک پل کو شہناز نے تنفر سے سر جھٹکا تھا اور بچوں کو پیار کرتے ہوئے اپنی بیٹی کو گود میں لیے اللہ کے سہارے نکل آئی۔

''آ تو گئی ہوں' اب میں کہاں جاؤں؟ بھائیوں کے پاس نہیں جاسکتی' حالات پہلے ہی بہت خراب ہیں۔ میرے جانے سے کس نہج پر پہنچ جائیں اور اماں کی سفاکی جانے کیا کردے۔ میری مدد کر میرے مالک...... تیرے سہارے نکل آئی ہوں' میری مدد کر میرے مالک' میری مدد کر۔'' وہ

یوں ہی پیدل چلتی جارہی تھیں، روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی کچھ خبر نہیں تھی کہ انہیں کتنی دیر ہوگئی ہے چلتے چلتے۔

اچانک گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکی تھیں، انہوں نے بے ساختہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا گاڑی ان کے قریب آن رکی تھی۔ ڈرائیو کرنے والا شخص دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔

"ہیلو...... ایکسکیوزمی۔" شہناز بری طرح چونکی تھیں، حیرت سے اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا تھا، چہرہ جانا پہچانا سا لگا تھا۔

"جی۔"

"آپ مسز حسن احمد بخاری ہیں۔"

"جی، آپ کون؟" ان کا گلا رندھ گیا تھا، بمشکل بولی تھیں۔

"میں مہران سکندر ہوں، آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔"

"ایم سوری لیکن میں آپ کو پہچان نہیں سکی۔"

"آپ کو یاد ہے چند ماہ قبل آپ اور آپ کے شوہر کسی کام کے سلسلے میں مری آئے تھے وہیں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ کافی سارا ٹائم ہم نے ایک ساتھ گزارا تھا، میری مسز بھی ساتھ تھیں، اس کے بعد ایک چھوٹا سا حادثہ ہوا تھا جس کی وجہ سے پولیس خوامخواہ میرے پیچھے پڑ گئی تھی تب مسٹر حسن نے میری مدد کی تھی۔"

"اوہ تو آپ مہران سکندر ہیں۔"

"جی لیکن آپ اتنی رات کو چھوٹے سے بچے کو لے کر کہاں جارہی ہیں؟"

"جی...... وہ میں...... کہیں نہیں......"

"کیا بات ہے مسز حسن...... آپ پریشان لگ رہی ہیں؟" ان کی بات پر ان کی آنکھوں میں آنسو چلے آئے تھے جنہیں صاف کرتے ہوئے وہ بولیں۔

"کچھ نہیں۔" اور آگے بڑھنے لگیں۔

"آپ پریشان ہیں، پلیز مجھے بتائیے آپ مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہیں۔" اس وقت وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کررہی تھیں ان کے پوچھنے پر سب بتاتی چلی گئیں۔ کسی کی مدد تو چاہیے ہی تھی اور ان کو تو پھر بھی وہ جانتی تھیں اعتبار تو کرنا ہی تھا۔

"اوہ......! اب آپ کیا کریں گی؟"

"کچھ پتا نہیں میں کیا کروں گی، کہاں جاؤں گی، کچھ پتا نہیں۔ آپ مجھ پر ایک احسان کردیں، مجھے رہنے کے لیے چھت چاہیے اس شہر سے باہر۔"

"دیکھئے میں یہاں نہیں رہتا آپ کو پتا ہے میں لندن میں رہتا ہوں یہاں صرف بزنس کی وجہ سے آنا پڑتا ہے اگر آپ مجھ پر اعتبار کریں تو میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہوں۔ ایک بہن کی حیثیت سے ویسے بھی آپ کے شوہر نے مجھ پر ایک احسان کیا تھا، میں ان کا بہت شکر گزار ہوں، آپ کی مدد کرکے مجھے بہت اچھا لگے گا۔" ان کی بات پر وہ بہت دیر تک سوچتی رہی تھیں، انہیں ایسا لگا جیسے خدا نے ان کے لیے فوراً مدد بھیج دی تھی۔ انہوں نے کچھ دیر بعد فیصلہ کرلیا تھا وہ سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر مہران سکندر کے ساتھ چلی آئی تھیں۔

ان کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی تھی، مہران کی بیوی نے بالکل ایک بہن کی طرح ان کا خیال رکھا تھا کچھ عرصہ بعد ان کی طبیعت مزید خراب ہوئی تھی جس کے باعث انہیں ہسپتال میں ایڈمٹ کروانا پڑا تقریباً ایک ماہ وہ ہوش و خرد سے بے گانہ رہیں اس دوران مہران کی بیوی نے انہیں اور ان کی بچی کو بہت اچھی طرح سے سنبھالا تھا۔ ان کا بیٹا ارقام بھی ایک سال کا ہی تھا، دو دو بچوں کو ایک ساتھ سنبھالنا ان کے لیے خاصا دشوار تھا مگر وہ پوری خوش اسلوبی کے ساتھ سنبھال رہی تھیں۔ ارقام کے حصے کا دودھ انہوں نے آغا مینا کے ساتھ بانٹ لیا تھا اس طرح وہ ان کی ہی بیٹی بن گئی تھی اور ارقام کی بہن۔ وقت گزرتا گیا، شہناز نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اکیلی ہوتی تھیں تو سب کو اور خاص کر اپنے بچوں کو یاد کرکے روتی رہتی تھیں۔ مہران نے انہیں ان سوچوں سے نکالنے کے لیے جاب کے لیے فورس کرنا شروع کردیا۔ انہیں بھی ان کی تجویز پسند آئی تھی اس لیے

کچھ عرصہ بعد وہ جاب کرنے لگیں۔ مہران نے پہلے ہی اتنا ساتھ دیا تھا اور دے رہے تھے مزید بوجھ ڈالنا نہیں چاہتی تھیں اس لیے جاب کرنے لگیں۔

ارقام اور آغا مینا ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے تھے ایک دوسرے کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ آغا مینا کی طرح ارقام بھی شہناز کو امی کہتا تھا اسی طرح آغا مینا بھی ارقام کی مما کو مما ہی کہتی تھی۔ ارقام جب گیارہ سال کا تھا تو اس کی مما چل بسیں ان کے بعد شہناز نے ارقام کا خیال بالکل سگے بیٹے کی طرح رکھا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی پہچان بالکل ایک فیملی کی طرح تھی۔

دوسری جانب شہناز کے جانے کے بعد حسن تو جیسے پاگل ہی ہوگئے تھے انہیں وہ وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ جس کو لے کر وہ اس کے جانے کا سبب مان لیتے۔ وہ تو بس ایک چھوٹا سا نوٹ چھوڑ کر گئی تھیں حسن کے لیے بھی اور اپنے بھائیوں کے لیے بھی۔ جس پر وہ چاہ کر بھی یقین نہیں کرسکتے تھے انہوں نے لکھا تھا۔

''میں جارہی ہوں اب میں یہاں نہیں رہ سکتی' روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آگئی ہوں۔ اب تمہارے پاس ہے کیا' خالی ہاتھ رہ گئے ہو اب تمہارے ساتھ میرا گزارہ نہیں ہوسکتا۔ اوپر سے تمہاری ماں پاگل ہوچکی ہے' میری زندگی اجیرن کردی ہے اس عورت نے۔ اب مزید میں یہاں نہیں رہ سکتی' تمہارے بچوں کو چھوڑ کر جارہی ہوں خود ہی پالو انہیں۔'' یہ تحریر پڑھ کر حسن کیا خود ہاشم بیگ کی فیملی بھی دنگ رہ گئی تھی۔ انہیں بالکل یقین نہیں آیا تھا لوگ الگ باتیں بنانے لگے تھے ان کی عزت مٹی میں مل کر رہ گئی تھی۔ حسن پاگلوں کی طرح شہناز کو ڈھونڈ رہے تھے مگر وہ کہیں نہ ملیں۔ بزنس گھر کسی کا انہیں ہوش نہیں تھا سب کچھ عارفہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ تو جیسے پاگل ہوچکے تھے۔ ہاشم بیگ حسن سے بے حد شرمندہ تھے' پرانی دشمنی بھلا کر وہ بس انہی کی دل جوئی میں مصروف رہتے تھے۔ انہوں نے بھی ساتھ مل کر شہناز کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملیں اس دوران عارفہ ہر ممکن طور پر انہیں شہناز سے متنفر کرتی رہیں مگر وہ چاہنے کے باوجود اس سے نفرت نہ کرسکے۔ وقت گزرتا رہا دونوں فیملیز کے تعلقات پہلے جیسے ہوگئے مگر دلوں میں وہ پہلے والا اخلاص ناپید تھا۔ ایک دوسرے کے لیے ان کے جذبات ویسے نہیں تھے جیسے پہلے تھے' بزنس کو عارفہ نے سنبھال لیا تھا۔

بچے آپس میں بہت گھل مل گئے تھے' ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ وہ صرف کزنز ہی نہیں بلکہ بہت اچھے دوست تھے ان میں بہت اتفاق و اتحاد تھا ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ تورع' زروہ اور تاباں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ تورع زروہ کو بچپن سے بہت پسند کرتا تھا' یہی حال زروہ کا تھا اور کب یہ پسندیدگی محبت میں بدل گئی پتا نہیں چلا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات بھی تیزی سے پروان چڑھتے جارہے تھے۔ زادیار ان سب میں سب سے مختلف تھا۔ اسے غصہ بہت جلدی آتا تھا' ذرا سنجیدہ مزاج تھا۔ کھیلنے کودنے میں وہ زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا اگر اسے کتابی کیڑا کہا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا جبکہ ظعینہ شوخ و چنچل اور شرارتی سی لڑکی تھی۔ ہر وقت ہلا گلا کرتی رہتی' زادیار کے ساتھ اس کی بالکل نہیں بنتی تھی وہ اس کے پاس پھٹکتی بھی نہیں تھی۔ عارفہ شہناز کے بعد خاصی مطمئن ہوگئی تھیں مگر کبھی کبھی یہ خیال انہیں از حد بے چین کردیتا تھا کہ انہوں نے شہناز کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کردی ہے اور شہناز کے ساتھ ہی نہیں بلکہ حسن اور بچوں کے ساتھ بھی۔ ان کا ضمیر انہیں کچوکے لگاتا رہتا تھا مگر وہ جھٹک دیتیں۔

تورع نے تعلیم مکمل کرتے ہی بزنس سنبھال لیا اور دادی کو بقول ان کے ریٹائر کردیا تھا انہوں نے شکر ادا کیا تھا۔ زروہ گھر کے کاموں میں دلچسپی لینے لگی اور تاباں مزید شارٹ کورسز کرنے لگی۔ زادیار مزید اسٹڈیز کے لیے لندن چلا گیا وہیں اس کی ملاقات ارقام ملک سے ہوئی۔ یہ وہ واحد شخص تھا جس سے زادیار نے خود بڑھ کر دوستی کی تھی۔ بہت جلد ہی وہ اس کا بیسٹ فرینڈ بن گیا۔ پہلے وہ جب بھی پاکستان آتا تھا اپنے پاپا کے ساتھ ہی آتا تھا لیکن جب سے

زادیار سے دوستی ہوئی تھی وہ کبھی کبھی اس کے ساتھ بھی پاکستان آجاتا تھا۔اس کی فیملی کے ساتھ بھی وہ خاصا گھل مل گیا تھا' بالکل ایک فیملی ممبر کی طرح جبکہ زادیار بہت کم اس کے گھر جاتا اگر جاتا بھی تو صرف چند لمحوں کے لیے۔

تورع جب بزنس میں پوری طرح ایڈجسٹ ہوگیا تو عارفہ نے اس کی شادی کا فیصلہ کردیا۔ اس سے جب انہوں نے اس کی پسند پوچھی تو اس نے فٹ سے ذروہ کا نام لے لیا مگر عارفہ نہ مانیں اب وہ کسی طور اس گھر سے بیٹی لانا نہیں چاہتی تھیں انہوں نے صاف منع کردیا مگر تورع اڑ گیا اس نے حسن سے بات کی انہیں کیا اعتراض ہوسکتا تھا انہوں نے فوراً ہامی بھرلی۔ عارفہ نے بھرپور مخالفت کی تھی اس رشتے کی مگر حسن نے ہر بات اور ہر دلیل کو رد کردیا تھا اور ہاشم بیگ سے ذروہ کا ہاتھ مانگ لیا۔انہوں نے ذروہ کی مرضی سے انہیں ہاں کہہ دی اور کچھ ہی دنوں میں ان دونوں کا نکاح کردیا گیا۔ رخصتی ایک ماہ بعد رکھی کیونکہ تورع کو ضروری کام کے سلسلے میں آؤٹ آف کنٹری جانا تھا۔اس کی واپسی پر شادی کی تیاریاں شروع کردی گئیں' شادی کی تاریخ فکس ہوگئی سب بہت اچھا چل رہا تھا دونوں گھر میں خوب رونق لگتی' ہلا گلا ہوتا کہ مہندی سے ایک روز قبل عارفہ کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوگیا ان کی حالت بہت زیادہ خراب تھی' انہیں ہوش نہیں آرہا تھا سب بے حد پریشان تھے۔ تین دن بعد جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے حسن سے اکیلے میں ملنے کی خواہش کی تھی وہ ان سے معافی مانگنا چاہتی تھیں انہوں نے شہناز کو گھر سے نکالا اسے بلاوجہ اتنی بڑی سزا دی' اس کے جانے کے بعد وہ ایک پل کو بھی سکون سے نہیں رہی تھیں۔لحہ لحہ ان کا یہ عمل انہیں رلاتا تھا' انہیں احساس دلاتا تھا کہ ان کی سوچ میں اور ان کے عمل میں کتنا تضاد ہے' حسن جب ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''مجھے معاف کردو حسن...... شہناز سے کہو مجھے معاف کردے۔'' انہوں نے تڑپ کر ان کے ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

''کیوں اماں...... آپ معافی کیوں مانگ رہی ہیں؟'' جواباً انہوں نے ان کے سامنے ساری سچائی رکھ دی۔ اپنی سفاکی اور شہناز کی بے بسی اور گڑگڑاہٹ کچھ بھی نہ چھپایا تھا اور آخر میں جب ان کی سانس اکھڑنے لگی تو وہ بمشکل بولی تھیں۔

''شہناز کو ڈھونڈنا حسن...... وہ بے قصور ہے۔ اسے بلاسبب سزا ملی ہے' وہ خود سے نہیں گئی اسے میں نے مجبور کیا تھا وہ بے قصور ہے حسن...... اس سے معافی مانگ لینا بیٹا...... اس سے معافی مانگ لینا بہت تنہا تھی وہ' اسے واپس لے آؤ...... اس سے معافی مانگ لینا......'' مبہم الفاظ رہ گئے تھے' ان کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں وہ مزید کچھ او بولتیں پر وہ دوبارہ سے بے ہوش ہوگئیں۔ حسن احمد بخاری شاکڈ سے بیٹھے رہ گئے۔ وہیں ان کے آخری الفاظ ہاشم بیگ اور تورع کی سماعتوں کو بھی مفلوج کرگئے تھے۔

تین دن وہ موت وزیست کی کشمکش میں رہیں' اس دوران وہ جب بھی ہوش میں آئیں ایک ہی جملہ بولتی ''شہناز سے معافی مانگ لینا حسن'' اس سے سب کو یہی لگا کہ قصور حسن کا ہے۔ شہناز کے جانے کی وجہ حسن ہی ہے' تین روز بعد عارفہ بخاری دنیا سے چل بسیں۔ان کی وفات کے بعد حسن احمد کو تورع کا رویہ بدلا بدلا سا لگا' خشک اور سرد سا۔انہیں نظرانداز کردیتا تھا مخاطب کرتے تو سرد سے انداز میں مختصر سا جواب دے دیتا۔

ایک روز حسن احمد بخاری ہاشم بیگ کے گھر چلے آئے' ذروہ کی رخصتی کی بات کرنے جواباً ہاشم بیگ نے شرط رکھ دی کہ اگر وہ زادیار کے لیے ظعینہ کا رشتہ دیں گے تبھی وہ ذروہ کو رخصت کریں گے۔ حسن ان کی بات پر حیران ہوتے ہوئے ظعینہ کو پوچھ کر جواب دینے کا کہہ کر واپس چلے گئے۔ حسن یہ تو نہیں جانتے تھے کہ ہاشم بیگ نے اچانک ایسی شرط کیوں رکھ دی مگر انہوں نے سوچنے کا وقت مانگ لیا۔ ظعینہ سے حسن نے پوچھا تو اس نے فٹ سے انکار کردیا' یہی جواب حسن نے ہاشم بیگ کو دے دیا کہ ظعینہ نہیں مان رہی۔

"تو پھر ٹھیک ہے ذروہ کی رخصتی نہیں ہوگی۔" اس وقت ماسوائے ذروہ اور ظعینہ کے سب وہیں تھے' تورع اورزاد یار بھی وہیں تھے۔

"لیکن کیوں ہاشم بھائی...... پہلے تو آپ نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تھی۔"

"کیونکہ پہلے میں سچائی سے واقف نہیں تھا' میں یہی سمجھتا رہا کہ میری بہن نے تمہیں دھوکا دیا ہے' وہ تمہاری مجرم ہے۔ میں تم سے شرمندہ تھا مگر اب میں سب جان گیا ہوں' قصور میری بہن کا نہیں بلکہ تمہارا تھا۔ مجرم وہ نہیں بلکہ تم ہو' دھوکا اس نے تمہیں نہیں بلکہ تم نے اسے دیا ہے۔ تم اتنے گھٹیا اور گرے ہوئے انسان ہو گے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ہماری آپسی لڑائی کی سزا تم نے میری بہن کو دی۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا حسن...... کبھی نہیں۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود تم چاہتے ہو کہ میں دوبارہ سے وہی غلطی دہراؤں۔ ٹھیک ہے میں دہرانے کو تیار ہوں' مگر اب مجھے تم پر اعتبار نہیں ہے۔ مجھے ضمانت چاہیے اپنی بیٹی کی حفاظت کی اور میری بیٹی محفوظ تبھی ہوسکتی ہے جب تمہاری بیٹی یہاں آئے گی تاکہ اگر تم میری بیٹی کے ساتھ برا کرنے لگو تو تمہیں یہ خیال آئے کہ تمہاری بیٹی کے ساتھ بھی ویسا ہی ہوگا۔" انہوں نے در پردہ بہت بڑی بات کہہ دی تھی' تورع بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں حسن احمد بخاری نہیں ہوں ماموں جان...... جس کے گھر میں دوبارہ بیٹی دینے سے گھبرا رہے ہیں آپ' میں تورع ہوں۔"

"بیٹے تو حسن کے ہی ہو برخوردار...... خون تو اسی کا ہے ناں۔" ان کا رویہ ایک دم سپاٹ ہوا تھا' تورع کا دل ایک دم دھڑکا تھا۔

"میں آپ کی بہن کا بیٹا بھی ہوں ماموں جان......"

"ہو...... مگر تمہاری تربیت حسن کی ماں نے کی ہے اور جو عورت اپنے بیٹے کی صحیح پرورش نہیں کرپائی وہ پوتے کی کیا کرے گی۔" ان کی بات پر حسن ضبط کرتے ہوئے سر جھکا گئے۔

"آپ ایک بار ذری سے تو پوچھیں ماموں جان اگر وہ......"

"وہ میری بیٹی ہے تورع حسن بخاری...... میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میرا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ وہی مانے گی' یہ میں نہیں ایک باپ کا مان بول رہا ہے۔ اگر تمہیں پھر بھی یقین نہیں تو میں تمہارے سامنے پوچھ لوں گا۔" اس کے بعد انہوں نے ان سب کے سامنے ذری سے پوچھا تھا وہ کیا کرتی خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔

❁......❁......❁

"میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھلا سکتا مہران صاحب...... آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے آپ کا قرض ہے مجھ پر۔" اس وقت وہ سب مہران سکندر ملک کے گھر میں بیٹھے تھے' آغا مینا سب کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ تورع اور ارقام خاموش بیٹھے بڑوں کی باتیں سن رہے تھے جبکہ ظعینہ شہناز خاتون کے کندھے سے اپنا سر ٹکائے انگلیاں چٹخا رہی تھی' کبھی کبھی جو ارقام اور اس کی نظر ملتی تو دونوں فوراً نظریں چرا جاتے تھے۔

"مجھے شرمندہ مت کریں حسن صاحب...... میں نے کوئی احسان نہیں کیا اگر میں نے شہناز کی مدد کی تھی تو اس میں اللہ نے میری بھی بہتری لکھ دی۔ عظمیٰ کے جانے کے بعد شہناز نے جس طرح ارقام کا خیال رکھا' اسے ایک ماں کی طرح سنبھالا اگر میں تنہا ہوتا تو کبھی بھی نہ کرپاتا۔ میں تو خود شہناز کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرا ساتھ دیا۔ میرے گھر اور میرے بچے کو سنبھالا۔"

"جو بھی کہہ لیں مہران...... آپ کا احسان بہت بڑا ہے آپ نے جس طرح قدم قدم پر ساتھ دیا مجھے اور میری بیٹی کو در بدر ہونے سے بچایا' ہمیں سہارا دیا' اتنا تو کوئی سگا بھی نہیں کرتا جتنا آپ نے کیا۔ آپ تو اللہ کی طرف سے فرشتہ بن کر آئے تھے میرے لیے۔"

"نہیں شہناز...... میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں' بہت گناہ گار انسان ہوں' عام سا بندہ ہوں۔ بس اللہ نے مجھے تمہارے لیے وسیلہ بنادیا اور میں نے اپنا فرض نبھایا ہے

ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا؟''
''یہ تو آپ کی کسر نفسی ہے مہران صاحب...... ورنہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ آپ نے کتنا بڑا احسان کردیا ہے ہم پر۔ ہم تو آپ کے مقروض ہیں، سمجھ نہیں آتی کیسے اتنا بڑا قرض اتار پائیں گے اگر ہمارے لائق کوئی بھی خدمت ہو ہمیں ضرور موقع دیجیے گا۔ آپ کے لیے کچھ بھی کرکے ہمیں بہت خوشی ہوگی۔'' ان کی بات پر ایک نظر خاموش سر جھکائے بیٹھی انگلیاں چٹخاتی ظعینہ کی جانب دیکھا اور پھر ارقام کو سر جھکائے دیکھ کر زیر لب مسکرا دیئے تھے۔
''جی ضرور، کیوں نہیں۔''
''ممکن ہے بہت جلد یہ موقع آئے۔'' آخری جملہ ارقام کے قریب ہوتے ہوئے معنی خیزی سے دھیرے سے کہا۔
ارقام نے خاصی خفگی بھری نگاہ ڈالی تھی ان پر اسی وقت ظعینہ نے بھی اس کی جانب دیکھا تھا۔ ارقام کی نظر بھی اس پر پڑی تھی اور دونوں نے ہی لمحے کے ہزارویں حصے میں اپنی نظریں چرالی تھیں۔
''آغامینا کہاں رہ گئیں بیٹا، چائے بنا رہی ہو یا اپنے پاپا کے لیے اسپیشل پائے۔'' اس کی خفگی پر بشاشت سے مسکراتے ہوئے انہوں نے قدرے اونچی آواز میں آغامینا کو پکارا۔ وہاں پر موجود سبھی نفوس مسکرا دیئے تھے ماسوائے ارقام اور ظعینہ کے۔
''پاپا کو اسپیشل پائے پھر کبھی کھلاؤں گی انکل...... ابھی تو میں آپ سب کو آغامینا، حسن احمد بخاری کے ہاتھ کی اسپیشل چائے پلاؤں گی۔'' ٹرالی گھسیٹتے ہوئے اس نے مہران سکندر ملک کی جانب دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔ حسن احمد بخاری نے بہت پیار سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔
''لیجیے اور داد دیجیے میرے گریس فل سے پاپا کی انوسینٹ سی بیٹی کو۔'' انہیں کپ پکڑاتے ہوئے اس نے شریر سے انداز میں کہا، سب اس کے انداز پر خاصے محظوظ ہوئے۔
''کتنی چینی لیں گے پاپا؟'' سب کو چائے دینے کے بعد وہ حسن احمد بخاری کی جانب بڑھی۔ ان سے بات کرتے ہوئے ایک دم اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ در آئی تھی۔ اتنے عرصے میں پہلی بار وہ یوں اپنے فادر کے سامنے پورے استحقاق کے ساتھ انہیں پاپا کہہ رہی تھی، مانوس ہونے میں تھوڑا وقت تو لگتا ہی ہے۔
''میری بیٹی کے ہاتھ میں مٹھاس ہے ناں۔'' انہوں نے بغور اس کی جانب دیکھا، انہیں اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ ان سے جھجک رہی ہے۔
''میں آپ کی اور مما کی بیٹی ہوں پاپا...... مٹھاس تو ہوگی ناں۔'' ان کی جانب پیار سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔
''تو پھر شوگر کی کیا ضرورت ہے بیٹا...... آپ کے ہاتھ کی مٹھاس ہی کافی ہے۔'' ان کے کہنے پر اس نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ ان کی جانب بڑھایا اور خود تورع کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ تورع نے بہت پیار سے اپنی گڑیا سی خوب صورت بہن کو دیکھا۔ آغامینا کی نظر بھی ان پر پڑی تھی اسے اچانک کچھ یاد آیا تھا۔
''ایک بات تو بتائیں اخ......''
''خبردار...... میرے اخ کو 'اخ' مت کہنا۔'' اس سے پہلے کہ وہ بات کرتی، ظعینہ نے فوراً روک دیا۔ وہاں پر موجود سبھی لوگ چونکے۔
''کیوں بھئی، میں کیوں نہیں کہہ سکتی یہ میرے بھی سگے بھائی ہیں۔'' اس نے پورے استحقاق کے ساتھ کہا۔
''ہوں گے لیکن تم......''
''ہوں گے سے کیا مراد ہے تمہاری، یہ میرے بھائی ہیں اور یہاں پر موجود سب لوگ اس بات کے گواہ ہیں، ہے ناں بھائی۔'' اس نے جواب دیتے ہوئے تورع سے تائید چاہی۔ وہ اچھی طرح سے جانتے تھے ظعینہ کیا کہنے جارہی ہے اس لیے محظوظ ہوتے ہوئے سر اثبات میں ہلانے لگے۔
''تو میں نے یہ کب کہا کہ یہ تمہارے بھائی نہیں ہیں لیکن یہ صرف میرے 'اخ' ہیں۔ انہیں اخ صرف میں کہہ

سکتی ہوں کوئی اور نہیں۔"

"میں بھی نہیں۔" آغامینا نے خاصی شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"تم بھی نہیں۔" مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"شرم کرو طعینہ...... میں تمہاری بہن ہوں ہم نے ایک ساتھ جنم لیا ہے کتنی بے مروت ہو تم ذرا جو اپنی......"

"اوہ ایم سوسوری یار...... یہ تو مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ ایک ساتھ پیدا ہوئی تھیں۔ چلو ٹھیک ہے تم بھی کیا یاد کرو گی کسی سخی بہن سے پالا پڑا ہے۔ میں تمہیں اپنے 'ارخ' کو ارخ کہنے کی اجازت دیتی ہوں۔"

"آہاہا...... سخاوت تو جیسے گر رہی ہے آپ کے چاروں جانب بہرحال بہت شکریہ نوازش آپ کا احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔" مصنوعی انداز میں برا مانتے ہوئے ناک بھوؤں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ایسے احسان ہم اکثر و بیشتر کرتے رہتے ہیں۔" انداز خاصی شاہانہ تھا وہ بہت دیر سے دیکھ رہی تھی۔ آغامینا تورع سے اور پاپا سے بات کرنا چاہتی ہے مگر جھجک رہی ہے اسی لیے طعینہ نے اسے مکمل طور پر اپنی جانب متوجہ کیا تاکہ وہ کھل کے سب کے سامنے بات کرے جس میں وہ کامیاب بھی ہوئی تھی۔

"آپ کو پتا ہے ارخ...... یہ محترمہ آپ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں پھیلاتی ہیں؟" اس نے کن اکھیوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔ طعینہ دھک سے رہ گئی یہ تو کچھ زیادہ ہی فری ہو رہی تھی۔

"آغامینا...... تم میری دوست ہو؟" اس نے درپردہ اسے روکا۔

"تو...... میں ارخ کی خیر خواہ بہن بھی تو ہوں۔" فخریہ گردن اکڑاتے ہوئے اسے مکمل نظر انداز کیا وہ روہانسی ہوگئی۔

"پلیز آغامینا......" انداز التجائیہ تھا تورع چونکا۔

"کیوں بھئی ایسا کیا کہہ دیا اس نے میرے بارے میں؟" ان کے پوچھنے پر اس نے طعینہ کی جانب دیکھا جو آنکھیں نکالتے ہوئے بظاہر اسے نہ بولنے کی التجا کر رہی تھی۔

"محترمہ فرماتی ہیں......" وہ رکی طعینہ پہلے ہی شرمندگی سے سر جھکا گئی۔ آغامینا نے بہت پیار سے اپنی بہن کو دیکھا۔ "کہ میرے ارخ جیسا بھائی اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ میرے ارخ دنیا کے سب سے بیسٹ ارخ ہیں لونگ ہیں کیئرنگ ہیں۔ میرا بہت خیال رکھتے ہیں مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

"ارے کیا واقعی میں طعی...... مجھے تو لگتا تھا کہ تم خاصی ناراض رہنے لگی ہو مجھ سے۔ تمہیں میں ہٹلر و ہلاکو خان لگتا ہوں۔ تمہارا اب بالکل خیال نہیں رکھتا وغیرہ وغیرہ۔" تورع کسی قدر حیران ہوتے ہوئے شرارت سے بولے وہ جھینپ سی گئی۔

"ہاں بھئی اس بات کی گواہی تو میں بھی دے سکتا ہوں۔ آغامینا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ طعینہ بیٹی نے میرے سامنے بھی کچھ ایسا ہی اعتراف کیا تھا۔" بہت دیر سے ان کی شرارتوں کو انجوائے کرتے ہوئے مہران سکندر نے شریر سے انداز میں طعینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ شرمندہ سی سر جھکا گئی۔

"ایم سوری ارخ...... آپ نے جو بھی کہا ان دنوں میں آپ کو یہی سمجھنے لگی تھی مگر آغامینا نے بھی غلط نہیں کہا۔"

"ڈونٹ بی سوری بیٹا...... مجھے برا نہیں لگا ان فیکٹ مجھے خود کا رویہ برا لگ رہا ہے۔ ان دنوں میں نے حقیقتاً تم پر سختی کی۔ ایم رئیلی ویری سوری طعینہ۔" اس کی بات پر انہوں نے سنجیدگی سے کہا طعینہ اور زیادہ شرمندہ ہوگئی۔

❁......❁......❁

"تورع...... مجھے معاف کردو بیٹا...... میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی...... میں بہت شرمندہ ہوں بیٹا۔" ہاشم بیگ اپنے رویے پر ازحد شرمسار تھے انہوں نے سب سے معافی مانگی تھی حسن سے بھی انہوں نے فوراً معاف کردیا ویسے بھی غلطی کسی کی بھی نہیں تھی سبھی

اپنی اپنی جگہ صحیح تھے۔ اس کے باوجود سبھی نے ایک دوسرے کو غلط سمجھ رہے تھے جس کے باعث دلوں میں غلط فہمیاں آگئیں اور جب ایسا ہو تو سب کچھ غلط ہی ہونے لگتا ہے مگر اب جب سب کچھ جان گئے تھے تو سب صحیح کرنے کی کوشش کررہے تھے اور سب صحیح ہو بھی گیا تھا۔ غلط فہمیاں دور ہوگئی تھیں' ناراضگیاں ختم ہورہی تھیں' دلوں میں جو دراڑیں پڑگئی تھیں وہ بھر گئی تھیں مگر ہاشم بیگ کو تورع ابھی بھی خفا خفا سا لگا تھا۔

"نہیں ماموں جان پلیز' مجھے شرمندہ مت کریں۔ آپ بڑے ہیں مجھ سے' آپ کا حق بنتا ہے' آپ پلیز مجھے گناہ گار نہ کریں یوں معافی مانگ کر۔" وہ ان کے انداز پر شرمندہ سا ہوا۔

"بڑے بھی انجانے میں غلطیاں کرجاتے ہیں بیٹا..... ان سے بھی کوتاہیاں ہوجاتی ہیں اور جب انہیں اس بات کا احساس ہوتا ہے تو بہت دیر ہوچکی ہوتی ہے لیکن میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے دیر نہیں ہوئی' مجھے پچھتانا نہیں پڑا وقت میرے ہاتھ میں ہے تو مجھے اپنی غلطیوں کو سدھارنے کا موقع تو ملنا ہی چاہیے۔ مجھے بھی اپنے کیے گئے قصور پر معافی تو مانگنی ہی چاہیے بیٹا..... اگر چھوٹے غلطی کرکے معافی مانگ سکتے ہیں تو بڑے کیوں نہیں۔"

"نہیں ماموں جان..... ہماری تعلیم و تربیت اور تہذیب بڑوں کا ادب و احترام کرنا سکھاتی ہے' انہیں اپنے سامنے جھکنا نہیں' بڑے اپنی غلطی کو تسلیم کرلیں' یہی ان کا بڑا پن ہے نا کہ سر جھکا کر معافی مانگنا' میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں اور پھر آپ نے جو کہا' جو کیا اس میں آپ حق بجانب تھے۔ ماضی میں جو کچھ ہوا اس کے بعد یہ سب کچھ غلط بھی نہیں تھا' آپ مجھ سے معافی مت مانگیں۔ میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں۔"

تورع ان کے سامنے سر جھکائے کہہ رہا تھا' انہیں فخر سا محسوس ہوا کہ وہ ان کا نہ صرف بھانجا ہے بلکہ داماد بھی ہے۔ انہیں احساس ہورہا تھا کہ ماضی میں کہے ہوئے الفاظ کتنے غلط تھے' انہیں از حد شرمندگی محسوس ہورہی تھی وہ نادم سے ہونٹ بھینچ کر رہ گئے۔

❀......❀......❀

وہ قاسم ماموں کے ہاں آئی تھی' ماموں بہت سویٹ سے انسان تھے اتنے پیار اور اپنائیت سے ملے کہ اسے لگا ہی نہیں کہ وہ پہلی بار ان سے مل رہی ہے۔ وہ تقریباً چار گھنٹے ان کے ساتھ رہی اور ان سے باتیں کرتی رہی تھی۔ ممانی کی تاباں' زوہیب' مما کی' پاپا کی' ہاشم ماموں کی سب کے متعلق وہ باتیں کرتے رہے۔ وہ اتنے پیارے انداز میں بات کرتے تھے کہ اتنا ٹائم گزرنے کے باوجود اس کا دل نہیں بھرا تھا۔ وہ بہت بزی رہتے تھے اکثر ان کا ٹور بیرون ملک کا ہوتا تھا۔ آج بھی انہیں بہت ضروری کام تھا مگر صرف آغابینا کی خاطر انہوں نے گول کردیا تھا مگر پھر ان کی بہت ضروری کال آگئی تو انہیں جانا پڑا۔ زوہیب بھائی گھر پر نہیں تھے لیکن تاباں صبح ہی یہاں آگئی تھی۔

"تمہارا نام بہت خوب صورت ہے آغابینا۔" چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے تاباں نے کہا۔

"شکریہ' لیکن آپ کے نام سے زیادہ خوب صورت نہیں۔ تاباں بولنے میں کتنا خوب صورت لگتا ہے ناں؟"

"جوابی تعریف کررہی ہو؟" اس نے شرارت سے مگر خفگی سے دیکھا۔

"یہ جوابی تعریف نہیں ہے اپیا..... مجھے آپ کا نام حقیقتاً بہت اچھا لگا ہے' یقین کریں۔" چائے کا سپ لیتے ہوئے اس نے پوری سچائی سے کہا۔ جواباً تاباں کچھ نہیں بولی بلکہ خاموشی سے بغور کتنی ہی دیر تک اس کی جانب دیکھتی رہی تھی اس کے یوں دیکھنے پر وہ کنفیوژ سی ہورہی تھی۔

(جاری ہے)

❀

محبت خوشبو کی مانند

مہناز یوسف

عورت ساری زندگی محبت کی پیاسی ہی رہتی ہے پر مرد کی زندگی میں ڈھیروں کام ہوتے ہیں۔ سوائے محبت کے...... مرد اور عورت دونوں کے محبت جانچنے کے الگ الگ پیمانے ہیں۔ عورت کا پیمانہ محبت کے الگ انداز لئے ہوئے ہے جبکہ مرد کے پیمانے میں محبت کے الگ رنگ ہیں۔

ماہ نور رومانوی ڈراموں' کہانیوں کی دلدادہ تھی صنف نازک جو تھی۔ محبت کے خواب محبوب کے پیار بھرے جملے کسی کے لیے اس کی ذات کا اہم ہونا' محبت اور ارمان محبت بس۔ وہ سوچتی کہ شادی کے بعد اس کی زندگی میں صرف اور صرف پیار ہوگا' پر شادی کے بعد جو اس کے ارمانوں پر پانی پھرا کہ کیا کہیے۔

شہروز اتنے خشک مزاج کا تھا کہ اس کا خشک مزاج دیکھ کر ماہ نور کا سارا پیار ومحبت خشک ہوجاتا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ شادی کے بعد......!

''ہم تم ہوں گے بادل ہوگا...... رقص میں سارا جنگل ہوگا۔'' لیکن یہاں جنگل تو کیا رقص کرتا' شہروز کے ساتھ وہ ہوتی تو پھول بھی مسکرا کر نہ دیتے۔ ایسی ہوتی ہے شادی۔

ایسی ہوتی ہے محبت' ماہ نور کا شوہر شہروز جو کہ قابل قبول شکل وصورت کا مالک تھا۔ پر پیار محبت کے اظہار کے معاملے میں بالکل اناڑی تھا۔ زبان سے نہیں کہا کبھی کہ زبان کو کم ہی زحمت دینا مناسب سمجھتا تھا وہ۔ وہ سوچتا کہ بتیس دانتوں کے بیچ میں موجود زبان سے فضول گوئی نہ ہی کی جائے تو بہتر ہے اور ماہ نور بہت باتونی' اپنی ہر بات کو واضح کر کے بتانے والی' لفظوں کی جادوگرنی' لیکن شہروز کے آگے مار کھا جاتی کہ اکیلا بندہ کب تک بولے اور کتنا بولے کہ دوسری طرف نری خاموشی' یا پھر ہوں' ہاں' اچھا' دیکھتے ہیں' ٹھیک ہے۔ جیسے الفاظ ہوں سو وہ دوبارہ اپنی کہانیوں اور ڈراموں میں رومانس ڈھونڈنے لگی کہ اصل زندگی میں تو ناممکن نظر آتا تھا۔

یونہی زندگی کے روکھے پھیکے دس سال گزر گئے۔ وہ دو بیٹوں کی ماں بن گئی تھی۔

سالوں بعد بھی ماہ نور کے دل میں وہی عشق ومحبت کی دلدادہ ماہ نور پیر پسارے بیٹھی تھی بلکہ دو سال سے تو اس کا احساس کمتری مزید دل میں جڑ پکڑ چکا تھا کہ دو سال پہلے ان کے پڑوس میں سحرش شفٹ ہوئی تھی' چند ہی دنوں میں ماہ نور کی سحرش سے بہت اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ پہلا احساس کمتری کا شدید جھٹکا جب لگا جب سحرش نے بڑی خوشی خوشی اس کو اپنے بندے دکھائے۔

''واؤ یہ تو بہت خوب صورت ہیں۔'' ماہ نور نے دل سے تعریف کی۔

''حسن نے گفٹ کیے ہیں' کل ہماری شادی کی سال گرہ تھی ناں۔''

''ارے تم لوگ اب تک شادی کی سال گرہ مناتے ہو۔'' ماہ نور کو حیرت ہوئی کہ سحرش کا بڑا بیٹا اس کے بیٹے سے ایک سال بڑا تھا۔

''میں تو سال گرہ وغیرہ پر اتنا یقین نہیں رکھتی' مجھے کچھ خاص پسند بھی نہیں ہیں ایسی رسومات لیکن حسن تو بھئی ہر رومانٹک موقع منانا ضروری سمجھتے ہیں۔ شادی کی سال گرہ' ویلنٹائن ڈے' نیو ایئر' بس انہیں تو موقع چاہیے مجھ سے محبت کے اظہار کا' بچوں کی سال گرہ یاد نہیں رہتی پر میری پیدائش کی تاریخ ہر سال یاد رہتی ہے۔'' سحرش بہت محبت اور مان کے ساتھ حسن کا ذکر کررہی تھی پھر تو اکثر ہی سحرش حسن کے بارے میں بتاتی کہ کس طرح وہ اب بھی یعنی کہ شادی کے گیارہ سال بعد بھی اس کے لیے گجرے

لاتا، پھولوں کے گلدستے لاتا، سحرش کے حسن کی تعریف کرتا اور جو سحرش ایک آدھ دن کے لیے اپنی امی کے ہاں چلی جاتی تو آنے کے بعد کس طرح اس کی جدائی میں گزرے اس دن کی دکھ بھری روداد سناتا۔

یہ سب سن کر تو ماہ نور کو شہروز پر اور بھی غصہ آتا کہ وہ تو شادی کے شروع میں بھی اس کے لیے کبھی گجرا تو کیا ایک پھول بھی نہ لایا تھا۔ وہ تو گانا سنتی کہ..... پھولوں سا چہرہ تیرا، کلیوں سی مسکان ہے، خیالوں میں شہروز کو گانا گاتے اور ہاتھوں میں پھول لیے اپنے ساتھ کھڑا دیکھتی کہ حقیقت میں تو یہ ممکن نہ تھا۔

ماہ نور ٹی وی کھولے بیٹھی تھی اس کا پسندیدہ رومانوی ڈرامہ آرہا تھا، سامنے ہی بڑے تسلے میں ڈھیروں ڈھیر میتھی رکھی تھی جسے توڑنے کا صبر آزما کام اس کو کرنا تھا، کہ شہروز کی پسندیدہ سبزی تھی میتھی، جتنا عرصہ بازار میں رہتی اس کے گھر ہر دو دن بعد پکتی۔ پالک میتھی، آلو میتھی، گاجر میتھی، شہروز کا بس نہ چلتا تھا کہ بریانی پلاؤ اور قورمے میں بھی میتھی ڈلوادے۔ ماہ نور کو یقین تھا کہ اگر کبھی بھولے بھٹکے شہروز کو ان دونوں کی شادی کی سال گرہ کرنے کا دھیان آیا اور ماہ نور بڑے پیار سے اس سے پوچھے کہ 'سنیے جی آج کیا پکاؤں آج ہماری شادی کی سال گرہ ہے' تو دوسری طرف سے جواب آئے گا۔ چنے کی دال اور میتھی پکالو۔" اس ہی لیے میتھی پہلے سے توڑ کر رکھتی تھی۔ ڈرامے میں ہیرو، چینی ہیروئن کی خوب صورتی کے گن گا رہا تھا۔

"محبت کی وجہ سے یہ چپٹی بھی خوبصورت لگ رہی ہے، بیچارے کو۔ ہائے رے محبت، ہمارے نصیب میں کہاں یہ تعریفیں حسن و جمال کی۔" حسرت سے سوچتی، ٹکٹکی باندھے ٹی وی دیکھ رہی تھی، میتھی توڑتے ہاتھ رک چکے تھے۔

"اوہو میتھی واہ......!" خوشی سے کہتا شہروز اس کے برابر بیٹھ گیا۔ محویت سے ڈرامہ دیکھتی، ماہ نور چونک گئی۔

"میتھی دیکھ کر کتنے خوش ہورہے ہیں مجھے دیکھ کر تو کبھی اتنے خوش نہیں ہوئے۔" لمحہ بھر کو سوچا پھر دوبارہ سے اپنے ڈرامے میں مصروف ہوگئی۔ ڈرامے میں بریک آیا تو شہروز کی طرف متوجہ ہوئی۔

"حسن بھائی نے اتنے اچھے بندے گفٹ کیے ہیں سحرش کو شادی کی سال گرہ پر۔" اس نے شہروز کو بتایا کہ کچھ اس پر بھی اثر ہو۔

"اچھا۔" جواب حسب توقع تھا۔

"ہم نے اپنی شادی کی ایک سال گرہ بھی نہیں منائی کبھی۔"

"سال گرہ وغیرہ بے کار کی رسمیں ہیں، مجھے نہیں پسند۔" گوکہ شہروز کا یہ جواب بھی حسب توقع ہی تھا پھر بھی جانے کیوں اتنا غصہ چڑھا ماہ نور کو میتھی کا بھرا تسلا اٹھا کر باورچی خانے میں چل دی۔ تسلا رکھنے کے لیے سلیب پر رکھا گلاس آگے ہٹا، کانچ کا گلاس ڈھلک کر نیچے

گر گیا۔ چھن کی زوردار آواز آئی۔

”کیا ٹوٹا۔“ شہروز نے ٹی وی دیکھتے ہوئے صدا لگائی۔ وہ اپنا پسندیدہ نیوز چینل لگا چکا تھا۔

”میرا دل۔“ وہ ہلکے سے بڑبڑائی۔ پر ماہ نور کے دل ٹوٹنے کا شہروز کو معلوم نہ ہوسکا کہ دل ٹوٹنے کی آواز نہیں آتی اور خاص طور سے اس وقت جب کوئی سننا نہ چاہے۔

ان دس سالوں میں بارہا اس کا دل ٹوٹا جب وہ اس کے گھر آنے سے پہلے تیار ہوکر بیٹھ جاتی تھی کہ شہروز آئے گا تو اس کو دیکھ کر چونکے گا‘ اس کی تعریف کرے گا پر وہ اس کو دیکھ کر نہ تو چونکتا اور نہ ہی کبھی تعریف کرتا پھر ماہ نور نے بھی خاص طور سے شہروز کے لیے تیار ہونا بند کردیا۔ ماہ نور نے شادی سے پہلے بہت سیدھی سادی زندگی گزاری تھی۔ اپنے تمام جذبے اپنے ہونے والے شوہر کے لیے سینت سینت کر رکھے تھے لیکن وہ پیار بھرے جذبے شادی کے بعد بھی ایسے ہی سنبھلے کے سنبھلے رکھے رہے کہ شہروز کی خاموش محبت کے آگے اس کا پیار بھی گونگا ہوگیا۔

وہ شروع سے ہی بارش کی دیوانی تھی بارش میں بھیگنا اسے بہت رومانوی لگتا تھا۔ شادی کے بعد پہلی بار جب بارش ہوئی تو وہ چھت پر جاکر بارش میں نہانے لگی۔ بارش میں نہاتے اس کے اندر کی رومانٹک لڑکی نے شہروز کو یاد کیا سو اس نے اسے آواز دی۔

”شہروز آپ بھی آیئے ناں۔ کتنا مزہ آرہا ہے بھیگنے میں۔“

”نہیں بھئی مجھے بالکل پسند نہیں بارش میں بھیگنا‘ جب نہانے کا دل چاہے گا تو واش روم میں جاکر نہالوں گا۔“ واہ کیا تشبیہہ تھی‘ بارش میں نہانا اور واش روم میں نہانا گویا ایک ہی تھا۔

”آپ آیئے تو۔ اچھا لگے گا آپ کو‘ میں جو ساتھ ہوں گی آپ کے۔“ اس نے بڑے مان سے کہا۔

”بارش میں بھیگنے سے مجھے زکام ہوجاتا ہے اور زکام کی وجہ سے سر میں درد ہوتا ہے۔“ بیماری بھی غیر رومانوی ہوگی‘ کبھی دردِ دل یا دردِ جگر نہیں ہوا جب دیکھو سر میں درد‘ پھر یوں ہوا کہ بارش میں ماہ نور بھیگی اور نزلہ زکام بخار اور سر درد شہروز کو ہوگیا۔ بارش دو دن مزید ہوئی پر وہ بارش بھول بھال کر شہروز کی تیمارداری میں لگی رہی کیونکہ مانا کہ اسے بارش پیاری تھی پر شہروز اسے بارش سے بھی زیادہ پیارا تھا۔ شہروز بھی اس سے پیار کرتا تھا‘ ماہ نور جانتی تھی کیونکہ وہ ماہ نور کا بہت خیال رکھتا تھا‘ پر ماہ نور شہروز کے دل کے جذبوں کا واضح اظہار چاہتی تھی پھر آہستہ آہستہ ماہ نور نے اکثر عورتوں کی زندگی اس ہی طرح غیر رومانوی گزرتے دیکھ کر اپنے آپ کو تسلی دلاسے دے کر سمجھالیا‘ لیکن پچھلے دو سال اس کے آٹھ سالوں کی ازدواجی زندگی پر بھاری رہے کہ دو سالوں سے وہ سحرش سے حسن بھائی کی محبت کے قصے سن رہی تھی اور ایک بار ماہ نور نے بھی حسن بھائی کو سحرش کے لیے بکے لاتے دیکھا تھا۔ جب وہ سحرش کو بریانی دے کر واپس آرہی تھی تو حسن بھائی ”سحرش جان کہاں ہو تم“ کہتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں لال گلابوں کا بہت خوب صورت بکے تھا۔ ماہ نور کو دیکھ کر حسن اعتماد سے مسکرادیئے جبکہ سحرش کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ بکھر گئی۔

”میں چلتی ہوں۔“ ہاتھوں میں بریانی کے خالی برتن اور سینے میں خالی دل لیے ماہ نور ان کے گھر سے نکلی تھی۔ کبھی شہروز نے اس کو جان کہہ کر مخاطب نہیں کیا۔ ایک ہوک سی دل میں اٹھی تھی۔ کیا تھا جو شہروز بھی کبھی اس کے لیے گفٹ لاتا گو کہ ساری کمائی تو وہ ماہ نور کے ہاتھ پر ہی رکھتا تھا لیکن شوہر کے دیئے ہوئے گفٹ کی تو بات ہی اور ہے۔

”حسن بھائی کتنے رومانٹک ہیں کاش ہمارے میاں جی بھی ان سے عقل لے لیں۔“ ماہ نور نے بڑی حسرت سے سوچا تھا۔

❁......❁......❁

مہینے کا آغاز تھا‘ ماہ نور کو کچھ خریداری کرنا تھی سو شہروز سے کہہ دیا کہ ساتھ چلے۔ خریداری کے بعد دونوں مارکیٹ سے باہر آرہے تھے کہ وہ چونک پڑی۔ اس نے

ایک نظر دیکھا پھر دوبارہ' بلاشبہ وہ سحرش کے شوہر حسن ہی تھے ساتھ میں ایک طرح دار عورت بھی تھی۔ وہ عورت ماہ نور کو کچھ دیکھی دیکھی سی لگی۔

وہ دونوں سامنے والے شاپنگ مال سے نکل رہے تھے۔ حسن کے ایک ہاتھ میں کچھ شاپرز تھے جبکہ دوسرے ہاتھ کو اس عورت نے بڑی ادا سے تھاما ہوا تھا۔

''ارے ارے دیکھیے گا وہ حسن بھائی ہیں ناں۔'' ماہ نور نے شہروز کو متوجہ کرنا چاہا۔

''کون...... کہاں......؟ مجھے تو دکھائی نہیں دے رہے۔'' شہروز نے کہا تو ماہ نور کو لگا کہ جیسے وہ جان کر انجان بن رہا ہے۔

''وہ سامنے ہی تو ہیں ایک عورت کے ساتھ ادھر۔'' ماہ نور نے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

''اچھا اچھا ہوں گے ہمیں کیا۔'' شہروز نے اس طرف نہ دیکھا گویا دیکھنا ہی نہ چاہتا ہو۔

''حسن بھائی کے ساتھ وہ عورت کون ہے؟'' ماہ نور نے عورت کی ساڑھی دیکھی۔ بلاؤز کی آستینیں غائب تھیں اور گلا بھی خاصا گہرا تھا۔

''مجھے کیا معلوم کون ہے۔'' شہروز جھنجلایا۔

اب حسن اس عورت کو گاڑی میں بٹھا رہے تھے' بڑی ہی جانثار نظروں سے اس کو دیکھ رہے تھے' بالکل اسی طرح جیسے اس دن سحرش کو دیکھ رہے تھے۔ حسن نے گاڑی آگے بڑھا دی وہ دونوں تھوڑی دیر میں نظروں سے اوجھل ہوگئے' ماہ نور بھی شہروز کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ گئی' لیکن اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

گھر آ کر بھی ماہ نور کے ذہن میں حسن بھائی اور وہ عورت گھوم رہے تھے۔ اس عورت کی ادائیں اس کی عمر سے میل نہیں کھا رہی تھیں۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں جھماکا ہوا۔

''ہاں یاد آیا' یہ تو وہی عورت تھی۔'' ماہ نور بیٹھے بیٹھے ایک دم بولی تو شہروز اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں وہی عورت' جب سحرش ایک دن کے لیے امی کے گھر گئی تھی تو میں نے اسے سحرش کے ہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔''

''اوہ......تم نے سحرش سے ذکر تو نہیں کیا۔'' شہروز نے پوچھا۔

''نہیں میں سمجھی کہ کوئی رشتہ دار عورت ہوگی' اس کو سحرش کی غیر موجودگی کا علم نہیں ہوگا۔ پھر سحرش سے ذکر کرنے کا دھیان ہی نہیں آیا۔''

''ہاں تو رشتے دار ہی ہوگی۔'' شہروز بازار سے لائی ہوئی شرٹ دیکھ رہا تھا انداز بہت سرسری سا تھا۔

''رشتے دار ایسی ہوتی ہیں رشتے دار عورتیں' اس کے کپڑے توبہ توبہ' آپ نے دیکھا نہیں وہ کس طرح حسن بھائی سے چپکی ہوئی تھی۔ حسن بھائی نے کتنی شاپنگ کروائی تھی۔ حسن بھائی کس طرح اس کو دیکھ رہے تھے پھر اس دن سحرش کی غیر موجودگی میں اس کی آمد' مجھے تو گڑبڑ لگ رہی ہے میں سحرش کو بتاؤں گی۔''

''اوہو تم سحرش کو کچھ نہ بتانا۔''

''کیوں بھئی' میں تو بتاؤں گی' اسے پتہ چلے گا جب ہی تو حسن بھائی کی کھنچائی کرے گی وہ۔ ورنہ بات کہیں آگے نہ بڑھ جائے ایسا نہ ہو کہ حسن بھائی سحرش کے ہاتھوں سے نکل جائیں' بتانا ضروری ہے۔''

''اگر تم سحرش کو بتادوگی تب ضرور حسن سحرش کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔''

''کیا مطلب؟'' شہروز کی بات پر ماہ نور نے ناسمجھی سے اس سے پوچھا۔

''ابھی سحرش کی نظروں میں حسن کا اچھا امیج ہی بنا رہے یہی ان دونوں کے لیے بہتر ہے۔ اگر حسن کو پتہ چلا کہ سحرش کو ان کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔ ابھی تو حسن غلط لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ تعلقات سحرش سے چھپاتے ہیں لیکن سحرش کو معلوم ہونے کے بعد حسن کے دل کا خوف بھی ختم ہوجائے گا اور سحرش کے دل میں حسن کی عزت ومحبت ختم ہوجائے گی۔ اس سب میں زیادہ نقصان سحرش کا ہی ہوگا۔''

''تعلقات' غلط عورتوں کے ساتھ۔'' ماہ نور کو لگا کہ جیسے اس کے سر پر چھت گری ہو۔ ''نہیں' ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی جبکہ شہروز اب بھی بول رہا تھا۔

''ان کے گھر کا ماحول خراب ہوگا تو بچوں کی زندگی ڈسٹرب ہوجائے گی۔ ان دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ جس طرح زندگی گزر رہی ہے اسی طرح گزرتی رہے۔ ان دونوں کی ازدواجی زندگی اور ان کے بچوں کی زندگی کا انحصار اس بات پر ہے کہ حسن کا بھرم سحرش کی نظر میں قائم رہے۔'' یعنی کہ شہروز کو حسن کے بارے میں معلوم تھا کیونکہ بازار میں بھی وہ ان دونوں کو دیکھ کر انجان بن رہے تھے۔ شہروز گھر کے باہر کی دنیا کے باسی تھے وہ جانتے ہی ہوں گے کہ حسن کن غلط عادات کا شکار ہیں۔ ویسے بھی حسن پیسے والے تھے ان کا اپنا کاروبار تھا۔ ان کے لیے یہ سب بڑی بات نہ ہوگی' لیکن وہ سحرش سے کتنی محبت' اف وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔

''ماہ نور تم پریشان مت ہو' تم سمجھ لو کہ جیسے تم نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ تمہیں کچھ معلوم ہی نہیں۔'' شہروز اس کو پریشان دیکھ کر سمجھانے کی کوشش کررہا تھا اور ماہ نور سوچ رہی تھی کہ وہ کیوں نہ پریشان ہو پچھلے دو سالوں سے وہ حسن کو ہیرو سمجھ رہی تھی۔ کسی ڈرامے' کسی فلم کے ہیرو کی طرح' جو اپنی ہیروئن پر دل و جان سے فدا تھا۔ حسن کو وہ ایک آئیڈیل شوہر کے روپ میں دیکھتی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے بغیر نہیں رہ پاتا تھا۔ وہ ہر خاص دن سحرش کے ساتھ سلیبریٹ کرتا تھا۔ وہ اس کے لئے تحائف لاتا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے اسے گجرے پہناتا تھا۔ سحرش کی تعریفوں میں شعر سناتا تھا۔ حسن ایک آئیڈیل شوہر تھا۔ وہ کسی بھی عورت کا آئیڈیل شوہر ہوسکتا تھا پھر اس بہترین انسان میں ایک اچھے شوہر میں یہ گندا آدمی کیسے سما سکتا ہے۔

''حسن بھائی تو اتنی محبت کرتے تھے سحرش سے' پھر وہ یہ سب کیسے کرسکتے ہیں؟'' ماہ نور کے اندر کی وہ رومانوی لڑکی حد درجہ مایوس ہوئی تھی۔

''ماہ نور محبت کا دکھاوا کرنے میں اور سچی محبت کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ حسن کو محبت کا جھوٹا اظہار کرنے میں کمال حاصل تھا اسی لیے تو جانے کتنی لڑکیوں کے ساتھ محبت جتا کر انہیں بے وقوف بنا چکا ہے اور سحرش سے زیادہ محبت جتانے کا مقصد بھی یہی ہوگا کہ وہ کبھی اس پر شک نہ کرسکے۔'' بہت کم بات کرنے والا شہروز آج ماہ نور کی اداسی دیکھ کر اس سے طویل اور بامعنی گفتگو کررہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماہ نور بہت دلبرداشتہ ہوئی ہے کیونکہ پچھلے دو سالوں سے وہ شہروز کو بھی حسن کی سحرش سے محبت کے قصے سناتی رہی تھی۔

''کیا میں یہ سمجھوں کہ جو محبت زیادہ جتاتے ہیں وہ محبت کم کرتے ہیں۔'' ماہ نور یوں بولی گویا کہ اپنے آپ سے بات کررہی ہو۔

''نہیں ایسا نہیں ہے' جو لوگ محبت کرتے ہیں' وہ محبت کا اظہار بھی کرتے ہیں' پر وہ لوگ جن کو محبت کا اظہار کرنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے جو لوگ اپنے دل کی محبت جتا نہیں سکتے وہ بھی بہت محبت کرتے ہیں۔'' شہروز نے کہا۔

''مثلاً۔''

''مثلاً ہم دونوں۔'' شہروز نے کہا تو وہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ''جیسے ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کا اظہار نہیں کرتے' لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں۔ ہم دونوں گھر میں سکون اور باہمی تعاون رکھتے ہیں' ہم دونوں ایک دوسرے سے وفادار ہیں' ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کیے بنا جانتے ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔'' بہت کم بات کرنے والا شہروز آج جب زیادہ بولا تو وہ حیرت کے سمندر میں ڈوب گئی۔

'ہم دونوں......!'' یہ الفاظ ماہ نور کے ذہن میں گونجنے لگے۔ ہاں شہروز نے اس سے کبھی پیار کا اظہار نہ کیا تھا' رومانوی ڈائیلاگ نہ بولے' یہ تو اسے پچھلے دس سالوں سے معلوم تھا لیکن اس نے بھی کبھی اپنا پیار شہروز پر

ظاہر نہیں کیا تھا یہ اسے آج معلوم ہوا تھا۔

شہروز تو بولتا ہی کم تھا‘ پر وہ تو گفتگو میں مہارت رکھتی تھی۔ پھر اس نے بھی تو شہروز سے کبھی نہیں کہا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔ وہ شہروز سے محبت تو کرتی تھی‘ وہ شہروز کے گھر آنے کے وقت سے پہلے گھڑی کی سوئیوں پر بار بار نظر ڈالتی تھی۔ وہ شہروز کا انتظار کرتی تھی۔ اس کی خوشی میں خوش ہوتی تھی۔ اس کی پریشانی پر خود بھی پریشان۔ شہروز کی بیماری میں اس کے شفایاب ہونے کی دعائیں کرتی تھی۔ یہ سب اس نے کبھی شہروز سے نہیں کہا پر شہروز نے یہ سب دیکھا اور محسوس کیا اس لیے وہ جانتا تھا کہ یہ سب ماہ نور کی اس سے بے انتہا محبت ہی ہے۔ لیکن ماہ نور...... ماہ نور اس کے محبت بھرے چند لفظوں کی متمنی رہی۔

حالانکہ وہ جانتی تھی کہ شہروز کم گو ہے‘ اپنی بات کو لفظوں میں کہنا اس کے لیے آسان نہیں پھر بھی ماہ نور نے محسوس کیوں نہ کیا کہ شہروز اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اپنی ساری کمائی ماہ نور کے ہاتھ پر رکھتا تھا۔ اس کی پریشانیوں میں خود بھی پریشان ہوتا تھا۔ ماہ نور کے ساتھ ایمان داری سے اتنے سال گزارے‘ ماہ نور کے علاوہ کسی اور عورت کو نہ چاہا۔ اسے ایک پرسکون اطمینان بھری زندگی دی۔ یہ سب شہروز کی اس سے ڈھیروں ڈھیر محبت نہیں تو اور کیا تھی؟ یہ سب ماہ نور محسوس تو کرتی تھی پھر بھی وہ کیوں نہیں جانتی کہ شہروز بھی اس سے محبت کرتا ہے‘ وہ اتنے سال محبت کے چند الفاظ سننے کے لیے ترستی رہی لیکن شہروز مرد تھا ناں نہیں جان سکا‘ یہی سمجھتا رہا کہ جس طرح اسے بنا الفاظ کے اظہار کے معلوم ہے‘ اس ہی طرح ماہ نور بھی اس کی محبت کے بارے میں جانتی ہوگی۔ ماہ نور نے سوچا کہ آج وہ خود بڑھ کر اپنے دل میں خوشبو کی مانند بسی شہروز کی محبت کو اپنے ہونٹوں پر لے آئے۔ آج وہ پہل کردے تاکہ شہروز کی طرف سے بھی اظہار محبت ہوجائے۔ اس طرح ماہ نور کے دل کی برسوں کی پیاس بھی بجھ جائے گی۔

سو ماہ نور نے شہروز کو مخاطب کیا۔

”شہروز......“

”ہوں۔“ وہ تھوڑا سا گھبرائی‘ تھوڑا سا جھجکی کہ معلوم نہیں بولنا چاہیے کہ نہیں۔ کیسا عجیب سا لگے گا‘ شادی کے دس سال بعد بولنا۔ وہ بھی بیوی کے منہ سے اقرار محبت بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ الفاظ جیسے منہ سے نکلنے کے لیے تیار ہی نہ تھے۔ وہ سوچنے لگی۔

”بھلا کیا بولوں ان کا اتنا تو خیال رکھتی ہوں‘ انہیں معلوم تو ہے کہ میں ان سے کتنی محبت کرتی ہوں‘ پھر شہروز نے بھی تو مجھ سے کبھی نہیں کہا۔ انہیں تو محبت بھرے جملے بولنے ہی نہیں آتے۔ اچھا ہے ناں زیادہ رومانٹک نہیں ہیں۔ نہیں تو ڈر ہی رہتا کہ معلوم نہیں کب کس لڑکی سے عشق جھاڑنے کھڑے ہوجاتے۔ ہاں یہ سب تو فلموں‘ ڈراموں اور کہانیوں میں ہی اچھا لگتا ہے۔“ وہ دل ہی دل میں مطمئن ہوگئی۔

”ہاں کیا کہہ رہی ہو؟“ شہروز نے اسے سوچتے دیکھ کر دوبارہ پوچھا۔

”کچھ نہیں کھانا پکانے جا رہی ہوں۔ آلو پالک اور میتھی کی بھجیا بناؤں گی۔“ ماہ نور نے کہا تو شہروز مسکرا دیا۔

ماہ نور سوچ رہی تھی کہ آج کے بعد سحرش سے حسن کی محبتوں کے قصے سن کر اسے حسن پر غصہ‘ سحرش پر ترس اور اپنے شہروز پر بے پناہ پیار آئے گا‘ کیونکہ وہ سمجھ چکی تھی کہ محبت پھولوں کی مانند ہے کہ جس کا اظہار کیے بنا بھی دل کا آنگن محبت کی مہک سے ہر دم مہکتا رہے گا۔

اقرأ گلزار

خدا کی رحمت

''مٹھل...... خدا کے لیے کچھ کرو۔'' سوہنی کی حالت دیکھ کر سسی رونے لگی۔

''اچھا میں پھر سے دیکھتا ہوں جا کر۔'' مٹھل اٹھا اور نقاہت زدہ وجود کو سنبھالتا دروازے سے باہر نکل گیا جبکہ سسی نے سوہنی کو اپنی گود میں سمیٹ لیا۔

''پانی......'' سوہنی کے لبوں سے نکلا۔

''میری بچی......'' سسی اسے سینے سے لگا کر رونے لگی۔

❀......❀......❀

مٹھل کا بچپن اسی ''تھر'' میں گزرا تھا وہ تھر کو اور تھر اس کو بہت اچھے سے جانتا تھا لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ آج کل تھر اور اس پر چھایا آسمان دونوں ہی جیسے مٹھل اور اس کے دیگر باسیوں سے ناراض تھے۔

مٹھل اپنے خاندان کا سب سے گھبرو جوان تھا' سسی سے اس کی شادی دس سال قبل ہوئی تھی۔ وہ شادی کے بعد ایک لمبا عرصہ انتظار کرتے رہتے تھے آخر کار خدا نے ان کے گھر اپنی رحمت بھیج دی تھی۔ سوہنی ابھی صرف ساڑھے چار سال کی تھی لیکن اب حالات کچھ ایسے ہوگئے تھے کہ انہیں خدا کی رحمت خود سے روٹھتی محسوس ہورہی تھی اور یہی احساس ان دونوں کی جانیں نکالے دے رہا تھا۔

تھر میں چھائی قحط سالی کئی سو جانیں لینے کے بعد بھی ٹلنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ انہوں نے پچھلے اڑتالیس گھنٹوں سے کچھ نہیں کھایا تھا' وہ دونوں تو بھوک و پیاس برداشت کررہے تھے لیکن سوہنی کی حالت بگڑتی ہی جارہی تھی۔ وہ لوگ مدد کا انتظار کرنے کے علاوہ کچھ اور نہیں کرسکتے تھے کیونکہ تمام پونجی ختم ہوچکی تھی۔ اب تو یہ حالت تھی کہ کسی کونے کھدرے سے بھی کچھ کھانے کو نہ ملتا تھا۔ وہ پیاس سے بے حال سوہنی کو بہلانے کی کوشش کررہی تھی کہ اچانک باہر شور سنائی دیا۔ مٹھل جلدی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد اندر آیا تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''سسی...... رب سوہنڑے نے ہماری دعائیں سن لیں' شہر سے کوئی بڑا آدمی بڑے بڑے ٹرکوں میں بھر کر بہت سارا کھانے پینے کا سامان لایا ہے تھر واسیوں کے لیے' میں وہاں جارہا ہوں تو سوہنی کو بہلالے تھوڑی دیر کے لیے۔'' ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مٹھل منہ لٹکائے واپس آگیا۔

''کیا ہوا؟'' سسی نے تڑپ کر پوچھا۔

''وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم لوگ ٹی وی والوں کا انتظار کررہے ہیں' جب وہ لوگ آئیں گے تو پھر کچھ ملے گا۔ ابھی رش نہ لگاؤ۔'' مٹھل نے بمشکل جملہ مکمل کیا۔

''یا اللہ......!'' سسی نے آسمان کی طرف دیکھا' اس کے آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

اب کافی دیر گزرنے کے بعد اس نے مٹھل کو دوبارہ بھیجا تھا کہ جا کر دیکھے ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کو ترس آجائے۔

❀......❀......❀

''پیچھے ہٹو سائیں...... یہاں کہاں گھسے چلے آرہے ہو۔'' ٹرک کے پاس کھڑے وردی والے آدمی نے مٹھل کا بازو پکڑ کر پیچھے دھکیلا۔

''سرکار! میری اکلوتی دھی مرجائے گی۔ مجھے کچھ دے دو سرکار۔ رب سوہنڑا...... تمہارا بھلا کرے گا۔'' مٹھل رونے لگا۔

''تو پھر آگیا؟'' مٹھل کی آواز سن کر ایک اور آدمی آگے آیا۔ یہ وہی تھا جس نے مٹھل کو پچھلی بار واپس جانے کو کہا تھا۔

''صاحب خدا کا واسطہ۔'' مٹھل نے باقاعدہ منت کی۔

''ابے کیا کررہا ہے' جا یہاں سے۔'' اس آدمی نے مٹھل کو دھکا دیا۔ دھکا کھا کر مٹھل پیچھے کو گرا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ پھر اٹھ بیٹھتا۔ وہ وہیں پڑا روتا رہا۔

❀......❀......❀

''چل اٹھ...... آجا ٹی وی والے آگئے ہیں۔'' مٹھل اٹھ کھڑا ہوا جیسے اس کے مردہ جسم میں نئی روح پھونک دی گئی ہو۔

''اتنی لمبی لائن......'' اس نے وردی والے آدمی کو دیکھا۔
''چل آجا' میں تجھے سامان دلوا دیتا ہوں لیکن......''
''لیکن کیا؟'' مٹھل نے جلدی سے پوچھا۔
''تجھے ٹی وی والوں کے سامنے سائیں سرکار کی تعریف کرنی ہوگی۔''
''ہاں ہاں میں کروں گا' میں کروں گا......'' مٹھل نے جلدی سے کہا۔
''آجا......'' وردی والے نے مٹھل کا بازو تھاما۔

❀......❀......❀

''تمہارا نام کیا ہے؟'' ٹی وی رپورٹر نے مائیک اس کے سامنے کیا۔
''جی مٹھل!'' اس نے جواب دیا۔
''چوہدری صاحب نے تمہارے خاندان کے لیے راشن دیا ہے' کیسا لگ رہا ہے تمہیں......''
''جی بہت اچھا سائیں! صاحب کی مہربانی ہے کہ ہم غریبوں پر نظر کرم کی' اللہ انہیں بہت دے۔'' مٹھل نے جلدی جلدی کہا' وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا لیکن رپورٹر نے مزید سوالات کرنا شروع کردیئے۔ مٹھل نے جیسے تیسے جلدی جلدی جوابات دیئے اور گھر کی طرف دوڑ لگادی۔

❀......❀......❀

چوہدری صاحب کنٹینر کے اندر بیٹھے باہر ہونے والی اپنی تعریفیں سن سن کر مونچھوں کو تاؤ دے رہے تھے۔
''اب دیکھنا' کیسے الیکشن جیتتا ہوں۔'' انہوں نے اپنے سیکرٹری کو مخاطب کیا۔
''ہاں ضرور' کیوں نہیں۔ خدا کی خاص رحمت ہے' آپ پر جو آپ مشکل میں ان لوگوں کے کام آئے ہیں۔'' سیکرٹری نے مسکرا کر جواب دیا اور دونوں پھر باہر دیکھنے لگے۔

❀......❀......❀

مٹھل پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ گھر کے دروازے پر چند لمحوں کے لیے رکا پھر اندر داخل ہوگیا۔
''دیکھ سسی! میں کیا لایا ہوں۔'' وہ مارے خوشی کے سوہنی کو سسی کی گود سے لے کر تقریباً چیختا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل اور بسکٹ تھے جو وہ سسی کو دکھا رہا تھا۔
لیکن یہ کیا......سوہنی تو دیکھ ہی نہیں رہی تھی۔ اسے اچانک کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا' وہ فوراً سوہنی کو لے کر نیچے بیٹھا اور اپنا کان اس کے سینے پر رکھ دیا' ہر طرف سناٹا تھا۔
''سوہنی......سوہنی...... اٹھ جا' اٹھ جا سوہنی......'' وہ بوتل اور بسکٹ کو پھینک کر چلایا لیکن سوہنی تب بھی نہ اٹھی۔
خدا کی رحمت اس سے روٹھ چکی تھی وہ دھاڑیں مارتا سوہنی پر جھک گیا۔

❀

گڑیا

وہ گڑیا بہت خوب صورتی تھی' اس کے بال سنہرے اور آنکھیں نیلی تھیں۔ آنکھیں بھی پٹ پٹاتی تھی اور باتیں بھی کرتی تھی۔ بہت لچکدار سی تھی وہ شاید کسی بہت ہی نرم پلاسٹک کی بنی ہوئی تھی۔ دیکھ کر تو ایسا ہی گمان ہوتا تھا اور چھونے کی اجازت اسے نہیں تھی کیونکہ یہ گڑیا اس کی تو نہیں تھی بلکہ اس کی مالکن کی تھی۔

کل شام کو پنکی کی سالگرہ کا بہت بڑا فنکشن تھا' پنکی کو تحفے میں بہت سے کھلونے ملے تھے جن میں یہ گڑیا بھی تھی لیکن منی کی نظریں اور کسی چیز یا کھلونے پر نہیں بلکہ اس گڑیا پر ٹکی تھیں۔ پنکی بیڈ پر بیٹھی اس گڑیا سے کھیل رہی تھی' کھیلتے کھیلتے اچانک اسے وہاں منی کی موجودگی کا خیال آیا تو حقارت سے بولی۔

''کیا دیکھ رہی ہو منی؟ یہ ڈول میری ہے' تم نے تو ایسی ڈول پہلے کبھی دیکھی بھی نہیں ہوگی۔'' اس کے لہجے میں فخر تھا۔ منی نے ایسی شرمندگی سے نفی میں سر ہلایا' جیسے آج تک مہنگی گڑیا نہ دیکھ سکنے میں وہ ہی قصوار وار ہو۔

''منی او منی......'' اس سے پہلے کہ پنکی اس کا معصوم دل مزید جلاتی باہر سے بشیراں اس کی ماں کی آواز آئی' وہ اسے پکار رہی تھی۔

وہ ایک آخری حسرت زدہ نگاہ گڑیا پر ڈال کر باہر نکل آئی۔ گڑیا کو چھونے اور اس سے کھیلنے کی حسرت دل میں ہی رہی گئی تھی۔ اس کی ماں اپنا کام ختم کر کے گھر جانے کے لیے تیار کھڑی تھی اور پھر گھر پہنچنے تک اس کی خواہش حسرت میں بدل چکی تھی۔

''اماں مجھے بھی گڑیا لے دو نا۔'' گھر پہنچ کر اس نے ماں سے فرمائش کی۔

''تیرے پاس اتنی گڑیاں ہیں تو سہی' رانی سے زیادہ گڑیا ہیں تیرے پاس۔''

''نہیں اماں دوسری گڑیا!'' وہ مچل کے بولی۔

''اچھا چل آج تو میں تھک گئی ہوں' کل سنہرے اور سرخ کپڑے سے بنادوں گی تجھے گڑیا۔'' بشیراں نے جھلنگا سی چارپائی پر لیٹتے ہوئے اس پر جیسے احسان دھرا۔

''نہیں کپڑے والی گڑیا نہیں' باتیں کرنے والی اور بولنے والی گڑیا۔''

''میری بیٹی ہم وہ گڑیا نہیں خرید سکتے۔'' بشیراں نے اسے پچکارا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ ہمارے پاس بہت سارے پیسے نہیں ہیں۔'' اس کے لہجے میں معصومیت تھی۔

''مجھے نہیں پتا' مجھے بس وہ گڑیا چاہیے۔'' وہ کچے صحن میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر رونے لگی۔

بشیراں نے پہلے تو اسے بہلایا اور پچکارا لیکن وہ چپ نہ ہوئی تو اپنے محنت کش مضبوط دائیں ہاتھ کا طمانچہ اس کے گال پر مارا۔

''چپ کر جا منحوس! تیرا باپ کوئی مربعے چھوڑ کر نہیں مرا کہ تیری فرمائش پوری کرتی رہوں میں۔'' اس کی ماں کے ہاتھ کسی پتھر کی طرح سے سخت تھے' مزید مار سے بچنے کے لیے وہ ایک دم ہی چپ ہوگئی۔

اسے مربعے کا مطلب نہیں پتا تھا لیکن ماں کی بات سے اسے یہی سمجھ آئی کہ اس کا باپ بہت ناکارہ تھا ان
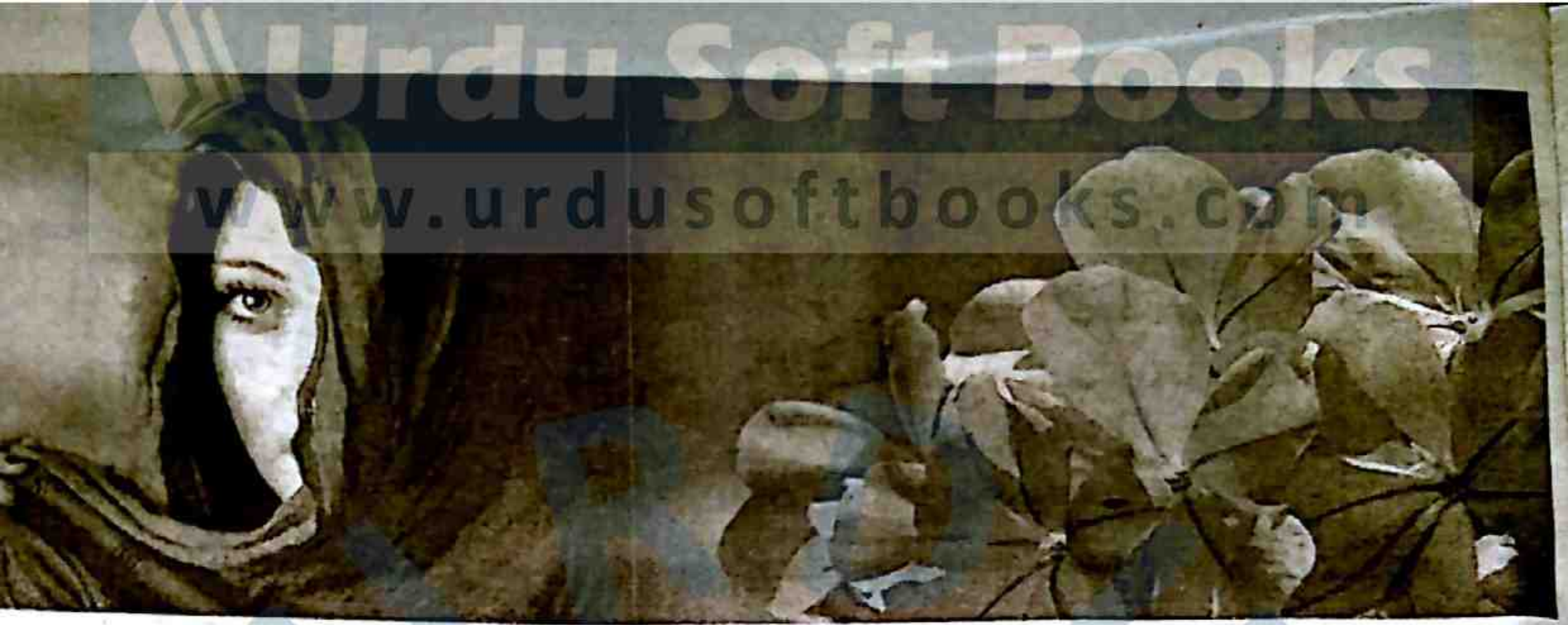
کے لیے اتنے پیسے چھوڑ کر نہیں مرا کہ وہ امیر ہوتے اور گڑیا خرید سکتے۔

❀......❀......❀

اس رات خواب میں اس کے پاس بہت ساری گڑیاں تھیں' بولنے والی' سنہرے بالوں والی۔ منی ان کے ساتھ کھیل رہی تھی ان سے باتیں کررہی تھی' ان کے ساتھ کھیلتے ہوئے وہ بہت مسرور نظر آرہی تھی لیکن خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں ٹوٹنا ان کا مقدر ہوتا ہے۔ بشیراں نے بھی اسے سہانے خواب سے جگادیا اس نے دیکھا اس کی ماں کی آنکھوں میں سرخی معمول سے کہیں زیادہ تھی شاید وہ پوری رات سو نہیں پائی تھی۔ بشیراں نے اس کا ماتھا چوم کر اس کے آگے کالی سیاہ چائے اور رسک رکھے' اپنے کل کے طمانچے کا ازالہ کرنے کے لیے ورنہ تو ناشتے کے نام پر سیاہ چائے اور رات کی باسی روٹی اگر بچ جاتی تو وہ ہوتی تھی۔ ماں کی محبت اور اچھا رویہ دیکھ کر وہ خود کو سوال کرنے سے روک نہ پائی۔

''اماں' ہم غریب کیوں ہیں؟''

''پتا نہیں دھی رانی! رب کی مرضی لیکن جب تُو بڑی ہوجائے گی اور پڑھ لکھ کر استانی لگ جائے گی تو پھر ہم بھی غریب نہیں رہیں گے۔''

''اچھا جب میں بڑی ہوں گی اور استانی بنوں گی تو ہمارے پاس بہت سارے پیسے ہوں گے؟'' وہ اشتیاق سے بولی۔

''ہاں ڈھیروں سامان ہوگا سب کچھ خرید سکیں گے ہم۔'' بشیراں نے اسے بہلایا۔

''پھر میں گڑیا بھی خریدوں گی' بولنے والی گڑیا جیسی چھوٹی بی بی کے پاس ہے۔'' بشیراں کے چہرے کی جھریوں میں یکا یک اضافہ ہوگیا۔

''ہاں گڑیا بھی خریدنا تُو۔''

مالکن کی کوٹھی کی طرف جاتے ہوئے وہ راستے میں سوچتی رہی کہ خواب کتنے اچھے ہوتے ہیں ان میں گڑیا ہوتی ہے اور وہ سب کچھ ہوتا ہے جو دل چاہے اس سے تو اچھا ہے کہ وہ ہر وقت سوتی رہا کرے۔ کوٹھی پہنچنے تک وہ گڑیا کے خیالوں میں ہی کھوئی رہی۔ وہاں پہنچتے ہی اس کی ماں تو کاموں میں جت گئی' جب کہ وہ ماں کو مصروف پاکر چپکے سے چھوٹی بی بی کے کمرے میں آگئی۔

چھوٹی بی بی نرم گلابی کمبل میں لیٹی تھی لیکن جاگ رہی تھی۔ منی کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں غصہ آیا شاید وہ اسے ڈانٹ کر وہاں سے بھگانے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن یکا یک اس کے تاثرات بدل گئے۔

''تم ادھر کیوں آ گئیں؟'' اس نے منی سے سوال کیا۔ چھ سالہ منی سہم گئی اس سے جواب نہ دیا گیا۔
''بولو! میرے کمرے میں کیوں آئی ہو؟'' اب کی بار اس نے قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔
''جی میں وہ گڑیا کو دیکھنے آئی تھی۔'' اس نے سہمے ہوئے لہجے میں اس شوکیس کو دیکھتے ہوئے کہا جس پر گڑیا سجی تھی۔
''تمہیں یہ گڑیا اچھی لگتی ہے؟''
''جی چھوٹی بی بی...... بہت اچھی لگتی ہے۔''
''کھیلو گی گڑیا سے؟'' اس غیر متوقع بات پر وہ آنکھیں پھاڑ کر چھوٹی بی بی کو دیکھنے لگی۔ اس سے کوئی جواب نہ دیا گیا جب کہ چھوٹی بی بی اس کی حالت سے بے خبر کہہ رہی تھیں۔
''میرے کام کرو گی تو تمہیں کھیلنے دوں گی گڑیا سے کرو گی میرے کام؟'' منی نے جلدی سے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا مبادا وہ اپنی آفر واپس نہ لے لیں۔
''جی جی کروں گی جی۔''
''اچھا پھر پہلے اپنی فراک سے میرے جوتے صاف کرو۔'' وہ سوچ کر اسے کام بتاتے ہوئے بولی۔
گڑیا سے کھیلنے کے اشتیاق میں منی فرش پر بیٹھ کر ان کے صاف چمکتے جوتے اپنی میلی فراک سے رگڑنے لگی' زور زور سے۔
''اب یہ جوتے مجھے پہناؤ' اپنے سر پر رکھ کر۔'' نیا حکم جاری ہوا۔ منی کا معصوم ذہن ابھی عزت نفس کے مفہوم سے تو آشنا نہ تھا لیکن جوتے اپنے سر کی طرف لے جاتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ منی جوتے اپنے سر پر رکھے اپنی مالکن کے قدموں میں بیٹھی تھی صرف گڑیا سے کھیلنے کے اشتیاق میں۔
فرعون کے دوسرے روپ نے منی کے سر پر رکھے جوتے پہنے اور پہنتے وقت زور سے ٹھوکر ماری۔ منی اس اچانک افتاد سے گرتے گرتے بچی لیکن یہ تذلیل بھی گڑیا کی خواہش کو دبا نہ سکی۔
''چلو اب گڑیا اٹھا لو۔'' مالکن نے اذن بخشا۔
''کیسے اٹھاؤ؟ وہ تو اونچی ہے میں چھوٹی ہوں۔''
''ہوں اچھا ایسا کرو اس تپائی پر چڑھ کر گڑیا اٹھا لو۔'' منی کا تنفس تیز تر ہو گیا' اس کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔ وہ تپائی پر چڑھی اور ہاتھ گڑیا کی طرف بڑھائے بس ایک لمحے کی بات تھی پھر گڑیا اس کے ہاتھ میں ہوتی وہ اسے چھو سکتی تھی اس سے کھیل سکتی تھی۔ اس کے ہاتھ گڑیا سے چند انچ کے فاصلے پر ہی تھے کہ چھوٹی بی بی نے تپائی کو ہلا دیا وہ اوندھے منہ فرش پر گری اس کے ہونٹ اور ناک سے خون جاری ہو گیا اور منہ سے چیخیں نکلنے گی۔ اس کی چیخیں سن کر بشیراں بھاگتی ہوئی آئی اسے یوں لہولہو دیکھا تو تڑپ کر اٹھایا۔
''ہائے کیا ہوا میری بچی کو۔''
''میری گڑیا چرانے کی کوشش میں تھی پھر خود ہی گر گئی۔'' اس نے انتہائی اطمینان سے جھوٹ بولا۔
چھوٹی بی بی بہت باتیں سنا رہی تھی اسے لالچی' چور اور پتا نہیں کیا کیا کہہ رہی تھی۔ بشیراں اس سے معافی مانگ کر منی کو ساتھ لگائے باہر نکل آئی پھر کوٹھی کا کام ختم کر کے گھر جانے تک منی کی ناک اور ہونٹ سوج چکے تھے اور وہ سسکیاں بھر رہی تھی۔
بشیراں نے ایک مٹی کا ڈھیلا آگ پر گرم کیا اور اسے ململ کے کپڑے میں لپیٹ کر اس کی ٹکور شروع کر دی بھلے چھوٹی بی بی نے منی پر الزام لگایا ہو کہ وہ گڑیا چرا رہی تھی لیکن بشیراں جانتی تھی کہ اس کی معصوم بیٹی لفظ چوری کے مفہوم سے بھی ناآشنا ہے۔ ٹکور ملنے پر منی نے اپنی متورم آنکھیں کھولیں اور سسکی۔
''اماں وہ گڑیا......'' بشیراں نے گہری سانس بھری

اتنا زخمی ہو کے بھی اس کے حواسوں پر وہی گڑیا سوار تھی۔ بچوں میں یہی فرق ہوتا ہے امیری غریبی کے فرق سے نابلد ہوتے ہیں۔ اپنی معصوم خواہشوں کی تکمیل ہر حال میں چاہتے ہیں۔

"لا دوں گی اپنی دمی کو گڑیا!"

"بولنے والی گڑیا چاہیے۔" منی نے اپنی آنکھیں پوری کھولیں۔

"ہاں بولنے والی گڑیا لا کے دوں گی۔ وہی گڑیا لا کے دوں گی جس کی وجہ سے تیری یہ حالت ہوئی ہے۔ اس سے تو ایک بار ضرور کھیلے گی جیسے بھی کروں گی لا دوں گی، اپنی دمی رانی کو۔" مامتا کا جذبہ تمام ضرورتوں اور مصلحتوں پر غالب آ گیا تھا۔

ماں کی بات سن کر منی شانت ہو گئی، آنکھوں میں پھر ستارے بھرنے لگے۔ اسے اپنے ہونٹ اور ناک کا درد بھی بھول گیا یاد رہی تو صرف گڑیا، بولنے والی گڑیا...... جس کا ماں وعدہ کر رہی تھی۔

اگلی صبح اور پھر آنے والے کئی دنوں تک بشیراں اسے اپنے ساتھ کوٹھی پر نہیں لے گئی۔ منی روزانہ ماں سے گڑیا کی بابت سوال کرتی اور ماں کچھ دن بعد کا کہہ دیتی۔ آخر وہ دن آ گیا جب بشیراں کو کوٹھی سے تنخواہ ملنی تھی اس دن اس نے صبح ہی صبح بیٹی کو بتایا کہ آج وہ گڑیا لے کے آئے گی۔ منی نے جب یہ سنا تو خوشی سے اچھلنے لگی منی اشتیاق میں خود ساتھ چلنا چاہتی تھی لیکن بشیراں نے روک دیا اس کے ہونٹ پر ابھی بھی زخم کا نشان موجود تھا۔

ماں کام پر چلی گئی تو منی نے اپنی کپڑے والی گڑیاں نکال لیں اور ان سے کھیلنے لگی لیکن دل نہ لگا تو کپڑے والی ساری گڑیاں چولہے میں پھینک دیں۔ ان کپڑے والی گڑیوں سے کھیلنے کی اب اسے ضرورت بھی نہیں تھی چند گھنٹوں بعد اس کے پاس بولنی والی

باتیں کرنے والی گڑیا ہوتی۔ گڑیا کے اشتیاق میں وقت کاٹے نہ کٹتا تھا۔ جب انتظار کے لمحے زیادہ مشکل لگے تو وہ چوکھٹ میں آ کے بیٹھ گئی اور ادھر بشیراں کوٹھی کا کام ختم کرکے اب مالکن کے سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی تنخواہ ملنے کے انتظار میں۔

''کہو بشیراں کیا مسئلہ ہے؟'' ریموٹ سے چینل بدلتی مالکن کو آخر اس کا خیال آ ہی گیا۔

''وہ جی آج یکم تریخ (تاریخ) ہے۔'' بشیراں جھجکتے ہوئے بولی۔

''تو پھر......؟''

''وہ جو تنخواہ اگر......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تنخواہ تو تمہیں یکم کو ہی چاہیے ہوتی ہے تو ذرا کام پر بھی اتنا ہی دھیان دیا کرو۔'' تنخواہ دینے سے پہلے مالکن نے احسان جتایا اور لتاڑنا ضرور سمجھا۔

''ٹھہرو دیتی ہوں۔'' آف موڈ کے ساتھ اس نے اپنے پرس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ بشیراں نے روک دیا۔

''بی بی جی آپ مجھے تنخواہ کے بدلے چھوٹی بی بی والی گڑیا دے دیں جی میری منی کو بہت شوق ہے اس کا۔'' مالکن کی حیرت کی انتہا نہ رہی اسے بشیراں سے اس بات کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

''وہ گڑیا بہت امپورٹنٹ ہے' تمہاری بیٹی کی اوقات ہے بھلا میری بیٹی کی برابری کرنے کی؟'' وہ گڑیا اس کی لاڈلی کے دل سے تو ویسے بھی اتر چکی تھی تنخواہ کے بدلے میں گڑیا دینے میں اس کا اپنا فائدہ تھا لیکن غریبوں پر احسان دھرنا بہت ضروری ہوتا ہے شاید انہیں ان کی اوقات میں رکھنے کے لیے۔ بشیراں نے سر جھکا لیا' اسے پتا تھا اس کی جھکی گردن اس کی مالکن کے احساس برتری کو تقویت دے گا اور وہ گڑیا اسے بخش دیں گی۔

اور پھر یہی ہوا مالکن نے باتیں سنا کے اسے اس کی اوقات یاد دلا کر آخر کار گڑیا اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ بشیراں نے جوش سے کپکپاتے ہاتھوں سے گڑیا کو اپنی اوڑھنی میں چھپایا اور باہر نکل گئی۔ غریبوں کی بستی کی طرف بڑھتے اس کے قدموں میں بہت تیزی تھی' ہیجان بھی تھا اور خوشی بھی تھی۔ آج وہ ساری مصلحتیں چھوڑ کے بیٹی کے خواہش پوری کرنے جا رہی تھی۔ آج مامتا ہر چیز پر غالب تھی۔ اس نے سوچنا چاہا جب وہ گڑیا منی کے ہاتھ میں دے گی تو اس کے تاثرات کیا ہوں گے؟ یقیناً وہ بہت خوش ہوگی ہنسے گی' کھیلے گی۔ پتا نہیں وہ بیٹی کے خیالوں میں گم تھی یا پھر گاڑی والا بے پروا تھا لیکن نقصان بشیراں کا ہوا تھا گاڑی کی زوردار ٹکر سے وہ اچھل کے سڑک پر گری اس کے سر سے بہنے والا خون سیاہ تارکول کی سڑک پر پھیل گیا تھا۔ وہ سڑک بارونق نہیں تھی صرف دو منچلے جوان وہاں سے گزر رہے تھے' حادثہ ہوتے دیکھا تو بھاگ کر آئے۔ انہیں آتے دیکھ کر بادل نخواستہ گاڑی والا بھی گاڑی سے اتر آیا ''مر چکی ہے یہ'' ایک نوجوان نے نبض تھام کر موت کی تصدیق کی۔

''کچی آبادی یا غریبوں کی بستی کی لگتی ہے۔'' اس کا حلیہ دیکھتے ہوئے دوسرے نوجوان نے قیاس ظاہر کیا۔

''لگتا ہے گڑیا چرا کے بھاگی تھی' اس لیے بدحواسی میں گاڑی کے آگے آ گئی۔'' گاڑی والے نے گڑیا دیکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا یا پھر اپنی صفائی پیش کی۔

''پولیس کو اطلاع کرنی چاہیے۔'' پہلا جوان اپنے ساتھی سے بولا۔ پولیس کی بات سن کر گاڑی والے کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

جویریہ راج تنہا

السلام علیکم ٹو آل آنچل قارئین جی جویرہ آزاد کشمیر، ضلع باغ کے ایک ڈریمی علاقے غازی آباد ڈھیر کوٹ سے تعلق ہے۔ دعا گو ہوں تمام لوگ خوش و خرم ہوں اور وطن عزیز کے ہر ساتھی سے حزن و ملال کا کوئی ربط نہ ہو۔ بیس جنوری کو دنیا کی چکا چوند کو چار چاند لگانے تشریف آوری ہوئی۔ اسٹار جدی ہے۔ بہن بھائیوں میں دوسرا نمبر ہے۔ ایف ایس سی پارٹ ون اور اسکورڈن لیڈر کی شرارتی ترین اسٹوڈنٹ ہوں۔ کتب بینی کی عادت ورثے میں ملی۔ ناولز میں میرا جہاں آباد ہے۔ شاعری کا شوق ہے۔ رائٹرز بننے کی خواہش، ذہانت یہاں سے ماپیں تمنال گر ہوں (ایوارڈ یافتہ) کریٹو ہوں اور کریٹو لوگ پسند ہیں۔ ہر نیا ڈیزائن خواہ کپڑوں کا ہو، کارڈ یا مہندی کا، بناتی ہوں۔ خوبیوں کا ذکر کرنا اپنے لیے میڈل لینے کے مترادف ہے۔ جو دوسرے دیتے ہیں۔ اب اپنے منہ میاں مٹھو کیا بنوں رہنے دیں اور خامیاں وہ تو میرا راز ہیں اور وہ راز ہی کیا جو افشا ہو جائے۔ موسم دسمبر کا، بارش میں بھیگنا، تنہا بیٹھنا پسند ہے۔ کلرز میں سرمئی، لیمن اور سفید اچھے لگتے ہیں۔ فرینڈ شپ کرنے کا بے حد اشتیاق ہے۔ بہت فرینڈز ہیں جو بے حد مخلص ہیں۔ ان میں اقراء ارشد اور ثمن غفار وجیہہ افضل کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ چائے کی دیوانی ہوں۔ گہرا اندھیرا پسند ہے۔ جی چاہتا ہے کہ جب ساری دنیا سو رہی ہو تو میں موم بتی جلا کر ڈائری لکھو۔ نازیہ کنول، نمرہ اینڈ عمیرہ احمد لویو۔ آنچل، شعاع اور خواتین ورلڈ بیسٹ رسالے ہیں۔ آج بھی رسالے چھپا چھپا کر پڑھتے ہیں۔ بھالو بے حد پسند ہے۔ آنچل میں لکھنا دیرینہ خواب تھا جو ان شاء اللہ پورا ہو جائے گا۔ آنچل میں اپنا نام پا کر زندگی میں بہت خوشی ہوئی۔ زندگی کا ہر لمحہ انجوائے کرتی ہوں۔ مشکل میں بھی خوشی کے عناصر تلاش کرتی ہوں۔ زندگی میں ہمیشہ رہنے والی خوشی اور نہ ختم ہونے والی ہنسی کے نام پر کچھ تو ہونا چاہیے ناں۔ ہر وقت مسکراتی رہتی ہوں اور اپنی ٹیچرز میں سعدیہ شاہ بے حد اچھی لگتی ہیں۔ زندگی میں ایک ہی خواہش تھی جو آنچل نے پوری کردی۔ اپنی غزل کو شائع ہوتا دیکھنا چاہتی تھی۔ آپ کو بہت بور کر دیا بس بھئی۔ آخر میں تمام قارئین کے نام زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اسے ہنس کر گزارو کیونکہ زندگی کے کشکول میں چند دن مزید کھنکتے سکوں کی طرح گزر جائیں گے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ

''پاگل ہو گیا؟ مفت کا عذاب گلے پڑے گا، گواہیاں دینی پڑیں گی۔ فلم کا ٹائم بھی نکل جائے گا، ہم چپکے سے نکل چلتے ہیں جس کی مصیبت ہے وہی بھگتے۔'' دوسرے نوجوان نے اسے کان میں گھر کا تو اس کے ذہن میں بھی ساتھی کی بات بیٹھ گئی۔

وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ گاڑی والے نے انہیں جاتے دیکھا تو اطمینان کی سانس لی اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھا اور مناسب رفتار سے چلاتا ہوا لمحوں میں وہاں سے دور نکل گیا۔

بشیراں کی کھلی آنکھیں بند کرنے کی زحمت کسی نے نہیں کی تھی، اس کی کھلی آنکھیں گڑیا پر ہی ٹکی تھیں اور پھر اس رات ماں اور گڑیا کی منتظر منی چوکھٹ پر ہی سو گئی تھی۔

❁

ضد ہار گئی

سباالیاس

"ارے واہ! کتنا خوب صورت ڈریس ہے۔" ماہین نے شیشے کے شوکیس میں سجے نیوی بلو انارکلی اسٹائل کے خوب صورت فراک کو دیکھ کر بے ساختہ کہا۔ فراک کے اوپری حصے پر گولڈن اور سلور کلر کے بڑے بڑے نگینے جڑے ہوئے تھے۔ ان نگینوں کے درمیان میں خالی جگہ کو موتیوں اور چھوٹے ڈائمنڈ کٹ اسٹونز سے اس طرح بھرا گیا تھا کہ بال برابر جگہ خالی نہیں رہی تھی۔ جگر جگر کرتی ہوئی فراک سے پھوٹتی سنہری اور دودھیا روشنی کی کرنیں آنے جانے والوں کو ٹھٹک کر رکنے پر مجبور کررہی تھیں۔ فراک کے دوپٹے اور گھیرے پر سجے جامہ وار کے گولڈن اور سلور پیجز اسے اسٹائلش بنارہے تھے فراک کی خوب صورتی میں کھوئی ماہین حقیقتاً کسی بت کی مانند بے حس وحرکت ہوگئی تھی۔

"جلدی کرو ماہین ابھی سعدیہ، فاریہ کی شاپنگ بھی کرنی ہے اور تمہارے لہنگے کے ساتھ میچنگ سینڈل بھی ڈھونڈنا ہے۔" ناہید بیگم نے ماہین کو بازو سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا جو بنا حرکت کے کسی مجسمے کی طرح کھڑی تھی۔

"امی...... مجھے یہ ڈریس دلوادیں، دیکھیں نا کتنا خوب صورت ہے۔ ارم کی بری میں ایسا ایک جوڑا بھی نہیں ہوگا، دیکھنا جل جائے گی اور اس کے ساتھ گولڈن اسٹونز اور موتیے کا سیٹ بہت سوٹ کرے گا۔"

"کیا ہوگیا ہے ماہین کیوں فضول کی باتیں کررہی ہو تمہارے جہیز کے سارے کپڑے بن چکے ہیں اور سب ہی تمہاری پسند سے بنوائے ہیں اب مزید گنجائش بالکل نہیں اور پھر ذرا اس کی قیمت تو دیکھو پندرہ ہزار روپے اتنا مہنگا سوٹ نہیں بنواسکتی میں تمہارے لیے۔ چلو اب چل کر جلدی سے سینڈل پسند کرلو میری توبہ جو میں تمہیں آئندہ بازار لے کر آؤں، ہر مرتبہ تم میرے لیے ایک نئی مصیبت کھڑی کردیتی ہو۔" ناہید بیگم نے شیشے کے پار سے فراک کے ساتھ منسلک ٹیگ کو گھور کر دیکھتے ہوئے قطعیت سے کہا۔

"امی اگر آپ مجھے یہ ڈریس نہیں لے کر دیں گی تو میں سینڈل بھی نہیں لوں گی۔" ماہین کا لہجہ ہٹ دھرمی سے بھرپور تھا۔

"ٹھیک ہے نہ لو مگر میں تمہاری یہ ضد ہرگز پوری نہیں کروں گی۔" ناہید بیگم نے مین روڈ کی طرف جاتے ہوئے حتمی انداز سے کہا۔

......☆☆☆......

"ارے اتنی جلدی آ گئیں تم دونوں ماں بیٹی، ہوگئی شاپنگ پوری۔" اکمل صاحب جو گیٹ کے پاس بنی چھوٹی سی کیاری میں لگے پودوں کو پانی دے رہے تھے ماہین کو تیزی سے گیٹ کھول کر اندر آتے دیکھ کر حیرت سے پوچھا جواباً ماہین نے انہیں آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا اور پھر تقریباً بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کے دروازے کے پیچھے گم ہوگئی۔

"ایسا کیا ہوا؟" اکمل صاحب نے تھکے تھکے قدموں سے گھر میں داخل ہوتی ناہید سے استفسار کیا۔

"نخرے میں ہے، دو دن میں اتر جائے گا رہنے دیں آپ۔" ناہید بیگم نے رنگے ہوئے دوپٹوں کا شاپر تخت پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں خود پوچھ لیتا ہوں۔" اکمل صاحب کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ماہین بیڈ پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا بیٹا؟" اکمل صاحب نے ماہین کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے پوچھا۔ ان کی ذرا نرمی کی دیر تھی کہ ماہین کے رونے میں تیزی آ گئی۔

"ابو آج بازار میں مجھے ایک سوٹ پسند آ گیا، میں نے امی سے کہا مجھے وہ فراک دلوادیں، مگر انہوں نے انکار کردیا۔"

"کپڑے بنواتے وقت تم نے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی اور اب جب ہمارے پاس پندرہ سو کا جوڑا خریدنے کی گنجائش نہیں تم پندرہ ہزار کی فرمائش کرتی ہو۔" ناہید بیگم نے اسی وقت حاضر ہوکر ماہین کی بات کاٹی۔

"پندرہ ہزار۔" اس بار اکمل صاحب کا لہجہ بھی تشویش لیے ہوئے تھا۔ "ماہین بیٹا، تمہیں تو پتہ ہے کہ اب ہمارے پاس صرف شادی کے کھانے کے پیسے بچے ہیں اور تم اتنی بڑی فرمائش کررہی ہو، لیکن تم فکر نہیں کرو، بس تھوڑا انتظار کرو میں وہ

سوٹ تمہیں ضرور دلوادوں گا۔'' اکمل صاحب نے ماہین کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ مہنگائی کے اس دور میں اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنا مشکل ہوگیا ہے اکیلی جان اور ہزاروں دکھڑے۔ اوپر سے لاڈلی بیٹی کی فرمائش۔

''نہیں ابو مجھے وہ سوٹ ابھی چاہیے آپ امی کے بیگ میں دیکھیے پندرہ ہزار ہیں ان کے پاس۔'' ماہین ضد کی حد پار کر گئی بعض دفعہ ہم خود غرضی میں اتنے آگے نکل جاتے ہیں کہ دوسروں کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

''لیکن ماہین وہ پیسے تو میں نے سعدیہ اور فاریہ کے کپڑوں اور جیولری کے لیے رکھے ہیں۔ وہ ہی تو لینے گئی تھی مگر تمہاری وجہ سے وہ بھی نہ لاسکی۔'' ماہین کی آواز سعدیہ اور فاریہ کو بھی کمرے میں کھینچ لائی۔

''امی آپ باجی کو ان کی پسند کا ڈریس لے دیں ہم ان کی بارات پر وہی کپڑے پہن لیں گی جو آپ نے اسکول کے سالانہ فنکشن پر بنائے تھے۔'' امی کا پریشان چہرہ اور ابو کے ٹوٹتے حوصلے کو دیکھ کر سعدیہ نے کہا۔ ناہید بیگم نے پاس کھڑی سعدیہ کو سینے سے لگالیا۔ چھوٹی بہنوں کو بڑی بہن کا خیال تھا لیکن بڑی بہن کو چھوٹی بہنوں کا احساس بھی نہیں تھا۔ امی تاسف سے ماہین کو دیکھ کر کمرے سے نکل گئیں تھیں۔ رو دھو کے ضد کرکے بھوک ہڑتال کے ساتھ احتجاج کرکے ماہین نے وہ جوڑا لے ہی لیا تھا۔

نفیس لہنگے میں سجی حجلہ عروسی میں گھنی پلکوں کی جھالر اور دھیمی مسکراہٹ اس کا نرم ہاتھ عاشر کی گرفت میں تھا۔

''دیکھو ماہین میری چھوٹی سی فیملی ہے ماں باپ بہن بھائی اور اب آپ ان سب کے بغیر میں نامکمل ہوں لیکن ایک بات یاد رکھنا تم میرے لیے کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو لیکن میرے والدین کا مقام میری نظروں میں بہت بلند ہے کبھی ان کو مقابلے میں نہ لانا کیونکہ اس صورت میں میرا جھکاؤ اپنے والدین کی طرف ہی ہوگا۔ مجھے یقین ہے تم میری بات اچھی طرح سمجھ چکی ہوگی۔'' عاشر ماہین کے خوب صورت سراپے کو اپنی آنکھوں میں قید کررہا تھا اور ماہین شب زفاف ہی عاشر کی بات بخوبی سمجھ گئی تھی۔

♥......♥......♥

شادی کو ہفتہ ہوگیا تھا۔ ماہین اپنی الماری سیٹ کررہی تھی کہ ساس اور نند کو اپنے کمرے میں دیکھ کر خوشی سے بولی۔

''ارے امی آپ آیئے کوئی خاص بات تھی تو مجھے بلالیا ہوتا۔'' وہ الماری بند کرتی ان کے پاس آ کے بولی۔

''جیتی رہو سدا سہاگن رہو بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔'' وہ اس کی بلائیں لیتی صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''بہو تمہیں پتہ ہے کہ شادی کے بعد ہمارے یہاں بیٹی کھلوائی کی رسم بھی ہوتی ہے اور بھابی نند کو ایک جوڑا دیتی ہے۔''

''جی امی مجھے پتہ ہے آؤ حمنا تم کوئی جوڑا لے لو۔'' اس کے کہنے پر حمنا سہولت سے جوڑے الٹنے لگی وہی خوب صورت نیوی بلیو کلر کا فراک پسند کیا جو بڑی مشکل سے ماہین نے کتنے جتن کرکے بنوایا تھا اس فراک کے لیے ابو نے بائیک بیچ دی تھی۔

''امی مجھے یہ فراک پسند ہے کیوں بھابی لے لوں میں۔'' حمنا بڑے اشتیاق سے بولی۔

''کیوں بہو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں اس جوڑے پہ۔'' ثریا بیگم اٹھتے ہوئے تھکیے لہجے میں بولیں۔

''ج ج...... جی امی اگر حمنا کو یہ ڈریس پسند ہے تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' حیرت اور غم کی ملی جلی کیفیت میں گھر کے ماہین نے بدقت خود کو سنبھالا کیونکہ وہ پہلے ہی اپنے ماں باپ بہنوں کی نظروں میں گرچکی تھی اب اپنے شوہر کی نظروں میں گرنا نہیں چاہتی تھی اور پھر پہلی رات ہی عاشر کے رویہ نے اسے بہت کچھ باور کردیا تھا۔

آج ماہین کو اپنی بہنوں کا کرب بہت اچھی طرح سے محسوس ہوا تھا جس چیز کے لیے اس نے اتنا سب کچھ کیا وہ چیز اس کی قسمت میں ہی نہیں تھی۔ اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا ہم انسانوں سے لڑسکتے ہیں دھمکی دے سکتے ہیں ضد کرسکتے ہیں مگر ہماری قسمت میں جو اول روز سے لکھا ہے اسے چاہ کر بھی مٹا نہیں سکتے۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

خشونت سنگھ جی

جاوید کو ہر طرح کی کتابیں پڑھنے کا بے تحاشا شوق ہے، انگلش لٹریچر، وار ہسٹری، اسلامک ہسٹری، سائنس، علوم حاضرہ، تحقیق و تفتیش، کرہ ارض کا وجود، کائنات کی پیدائش کے نظریات، فلکشنز، شاعری، طنز و مزاح غرض انہیں ہر موضوع پر ایک عبور حاصل ہے۔ خشونت سنگھ جاوید کو اپنی سچائی اور کھرے پن کی وجہ سے بہت پسند ہیں جن کی کتابیں پڑھ کر ان کی تحریر کے اثرات ان میں مہینوں تک نظر آتے رہتے ہیں بلکہ دل سے نکلی ہوئی بے باکانہ طنز و مزاح اور حقیقتوں سے بھرپور تحریروں کو یاد بھی رکھتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ذکر بھی کرتے رہتے ہیں۔

جب پروین نے خشونت سنگھ سے ملنے کا اظہار کیا تو جاوید نے فوراً حامی بھر لی کیونکہ عمر میں تفاوت کے باوجود ہمارا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا۔ جب جاوید نے پروین کی خواہش ان تک پہنچائی تو انہوں نے فوراً شام چھ بجے کا وقت دے دیا کیونکہ آٹھ بجے ان کے گھر ڈنر سرو ہو جایا کرتا تھا اور نو بجے وہ اپنے مہمانوں کو خدا حافظ کہہ کر سونے کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔

پروین وقت کی بہت پابند خاتون تھی، جس کا اندازہ ہمیں بہت جلد ہو گیا تھا اس لیے ہمیں اس کے ساتھ کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔

وہ ہمیشہ پندرہ منٹ پہلے تیار ہو کر لاؤنج میں بیٹھ جایا کرتی تھی۔ آج بھی ہمیں وہ بروقت تیار ملی تھی۔

ہم پونے چھ بجے گھر سے نکلے اور چھ بجے سنگھ جی کے گھر پہنچ گئے۔ ہم جونہی داخلی دروازے سے داخل ہوئے تو وہ سامنے صوفے پر براجمان تھے فوراً کھڑے ہو گئے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کی قریب آ گئے۔ اپنی مستطیل فریم اور موٹے شیشوں والی عینک کو درست کرتے ہوئے پروین کو پر اشتیاق نظروں سے دیکھا اور خوش الحانی لیکن بے اختیاری سے بولے ''کڑی تے بڑی سوہنی اے جی، اپنی شاعری دی طرح۔''

حسب عادت پروین کے چہرے پر قوس قزح کے کئی رنگ بکھرے اور فوراً منہدم ہو گئے وہ ان کی پرستائش نگاہوں کو نظر انداز کرتے ہوئے میری طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی اور میرا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر نہایت خود اعتمادی سے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ خیر مقدمی تاثر ماحول میں رچا بسا ہوا تھا ان کے ڈرائنگ روم کے پردوں کا پروین جائزہ لینے لگی۔ داخلی دروازے کے سامنے والی کھڑکیوں پر السلام علیکم لٹھے کے پردے پر کالے پینٹ سے کندہ تھا اور داخلی دروازے کے دائیں بائیں کھڑکیوں پر رب راکھا لکھا ہوا تھا جو ان کی پاکستان سے اپنائیت و لگاوٹ کا کھلا ثبوت تھا۔ پروین ہر وقت حب الوطنی کے جذبے میں سرشار رہنے والی خاتون بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ خاموش طبع پروین کو جیسے زبان مل گئی ہو، ان کی فرمائش پر پروین نے دو نظمیں ان کے گوش گزار کر دیں۔ ان سے خوب داد وصول کی حالانکہ اپنی شاعری سنانے کا اس کا قطعاً ارادہ نہیں تھا میں نے جب واپسی پر پروین سے یہی سوال کیا تو اس کا جواب مجھے اس کی دور اندیشانہ سوچ کے بہت قریب لے گیا۔

جواب یہ تھا......

''رف! ہو سکتا ہے ان سے میری یہ ملاقات آخری ہو، عزت افزائی اور عقیدت کے ان لمحوں کا پاس رکھتے ہوئے مجھے ان کی آرزو پوری کرنے میں دلی مسرت ہوئی ہے۔ خوب زندہ دل اور خوش مزاج شخصیت کے حامل اور بہت مہان ہستی بھی ہیں اور بزرگ بھی، انکار کرنا اچھا نہیں لگا۔''

یہ کیسی سچائی تھی کہ پروین کی دوبارہ ملاقات ان سے نہ ہو سکی، وہ خود اس کار جہاں سے چلی گئی۔ انہوں نے اسے اس کی موت پر پژمردگی اور تاسف سے یاد تو کیا ہوگا کیونکہ ان لوگوں کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے۔

ان دو نظموں میں سے مجھے ایک نظم یاد ہے، دوسری وقت کی نذر ہو گئی۔ کوشش کے باوجود یاد نہیں آ رہی نہ ہی میری ڈائری میں موجود ہے۔

آج کی شب تو کسی طور گزر جائے گی

آج کی شب تو کسی طور گزر جائے گی
رات گہری ہے مگر چاند چمکتا ہے ابھی
میرے ماتھے پر ترا پیار دمکتا ہے ابھی
میرے سانسوں میں ترا لمس مہکتا ہے ابھی
میرے سینے میں تیرا نام دھڑکتا ہے ابھی
زیست کرنے کو مرے پاس بہت کچھ ہے ابھی
تیری آواز کا جادو ہے ابھی میرے لیے
تیرے ملبوس کی خوشبو ہے ابھی میرے لیے
تیری بانہیں' تیرا پہلو ہے ابھی میرے لیے
سب سے بڑھ کر' مری جاں! تو ہے ابھی میرے لیے
زیست کرنے کو مرے پاس بہت کچھ ہے ابھی
آج کی شب تو کسی طور گزر جائے گی
آج کے بعد مگر رنگِ وفا کیا ہوگا
عشق حیراں ہے سر شہر سبا کیا ہوگا
میرے قاتل! ترا اندازِ جفا کیا ہوگا
آج کی شب تو بہت کچھ ہے' مگر کل کے لیے
ایک اندیشہ بے نام ہے اور کچھ بھی نہیں
دیکھنا یہ ہے کہ کل تجھ سے ملاقات کے بعد
رنگِ امید کھلے گا کہ بکھر جائے گا
وقت پرواز کرے گا کہ ٹھہر جائے گا
جیت ہوجائے گی یا کھیل بگڑ جائے گا
خواب کا شہر رہے گا کہ اجڑ جائے گا
(خوشبو)

پروین نے نظم ختم کی تو انہوں نے سر جھکائے تالی بجائی' ان کی آنکھوں میں اداسی چھا گئی تھی۔ طنز ومزاح اور چھیڑ چھاڑ کرنے والا انسان خاموش ہوگیا تھا۔ صوفے سے اٹھ کر اس کے قریب آئے تو پروین احتراماً کھڑی ہوگئی انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔

''کڑیے واہ واہ...... دل نوں ہر لفظ ٹھاہ کر کے لگا اے' جے میرا اے حال اے تو اس جوان دوشیزہ کا سوچو۔ جس پر یہ وقت آیا اور گزر گیا۔ ماشاء اللہ کیا دل کی خوشی امید اور اندیشے ڈر وخوف کی تصویر کھینچی ہے۔ میری گل یاد رکھنا' توں بڑی اُتے جاویں گی۔''

پروین پلکیں جھپکتی خاموش کھڑی رہی اس نے ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا' تھوڑے توقف کے بعد ان کے ڈرائنگ روم میں ان کی دل فریب تمسخرانہ باتیں اور لطیفے گونجنے لگے تھے جن سے جاوید خوب محظوظ ہوا کرتے تھے۔ پروین کی بھی رگ شرارت پھڑکی تو اس نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

کیونکہ پروین میں بھی شرارت کی حس تو موجود تھی جو کبھی کبھار ماحول اور لوگوں کا اندازہ لگانے کے بعد بیدار ہوا کرتی تھی۔ ان کی بیگم جنہیں وہ سردارنی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ بہت دلچسپ خاتون تھیں' ان کا ڈنر پر تکلف نہیں ہوتا تھا۔ وہ دو کھانوں پر اکتفا کیا کرتے تھے' ہم نے بریانی اور سیخ کباب خوب مزے لے کر کھائے اس سے پہلے کہ وہ ہمیں رب راکھا کہہ کر اپنے بیڈ روم میں چلے جاتے ہم نے واپس جانے کا فیصلہ کیا اور کھڑے ہوگئے انہوں نے بھرپور ولولے اور جوش سے ہمیں رب راکھا کہا اور پروین کی طرف دیکھ کر چھیڑنے کے انداز میں بولے۔

''کڑیے گھر جا کر ذرا نظر اتار لوئیں' مینوں ڈر اے اج میری نظر لگ جائے گی تینوں۔''

پھر سنجیدگی سے بولے۔ ''ہمارے معاشرے کے اس گھٹن زدہ ماحول میں تم جیسی آزادیٔ نسواں کی جنگ میں حصہ لینے والی مجاہدہ نئی نسل کے لیے رول ماڈل ثابت ہوگی اور تمہاری شاعری کا ہر لفظ ان کے رگ وریشہ میں ایسے سرائیت کر جائے گا کہ ان کے لیے عملی زندگی میں قید بامشقت سے رہائی تک کا سفر آسان اور سہل ہوجائے گا۔ آپاں پیار کرسکدے آں تیے ایہہ حق کڑیاں نوں وی حاصل اے۔ گڈ شو پروین! کیپ اٹ اپ' نسوانی جذبات کی ترجمانی کرنے کا جواب نہیں۔''

ہم ان کی باتیں سن کر اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل آئے اور تمام راستے پروین ان کی کچھ باتوں کو دہراتی ہوئی ہنستی رہی۔ وہ آج مجھے بہت خوش نظر آرہی تھی شاید ایک زندہ دل شخصیت کی قربت کا فسوں تھا یا اتنی بڑی ہستی کی زبان سے اس کی شاعری کی پذیرائی کی وجہ تھی کہ وہ مسرت وانبساط میں سونا نہیں چاہتی تھی۔ ہم دونوں دیر تک اقبال بانو کی غزلوں سے محظوظ ہوتی رہیں۔

طب نبوی

آج کل گرمیوں کا موسم ہے آم پھلوں کا بادشاہ و شہنشاہ سمجھا جاتا ہے اس کالم میں ہم آم کے فوائد کے بارے میں ہی بات کریں گے اور دیگر موسمی پھلوں کے بارے میں میٹھا آم جو عام طور پر انور رٹول، لنگڑا، دسہری وغیرہ ناموں سے پکارا جاتا ہے اعلیٰ درجہ کا مقوی باہ ہے۔ یہ خون پیدا کر کے جسم کو فربہ کرتا ہے اور قبض ہٹاتا ہے۔

اکسیر تپ دق

تپ دق کی بیماری میں کسی پتھر یا چینی کے برتن میں تازہ میٹھے اور ایسے آموں کا رس پندرہ بیس تولہ بھر نچوڑ لیں اس میں شہد ۵ تولہ ملا کر صبح و شام استعمال کریں اور دن رات میں دو یا تین بار گائے یا بکری کا تازہ دودھ مصری ڈال کر پی جایا کریں پانی ہی استعمال کیا جائے تو اچھا ہے اس طرح ۲۱ دن تجربہ کرنے سے تپ دق جیسی لاعلاج بیماری والا آدمی بھی تندرستی حاصل کرنے لگتا ہے۔

اکسیر سنگرھنی

سنگرہنی یا پیٹ کے دیگر امراض میں صبح 9 بجے دو بڑے اور پکے ہوئے آم لیں ان کا چھلکا چھیل کر پھینک دیں اور گودے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ایک قلعی دار برتن میں ڈالیں اور ابال کر ٹھنڈا کیا ہوا دودھ اتنا ڈالیں جس سے آم کے ٹکڑے ڈوب جائیں پھر آم کے ان ٹکڑوں کو چمچ سے کھا کر دہی، دودھ اوپر سے پی لیں صبح اس طرح آم کھانے کے بعد پھر تین گھنٹے بعد تین تین چھٹانک دودھ پینا چاہیے۔ اس بات کا خوب خیال رہے کہ آم اور دودھ کے سوا کوئی اور چیز کھائی پی نہ جائے جب دستوں کی تعداد میں کمی آ جائے تو مریض کو دو آم دوپہر کے وقت بھی اسی طرح دودھ کے ساتھ دینا شروع کر دیں دو ہفتہ تک اسی طرح باقاعدگی سے آم کھاتے رہنے سے بیماری دور ہو جاتی ہے۔

اکسیر تلی

پختہ میٹھے آموں کا رس ایک چھٹانک لے کر اس میں ایک تولہ شہد شامل کر کے روزانہ پلائیں کچھ عرصہ کے استعمال سے تلی کا ورم دور ہو جائے گا۔

اکسیر ھاضمہ

میٹھے آم کا رس ۵ تولہ، سونٹھ ۲ ماشہ سونٹھ پیس کر آم کے رس میں ملائیں اور صبح کے وقت پلائیں ہاضمہ کی کمزوری دور ہوگی۔

اکسیر دماغ

آم کا میٹھا تازہ رس پاؤ بھر تازہ دودھ ایک

چھٹانک ادرک کا تازہ رس چائے کا ایک چمچہ (اگر جی چاہے تو بقدر ذائقہ شکر بھی شریک کرلی جائے) سب کو اچھی طرح ملا کر ایک مرتبہ کھالیں روزانہ اسی طرح تیار کرکے استعمال کریں بے حد مقوی دماغ ہے۔ ضعف دماغ کی وجہ سے دائمی دردسر، گرانی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آنے کی شکایت دور ہوجاتی ہے اور لاغری جسم بھی فربہی میں بدل جاتا ہے۔

مذکورہ مرکب علاوہ فوائد مندرجہ کے قلب وجگر کو بھی طاقت دیتا ہے اور فرحت بخشتا ہے۔ سانس مشکل سے چلتا ہے رنگ زرد ہورہا ہے کمزوری بڑھ رہی ہو تو اسے آزمایئے۔

آنتوں کے امراض

آموں کا تازہ رس جو خوب پتلا اور میٹھا ہو، ۵ تولہ (بعد میں دس تولہ بھی کیا جاسکتا ہے) میٹھا دہی ایک یا دو تالہ، ادرک کا رس چائے کا ایک چمچ پھر سب کو خوب اچھی طرح ملا کر پی لیجیے۔ دن میں ایک یا تین بار تک استعمال کرسکتے ہیں۔ پرانے دست، غذا کا خام حالت میں دستوں سے نکلنا، آنتوں اور معدہ کی کمزوری اور بواسیر کے لیے مفید ہے۔

امراض مردانہ

آم کا تازہ میٹھا رس پاؤ پھر سفوف چھ ماشہ سفوسف ثعب چھ ماشہ، تازہ دودھ دو چھٹانک ادرک کا رس ۴ ماشہ پیاز کا رس ایک تولہ انڈے کی زردی ایک عدد، عمدہ گھی ایک تولہ، زعفران تین رتی، گلاب کے عرق ایک تولہ میں ان سب چیزوں کو خوب اچھی طرح حل کرکے آدھی چھٹانک باریک پسی ہوئی مصری شریک کرکے پی لیا جائے۔ تقویت باہ، تولید منی، تولید خون، فربہی، تقویت جسم اور اعضائے رئیسہ کے لیے بہترین غذائی مفرح بھی ہے اور مقوی بھی اس کے علاوہ بدن کو سرخ وسفید بھی بناتا ہے۔

امراض خون

نہایت پختہ اور شیریں آم کا رس جو پتلا اور تازہ ہو ایک پاؤ گائے کا تازہ دودھ آدھ پاؤ خالص گھی چمچ اوسط ادرک کا تازہ رس ایک چائے کا چمچ سب کو خوب ملا کر اور پھر آدھی چھٹانک شکر حل کرکے پی لیا جائے آم کا رس آہستہ آہستہ بڑھاتے رہیں ایک دو مہینے تک صرف یہی مرکب استعمال میں رہے اس کے سوا کوئی غذا نہ کھائی جائے کی خون کی شدید سے شدید صورت کو بھی دور کرتا ہے۔ خون بکثرت پیدا کرتا ہے لاغری کو ختم کرتا ہے جسم کی خشکی بے رونقی، زردی اور ضعف زائل ہوجائے گا۔

(جاری ہے)

بزم سخن

سمیرا شان

مشاعلی مسکان......کم مشالی

وہ چمک نہ چاند میں ہے نہ ستاروں میں ہے
جو چمک مدینے کے دل کش نظاروں میں ہے
بے زباں پتھروں کو بھی بخش دے زباں
اتنی طاقت میرے نبی ﷺ کے اشاروں میں ہے

ثمرہ بشیر......نامعلوم

کبھی ان کے دلوں میں جھانک کر دیکھو
کتنے افسردہ ہیں اوروں کو ہنسانے والے

شگفتہ خان......بھلوال

لوگ ایسے اکڑ کر جیتے ہیں
جیسے آبِ حیات پیتے ہیں

اقرا ماریہ......برنالی

بہت جدا ہے اوروں سے میرے درد کی کیفیت ساگر
زخم کا کوئی نشان نہیں اور تکلیف کی کوئی انتہا نہیں

کوثر خالد......جڑانوالہ

موسم آتے جاتے رہتے ہیں لیکن
میں اس کی تصویر بناتا رہتا ہوں
کوئی رہتا ہے میرا اس پار حسن
میں دریا میں پھول بہاتا رہتا ہوں

سرور فاطمہ ہنی......صوابی کے پی کے

جرم آدم نے کیا اور نسل آدم کو سزا
کاٹتا ہوں زندگی بھر وہ جو میں نے بویا نہیں
جانتا ہوں ایسے شخص کو منیر
غم سے پتھر ہوگیا لیکن کبھی رویا نہیں

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

تو نے یہ پھول جو زلفوں میں لگا رکھا ہے
اک دیا ہے جو اندھیروں میں جلا رکھا ہے
جیت لے جائے کوئی مجھ کو نصیبوں والا
زندگی تو نے مجھے داؤ پہ لگا رکھا ہے

ثمینہ ناز......اورنگی ٹاؤن، کراچی

پانی آنکھ میں بھر کر لایا جاسکتا ہے
اب بھی جلتا شہر بچایا جاسکتا ہے
ایک محبت اور وہ بھی ناکام محبت
لیکن اس سے کام چلایا جاسکتا ہے

ثناریاض چوہدری......منڈی بہاؤالدین

افلاس نے میرے بچوں کو تہذیب سکھا دی
روتے ہوئے سو جاتے ہیں شکوہ نہیں کرتے

عائشہ پرویز......کراچی

ہوا خلاف تھی لیکن چراغ خوب جلا
خدا بھی ہونے کے کیا کیا ثبوت دیتا ہے

فرحت اشرف گھمن......سیدوالا

تیری روح کی سادگی تیرے مزاج کی عاجزی سے پیار ہے
ورنہ حسن تو ازل سے بکتا ہے مصر کے بازار میں

جاذبہ عباس......مری

خوش مزاجی بھی مشہور تھی
ہماری سادگی بھی کمال ہے
ہم شریر بھی انتہا کے تھے
اب سنجیدگی بے مثال ہے

روشی وفا......ماچھیوال

تعلق ہو تو روح سے ہو
دل تو اکثر ہی بھر جاتے ہیں

شازیہ اختر شازی......نور پور

اگر تم جان جاؤ اکیلی رات کا دکھ
تو اسے سیاہ کہہ کر بدنام نہ کرو

لاریب انشال کھرل......اوکاڑہ

وہ جذبوں کی تجارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا
ہمیں اس کی آنکھوں میں دھنک رنگ بکھر رہے تھے
یہ اس کی عام حالت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا

مدیحہ نورین مہک......برنالی

وفائیں خون میں ہوتی ہیں
بندے تو سبھی خاک کے ہوتے ہیں
ماروی یاسمین......44ج سرگودھا

زمین کی وکالت نہیں چلتی
جب فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں
اقصیٰ کشش......محمد پور دیوان

تلاش کرو خوشیاں تو غم ملتے ہیں
یہ غم زندگی میں ہر دم ملتے ہیں
جو بانٹ لیں زندگی کے غم
ایسے دوست زندگی میں بہت کم ملتے ہیں
عظمیٰ شفیق......جڑانوالہ

تنہائیاں مقدر ٹھہریں تو کوئی غم نہیں
یہ میرے گناہوں کا کفارہ ہے اور بس
جویریہ ضیاء......کراچی

تمہارا ایک رب ہے پھر بھی تم اسے یاد نہیں کرتے
لیکن اس کے کتنے بندے ہیں پھر بھی تم کو نہیں بھولتا
مسکان رائے......فیصل آباد

بے گھروں پہ کیا گزرتی ہے تمہارے شہر میں
سرد راتوں میں کبھی تم گھر سے باہر نکل کر دیکھنا
عابد محمود......ملکہ ہانس

کبھی سکون کبھی سرد آہ میں رہنا
کٹھن بہت ہے یہ چپ چاپ چاہ میں رہنا
اسی لیے تو کوئی منزل مراد نہیں
مقدروں میں لکھا ہوگا راہ میں رہنا
ہاجرہ کشف......پشاور تاروجبہ

وقت ملے تو کبھی قدم رکھنا میرے دل کے آنگن میں
حیران رہ جاؤ گے میرے دل میں اپنا مقام دیکھ کر
انعم......برنالی

بکھری کتابیں بھیگے اوراق اور تنہائی پسند دل
محبت نے تو میری عمر پر بھی ترس نہیں کھایا
لائبہ میر......حضرو

تڑپتا دیکھتا ہوں جب کوئی شے
اٹھا لیتا ہوں اپنا دل سمجھ کر
پاکیزہ علی......جتوئی

جب تیرے درد میں دل دکھتا ہے
ہم تیرے حق میں دعا کرتے ہیں
زہرہ حنیف......کراچی

اپنے عکس کو چھونے کی خواہش میں پرندہ ڈوب گیا
پھر کبھی لوٹ کر آئی نہیں دریا پر گھڑی دعاؤں کی
ڈار سے بچھڑا ہوا کبوتر شاخ سے ٹوٹا ہوا گلاب
آدھا دھوپ کا سرمایہ ہے آدھی دولت چھاؤں کی
حدیقہ گل......میرپور خاص، سندھ

ذرا سا ہٹ کہ چلتا ہوں زمانے کی روایت سے
کہ جن پہ بوجھ ڈالوں وہ کاندھے یاد رکھتا ہوں
امبرین......کہروڑپکا

استاد عشق سچ کہا بہت نالائق ہوں میں
مدت سے اک ہی شخص کو یاد کر رہا ہوں
لائبہ تبسم......گجرات

صحرا کے سمندر میں تو میرے ساتھ ساتھ چل
میں تیری راہوں میں پھول بن کر بکھر جاؤں گی
سمیرا ناز......کراچی

ضبط کی کون سی منزل تھی کس مقام پر آ کر ہارے ہیں
اتنا تو مجھے معلوم ہی تھا تمہارے نام پر آ کر ہارے ہیں
کب جیت کا دعویٰ ہم نے کیا یہ ازل ابد کا قصہ ہے
ہم بے خبری کے عالم میں انجام پر آ کر ہارے ہیں
رمشا ملک......لاہور

کچھ ایسی تیز نہ تھی اس کے انتظار کی آنچ
یہ زندگی ہی میری برف تھی پگھلتی رہی

کچن کارنر

کھجور بالز

اجزاء

کھجور	آدھا کلو
چینی	حسب ذائقہ
الائچی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
دودھ	دو کپ
کھویا	ایک پاؤ
ناریل پاؤڈر	ایک کپ

ترکیب:۔

کھجوروں کی گٹھلیاں نکال کر صاف کرلیں اور چوپر میں پیس لیں۔ایک سوس پین میں کھجور کا آمیزہ دودھ اورالائچی پاؤڈر ڈال کر پکائیں۔دودھ خشک ہوجائے تو چمچے سے اچھی طرح مکس کرکے اور ٹھنڈا کرلیں کھوئے میں چاہیں تو تھوڑی پسی چینی ملا کر اس کی چھوٹی بالز بنالیں۔ اب کھوئے کی بلاز پر کھجور کا آمیزہ لپیٹ کر دوبارہ اسے بالز کی شیپ دے دیں اور ناریل میں رول کردیں ٹھنڈا کر کے افطار کے وقت سرو کریں۔

نادیہ احمد......دبئی

چھولوں کی چاٹ

اجزا:۔

چھولے	ایک پاؤ (رات کو بھگودیں)
سوڈا	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	آدھا کپ (چوپ کرلیں)
ہری مرچیں	تین عدد (چوپ کرلیں)
پیاز	ایک عدد (کاٹ لیں)
املی	ایک کپ (بھگودیں اور بیج نکال کر پیسٹ الگ کرلیں)
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ (کٹی ہوئی)
زیرہ	ایک کھانے کا چمچ (کٹا ہوا)
چاٹ مصالحہ	حسب ذائقہ
چینی	ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر	ایک کپ (چوکور کاٹ لیں)

ترکیب:۔

چھولوں میں سوڈا ڈال کر رات کو بھگودیں۔اس کے بعد چھولوں میں سے سوڈا والا پانی نکال کر دوسرا پانی اور نمک ڈال کر چھولوں کو ابال لیں۔گل جائیں تو اس کا بچا ہوا پانی نتھار کر چھولوں میں املی کا پیسٹ، نمک، کٹی ہوئی لال مرچیں، زیرہ، چینی اچھی طرح مکس کردیں۔ٹماٹر، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کریں۔ڈش میں چھولے نکال کر اوپر سے چاٹ مصالحہ چھڑک کر پیش کریں۔

مسز طلعت نظامی......کراچی

مرچوں کے پکوڑے

اجزا:۔

ہری مرچیں (بڑی والی)	ایک پاؤ
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
چاٹ مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
کھٹائی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
بیسن	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

مرچوں کو دھو کر چیرا لگا کر اس میں نمک، چاٹ مصالحہ اور کھٹائی پاؤڈر مکس کرکے بھردیں۔بیسن میں نمک، لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، میٹھا سوڈا، زیرہ پاؤڈر ملا کر پانی سے پھینٹ لیں۔ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔مرچوں کو بیسن کے آمیزے میں ڈپ کرکے تیل میں ڈال کر درمیانی آنچ پر فرائی کریں۔ٹشو پیپر پر نکال لیں۔میٹھی چٹنی، ہری چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

مونگ کی دال کے دہی بڑے

اجزا۔

دہی بڑا مکس	ایک پیکٹ

نمک	حسب ذائقہ
چاٹ مصالحہ	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

بیسن، چاٹ مصالحہ اور دہی بڑا مکس ایک پیالے میں ڈالیں۔ اس میں تھوڑا پانی ملا کر پھینٹ لیں اور گرم تیل میں پکوڑے فرائی کریں۔ پانی میں تھوڑا نمک ملا کر رکھیں۔ پکوڑے ٹھنڈے ہو کر نمک کے پانی میں ڈالیں تھوڑی دیر بعد پکوڑے نکال کر ہاتھ سے دبا دبا کر پانی نکال دیں۔ ڈش میں رکھیں۔ دہی میں چینی ملا کر پھینٹ لیں اور پکوڑوں پر ڈالیں۔ اوپر سے دہی بڑا چاٹ مصالحہ چھڑک دیں۔ مزے دار مونگ کی دال کے دہی بڑے تیار ہیں۔ افطار کے وقت سرو کریں۔

نازیہ عباسی......ٹھٹھہ

سموسے

اجزاء:۔

قیمہ	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	دو عدد
لہسن ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
سیاہ مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
تیل	دو کھانے کے چمچ
زیرہ (کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
پودینہ، ہری مرچیں	چار کھانے کے چمچے (چوپ کیا ہوا)

سموسہ کے لیے

میدہ	دو کپ
نمک	حسب ذائقہ
گھی	دو کھانے کے چمچ
اجوائن	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

سوس پین میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز ڈال کر فرائی کریں۔ قیمہ، لہسن ادرک پیسٹ نمک، کٹی لال مرچیں اور سیاہ مرچیں ڈال کر بھون لیں۔ اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر پکائیں۔ آخر میں پودینہ، ہری مرچ، زیرہ ڈال کر مکس کرکے آمیزے کو ٹھنڈا کرلیں۔ میدے میں نمک، گھی، اجوائن ڈالیں اور مکس کرکے پانی سے سخت آٹا گوندھ لیں اور ڈھک کر رکھیں۔ گندھے ہوئے آٹے کی بڑی سی روٹی بیل لیں اور کٹر سے گول چھوٹے سائز کی پوریاں کاٹ لیں۔ اس پر قیمہ رکھیں اور پوٹلی کی شکل دے کر گرم تیل میں ڈیپ فرائی کرکے افطاری پر چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

سحرش فاطمہ......کراچی

آلو چاٹ

اجزا:۔

آلو	آدھا کلو
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
چاٹ مصالحہ پاؤڈر	ڈھائی چائے کا چمچ
املی کا پیسٹ	آدھا کپ
پودینہ	آدھا کپ
ہری مرچیں (چوپ کرلیں)	تین عدد
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

آلو کو ابال کر چوکور کاٹ لیں۔ اس کے بعد آلو میں نمک، لال مرچ، زیرہ پاؤڈر، چاٹ مصالحہ پاؤڈر، املی کا پیسٹ، پودینہ، ہری مرچیں اور لیموں کا رس مکس کردیں۔ مزیدار آلو کی چاٹ تیار ہے سرو کریں افطار کی یہ چٹ پٹی ڈش آپ کو ضرور پسند آئے گی۔

حنا اشرف......کوٹ ادو

آلو بخارے کا شربت

اجزاء:۔

آلو بخارے	500 گرام
چینی	ایک کلوگرام
کھانے کا زرد رنگ	ڈیڑھ گرام
ایسنس	چند قطرے

ترکیب:۔
آلو بخارے اچھی طرح دھو کر صاف کرلیں۔ آدھا لیٹر پانی میں آلو بخارے ڈال کر رات بھر کے لیے چھوڑ دیں۔ صبح کو اسی پانی میں آلو بخاروں کو ابال لیں۔ دو چار جوش آنے کے بعد چولہے سے اتارلیں۔ چھلکے اور گٹھلی نکال کر پھینک دیں۔ اب اس رس میں چینی ملا کر پکائیں۔ ایک تار کی چاشنی تیار ہوجائے تو ایسنس اور زرد رنگ بھی ملادیں اور چمچ چلا کر سب کچھ اچھی طرح ملالیں۔ پھر اتار کر ٹھنڈا کرلیں اور صاف بوتل میں بھرلیں۔
فہیم انجم......راولپنڈی

آڑو کی چاٹ

اجزاء:۔

آڑو	آدھا کلو
لیموں	دوعدد
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
چینی	چار چائے کے چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ	ایک چائے کا چمچ
رائی	ایک چٹکی
کڑی پتا	تھوڑا سا
کینو کا فریش جوس	حسب ضرورت
کوکنگ آئل	تھوڑا سا

ترکیب:۔
آڑو کے چھلکے اتار کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ لیں اور اس میں لیموں کا رس ڈال کر تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیں۔ اب ایک الگ برتن میں کینو کا رس ڈال کر اس میں چینی، نمک، کالی مرچ اور کٹی ہوئی لال مرچ ڈال کر سوس بنالیں۔ اس میں کٹے ہوئے آڑو ڈال دیں اور تیل گرم کرکے اس میں رائی، کڑی پتا کڑکڑا کر چاٹ کے اوپر ڈال دیں اور چمچ سے مکس کریں مزیدار چاٹ تیار ہے۔
نداحسنین......کراچی

اسپرنگ رول

اجزاء:۔

رول کے لیے پٹیاں	۱۲عدد
بند گوبھی (درمیانے سائز کی باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
گاجر (کدوکش کی ہوئی)	دوعدد
شملہ مرچ	باریک کٹی ہوئی
ہری پیاز	۴عدد باریک کٹی ہوئی
نمک	حسب ذائقہ
کٹی ہوئی مرچ	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
اجینوموتو	ایک چائے کا چمچ
سویا سوس	دوچائے کے چمچ
سرکہ	دوچائے کے چمچ
کوکنگ آئل	دوکپ

ترکیب:۔
تمام سبزیوں کو دو چمچ تیل ڈال کر فرائی کرلیں تقریباً پانچ منٹ تک اس کے بعد تمام مسالے شامل کرلیں جب تمام سبزیاں ٹھنڈی ہوجائیں تو ایک ایک پٹی پر تیار سبزیوں کو رکھ کر رول بنائیں اور ڈیپ فرائی کرلیں کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔
مسز سمیہ عثمان......کراچی

ویجی ٹیبل رولز

اجزاء:۔

بند گوبھی (چوپ کی ہوئی)	ایک کپ
ہری پیاز (چوپ کی ہوئی)	ایک کپ
گاجر (کش کی ہوئی)	ایک کپ
شملہ مرچ (چوپ کی ہوئی)	ایک عدد
شلجم (کش کیے ہوئے)	ایک عدد
زوکنی (نہ ملے تو توری) کش کرلیں	ایک عدد
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں	آدھا کپ
ہری مرچیں (چوپ کرلیں)	چار عدد
پیاز (سلائس کرلیں)	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچ

سویا سوس	ایک کھانے کا چمچ
لہسن (چوپ کرلیں)	ایک کھانے کا چمچ
تیل	تین کھانے کے چمچ
رول کی پٹیاں	حسب ضرورت
انڈا (چپکانے کے لیے)	ایک عدد

ترکیب:۔

ایک بڑے فرائی پین میں تیل گرم کرکے اس میں لہسن اور پیاز ساتے فرائی کریں اس کے بعد اس میں بند گوبھی، ہری پیاز، گاجر، شملہ مرچ، شلجم، زوکنی، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، نمک، کٹی ہوئی لال مرچیں، چائنیز نمک، سویا سوس ڈال کر تیز آنچ پر پکائیں چمچ چلاتے رہیں اس کے بعد ٹھنڈا کرکے رول کی پٹیوں میں بھر کر انڈے سے چپکا دیں اور گرم تیل میں ڈیپ فرائی کریں سنہرے ہوجائیں تو نکال کر کچن پیپر پر رکھیں مزے دار ویجی ٹیبل رولز تیار ہیں۔ کیچپ یا چٹنی کے ساتھ افطار کے وقت گرم گرم پیش کریں۔

رخسانہ اقبال......قائد آباد

چیری کا شربت

اجزاء:

چیری کا رس	ایک کلو
پانی	آدھا کلو
چینی	ایک کلو
سیٹرک ایسڈ	تین گرام
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ	تین گرام
چیری ایسنس	دو ملی گرام
شربت کا سرخ رنگ	تین گرام

ترکیب:

اچھی پکی ہوئی چیری خرید کر انہیں پانی سے دھو کر صاف کرلیں۔ پھر انہیں ہاتھوں سے مسل کر یا مکسر سے کچل کر صاف اور باریک کپڑے سے چھان کر ان کا رس نکال لیں۔ اسے تول کر ایک کلو رس ناپ لیں۔ اب اس رس میں چینی، پانی اور سیٹرک ایسڈ بھی ملا دیں۔ دھیمی آنچ پر رکھ کر پکائیں۔ جب شربت پک جائے تو نیچے اتار لیں اور ٹھنڈا کرلیں۔ اب پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ کو تھوڑے سے پانی میں گھول لیں اور اسی طرح رنگ کو بھی گھول کر اور چھان لیں۔ اب ان کو سارے شربت میں اچھی طرح ملا دیں۔ آخر میں چیری ایسنس ملانے سے خوشبو اور ذائقہ میں اضافہ ہوجائے گا۔ چیری کا شربت تیار ہے۔ اسے صاف اور خشک بوتلوں میں محفوظ کرلیں۔

صدف آصف......کراچی

جو اور لیموں کا شربت

اجزا:

جو کا آٹا	دو سو پچاس گرام
چینی	ڈیڑھ کلو
لیموں کا رس	سات سو پچاس گرام
زرد رنگ	ایک گرام

ترکیب:۔

جو کے آٹے میں تھوڑا سا پانی ملا کر لسی کی طرح بنالیں۔ اب اس میں ایک کلو پانی ملا کر دس منٹ تک پکائیں۔ اس کو بالکل ہلکی آنچ پر پکائیں اور چمچہ ساتھ ساتھ چلائیں۔ اب اس کو اتار کر ٹھنڈا کر کے چھان لیں۔ پہلے موٹے کپڑے سے چھانیں پھر باریک کپڑے سے چھان لیں۔ اب لیموں کا رس نکالیں۔ رس کو بھی باریک کپڑے سے اچھی طرح چھان لیں۔ اس کے بعد جو کا پانی، لیموں کا رس اور چینی ملا کر خوب مکس کریں۔ اب اس کو آگ پر چڑھا دیں اور پکنے دیں۔ جب شربت ایک تار کا ہوجائے تو رنگ پانی میں گھول کر اس میں ڈال دیں۔ ایک، دو جوش آنے کے بعد اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے صاف خشک بوتلوں میں بھر لیں۔

جویریہ ضیاء......کراچی

آرائش حسن

حدیقہ احمد

بال لمبے کرنا

خوب صورت اور دراز زلفیں ہر عورت کی کمزوری ہوتے ہیں تاہم خواتین کی اکثریت اس امر سے واقف ہوتی ہے کہ بالوں کی لمبائی میں اضافے کے لیے محض سر کی اوپر کی جلد پر انواع و اقسام کی اشیا کا استعمال ہی ضروری نہیں بلکہ اس کے جسم میں متعلق اشیا کی مناسب مقدار بھی از حد ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بالوں کی حفاظت کے لیے محض مناسب تیل اور شیمپو کا انتخاب ہی ضروری نہیں بلکہ اس مقصد کے لیے خواتین کو اپنی غذا میں ایسی اشیا کا استعمال کرنا چاہیے جن میں کیلشیم وافر مقدار میں موجود ہو کیونکہ بالوں کی مضبوطی اور ان کی لمبائی میں اضافے کے لیے مناسب مقدار میں کیلشیم کی موجودگی از حد ضروری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خواتین کو اپنی غذا میں کچی سبزیوں کا بھی مناسب مقدار میں استعمال کرنا چاہیے کیونکہ سبزیاں جسمانی ضروریات کے مطابق کیلشیم کی فراہمی کو ممکن بنانے کا اہم ذریعہ ہیں اس کے علاوہ بعض ٹوٹکوں کی مدد سے بھی بالوں کی لمبائی ممکن ہے ان میں سرفہرست تیل کا استعمال ہے۔

چکنے بال

ہارمونز کی کمی بیشی، ناقص غذا، ذہنی تناؤ یا نامناسب ہیئر پروڈکٹس کے استعمال کی وجہ سے بال چکنے ہوجاتے ہیں۔ چکنے بالوں کی نوکیں عموماً پھٹی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان کو ہر دوسرے روز شیمپو کرنے کی ضرورت رہتی ہے خصوصاً گرمی کے موسم میں، چکنے بالوں میں بہت زیادہ برش کرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے چکنائی پیدا کرنے والے غدود زیادہ متحرک ہوجاتے ہیں۔ غذا میں جوسز، تازہ پھلوں اور سبزیوں کا استعمال زیادہ کریں اور چکنائی والی غذا سے پرہیز کریں۔ ہیئر ڈرائیر کا استعمال کم سے کم کریں، مہندی بالوں کے لیے مفید ہوتی ہے کم از کم ہر مہینے مہندی میں لیموں کے دو قطرے ملائیں اور آدھے گھنٹے کے لیے بالوں میں لگا کر رکھیں۔ چکنے بالوں کے لیے انڈے کی زردی بھی بہت مفید ہے۔

بالوں کا جھڑنا

موسم گرما کا آغاز ہوتے ہی جہاں جلد کے دیگر مسائل کا آغاز ہوتا ہے، وہیں خواتین کے بال بھی موسمی اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اس حوالے سے گھریلو خواتین میں بے پروائی کا عنصر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ دوسری جانب اپنی صحت اور جلد کی حفاظت کے معاملے میں حساس خواتین بالوں میں معمولی تبدیلی کے رونما ہوتے ہی بیوٹی پارلر کا رخ کرتی ہیں۔ اس حوالے سے خواتین کو یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ موسم گرما میں جہاں بیرونی ماحول کے درجہ حرارت میں اضافہ ہوتا ہے وہیں انسانی جسم کے درجہ حرارت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ موسم سرما اور گرما میں انسانی جسم کے درجہ حرارت میں فرق ہوتا ہے۔ موسم گرما میں سر کی جلد میں موجود خلیے تیل خارج کرنے کے عمل میں اضافہ کرتے ہیں اور نتیجے میں نہ صرف جلد چکنی معلوم ہوتی ہے بلکہ خواتین کے سر کے بال جھڑنے کا عمل بھی تیز ہوجاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں تیل کا استعمال محدود کریں کیونکہ زیادہ دیر تک تیل لگانے کا اثر بھی ہوتا ہے۔ بیسن اور لیموں کے رس کو مکس کرکے بالوں میں لگانے سے بھی بال جھڑنا بند ہوجاتے ہیں۔

بالوں کو خشکی سے بچائیں

بال خواتین کی شخصیت کا اہم حصہ ہے اور اگر ان کی حفاظت بہتر طریقے سے نہ کی جائے تو بال خراب ہوجاتے ہیں۔ خشکی بالوں کی سب سے بڑی دشمن ہے جو غیر محسوس طریقے سے بالوں پر حملہ آور ہوتی ہے اور بالوں کی خوب صورتی کو نقصان پہنچاتی ہے۔ بالوں کی خشکی دور کرنے کے لیے کنڈیشنر کا استعمال زیادہ نہ کریں بلکہ اس کریم کا استعمال کریں جو خاص طور سے بالوں کو نمکیات سے بچانے کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ بالوں کو دھوپ سے بھی بچائیں، بالوں کو خشکی سے بچانے کے لیے اپنی غذا میں اعتدال سے کام لیں کیونکہ زیادہ چربی سے بھی بالوں کی جڑیں کمزور ہوجاتی ہیں اور بال بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ بالوں کی چمک اور خوب صورتی کو بڑھانے کے لیے بالوں میں تیل سے ہلکا ہلکا مساج کریں اس

سے بالوں کی خوب صورتی بھی برقرار رہے گی اور بال خشکی سے بھی بچ جائیں گے اگر بالوں کے دومنہ نظر آنے لگیں تو فوری طور پر انہیں کاٹ دینا چاہیے تاکہ بالوں کی فطری خوب صورتی قائم رہے۔ ناریل کا تیل بالوں میں لگانے سے بالوں کی خشکی بھی ختم ہوتی ہے اور بال ریشم کی طرح ملائم ہوجاتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے بالوں سے خشکی دور کرنے کے لیے سر میں مساج کے ساتھ ساتھ دہی اور بیسن کا استعمال بھی جاری رکھیں مگر زیادہ خشکی کی صورت میں اپنے معالج سے مشورہ ضرور کریں کیونکہ زیادہ خشکی کی وجہ جلد کی خرابی بھی ہوسکتی ہے اس سے جلد بہت جلدی خشک ہوجاتی ہے، جس سے خارش اور سر میں دانے بننے لگتے ہیں اور جلد اکڑ کررہ جاتی ہے۔

بالوں کو خوب صورت اور صحت مند رکھنے کے طریقے

خوب صورت بال شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چمکتے لہراتے بال تو ہر کوئی چاہتا ہے پر اگر آپ ایسے بال چاہتی ہیں تو آپ کو اپنے بالوں کا خاص خیال رکھنا پڑے گا۔ سب سے پہلے تو اپنے بالوں کی صفائی کا خاص خیال رکھیں جو شیمپو آپ کے بالوں سے میچ کرتا ہو صرف وہی استعمال کریں۔ ہمیشہ اچھی کوالٹی کا شیمپو استعمال کریں، روزانہ بالوں میں شیمپو کریں تاکہ مسام بند نہ ہوں اگر آپ ربڑ بینڈ استعمال کرتی ہیں تو وہ کس کے نہ باندھیں بلکہ ڈھیلی سی چٹیا کریں اس سے آپ کے بال نہیں ٹوٹیں گے۔ آج کل بالوں کو کٹوانے کا رواج ہے لیئر میں بالوں کو کاٹیں اس سے آپ کم عمر دکھائی دیں گی۔ ہیئر اسپرے اور ہیئر جیل زیادہ استعمال نہ کریں اس سے آپ کے بال جلد ہی سفید ہوجائیں گے۔ ہیئر اسٹائل بناتے وقت خاص خیال رکھیں اگر آپ کا ہیئر اسٹائل آپ کے چہرے کے مطابق ہو تو وہ آپ کی خوب صورتی میں چار چاند لگادیتا ہے اگر آپ خوب صورت اور لہراتے بال چاہتی ہیں تو تھوڑا سا سمندری نمک لیں اور اسے پانی میں اچھی طرح مکس کرلیں، اب اس پانی کو شاور میں ڈال دیں اور سارے بالوں کو اسپرے کریں اس سے آپ کے بالوں میں قدرتی چمک آئے گی۔

بالوں کی صحت

بالوں کی صحت کے لیے معدنیات، بہت مفید ہیں، مچھلی کو دماغ کی غذا کہا جاتا ہے یہ بالوں کی غذا بھی ہے کیونکہ اس میں کثیر تعداد میں معدنیات موجود ہے۔ کھانے کی روٹین میں مچھلی کو ضرور شامل کریں کیونکہ مچھلی کے کھانے سے ہلکے بال گھنے ہونے لگتے ہیں یوں تو ہر خاتون کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے بالوں میں ریشم کی سی ملائمت اور پھولوں کی سی تازگی پیدا ہوجائے اور بالوں کی صحت مندی کا انحصار ان کی فطری صلاحیت پر ہے۔ کچھ بال قدرتی طور پر گھنے، تابناک اور نرم ہوتے ہیں اس کے برعکس کچھ خواتین کے بال کھردرے ہوتے ہیں اور ان کی اس حالت کو بہتر کنڈیشنر، روغن زیتون اور انڈے کی زردی کو بیس منٹ تک بالوں میں لگائیں اور شیمپو کرتے وقت بالوں میں لگائیں اور شیمپو کرتے وقت بالوں میں تھوڑا سا سرکہ ڈال لیں اس سے بالوں کی صحت بھی اچھی ہوگی اور بال چمکدار بھی ہوجائیں گے۔

خشک بالوں کے ٹوٹکے

خشک بالوں کے علاج کے لیے ملتانی مٹی لیں، مٹی کو باریک کرکے ایک برتن میں رکھ لیں اور پانی میں ڈبودیں۔ مٹی نرم ہوجائے تو ناریل کے گرم تیل میں شامل کرلیں اب اس سے بال رگڑ کر دھولیں یہ عمل سردیوں اور گرمیوں (یعنی) کہ دونوں موسموں کے لیے بہترین ہے کیونکہ ملتانی مٹی ناریل کے تیل میں مل کر اور بھی مفید ہوجاتی ہے اس سے دماغ اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ اس کے بعد ایک انڈا لے کر اسے پھینٹ لیں اس میں چند قطرے لیموں اور ناریل کا تیل شامل کریں اب اس محلول سے سر کا مساج کریں، جڑوں میں ہلکے ہلکے لگائیں اور آدھے گھنٹے تک ہاتھوں سے مالش کرتی رہیں۔ بچے ہوئے اس محلول میں سیکا کائی بھی شامل کردیں اور اس کے بعد بالوں کو دھولیں۔ اس سے بالوں کی خشکی کے ساتھ ساتھ بالوں کا روکھا پن بھی دور ہوجائے گا اور بال ریشم کی طرح نرم وملائم نظر آئیں گے۔

ہالہ وعائشہ سلیم......اورنگی ٹاؤن کراچی

❁

عالم انتخاب

نزہت جبین ضیاء

غزل

جن خواہشوں کو دیکھتی رہتی تھی خواب میں
اب لکھ رہی ہوں ان کو حقیقت کے باب میں
اب جھیل کے کنارے پرندوں کے درمیان
سورج کو ہوتے دیکھا تھا تحلیل آب میں
خوابوں پہ اختیار نہ یادوں پہ زور ہے
کب زندگی گزاری ہے اپنے حساب میں
اک ہاتھ اس کا جال پہ پتوار ایک میں
اور ڈوبتا وجود میرا سیل آب میں
پروائی چل کے اور بھی وحشت بڑھا گئی
ہلکی سی آ گئی تھی کمی اضطراب میں
آزاد ہیں تو باغ کا موسم ہی اور ہے
خوشبو ہے تیز رنگ بھی گہرا گلاب میں
دیکھو جنوں میں ان کے کھلونے نہ توڑنا
ہم کو رقم کریں گے یہ بچے کتاب میں

شاعرہ: فاطمہ حسن
انتخاب: ارم کمال...... فیصل آباد

چاند

اک چاند دیکھا تھا
مقدس آنکھ میں اس کی یہ کیسا پیار دیکھا تھا؟
حسیں شاہکار دیکھا تھا
کبھی ہم نے بھی اپنے روبرو اک چاند دیکھا تھا
حسیں صندل سے ہونٹوں کے وہ خدوخال ایسے تھے
کہ جیسے چاندنی میں ہر طرف خوشبو بکھر جائے
وہ ہونٹوں پر تبسم کا حسین اک تاج رکھتی تھی
کبھی کھلتا نہیں تھا جو وہ ایسا راز رکھتی تھی
اداسی کی گھڑی میں ہم جو اس کے ساتھ چلتے تھے
تو اس کے شیریں لہجے میں ہزاروں پھول کھلتے تھے
وہ جب چلتی ہوا اس کو ٹھہر کر دیکھنے لگتی
وہ بالوں کو جھٹکتی جب تو یوں لگتا کہ جیسے
بدلیوں سے چاند نکلا ہو
وہ جس دم گنگناتی تھی تو یہ محسوس ہوتا تھا
کسی مندر کی ساری گھنٹیاں بجتی ہوں ہولے سے
وہ ایسا چاند تھا جس کی کبھی پندرہ نہیں دیکھی
مقدس آنکھ میں اس کی یہ کیسا پیار دیکھا تھا؟
حسیں شاہکار دیکھا تھا
کبھی ہم نے بھی اپنے روبرو اک چاند دیکھا تھا

شاعر: ارشد ملک
انتخاب: دلکش مریم، چنیوٹ

غزل

بال بکھرے ہوئے ہیں شانوں پر
شام اترے نہ کیوں منڈیروں پر
وقت روکا ہوا ہے صدیوں سے
ہونٹ رکھے ہوئے ہیں پھولوں پر
کیا قیامت ہے موسم گل میں
دھوپ اگنے لگی ہے شاخوں پر
ہو رہی ہے اذاں تہجد کی
اشک اترے ہوئے ہیں پلکوں پر
کوئی اترا نہ آسمانوں سے
خواب جلتے رہے زمینوں پر
رات لٹتی رہی دریچے سے
زخم اگتے رہے ہیں بیلوں پر
مجھ کو رونا ہے عمر بھر میثم
سر ٹکا کر خود اپنے کندھوں پر

شاعر: میثم علی آغا
انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

محبت میں دست دعا لکھنے والو
محبت کو سمجھو وفا لکھنے والو

ذرا خود بھی اس پہ عمل کر کے دیکھو
کبھی زندگی کو انا لکھنے والو
زمین پر تمہاری حکومت رہے گی؟
کہاں تک یہ خود کو خدا لکھنے والو
قفس میں پرندے مرے جارہے ہیں
کہاں چھپ گئے ہو ہوا لکھنے والو
تمہیں جو بھی لکھنا ہے مرضی تمہاری
ہمیں ہر گھڑی بے وفا لکھنے والو
مری زندگی کا خدا مہرباں ہے
بھلا ہو تمہارا سزا لکھنے والو
تمہیں کس قدر خوب صورت لگی ہو
فریدہ کی قاتل ادا لکھنے والو
شاعرہ:فریدہ جاوید فری
انتخاب:ہدیٰ عمران......راولپنڈی

غزل

وہی قصے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی
ہر ستمگر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کمبخت جوانی اپنی
روز ملتے ہیں دریچے میں نئے پھول کھلے
چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی
تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت!
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی!
قحطِ پندار کا موسم ہے سنہرے لوگو!
کچھ تیز کرو اب کے گرانی اپنی
دشمنوں سے ہی اب غمِ دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ مانی اپنی
آج پھر چاند افق پر نہیں ابھرا محسن
آج پھر رات نہ گزرے گی سہانی اپنی
شاعر:محسن نقوی
انتخاب:سحرش فاطمہ......کراچی

غزل

آپ کا اعتبار کون کرے
روز کا انتظار کون کرے
ذکرِ مہر و وفا تو ہم کرتے
پر تمہیں شرمسار کون کرے
جو ہو اس چشمِ مست سے بے خود
پھر اسے ہوشیار کون کرے
تم تو ہو جان اِک زمانے کی
جان تم پر نثار کون کرے
آفتِ روزگار جب تم ہو
شکوۂ روزگار کون کرے
اپنی تسبیح رہنے دے زاہد
دانہ دانہ شمار کون کرے
ہجر میں زہر کھا کے مر جاؤں
موت کا انتظار کون کرے
آنکھ ہے ترک زلف ہی صیاد
دیکھیں دل کا شکار کون کرے
غیر نے تم سے بیوفائی کی
یہ چلن اختیار کون کرے
وعدہ کرتے نہیں یہ کہتے ہیں
تجھ کو امیدوار کون کرے
داغ کی شکل دیکھ کر بولے
ایسی صورت کو پیار کون کرے
شاعر:داغ دہلوی
انتخاب:نازیہ عباسی......ٹھٹھہ

نظم

کہیں بے کنار سے رتجگے، کہیں زرنگار سے خواب دے!
ترا کیا اُصول ہے زندگی؟ مجھے کون اس کا جواب دے!
جو بچھا سکوں ترے واسطے، جو سجا سکیں ترے راستے
مری دسترس میں ستارے رکھ، مری مٹھیوں کو گلاب دے
یہ جو خواہشوں کا پرندہ ہے، اسے موسموں سے غرض نہیں
یہ اُڑے گا اپنی ہی موج میں، اسے آب دے کہ سراب دے!
تجھے چھو لیا تو بھڑک اُٹھے مرے جسم و جاں میں چراغ سے

اسی آگ میں مجھے راکھ کر، اسی شعلے کو شباب دے
کبھی یوں بھی ہو ترے رُوبرو میں نظر مِلا کے یہ کہہ سکوں
"مری حسرتوں کو شمار کر، مری خواہشوں کا حساب دے!"
تری اِک نگاہ کے فیض سے مری کشتِ حرف چمک اُٹھے
مِرا لفظ لفظ ہو کہکشاں مجھے ایک ایسی کتاب دے
شاعر: امجد اسلام امجد
انتخاب: فہیم انجم...... راولپنڈی

غزل

عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی
میری وحشت، تری شہرت ہی سہی
قطع کیجیے نہ، تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے، تو عداوت ہی سہی
میرے ہونے میں، ہے کیا رُسوائی؟
اے، وہ مجلس نہیں، خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو، جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں، غفلت ہی سہی
عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی
ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی
کچھ تو دے، اے فلکِ نا انصاف
آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
یار سے چھیڑ چلی جائے، اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی
کلام: مرزا اسد اللہ خاں غالب
انتخاب: ندا حسنین...... کراچی

غزل

اندھیری رات کو یہ معجزہ دکھائیں گے ہم
چراغ اگر نہ جلا تو دل کو جلائیں گے ہم
ہماری کوہ کنی کے ہیں مختلف معیار
پہاڑ کاٹ کے رستے نئے بنائیں گے ہم
جنونِ عشق پہ تنقید اپنا کام نہیں
گلوں کو نوچ کے کیوں تتلیاں اڑائیں گے ہم
بہت نڈھال ہیں سستا تو لیں گے پل دو پل
الجھ گیا کہیں دامن تو کیوں چھڑائیں گے ہم
اگر ہے موت میں کچھ لطف تو بس اتنا ہے
کہ اسکے بعد خدا کا سراغ پائیں گے ہم
ہمیں تو قبر بھی تنہا نہ کر سکے گی ندیم
کہ ہر طرف سے زمیں کو قریب پائیں گے ہم
شاعر: احمد ندیم قاسمی
انتخاب: حنا اشرف...... کوٹ ادو

غزل

ہر سُو دِکھائی دیتے ہیں وہ جلوہ گر مجھے
کیا کیا فریب دیتی ہے میری نظر مجھے
آیا نہ راس نالۂ دل کا اثر مجھے
اب تم ملے تو کچھ نہیں اپنی خبر مجھے
ڈالا ہے بیخودی نے عجب راہ پر مجھے
آنکھیں ہیں اور کچھ نہیں آتا نظر مجھے
کرنا ہے آج حضرتِ ناصح کا سامنا
مل جائے دو گھڑی کو تمہاری نظر مجھے
یکساں ہے حُسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ
اُن کی خبر نہیں ہے نہ اپنی خبر مجھے
میں دُور ہوں تو روحِ سخن مجھ سے کس لیے
تم پاس ہو تو کیوں نہیں آتا نظر مجھے
مستانہ کر رہا ہوں رہِ عاشقی کو طے
لے جائے جذبِ شوق مرا اب جدھر مجھے
ڈرتا ہوں جلوۂ رخِ جاناں کو دیکھ کر
اپنا بنا نہ لے کہیں میری نظر مجھے
یکساں ہے حسن و عشق کی سرمستیوں کا رنگ
ان کی خبر انہیں ہے نہ میری خبر مجھے
مرنا ہے ان کے پاؤں پہ رکھ کر سرِ نیاز
کرنا ہے آج قصۂ غم مختصر مجھے

سینے سے دل عزیز ہے، دل سے ہو تم عزیز
سب سے مگر عزیز ہے میری نظر مجھے
میں دور ہوں تو روئے سخن مجھ سے کس لئے
تم پاس ہو، تو کیوں نہیں آتے نظر مجھے
کیا جانیے قفس میں رہے کیا معاملہ
اب تک جو ہیں عزیز مرے بال و پر مجھے
دل لے کے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے
یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے
شاعر: جگر مرادآبادی
انتخاب: نادیہ احمد...... دبئی

غزل

اس بھری محفل میں اپنا مدّعا کیسے کہیں
اتنی نازک بات اُن سے برملا کیسے کہیں
اُن کی بیگانہ روی کا رنج ہے ہم کو مگر
اُن کو خود اپنی زباں سے بے وفا کیسے کہیں
وہ خفا ہیں ہم سے شائد بر بنائے احتیاط
اُن کی مجبوری کو بے سمجھے جفا کیسے کہیں
اہلِ دل لے اُڑیں گے اس ذرا سی بات کو
اُن کے اندازِ حیا پر مرحبا کیسے کہیں
خود ہماری ذات سے کیا فیض پہنچا ہے اُنہیں
دوستوں کی بے رخی کو ناروا کیسے کہیں
جس قدر وہ باخبر ہے ہم سے کوئی بھی نہیں
اپنے دشمن کو بھلا نا آشنا کیسے کہیں
اُن کو جب خود ہی نہ ہو اقبال اپنوں کا خیال
بے حیا بن کر کہو ہم مدّعا کیسے کہیں
شاعر: اقبال عظیم
انتخاب: طلعت نظامی...... کراچی

غزل

رات چپ چاپ دبے پاؤں چلی جاتی ہے
صرف خاموش ہے روتی نہیں، ہنستی بھی نہیں
کانچ کا نیلا سا گنبد ہے اڑا جاتا ہے
خالی خولی کوئی بجرا سا بہا جاتا ہے
ایک سیلاب ہے ساحل پہ بہا جاتا ہے
چاند کی کرنوں میں وہ روز سا ریشم بھی نہیں
چاند مصری کی ڈلی ہے کہ گھلی جاتی ہے
اور سناٹوں کی اک دھول اڑی جاتی ہے
کاش اک بار کبھی نیند سے اٹھ کر تم بھی
ہجر کی راتوں میں یہ دیکھو تو کیا ہوتا ہے!
کلام: گلزار
انتخاب: سدرہ شاہین...... پیرووال

ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
اب اس کی مرضی خزاں کو بہار لکھ دے
بہار کو انتظار لکھ دے
سفر کی خواہش کو وہموں کے عذاب سے ہم کنار لکھ دے
وفا کے رستوں پہ چلنے والوں کی قسمتوں میں غبار لکھ دے
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
اب اس کی مرضی
ہوا کی مرضی کہ وصل میں ہجر کو حصہ دار لکھ دے
محبتوں میں گزرنے والی رتوں کو ناپائیدار لکھ دے
شجر کو کم سایہ دار لکھ دے
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
اب اس کی مرضی
کہ وہ ہمارے دیئے بجھا کر
شبوں کو بے اختیار کر کے سحر کو بے اعتبار لکھ دے
ہوا کو لکھنا سکھانے والوں
ہوا کو لکھنا جو آ گیا ہے
شاعرہ: نوشی گیلانی
انتخاب: صدف آصف...... کراچی

شوخئ تحریر

ہما ذوالفقار

حمد باری تعالیٰ

من میں تُو ہی تُو آنکھوں میں تُو ہی تُو
لبوں پہ تُو ہی تُو سانسوں میں تُو ہی تُو
دل میں تُو ہی تُو تصور میں تُو ہی تُو
یا رب! میری فریاد سن لے
میرا داتا تُو ہی تُو میرا آقا تُو ہی تُو
میرے بگڑے کام بنانے والا تُو ہی تُو
میری ڈوبتی نیا بچانے والا تُو ہی تُو
ہمیں ہر نعمت عطا کرنے والا تُو ہی تُو
میری آس تُو ہی تُو میرا مان تُو ہی تُو
جب ہو دم آخر نگہت کی ہے آرزو
ہو اس دم لبوں پر صرف تُو ہی تُو

تخلیق: مسز نگہت غفار...... کراچی

رمضان المبارک کی آمد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین ،اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور میں نے پسند کیا تمہارے لیے اسلام دین۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پانچ ارکان پر پابندی کا حکم دیا ہے ان میں ایک رکن روزہ ہے۔ جیسے نماز تمام امتِ محمدﷺ پر فرض ہے ویسے ہی رمضان المبارک کے روزے بھی ہر مسلمان مرد وعورت اور امیر غریب پہ فرض کیے گئے ہیں اور پابندی کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے بے شمار عبادات کا ذکر آیا ہے لیکن رمضان کے روزے کا ثواب الگ کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں اس کا اجر دوں گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”حضرت محمدﷺ نے فرمایا جب رمضان المبارک شروع ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کرلیا جاتا ہے۔“ رمضان کے روزہ کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا ہے۔ لیکن ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں دل کیا تو رکھ لیا ورنہ چھوڑ دیا۔

رمضان المبارک کا مہینہ باقی تمام مہینوں سے افضل ہے اس کی آمد ہی ہر کسی کے چہرے پر خوشی کا باعث بنتی ہے۔ ہر طرف خوشی اور گہما گہمی پائی جاتی ہے، ہر طرف تلاوتِ قرآن مجید، تراویح اور سحری و افطاری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ہر طرف پُر سکون لہر دوڑ جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ ہمیں رمضان المبارک سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہمیں خود پہ فخر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت محمدﷺ اور اس مذہب (اسلام) کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اور جس مقصد کے لیے رب کائنات نے اس مہینے کو افضل بنایا ہے وہ مقصد ہمیں پورا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔ آمین

سیدہ سعدیہ عظیم...... بہاولپور

اقوال زریں

❖ انسان کی سب سے بڑی خوب صورتی اس کی مسکراہٹ ہے۔
❖ سب سے اچھی بات ہے وہ جس کے معنی زیادہ اور الفاظ کم ہوں۔
❖ ہم ضرورت سے زیادہ کی آرزو کرتے ہیں اس لیے ناکام ہوتے ہیں
❖ بہترین کی امید رکھو اور بدترین کے لیے تیار رہو۔
❖ سب سے بڑی فتح اپنے آپ کو فتح کرنا ہے۔
❖ جو لوگ تعریف کے بھوکے ہوتے ہیں وہ باصلاحیت نہیں ہوتے۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو

جمعہ کے دن کی فضیلت

❁ جمعہ کے دن غسل ایک ہفتے کے گناہوں کا کفارہ ہے۔
❁ جمعہ کو ناخن تراشنا بیماری سے حفاظت ہے۔
❁ جمعہ کو درود پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی ذکر نہیں۔
❁ جمعہ کے دن مغرب اور عشا کے درمیان تین بار سورۃ فاتحہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ پورے سال کے رزق کا انتظام کردیتا ہے۔
❁ جمعہ کے روز سو مرتبہ درود پاک پڑھنے والے کی سو

حاجتیں پوری ہوتی ہیں تمہیں دنیا کی سزا آخرت کی، سبحان اللہ۔

ہاجرہ کشف..... پشاور تاروجبہ

تلخ حقیقت

☆ دنیا میں ابھی تجھے بہت کچھ خون جگر پینا ہے کیونکہ تیرے چند نفس باقی ہیں اس ہستی آفت بنیاد کی کشمکش سے نجات معلوم کر جب کہ مرنا ابھی باقی ہے۔

☆ دنیا میں فارغ البال وہی ہے جو دنیا سے بے خبر ہے۔

☆ پرندہ انڈے میں فریاد نہیں کرتا ہر چند کہ انڈا قفس سے تنگ تر ہے۔

☆ دنیا کے وہ قصر جس میں بہرام مےنوشی وعیش پرستی کرتا تھا وہ اب خرگوشوں کی آرام گاہ ہے وہ بہرام جو ہمیشہ گورخر کا شکار کرتا تھا وہ اب خود شکار گور ہے۔

☆ دنیا فی الاصل ان کی ہے جو ہمارے بعد پیدا ہوں گے۔

☆ دنیا میں جھکنے کے سوا کھڑے ہونے کی کوئی جگہ نہیں۔

مدیحہ کنول سرور..... چشتیاں

اچھی بات

اچھے الفاظ اور اچھے خیالات ہی خوب صورتیاں تخلیق کرتے ہیں جس چہرے کے ساتھ ہم پیدا ہوتے ہیں وہ ہمارا انتخاب نہیں ہوتا مگر جس چہرے کے ساتھ ہم مرتے ہیں اسے تراشنے کے ذمہ دار ہم خود ہوتے ہیں وہ ہمارے لفظوں خیالوں خوابوں اور دعاؤں کا عکس ہوتا ہے۔

صائمہ ذوالفقار..... چک نمبر 16/14L

بوریت

جب ہم تنہا ہوتے ہیں تو ہاتھ کام میں اور روح اللہ سے ہمکلام رہتی ہے محفل میں ہوں تو اللہ کی باتیں سننا اچھا لگتا ہے ہر قسم کے مسئلے مسائل حل کرتے رات ہو جاتی ہے۔ تب ایک سکون بھری نیند ہمیں بانہوں میں لے لیتی ہے یہ سادہ سی زندگی بہت خوب صورت ہے اور بوریت کا لفظ ہماری لغت زندگی میں کبھی موجود نہیں رہا۔ اگر آپ بور ہوتے ہیں تو آپ بھی یہ خوب صورت لمحات حاصل کر سکتے ہیں۔

کوثر خالد..... فیصل آباد

لفظ باتیں کرتے ہیں

☐ سناٹا جب روح میں اتر جائے تو رونقیں متاثر نہیں کرتیں۔

☐ کتنے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں دعاؤں میں مانگا جاتا ہے۔

☐ محبتوں میں چپ معمول اور دعا سانس ہوتی ہے۔

☐ بےعزتی کی زندگی سے موت بہتر ہے۔

☐ ہنستے ہنستے آنکھوں میں پانی آ جانا کتنا دلفریب نظارہ ہوتا ہے۔

☐ محبت سے غم اور اداسی ضرور پیدا ہو گی۔ وہ محبت ہی نہیں جو اداس نہ کر دے۔

آصفہ قیصرانی..... شادن لونڈ

انمول موتی

◆ قسمت اور دل کی آپس میں کبھی نہیں بنتی، جو لوگ دل میں ہوتے ہیں وہ قسمت میں نہیں اور جو قسمت میں ہوتے ہیں وہ دل میں نہیں ہوتے۔

◆ دنیا میں خوشی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ہم دوسروں کو خوش نہ کریں۔

◆ دکھ دینے والے سے محبت کرو لیکن کسی محبت کرنے والے کو دکھ نہ دو کیونکہ ساری کائنات کے لیے تم کوئی ایک ہو، لیکن کسی ایک کے لیے تم پوری کائنات ہو۔

انجم..... برنالی

اچھی بات

برائی کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ سے نیچے اترنا ایک قدم اٹھاؤ تو باقی اٹھتے چلے جاتے ہیں۔

اور

اچھائی کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ پر چڑھنا ہر قدم پہلے سے زیادہ مشکل ہے لیکن ہر قدم پر بلندی ملتی ہے۔

اقصیٰ کشش..... محمد پور دیوان

انسان

کوئی شے نہیں بدلتی کچھ نہیں بدلتا مگر انسان بدلتا رہتا ہے ٹوٹتا رہتا ہے بنتا رہتا ہے۔ مٹتا رہتا ہے اور پھر بھی جیتا رہتا ہے اس کا مطلب ہے کہ اس پوری کائنات میں سخت ترین چیز انسان ہے انسان جو دنیا کی ہر شے سے زیادہ پائیدار ہے دنیا میں ہر چیز کی ایک معیاد ہے گھاس، پودے، درخت، دریا، سمندر اور بھی بہت کچھ مگر ان سب میں سب سے کم معیاد

انسان کی ہے انسان جس کے قبضہ میں قدرت کی چیزوں کو بنانا ہے جس کی عقل نے دنیا کو عجوبہ بنا چھوڑا ہے نت نئی چیزوں کو ایجاد کیا ہے نت نئی راہیں نکلتی ہیں انسان اپنی عقل کی بے شمار کرشمہ سازیاں دنیا میں چھوڑ جاتا ہے مگر خود فانی ہے زوال پزیر ہے مٹ جانے والی شے ہے بلبلا ہے قطرہ ہے واہ کیا چیز ہے انسان۔

اقتباس "لگن" بشریٰ رحمٰن

انتخاب: پاکیزہ علی..... جتوئی

مہکتی کلیاں

❁ تجربہ انسان کو غلط فیصلے سے بچاتا ہے مگر تجربہ غلط فیصلے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

❁ عزت دل میں ہونی چاہیے لفظوں میں نہیں اور ناراضگی لفظوں میں ہونی چاہیے دل میں نہیں۔

❁ ہمیشہ سچ اور حق بات کہو اگر چہ ناگوار اور کڑوی ہو۔

❁ جتنا کسی کا ساتھ پرانا ہوتا اتنا ہی اس کی بے وفائی کے لیے تیار رہنا چاہیے کیونکہ تبدیلی کائنات کا خمیر ہے۔

❁ انسان کی تمام پریشانیوں کی وجہ تقدیر سے زیادہ اور وقت سے پہلے چاہنا ہے۔

❁ جب اعتبار کا بوجھ بڑھتا ہے تبھی انسان کی اصل اوقات کا پتا چلتا ہے کہ وہ کتنا اعتبار سہہ سکتے ہیں۔

❁ ہر عمل کے اندر اس کا انجام چھپا ہوتا ہے جیسے بیج کے اندر درخت۔

فائزہ بتول..... پشاور

سنہری دور

وہ 7:30 کا الارم پھر بھی آنکھ کھلے لیٹ
وہ باتوں میں مست اٹینڈنس بولنا لیٹ
وہ فری پریڈ کی آس اور چھوٹی سی بریک
وہ پیپر کی ٹینشن اور پھر بھی ٹائم ویسٹ
جان اپنی دوستوں میں باہر کرنا ان کا ویٹ
وہ تکّے کا جواب اور دوستوں سے کہنا
یو آر آئی ایم گریٹ
وہ پڑھے بغیر ٹیسٹ اور نمبر تین میں سے ایٹ
وہ چھٹی کے وقت مستی اور بیگ کا تھوڑا ویٹ
اس لیے تو کہتے ہیں "اسکول لائف از دا گریٹ"

فابیہ مسکان..... گوجرانوالہ

باتیں یاد رکھنے کی

❁ بزرگوں سے کی گئی گستاخیوں کی سزا گستاخ بچوں کی شکل میں ملتی ہے۔

❁ جس معشر کی بنیادوں میں انصاف کا سیمنٹ اور امن و امان کی اینٹیں نہیں ہوتیں وہ معشر ہواؤں کی گدگدی اور مکھیوں کا بوجھ تک برداشت نہیں کر سکتیں۔

❁ اندھیری رات چاہے جتنی ہی کالی اور طویل کیوں نہ ہو اس کے آخری کنارے پر ایک سورج ضرور کھڑا ہوتا ہے۔

❁ سنہری یادوں پر خواہ کتنی ہی دھول کیوں نہ پڑ جائے ان کی اصلی رنگت کبھی بھی ماند نہیں پڑ سکتی۔

❁ اگر اندھیرے میں سایہ ساتھ چھوڑ جائے تو زیادہ روشنی میں بھی ساتھ نہیں رہتا، فرق تھوڑا سا ہے غریبی میں لوگ ہمیں چھوڑ دیتے ہیں اور امیری میں ہم لوگوں کو چھوڑ دیتے ہیں

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

ڈرتے نہیں

نماز ہم پڑھتے نہیں
قرآن گھر میں ہے مگر ہم پڑھتے نہیں
ذرا بھی اللہ کا خوف ہم کرتے نہیں
زلزلوں کے جھٹکوں سے اٹھ جاتے ہیں فوراً
سن کر اذان کبھی ہم اٹھتے نہیں
ہمیں آتی ہے مصیبت تو اللہ یاد آتا ہے
ورنہ تو کبھی سر سجدے میں ہم رکھتے نہیں
کانوں میں اذان کی بھلا کیسے آئے آواز
بند تو کبھی ٹی وی ہم کرتے نہیں
صورت سے تو انسان نظر آتے ہیں ہم
مگر سیرت سے تو مسلمان ہم لگتے نہیں

منزہ عطا..... کوٹ ادو

حقیقت

اگر سچائی کو اس کی اصل ضرورت کے وقت پیش نہ کیا جائے تو اس کے وجود کا اعتراف بے کار ہے اور چراغ جلانے کا وقت غروب آفتاب کے بعد آتا ہے نہ کہ پچھلے پہر۔

مدیحہ نورین مہک..... برنالی

لوڈ شیڈنگ

لوڈشیڈنگ کے لیے کر کے دعائیں تھک گئے
اب دعا اپنی اثر کچھ اور دکھلانے لگی
اس قدر آیا اثر اپنی دعاؤں میں نہ پوچھ
ساتھ بجلی کے میاں! اب گیس بھی جانے لگی

راؤ تہذیب حسین تہذیب.....رحیم یارخان

اللہ کے سوا کسی اور کسی قسم کھانے کی ممانعت

مفہوم حدیث:
اللہ تمہیں ماں باپ کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے پھر جو کوئی قسم کھانا چاہے تو اللہ کی کھائے ورنہ چپ رہے۔
(مسلم حدیث 4257)
(راوی: عبداللہ بن عمرؓ)

اروی مختار.....میاں چنوں

حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا ایک شخص راستے پر چل رہا تھا کہ اسے شدید پیاس محسوس ہوئی سوا سے ایک کنواں نظر آیا اس نے اس میں اتر کر پانی پیا جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے زبان باہر نکال رہا ہے اور مٹی چاٹ رہا ہے اس شخص نے (جی میں) کہا کہ اس کتے کا بھی پیاس سے وہی حال ہے جو میرا ہو گیا تھا سو وہ کنواں میں اترا اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اس کو اپنے منہ میں پکڑ کر کنویں سے باہر نکلا پس کتے کو پانی پلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی قدر فرمائی کہ اس کو بخش دیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے عرض کیا "یا رسول اللہ کیا ہمارے لیے جانوروں سے نیکی کرنے پر بھی اجر ہے" فرمایا "ہاں ہر ذی روح کے ساتھ ہمدردی کرنے پر اجر ہے۔"

نورین خلیل مبین خلیل.....شہر جتوئی

یاد

خاموش پلکوں پر
جب آنسو آتے ہیں
آپ کیا جانے آپ
کتنے یاد آتے ہیں
آج بھی اس موڑ پر
کھڑے ہیں تنہا
جہاں آپ نے کہا
ٹھہرو ہم لوٹ کے آتے ہیں

شمائلہ کرن.....داجل

انمول موتی

⌘ اس شخص کا دل مت توڑو جو آپ کو پسند کرتا ہو۔
⌘ اس شخص کو خدا حافظ مت کہو جس کو آپ کی ضرورت ہو۔
⌘ اس شخص کو شرمندہ مت کرو جو آپ پر مکمل بھروسہ رکھتا ہو۔
⌘ اس شخص کو کبھی مت بھولو جو آپ کو ہمیشہ یاد کرتا ہو۔

اریبہ منہاج.....بلیر کراچی

یاد رکھیے گا

◐ لذت کی خاطر گناہ نہ کر لذت تو ختم ہو جائے گی لیکن گناہ باقی رہ جائے گا۔
◐ دنیا ایک بازار ہے جو عنقریب بند ہو جائے گا۔
◐ پرندے اپنی اپنی بولیاں بول کر اڑ جائیں گے۔
◐ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو یاد کیا کر۔

نادیہ نواز.....گاؤں کھدے

بغیر حساب کے جنت میں چار آدمی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن چار آدمی بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔
وہ عالم جو اپنے علم پر عمل کرے۔
جو حج کرے اور اس میں کوئی بے حیائی نہ کرے اور نیکی کی حالت میں مر جائے۔
وہ شہید جو اسلام کا کلمہ بلند کرتا ہوا میدان جنگ میں شہید ہو جائے۔
وہ سخی جو حلال مال کمائے اور ریاکاری کے بغیر خدا کی راہ میں خرچ کرے۔

ملالہ اسلم.....خانیوال

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے صاحبزادے تحصیل علم سے فارغ ہو کر گھر آئے تو ایک محفل میں حضرت نے فرمایا کہ بیٹا یہ سالکین کی جماعت تمہارے سامنے بیٹھی ہے انہیں کچھ نصیحت کرو، صاحبزادے نے علوم و معارف سے بھرپور

وعظ کیا مگر لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے بلآخر حضرت نے فرمایا، فقیر وکل ہم نے دودھ رکھا تھا کہ سحری کریں گے مگر بلی آئی اور اسے پی گئی بس یہ بات سنتے ہی سب لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگ گئے۔ محفل کے اختتام پر لوگ گھر پہنچے تو حضرت نے صاحبزادے سے فرمایا کہ بیٹا تم نے اتنا اچھا بیان کیا مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ میں نے عام بات کہی لوگوں پر گریہ طاری ہوگیا، صاحبزادے نے کہا ابا جان یہ تو آپ ہی سمجھا سکتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ جب دل عشق سے بھرا ہو تو زبان سے نکلی ہر بات میں تاثیر ہوتی ہے۔

مریم بنت نواز......حافظ آباد

لفظوں کی قید

یہ کیسی تلاش ہے، کیوں ہے کس لیے ہے؟ آخر میں کس راہ پر گامزن ہوں میری منزل کا وجود کہاں پر ہے۔ بعض اوقات انسان کچھ ایسے سوالوں پہ سوچوں کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے کبھی کبھار وہ شدت سے مجبور بھی ہوجاتا ہے کہ وہ ایسا سوچے اس کی زندگی نے اسے یادوں کے کس دوراہے پر لا کھڑا کردیا ہے اور پھر وہ چاہ کر بھی اس تسلسل سے نکل نہیں پاتا جب یہ کیفیت شدت اختیار کر جاتی ہے تو دل میں ایک خلش اور سانسوں میں ایک چبھن سی محسوس ہونے لگتی ہے اور پھر یہ چبھن رگ وجاں سے قریب تر ہوجاتی ہے لفظوں کی قید بن کر......

اپنے اندر کی دنیا میں ڈوب کر میں نے بولنا چاہا
بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن وہ جذبات بلآخر لفظوں کا وہ روپ نہ دھار سکے کسی قید کے حصار میں تھے سوچتی ہوں ایسا کیوں ہے شاید زندگی کی مصروفیت نے میرے لفظوں کو باغی یا خفا کردیا ہے یا پھر دل کی طرح
میرا قلم بھی ٹوٹ گیا

امرینہ خان امبر......حاصل پور

جواہرات سے قیمتی

✦ موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔
✦ غم برداشت کرنا بھی عبادت ہے۔
✦ جنت کا شوق اور جہنم کا خوف ہو تو شریعت پر چلنا آسان ہوجاتا ہے۔
✦ زندگی کو برسوں سے نہیں اچھے اعمال سے ناپو۔
✦ سخت کلامی وہ شعلہ ہے جو ہمیشہ داغ چھوڑ جاتا ہے۔
✦ ہر کام اپنے بڑوں سے پوچھ کر کیا کرو۔

نمرہ اسلام......خیر پور ٹامیوالی

رمضان کے لیے جنت کو سجایا جاتا ہے

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔
"سال کے شروع سے سال کے آئندہ تک رمضان کے لیے جنت کو سجایا جاتا ہے جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے عرش کے نیچے سے جنت کے پتوں سے حورعین پر سے ایک ہوا چلتی ہے وہ کہتی ہے اے ہمارے رب اپنے بندوں میں ہمارے ایسے خاوند بنا جن کے ساتھ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہمارے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔
(مشکوۃ الشریف کتاب الصوم)

فضہ یونس......گنگا پور

مسکراہٹیں

ایک انگریز ڈاکٹر نے عربی کے دو الفاظ ماشاءاللہ اور ان شاءاللہ سیکھ لیے ایک بار وہ کسی مریض کو دیکھنے لگا مریض کو تھرمامیٹر لگایا اور ٹمپریچر دیکھ کر کہا۔ "ماشاءاللہ بخار تو بہت تیز ہے۔" گھر والے یہ سن کر گھبرا ئے اور پوچھا "کیا یہ مر جائے گا۔"
انگریز ڈاکٹر نے کہا "ان شاءاللہ۔"

امیر حمزہ......وار برٹن

اقوال جبران

اگر تم وہی دیکھتے ہو جسے روشنی ظاہر کرتی ہے اور وہی سنتے ہو جس کا اعلان آواز کرتی ہے تو درحقیقت نہ تم دیکھتے ہو نہ سنتے ہو۔

صدیقہ خان......باغ اے کے

یادگار لمحے

لوگ کہتے ہیں کسی ایک کے چلے جانے سے زندگی رک نہیں جاتی
لیکن
یہ کوئی نہیں جانتا کہ لاکھوں کے مل جانے سے بھی اس ایک کی کمی پوری نہیں ہوتی۔

سنیاں زرگر، افشاں عافی......جوڑہ

دوستی

زندگی کتنی خوب صورت اور پیاری لگتی ہے جب کوئی

دوست بنتا ہے تو وہ ہماری دکھ درد بانٹتا ہے ہمارے ہر خوشی اور غم میں شریک ہوتا ہے اور جینے کی راہ دکھاتا ہے۔
لیکن ایسا دوست ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا جو اپنوں کی طرح چاہنے لگے دوستی ایک ایسا پھول ہے جو ہمیشہ خوب صورت اور مسکراتا رہتا ہے۔
دوستی کرنا آسان ہے مگر اسے نبھانا بہت مشکل ہے دوستی ایک مقدس رشتہ ہے۔

تانیہ جہاں...... سیالکوٹ ،ڈسکہ

اچھی بات

زندگی بدلنی ہو تو ایک جملے ایک واقعہ اور ایک استاد سے بدل جاتی ہے نہ بدلنی ہو تو ہزار کتابیں کئی واقعات اور دانشور مل کر بھی آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتے۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین

رات کو سونے کا عمل

☆جو شخص رات کو سونے سے پہلے چار مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو اس کے نامہ اعمال میں چار ہزار دینار صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔
☆جو شخص رات کو سونے سے پہلے تین دفعہ سورۃ اخلاص پڑھے گا تو اسے ایک قرآن پاک پڑھنے کا ثواب ملے گا۔
☆جو شخص رات کو سونے سے پہلے تین مرتبہ درود شریف پڑھے گا جنت کی قیمت ادا ہو جائے گی۔
☆جو شخص رات کو سونے سے پہلے دس مرتبہ استغفار پڑھے گا اس کو دو لڑنے والے کے درمیان صلح کرانے کے برابر ثواب ملے گا۔
☆جو شخص رات کو سونے سے پہلے چار مرتبہ تیسرا کلمہ پڑھے گا تو اس کو ایک حج کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

حافظہ صائمہ کشف...... فیصل آباد

خوب صورت باتیں

✿ مصروف زندگی میں نماز پڑھنا دشوار ہوتا ہے لیکن نماز پڑھنے سے دشوار زندگی آسان ہو جاتی ہے۔
✿ قرآن دل و دماغ کو کھولتا ہے مگر اس کے لیے قرآن کو کھولنا ضروری ہے۔
✿ گفتگو ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے انسان یا تو دل میں اتر جاتا ہے یا پھر دل سے اتر جاتا ہے۔
✿ جب کوئی دل دکھائے تو چپ رہنا چاہیے کیونکہ جس کو ہم جواب نہیں دیتے ان کو وقت ضرور جواب دیتا ہے۔
✿ خوش قسمت ہے وہ انسان جس کے لیے کوئی روئے اور بدقسمت ہے وہ شخص جس کی وجہ سے کوئی روئے۔
✿ جو خود غرض ہوتے ہیں وہ کبھی اچھے دوست نہیں ہوتے۔

نورین انجم...... کراچی

زندگی

زندگی کیا ہے
کوئی نہیں جانتا
پل کی مسکراہٹ یا دو پل کا غم
پل کا سکھ یا دو پل کا دکھ
سکھ کا ساگر یا دکھ کا دریا
زندگی کیا ہے
زندگی ایک پہیلی ہے

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

پاکستانی ہونے کی پہچان

❁ پاکستانی ہر کھانے میں لہسن پیاز کا استعمال ضرور کرتے ہیں۔
❁ گفٹ پیپرز کو دوبارہ استعمال کرتے ہیں۔
❁ گیٹ پر رخصت ہونے سے پہلے آدھا گھنٹہ ضرور باتیں کرتے ہیں
❁ بغیر ڈاکٹر کے تجویز کیے دوائیں استعمال کرتے ہیں
❁ ٹوتھ پیسٹ کو رول کر کے آخری قطرہ نکالتے ہیں
❁ بہت سے شاپروں کو ایک شاپر میں ڈال کر رکھتے ہیں۔

فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

حسنِ خیال

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! رب العزت کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو مالک ارض وسماں ہے۔ جون کا حجاب رمضان نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے اور کچھ ہی دنوں میں رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہونے جارہا ہے۔ گرمی بھی اپنے عروج پر ہے اللہ سبحان وتعالیٰ ہم سب کے لیے آسانیاں فرمائے اور ہمیں صحیح معنوں میں عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ نئے افق، آنچل اور حجاب گروپ میں تبصرہ مقابلہ اس بار سحرش فاطمہ، نادیہ احمد اور ندا حسنین نے کروایا اور اس کو پرکھا بہن نزہت جبین ضیاء اور ریحانہ آفتاب نے ہم آپ سب کے مشکور ہیں اور جتنے والے تمام دوستوں کو مبارک دیتے ہیں۔ اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے حسن خیال کی جانب اور جانتے ہیں آپ کے خیالات۔

ارم کمال...... فیصل آباد۔ پیاری سی باجی، سدا ہنستی مسکراتی رہیں، آمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ! امید ہے کہ بفضل خدا خیریت سے ہوں گی، حجاب کا رنگا رنگ اور دلفریب ٹائٹل نظروں سے ہوتا ہوا دل میں اتر گیا۔ ''بات چیت'' میں پہنچے آج کل جو حالات ہیں ان میں سب ہی کے جذبات کا درجہ بہت اونچائی پر ہے۔ حمد ونعت پڑھ کر دل کے ایوانوں میں سکون وشکر پیدا ہوا۔ امہات المومنین سے سبق آموز واقعات دل ودماغ کو منور کر گئے۔ ''ذکر اس پری وش کا'' میں نگین شہزادی اور صبیحہ شہریار نے دل موہ لیے۔ رخ سخن میں سباس گل کی اثر انگیز گفتگو اور شاعری نے سماں باندھ دیا۔ آغوش مادر میں حمیرا نوشین نے اس دفعہ رلا کر رکھ دیا۔ ام مریم سے ملاقات زبردست رہی، تحریروں میں ''چلو پھر کوچہ جاناں میں'' نوال نے بہت ہی ظلم سہے۔ سارب جیسے مرد تو دل کرتا ہے کہ دس دفعہ پھانسی لگواؤں آپ کو اپنی بیوی پر شک ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں، ظلم کرنے کی اجازت کس نے دی ہے اور دوسری طرف عبیل جیسے کانوں کے کچے مردوں سے بھی اللہ بچائے خود بھی تھوڑی بہت عقل کا استعمال تو کرنا چاہیے۔ ''سفر اب جتنا باقی ہے'' سعدیہ امل کاشف کی نوحہ کناں تحریر تھی۔ یہ بچے بڑے ہو کر ماؤں کے درد سے یکسر انجان کیوں ہو جاتے ہیں۔ نازیہ جمال کی ''امڑی وے'' میں بالآخر ناہید نے ماں کی بات مان کر صحیح فیصلہ کیا۔ سلسلے وار ناول ''دل کے دریچے'' میں پے در پے آزمائشیں فائز اور سفینہ پر آتی جارہی ہیں، اللہ ان دونوں پر رحم کرے۔ شمارے کی سب سے پُراثر اور زبردست تحریر ''پچھتاوا'' رہی، نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر بہن نے بہن کا درد نہ جانا بلکہ الٹا نمک چھڑکنے کا کام کیا اور بالآخر قدرت کے انتقام کا شکار بنی۔ سدرہ فریال کی ''تربیت'' آگہی کے کئی در وا کر گئی۔ اصل میں تو تربیت اس طرح کرنی چاہیے جیسا کہ ہمارے اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ظاہر ہے جب ہم اپنے راستے سے ہٹتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں۔ طب نبوی ﷺ میں غصے کو بھگانے کے طریقے بتائے گئے مگر جب غصہ آتا ہے تو یہ سارے طریقے اڑن چھو ہو جاتے ہیں، اللہ ہم سب پر اپنا رحم کرے اور غصے سے میلوں دور رکھے، آمین۔ بزم سخن میں آسیہ توصیف، بشریٰ تمثیل اور منزہ اقبال کے اشعار اے ون رہے۔ کچن کارنر میں گرمی کی مناسبت سے قسم قسم کے شربتوں سے تراوٹ ملی۔ عالم میں انتخاب میں دلکش مریم، تحریمہ اکرم چوہدری اور کرن شہزادی کا انتخاب بہت خوب رہا۔ شوخئ تحریر میں مسز نگہت غفار، فرحت اشرف، گھمن ایس انمول اور سمیرا سواتی کے مراسلے بہترین رہے۔ حسن خیال میں سب کے چہرے خوب جگمگا رہے تھے۔ میری

طرف سے حجاب کے تمام اسٹاف کو درجہ بدرجہ اور تمام قارئین کو "رمضان مبارک ہو" اللہ تعالیٰ ہمیں اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ ثواب اور نیکیاں کمانے کی توفیق عطا فرمائے آمین اچھا اب اجازت دیں فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر ارم مبارکباد، مکمل تبصرہ پسند آیا آئندہ بھی شامل رہیں۔

سارہ خان...... بہاولپور۔ اسلام علیکم! حجاب کے پیارے پیارے ستاروں کیسے ہو امید ہے خیریت سے ہو گے مگر آپ کی چندہ آپ سے خفا ہے پچھلے ماہ ہمارا تبصرہ نہیں اور کسی نے یاد بھی نہیں کیا اتنی بے پروائی خیر ہم پھر بھی آ گئے ہیں آپ سے باتیں کرنے آ ہو

حجاب عید کا چاند بن گئے ہو تم
حجاب لیٹ آنے والا ڈرافٹ بن گئے ہو تم

انتہا کہ انتظار کے بعد حجاب نے اپنی صورت دکھائی اور ہمیں یقین آیا کہ حجاب آ گیا ہے، فٹافٹ ہم نے ٹرین کی اسپیڈ پکڑی اب تبصرہ بھی جو کرنا تھا ہاہاہا۔ سرورق ہمیں پیارا لگا تو اندر قدم رنجہ فرمایا اوہ یہ کیا دیکھتے ہیں ہم اپنی خوب صورت آنکھوں سے کون کون سے ستارے آئے ہیں واہ جی بلے بلے نزہت جبیں، سعدیہ امل کاشف واہ اقبال بانو، حمیرا نوشین۔ "حمد ونعت" سے مستفید ہونے کے بعد "امہات المومنین" پڑھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کیا ساتھ ہی ہم اپنی ہم جولیوں کی محفل میں شامل ہو گئے جی ہاں "ذکر اس پری وش کا" سب کی نٹ کھٹ باتیں تعارف مزہ دو بالا کرتا گیا۔ رخ سخن میں سمیرا غزل کی باتیں اور ان کی شاعری سے لطف انداز ہوتے رہے۔ "آغوش مادر" میں ہماری پیاری مصنفہ حمیرا نوشین آپ کی والدہ کے بارے میں پڑھا آپ کی باتیں آپ کی محبت بے ساختہ ہماری آنکھیں اشک بار ہو گئیں بہت عمدہ لکھا آپ نے۔ ملاقات میں ام مریم واہ جی تمام سوالوں کے جوابات ام مریم نے بہت عمدگی و خوب صورتی کے ساتھ دیئے، جیتی رہیے اللہ پاک آپ کو خوش رکھے آمین۔ فوزیہ وقار سے تفصیلی بات چیت کا اپنا مزہ ساتھ ہماری چائے کا۔ ہم نے آغاز کر لیا جی چلو پھر کوچہ جاناں والی نزہت آپی کیا لکھا مزہ آ گیا۔ بخت میں کیا لکھا کوئی نہیں جانتا اتنا سفر اذیتیں برداشت کی بعد ملن ممکن تھا اور وہ ہو گیا بہت عمدگی کے ساتھ آپ نے ہر کردار کو لکھا ایسے ہی لکھتی رہیں بیسٹ آف لک۔ محبت خواب کی صورت اقبال بانو آپ کی کہانی سچائی پہ مبنی آج کل کے دور میں ایسا ہو رہا ہے بہت خوب صورتی کے ساتھ آپ نے ہر لڑکی کے جذبات واحساسات کو لفظوں میں ڈھالا ان کی خواہشوں کو بیان کیا۔ آپ کی تحریریں ہمیشہ سبق آموز ہوتی ہیں۔ "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ کہانی عمدگی کے ساتھ بڑھ رہی ہے مزہ بھی برقرار ہے، بیسٹ وشز آپ کے لیے۔ "سفر اب جتنا باقی ہے" سعدیہ امل کاشف بہت عرصے بعد آپ کی تحریر پڑھی یقین جانئے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کی تحریر سے نمناک آنکھوں کو غمناک کرتی رہی ہیں۔ ایک عورت سے ماں کا درجہ ماں کی پرورش سے اولاد کی محبت اور صلہ کیا ملا۔ اللہ پاک ہم سب کے والدین کو صحت وزندگی دے آمین۔ نازیہ جمال "امڑی وے" خوب صورت تحریر لکھنے کے لیے بیسٹ وشز۔ "ظرف" فصیحہ آصف بہت عمدہ تحریر خوب صورتی اور خوب سیرتی کے درمیان فرق کو اجاگر کرنا ایک ماں کو احساس دلانا اولاد سب یکساں ہے اپنی ممتا سب پہ نچھاور کرو۔ بہت عمدگی کے ساتھ آپ نے اپنے لفظوں کا ہنر جگایا۔ "دل کے دریچے" صدف آصف کہانی کیا کیا رخ موڑ رہی ہے اب تایا ابا کا بھی کاروبار ختم۔ اف اتنی مشکلات کیا ہونا ہے، اماں صاحبہ رشتہ کروا رہی ہیں اور ستم ہی ستم۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، بیسٹ آف لک۔ "پچھتاوا" ام ایمان قاضی انداز بیان لاجواب، عمدہ تحریر، سبق آموز شیطان کیا کیا کروا دیتا ہے جب رشتوں میں حسد کینہ پیدا ہو جائے اپنے ہی دشمن بن جاتے ہیں ماں باپ کی تربیت ہی آپ کی زندگی کو سنوارتی اور بگاڑتی

ہے۔ بیسٹ وشز۔ حرا قریشی ''زندگی تھک گئی'' ایک تلخ تحریر جو سچائی پہ مبنی بہت خوب صورتی کے ساتھ آپ نے قلمبند کی ماں کی محبت، امیر اور غریب طبقے کے درمیان موجود فرق، بیسٹ وشز۔ سلمٰی فہیم گل مزہ آ گیا بہت خوب صورت بیسٹ آف لک۔ تربیت سدرہ فریال، سویرا سامعہ ملک خوب صورت تحریریں نیک خواہشات۔ ''جیسا میں نے دیکھا'' بزم سخن، طب نبوی ﷺ، کچن کارنر، آرائش حسن'' خوب صورت سلسلے ہیں ان سے مستفید ہونا ہماری اولین ترجیح۔ عالم میں انتخاب، دلکش مریم، حنا اشرف، صائمہ قریشی آپ سب نے محفل لوٹ لی واہ واہ۔ شوخئی تحریر، حسن خیال میں تمام خطوط کو پڑھتے رہے انعام یافتہ دوستوں کو مبارک باد۔ شوبز کی دنیا، ہومیو کارنر، ٹوٹکے، سب پڑھے عمل کتنا کروں معلوم نہیں۔ حجاب ڈائجسٹ بیسٹ رہا اس بار، امید ہے ایسے ہی بیسٹ رہے گا۔ بہت باتیں کر لیں، اللہ حافظ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

☆ سارہ ڈیئر پہلا انعام حاصل کرنے پر آپ کو مبارک باد۔

حرا قریشی...... ملتان۔ رب سوہنے کے اسم خاص سے ابتدا کرتے ہیں، ارادہ تو یہی تھا تبصرہ بائے پوسٹ بھیجوں مگر جب فیس بک پر تبصرہ کمپیٹیشن کا علم ہوا تو سوچا ویٹ کرلیا جائے کہ رابطے کے اس سماجی پلیٹ فارم پر محبتوں کا ذائقہ ہی کچھ اور ہوگا۔ (حرا کی سستی کی تو پھر بات ہی الگ ہے کھلی ملی چاہتیں، بے پایاں محبتیں، باخدا گرما کی یہ شدتیں قلب تمازت کو ہوا دے رہی ہے) وہ کہتے ہیں نا دل تو بچہ ہے جی، سنتا کب کسی کی ہے (بس کچھ ایسے ہی جذبے قارئین کے در دل تک رسائی دینے میں مدد دے رہے ہیں۔ سرورق اگرچہ بہت دیدہ زیب نہیں تھا مگر معیار کے درجے سے کہیں نیچے بھی نہیں تھا) تیکھی نگاہوں کے ایسے انداز کہاں بھاتے ہیں جناب من کو۔ ابتدائیہ محترم مدیرہ کی بات چیت پڑھی، کم علمی پر اپنی ترس آیا اور مدیرہ پہ پیار کہ موصوفہ کو سیاست سے چنداں دلچسپی نہیں۔ دل صاحب فراش ہو گئے رب اور اس کے محبوب کا ذکر پڑھ کر۔ ندا جی نے بصورت امہات المومنین معلومات کو کئی گنا کیا۔ ''ذکر اس پری وش کا'' حجاب میں ان معصوم تتلیوں کی آمد حجاب کو پر رونق گلستاں بنا دیتی ہے۔ کچھ کلیوں کا رنگ تو بگڑے موڈ کو درست کرنے میں بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔ کیوں نگین، حنا، صبیحہ، مبین ماہ دولت ٹھیک فرما رہی ہیں ناں۔ سمیرا غزل کے بارے میں جان کر جو خوشی ہوئی وہ قابل بیان ہے بھئی۔ آپ کیا سمجھے؟ ان کے حروف سے بعد از معانقہ چٹا چٹ بوسے لے ڈالے سب اس رخ سخن میں صاحب من حرا کو دعوت کب دے رہی ہے۔ عقب سے صدا ابھری ابھی اوقات میں رہیں آپ، حرا پشیمان! حمیرا کا ''آغوش مادر'' مثل حمیرا حسین مگر مختصر حرا بھی بس تعاقب میں ہے ام مریم سے ملاقات، فیم، وشمہ، حنا، ارے بھئی واہ یہاں تو بڑے بڑے لوگ تشریف فرما ہیں۔ ادب سے نشست برخاست کی تابع فرماں طالب علم کی طرح، ایک معمولی سا گلہ۔ حرا سے ملے بغیر ہی فیس بک چھوڑ دی، باصلاحیت فوزیہ سے ملے۔ مایہ ناز مہارتیں! خوب، آہا! نزہت آپی بھی ہیں ان کی تحریر توجہ کے مرکز مائل دائرے سے قاری کو کشش کرتی رہی۔ پڑھتے پڑھتے اسے حرا نے بھوک کو تھپک تھپک کر سلا دیا بعد اختتام کھانا بنایا، اس دوران آج کا لنچ بھی دل جلاتا رہا۔ بوقت مایوں سدرہ کے ساتھ بڑوں کے مان پر کلیم کی رحم لی پہ ننھے منے دل کو ڈھارس ہوئی۔ یاسر صاحب نے خوب حق دوستی ادا کیا، رومانہ کے رویے پہ جی بھر کے طیش آیا۔ نوال کی سوگوار دلدوز طبیعت آخر تک ڈسٹرب کرتی رہی۔ شبانہ اور اس کی پود جانے کب تک ماڈرنزم کے نام پر از خود گناہوں کے دلدل میں قدم رکھتے رہیں گے۔ ثروت خانم، سائرہ سے لوگ نعمت ربانی سے کم نہیں بالآخر عبیل کی مراد بھی بر آئی۔ حرا ٹھیک تو کہتی ہے ''عورت کا دوسرا نام قربانی ہے'' یہ تحریر عملی طور پر اس بات کو ثابت کرتی ہے، مزید کیا کہوں۔ تسی مہا گریٹ او، اقبال بانو ایک بار پھر سے دل دہلانے والا سبق لئے حاضر ہوئیں، رخشی نے حرام

موت کو گلے لگا کر بالکل بھی اچھا نہیں کیا جب اتنا صبر کیا تھا تو تھوڑا اور گزر بھی ہو جاتا پر کچھ باتیں کہنا بہت آسان ہوتی ہیں۔ حرا کی درخواست پہ بھی اب نظر ثانی کرلیں آپ۔ نادیہ جی بے حد پیاری تحریر آہ قسط وار ویسے یہ حروف سادہ و ساحر کس زنبیل سے نکالے آپ نے تحریر آغاز سے ہی متاثر کرنے والے ہتھیاروں سے لیس ہے۔ زرتاشہ بلاشبہ بہترین دوست کا روپ ہے زرینہ کی کم عقلی پہ معصومیت سے اس پر رحم آیا چونکہ بچی رحمدل ہے پس ایسا ہونا تو تھا ناں۔ مسٹر شرجیل جیسے لوگوں کو سرِ عام سر بازار جتنے جوتے لگائے جائیں کم ہے اور دل تو میرا چاہ رہا تھا کہ عروبہ کے دلکش رخساروں پر بھی دو دلکش تھپڑ رسید کردوں ایسی الزام کشی پر۔ باسل، نیلم کا ربط تجسس کی راہ ایکسپوز کررہا ہے اب دیکھنا ہے شاپنگ مال میں پھنسی صنف نازک کیا تدبیر کرتی ہیں؟ ویسے انہیں اب اے ٹی ایم مشین کی جانب جانا چاہیے تھا۔ چندے آفتاب، چندے ماہتاب! سعدیہ امل کی تحریر آپ نے اپنی طویل غیر حاضری کے غم کو ایک چھوٹی مگر مستند تحریر سے پر کیا اسے پڑھتے جہاں اظہار تشکر کا جذبہ غالب رہا وہاں ماستا کی اشتہا انگیز مہک نے تسلسل کی کڑیوں کو ملائے رکھا۔ سچ یہ ماؤں کے احساسات بھی بے بہا بے لوث چاہتوں کی چپاتی سے بنے ہوتے ہیں کہ جسے جتنا بھی کھالیں سیری نہیں ہوتی، بھوک باقی رہتی ہے۔ بس ہوگئی حرا نے رو دینا ہے اب۔ ”امڑی وے“ نے تو شدت سے اس خواہش کو ابھارا کہ جاگیرداروں کی تساہل پسندی، حاکمیت پروری کو دائمی آتش سے بھسم کردیا جائے۔ ویسے ایک بات تو بتائیں اپنے پاس ایک عدد خوب صورت، سلیقہ مند زوجہ کے ہوتے دوسری صنف نازک کی جانب کیوں۔ ذور دیتے ہوئے ملتفت رہتا ہے یہ آدم۔ ”ظرف“ بھی پر اثر ٹھہری جب ماں کا دل نفرت کی کثافت سے پاک ہوا تب سارے گدلے بادل دھند سمیت غائب ہوگئے اٹ دی اینڈ محبت کی اراضی شفاف ہو گئی۔ مقام حیرت اس قدر تعلیم یافتہ ہونے کے بعد بھی گورے کالے کا فرق موجود ہے جس کا جتنا ظرف کچھ ایسا خاص تعلق ہے میرا ان کے ساتھ۔ حرا متحیر و مسرور واللہ! یہ صدف آپ ہی ہیں نا یا خواب کوئی؟ کرداروں کے گنجلک میں پھنسی تحریر قاری کو ساتھ لیے سبک روی سے جاری و ساری ہے خان ہاؤس کی تجوری سے عمیق قصے فاش ہونے کا اندیشہ شرمیلا کی ہنسی، فقرے دھنک سے، جلال کا مستحکم فیصلہ، فائز کے پہاڑ سے مصائب آہستہ آہستہ کرداروں کی پرت در پرت منظر کشی کررہے ہیں جیسے حسین دوشیزہ منہمک کینوس میں اپنے رنگ منتشر کرے۔ پھول، خوشبو، دل کے سارے تذکروں سے تیرا تذکرہ پیارا! اس دفعہ بھی میلہ لوٹ لیا ام ایمان نے اتنے برس ہمراہ گزارتے بھی مرد نساء کو اعتماد کی چادر نہیں دے پاتے۔ ”زندگی تھک گئی“ کے لئے پیارے قارئین کی توصیف و تنقید معتبر۔ ”تیرے لوٹ آنے تک“ تحریر تو سادہ، ہلکی پھلکی ہے مگر نام کرداروں کے بھاری بھرکم معذرت تربیت ایک عمدہ سبق کے پیرہن میں عیاں ہوئی۔ پروین شاکر نے بھولے بھٹکے راستوں سے صحیح کا تعین کرتے اشعار کو جوش سے انگڑائی لینے پر مصر کیا۔ طب نبوی ﷺ آزمودہ، بزم سخن خوابیدہ۔ ”کچن کارنر“ شربتوں اور چاولوں کی صورت اشتہا بڑھاتا ہے نزہت کے؟ آج کے لنچ کی طرح دلکش انتخاب میں موجود اولیت پہ، آپ کا ہی ہے ناں جومری فرینڈ لسٹ میں شامل ہے؟ بتاؤ لڑکی شوخی تحریر بلا کی کمال۔ حسن خیال میں سب کے خیالات جاندار ترتیب ادارے کی پوزیشن خود واضح کرتی ہے سمجھ جائیے۔ ہومیو کارنر دلچسپ بھی پر مغز بھی۔ حرا کمر بستہ اپنی تحریر لئے تیار رہے عزیزی مدیرہ جی! سحرش برائٹ اسٹار اور طاہر قریشی بصد احترام کا از حد شکریہ جن کی بدولت حرا کی یہاں حاضری ممکن ہوئی آگین جزاک اللہ خیر۔ رب سوہنا حجاب و آنچل کو مزید ترقی کے انمول زیور سے آراستہ کرے۔ ادارہ ہذا سے وابستہ افراد اس کے چاہنے والوں۔ آپ سب کی رب ذوالجلال خصوصی حفاظت کرے۔ محبتوں کو دائمی اثبات بخشے آمین۔

مدیرہ جی کے لئے:۔

اک بات کہ جس کو سنتے ہی

شاداب سماعت ہو جائے

سنکر جو اتر جائے دل میں

اور اس سے محبت ہو جائے

تم ایسی کوئی بات کرو

کوئی بات کرو

اب اجازت، دل تو نہیں چاہتا پر پھر بھی، اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر حرا! آپ کا انداز تکلم اتنا شیریں اور دلفریب ہے کہ بالمشافہ ملاقات کا گمان ہوتا ہے۔ کوئی بات کرو کے لیے یہی کہوں گی کہ

تیرے قلم نے بڑے پیار سے لکھا ہے انہیں
رچی ہوئی ہے ہر اک لفظ میں تری خوشبو

پہلا انعام حاصل کرنے پر مبارک باد۔

سیدہ عروج فاطمہ...... ملتان۔ السلام علیکم! آغاز میں اللہ کے بابرکت نام سے کروں گی کیونکہ اللہ کے ذکر کے بغیر ہر بات ادھوری ہے۔ امید ہے آپ سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ گرمی نے تو اپنا جلوہ دکھانا شروع کر دیا ہے، میں پہلی بار کسی بھی ڈائجسٹ کے لیے تبصرہ لکھ رہی ہوں اس کی وجہ ادارے کا خلوص اور اپنائیت ہے مجھے اسٹاف ممبران کے اچھے اخلاق نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ جی تو قارئین اب تبصرہ کی طرف آتے ہیں جہاں لفظ محبت لکھا نظر آتا ہے میری نگاہیں وہیں منجمد ہو جاتی ہیں ہاہاہا۔ ٹھیک سمجھے آپ سب، میں نے سب سے پہلے اقبال بانو کی تحریر ''محبت خواب کی صورت'' پڑھی، رخشی اور اعظم کی کہانی۔ رخشی کا یہ کہنا کہ میں تمہیں چاہ سکتی ہوں یا تو نہیں سکتی نہ...... بہت متاثر کن کہانی لگی مجھے، رخشندہ یعنی کے رخشی روایتوں کی پابند لڑکی محبت کے سامنے ہار کر بھی جیت گئی۔ اس نے ثابت کر دیا کہ محبت انسان کو کمزور نہیں کرتی ہے، یہ تحریر پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کے جہیز کی وجہ سے کتنی مشکلات ہمارے معاشرے اور خواتین کو برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ معاشرتی مسائل کی طرف توجہ مرکوز کرتی ہوئی بہت بہترین کہانی لگی مجھے، بہت خوب اقبال بانو۔ اس کے بعد میں نے صدف آصف کی کہانی پڑھی، صدف آصف صرف ایک اچھی رائٹر ہی نہیں ہیں میری بہت اچھی دوست بھی ہیں۔ ان کی تحریر پڑھی ''دل کے دریچے'' صدف آصف آپ کی تحریر تو سیدھا دل پر جا کر لگی۔ سفینہ کا اپنے دادا جان کو یاد کرنا اور ٹیرس سے ٹیک لگا کر فائز سے دل ہی دل میں باتیں کرنا۔ واہ واہ بہت عمدہ انداز بیان پایا ہے قدرت کی طرف سے آپ نے صدف آصف۔ دوسری طرف شرمیلا اور نبیل کے قصے کو بھی بہت عمدگی سے آپ نے بیان کیا ہے، جب فائز نے سرگوشی کی کہ مجھے کبھی بھی چھوڑ کر نہ جانا ہمیشہ میرے ساتھ رہنا اور سفینہ کا زیر لب دوہرانا، کبھی نہیں۔ واہ کیا کہنے آپ کے میرا دل چاہ رہا تھا کے میں کھڑی ہو کر تالیاں بجانا شروع کر دوں، ہاہاہا۔ صدف آصف بہت ہی اچھا لکھتی ہیں آپ۔ اس کے بعد میں نے ام ایمان قاضی کی تحریر ''پچھتاوا'' پڑھی۔ دو بہنوں کی کہانی جس میں بہن ہی بہن کی دشمن نکلی۔ ایسا ہمارے معاشرے میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کے شوہر کا دل بیوی کی بہن پر آ جاتا ہے۔ بہنیں تو ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتی ہیں اس لیے کسی بھی بہن کو یہ زیب نہیں دیتا کے اپنی بہن کا گھر اجاڑ دے۔ بہت عمدہ اور جاندار موضوع کا انتخاب کیا ہے آپ نے ام ایمان قاضی۔ مجھے لگا کے جیسے میں سو فیصد حقیقی کہانی پڑھ رہی

ہوں۔ ہمیں ایسی ہی تحریروں کی ضرورت ہے جس سے معاشرہ اصلاح کی طرف گامزن ہو۔ اس کے بعد میں نے حرا قریشی کی تحریر ''زندگی تھک گئی'' پڑھی۔ گڑیا کی ماں ہاجرہ کی کہانی جس سے گڑیا بہت محبت کرتی تھی اس کہانی کے دو رخ تھے جس میں ایک طرف امیری اور دوسری طرف غریبی دیکھنے کو ملی۔ امیروں کے دل مردہ ہو جاتے ہیں ان کے ضمیر کو جگانے کی ضرورت ہے۔ ہاجرہ کی موت کے بارے میں پڑھ کر افسوس ہوا اس کے بعد فصیحہ آصف خان کی تحریر پڑھی ''ظرف'' کہانی میں کافی تجسس تھا میں سوچتی رہی کہ نہ جانے عادل کی اس قدر اداسی کی وجہ کیا ہے شاید کسی سے محبت ہو گئی ہوگی جیسے جیسے آگے بڑھتی گئی تو بات واضح ہوتی گئی۔ گھر کے تمام افراد کے ساتھ اگر برابری کا سلوک نہ کیا جائے تو دل کو ٹھیس تو لگتی ہے۔ شکر ہے گھر والوں کے ساتھ کے ساتھ ہی عادل کو اس کی چاہت بھی مل گئی۔ اب آگے بڑھتے ہیں دیکھتے ہیں کہ اگلی باری کس کی آتی ہے ''میرے خواب زندہ ہیں'' واہ نادیہ فاطمہ رضوی کیا خوب لکھا آپ نے باقی سب کی تحریروں نے بھی بہت متاثر کیا۔ مجھے اندازہ ہے کہ ایک رائٹر کو کتنی شدت سے انتظار ہوتا ہے کہ قارئین ان کی کہانیوں پر تبصرہ کریں۔ تبصرہ پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی محنت کا صلہ مل گیا۔ میں نے تبصرہ کر کے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ آپ سب کو اور آپ کے اہل خانہ کو خوش و خرم اور تندرست و توانا رکھے آمین۔ آپ سب کی دعاؤں کی طلبگار۔

☆ دوسرا انعام پانے پر ڈھیروں مبارکباد۔

صبا عیشل ...... السلام علیکم! پڑھتی آنکھوں دھڑکتے دلوں اور سوچتے خیالوں کو ہمارا خلوص بھرا سلام۔ ارے واہ! اتنے لوگ، خوب رونقیں لگی ہوئی ہیں۔ ہم کیوں پیچھے رہتے بھئی، ہم بھی اس خوب صورت محفل کا دلفریب حصہ بننے تشریف لے آئے ہیں۔ شروع کرتے ہیں محفل کے آغاز سے، اوہو سمجھا کریں نا، ٹائٹل کی بات کر رہی ہوں۔ ٹائٹل بہت خوب صورت لگا۔ ارے واہ ام ایمان قاضی، فصیحہ آصف (آہم) نزہت جبیں آپ بھی ہیں۔ سعدیہ امل خوشی ہوئی آپ کو دیکھ کر۔ میری موسٹ فیورٹ اقبال بانو آپا آپ کو دیکھ کر ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لگا۔ ام مریم سے طویل ملاقات مزا آ گیا۔ ویری گڈ فیم وشمہ اور حنا آہاں صدف آصف آپ کیسی ہیں؟ صدف آصف تو ہر شمارے میں ہی ہم سے ملتی ہیں ہر ماہ کی ملاقات اچھی لگتی ہے۔ ''دل کے دریچے'' کی ہر قسط کا بے صبری سے انتظار ہوتا ہے۔ ہر کردار کو عمدگی سے لے کر آگے بڑھ رہی ہو ویری گڈ۔ سفینہ اور فائز کی کہانی بہت دلچسپ ہوتی جا رہی ہے۔ (آہ شرمیلا) اس کے نام پر تو ایک اور ہی شرمیلا مجھے یاد آ جاتی ہے ہاہاہا۔ کہانی پر گرفت اتنی مضبوط ہے کہ لگتا ہی نہیں کہ آپ پہلا سلسلے وار ناول لکھ رہی ہیں، ویری ویل ڈن۔ اب کسی ناولٹ یا ناول کے ساتھ بھی حجاب میں جلدی آ جائیں۔ چلیں جناب صدف سے ملاقات تو ہو گئی اب آگے بڑھتے ہیں ہم سیٹ سے کھڑے ہو کر سوچ رہے ہیں کہ اب کس سے ملاقات کی جائے۔ اگلی رو میں ہر دلعزیز اقبال بانو صاحبہ ''محبت خواب کی صورت'' کے ساتھ براجمان ہیں۔ نام کی طرح تحریر بھی یقیناً بہت خوب صورت پڑھنے کو ملے گی۔ لو جی اب ذرا خاموشی قائم کی جائے ہم کہانی پڑھنے لگے ہیں۔ جوں جوں پڑھتے گئے کہانی میں کھو سے گئے معاشرتی مسائل میں سے ایک بہت اہم مسئلے کی طرف توجہ مبذول کرواتی کہانی۔ بانو آپا آپ نے ہمیشہ کی طرح متاثر کن تحریر لکھی۔ رخشی کی خودکشی اف......! ''چلو پھر کوچہ جاناں'' نزہت جبیں ویری گڈ بہت اچھا لکھا آپ نے۔ ام ایمان قاضی ''پچھتاوا'' کے ساتھ آئی ہیں۔ بہنیں جو پیار محبت اور خلوص کا مرقع ہوتی ہیں۔ بہن کا نام پڑھتے ہی مجھے اپنی بہن یاد آنے لگتی ہے ہم ہیں تو بہت دور لیکن ہماری محبت اور خلوص نے ہمیں کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہونے دیا۔ بات کا رخ جانے کس طرف جا نکلا ہے واپس آتے ہیں کہانی پر۔ کہانی کا موضوع بہت اسٹرونگ تھا معاشرے کی زبوں حالی کا

ایک جیتا جاگتا حصہ جسے خوب صورتی سے بیان کیا گیا۔ فصیحہ آصف خان "ظرف" کے ساتھ مل کر اچھا لگا کہانی شروع میں تجسس کا عنصر لئے ہوئے تھی پڑھ کر اچھا لگا عادل جیسے اور بہت سے لوگ واقعتاً اس کا شکار ہیں حقیقت کا رنگ لئے ہوئے عمدہ کہانی۔ سعدیہ امل آپ سے ملنا تو ہمیشہ سے ہی بہت اچھا لگتا ہے طویل غیر حاضری کے بعد آپ کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔ "سفر اب جتنا باقی ہے" ہمیشہ کی طرح بہت عمدہ۔ سلمیٰ فہیم گل "تیرے لوٹ آنے تک" کی اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے تفصیلی تبصرہ مکمل ہونے کے بعد۔ حرا قریشی آپ کی "زندگی تھک گئی" نے مجھے بھی تھکا دیا ہاجرہ کی موت پر آنکھیں نم ہوگئیں۔ "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ رضوی بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ۔ جی تو جناب آپ سب سے ملنا اور باتیں کرنا ہمیں بہت اچھا لگا۔ حجاب آپ کا بہت شکریہ جو ہمیں اتنی اچھی محفل میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ ارے ارے رکیے احوال سنتے سنتے آپ کو یہ تو نہیں لگ رہا کہ ہم بنا کچھ کھائے پیئے اور انجوائے کئے واپس آگئے۔ دیکھا ہلا دی ناہاں میں گردن ہنہہ...... ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم حجاب کی محفل سے ایسے ہی واپس آجائیں زہرہ جبیں نے کچن کارنر سے ہمیں بہت کچھ کھلایا سمیہ عثمان کے بزم سخن نے ہمیں سخن سخن کیا اور دعا فاطمہ نے شوبز کی دنیا سے ہمیں خوب مزیدار انداز میں نیوز دیں۔ خدیجہ کے ٹوٹکوں نے ہمیں چھوٹا اوہ نہیں ٹوٹا (اوہوں غلط بات کتنی غور سے سنتے ہیں آپ گندے بچوں) انہوں نے سوہنا بننے کی باتیں بتائیں۔ مزید بور کرنے سے بچانے کے لئے ہم تو چلیں اب سونے۔ اگلی محفل میں ان شاءاللہ پھر ملتے ہیں۔ خبردار جواب کوئی ہمارا نام بھولا۔ اچھے لوگوں کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے نام کے ساتھ پھر ملتے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ ہمارا اور آپ سب مصنفین اور قارئین کا یہ خوب صورت ساتھ ہمیشہ یونہی قائم رہے۔ فی امان اللہ

میں لوٹنے کے ارادے سے جارہا ہوں مگر
سفر سفر ہے میرا انتظار نا کرنا

☆ صبا آپ کو تیسرا انعام حاصل کرنے پر مبارک باد۔

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر۔ پیاری باجی جو ہی احمد صاحبہ السلام علیکم! اس بار ماڈل صبا خان حجاب کے سرورق پر پھولوں سے مہکی ہوئی ہاتھوں پر خوب صورت ڈیزائن سے لگی مہندی اور ہمیں محبت بھری نظروں سے دیکھنا ہمیں تو ایسا لگتا کہ وہ جیسے ہم سے کہہ رہی ہو۔

ایک ایک کرکے ہوئے جاتے ہیں تارے روشن
میری منزل کی طرف تیرے قدم آتے ہیں

میری طرف سے حجاب سے محبت کرنے والی بہنوں کو پیشگی عید مبارک۔ "بات چیت" میں قیصر آراء ضمیر جھنجھوڑ رہی تھیں۔ حمد ونعت' امہات المومنین پڑھ کر ایمان کو تازہ کیا۔ رخ سخن میں سمیرا غزل صدیقی اور ام مریم سے ملاقات خوب رہی۔ فوزیہ وقار سے ملاقات میں ان کی خوب صورت تصاویر بھی اچھی لگیں۔ سلسلے وار ناولز کے تو کیا ہی کہنے افسانوں میں ظرف۔ "محبت خواب کی صورت' سفر اب جتنا باقی ہے' امڑی وے پسند آئے۔ آپ نے اس بار پھر آنچل' حجاب' نئے افق میں انعامات جیتنے والوں کو ڈھیروں مبارک باد دی ہیں مگر ان میں انعام یافتگان کے ناموں کا اعلان نہیں کیا گیا۔ ہماری دعا ہے حجاب ترقی پر ترقی کرتا رہے' آمین۔

☆ ڈیئر پروین ہم نے آپ کی کمی کو شدت سے محسوس کیا۔

فریدہ فری...... لاھور۔ السلام علیکم! مئی کا حجاب بہت ہی لیٹ ملا یعنی 20 تاریخ کو اب تبصرہ کررہی ہوں مگر خدشہ ہے کہ کہیں لیٹ نہ ہوجائے۔ اتنی شدید گرمی پڑ رہی ہے' اب رات کو لکھ رہی ہوں۔ اقبال

بانو، فصیحہ آصف اور نزہت جی کے افسانے واہ کیا کمال کے افسانے تھے، پڑھ کر مزا آ گیا۔ رخ سخن میں سمیرا غزل صدیقی کا انٹرویو بے حد پسند آیا۔ ہماری پسندیدہ رائٹر ام مریم سے ملاقات واہ کیا بات ہے۔ "زندگی تھک گئی" اور ام ایمان قاضی بہترین تحریر لے کر آئیں۔ گراور بیماری ہمارے ساتھ مستقل درست کی طرح ہے، یہ پانچ ماہ ہم کس طرح گزاریں گے آنچل کی طرح حجاب بھی ہمیں بے حد پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے، ہم اسلام آباد سے نواں ایوارڈ لے کر آئے ہیں یعنی چوتھا ایوارڈ باقی اور شہروں سے ملے ہیں، سب دوستوں اور قارئین رائٹرز کو بے حد سلام اور دعا۔

شمیم ناز صدیقی...... کراچی۔ ڈیئر قیصر آپا! السلام علیکم! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔ بہت عرصے بعد آپ سے مخاطب ہوں اور اس کوتاہی پر شرمندہ بھی ہوں کہ حجاب کے اجرا پر آپ کو مبارک باد بھی فوری طور پر نہیں دے سکی۔ آپ یقین کریں آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب بھی پہلے شمارے سے میرے مطالعے میں ہے۔ ہر شمارہ نکھرا نکھرا سا اور اب خوب صورت سرورق کے ساتھ مئی کا شمار حجاب کا تو جواب نہیں۔ حجاب نے اتنے کم عرصے میں سب کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے، آپا آپ نے تو کمال کر دیا آپ کی اور تمام اسٹاف کی محنت خوب رنگ لائی ہے۔ آپ سب کو میری طرف سے دلی مبارک باد۔ اب کچھ تبصرہ تازہ شمارے حجاب پر ہو جائے۔ رخ سخن کے ساتھ ساتھ ملاقات کا سلسلہ بھی خوب ہے، اس ماہ ام مریم سے ملاقات کر کے دل خوش ہو گیا۔ رخ سخن میں سمیرا غزل صدیقی کا انٹرویو اچھا لگا، رخ سخن کے سلسلے کا ذکر آیا ہے تو سباس گل کو مبارک باد دینا چاہوں گی، میری طرف سے دلی مبارک باد، اب تک تم نے جتنے بھی انٹرویو لیے سب زبردست تھے۔ خاص کر فصیحہ آصف، فریدہ فری، نزہت جبین ضیاء، نگہت غفار آپا وغیرہ آپ سب کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اب چلتے ہیں ذرا افسانوں اور ناولز کی طرف، اقبال بانو کی تحریر اس شمارے کی جان تھی۔ "محبت خواب کی صورت" سعدیہ امل کاشف، تم تو نہ جانے کہاں غائب تھی میں تمہیں یاد کرتی تھی تمہارا وہ خط میرے پاس موجود ہے جو تم نے میری شادی سے پہلے لکھا تھا، تمہاری تحریر حجاب میں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ تم نے منفرد سا لکھا، فصیحہ آصف کا ظرف بھی خوب صورت تحریر اچھی لگی۔ سلسلے وار ناول پڑھے نہیں، باقی تمام سلسلے پڑھے اور بہت اچھے لگے، شوخئ تحریر کی ہر تحریر خوب لگی۔ شوبز کی دنیا کی خبریں معلومات بھی دلچسپ ہوتی ہیں۔ کچن کارنر میں خوب رونق لگی تھی، اتنی ساری ڈشز اور شربت اچار، حلوہ بریانی وہ بھی بجے پوری سب مزے دار لگا۔ حسن خیال کی رونق دیکھ کر دل خوش ہو گیا، ہم یہی تو چاہتے تھے کہ رائٹر تبصرے میں شامل ہوں اور ہماری خواہش پوری ہو گئی، نگہت آپا، فصیحہ آصف کو دیکھ کر خوش ہوئی۔ رائٹر حسن خیال میں آتی رہیں، ہم بھی کوشش کریں گے، حسن خیال میں حاضری کی پابندی بہت ساری دعاؤں کے ساتھ اب اجازت چاہیں گے، رمضان شریف کی پیشگی مبارک باد، آپ سب کو اور تمام قارئین رائٹرز کو دلی مبارک باد، والسلام۔

☆ ڈیئر شمیم، طویل عرصے بعد آپ کی شرکت اور پسندیدگی بہت اچھی لگی شریک محفل رہیے گا۔

☆ اس دعا کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے رخصت چاہوں گی کہ پروردگار عالم ہمیں اور ہمارے وطن پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

نا قابل اشاعت کہانیاں:۔

روپے، بدلتے موسم بدلتی رتیں، بہاریں لوٹ آئیں، میں چاند اور تم، تیرے عشق میں ہار گئے۔

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

رحم کا کینسر

بعض اوقات رحم کی عضلی ساخت و رگوں میں ورم ہوجاتا ہے اور اسی ورم حار کی صحیح تدابیر اختیار نہ کرنے کے نتیجے میں رحم میں ایک خاص قسم کا سخت ورم پیدا ہوجاتا ہے جس میں سختی کے باوجود شدت کا درد اور جلن ہوتی ہے۔

اس قسم کے ورم کے قرب و جوار کی رگیں بھی فاسد مواد سے بھر جاتی ہیں جس کی وجہ سے ورم کی مجموعی شکل کیکڑے کی شکل کے مشابہہ ہوجاتی ہے اس لیے اس ورم کو سرطان (کیکڑے) کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

کینسر کی کئی اقسام ہیں جو اپنی خاص نمودوں کے لحاظ سے عام قسم کی عضوی بیماریوں سے بالکل مختلف ہے۔ کینسر کی نمودوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱) سخت گانٹھ کینسر
(۲) نرم گانٹھ کینسر
(۳) پلپلی گانٹھ کینسر

یہ ایک غیر طبعی پیدائش ہے جو کہ Epithelium کی تقسیم در تقسیم سے وجود میں آتی ہے یہ ایک قسم کا Epithelial Neoplasm ہوتا ہے۔ رحم کی (body) میں سرطان بہت کم دیکھنے میں آتا ہے، عام طور پر (Cervix) سرطان کی زد میں آتا ہے۔

یہ مرض اکثر رحم کی گردن (Cervix) سے شروع ہوتا ہے پھر اس کے اثرات رحم کے منہ کے اندر پہنچ کر آہستہ آہستہ رحم کے جسم اور پیندے دیواروں تک پہنچ جاتے ہیں اور ماؤف کردیتے ہیں۔

کینسر کی یہ نشوونما صرف رحم تک محدود نہیں ہوتی بلکہ دوسرے اعضاء مثانہ، مبرز کی نالی سے ہوتے ہوئے خصیۃ الرحم (Ovaries) میں جا پہنچتی ہے اور سب کے سب کو ماؤف کردیتی ہے بعض اقات اس کی وجہ سے ان نالیوں میں ناسور بھی پیدا ہوجاتے ہیں جس سے مریضہ کی حالت نہایت بدتر ہوجاتی ہے اس قسم کی تکلیفات اس وقت تک بڑھتی رہتی ہے جب تک کہ ٹھیک ادویات سے ان تکلیفات کو روک نہ لیا جائے۔

بھنے والا کینسر

بعض اوقات کینسر کی نمودوں میں سیلان خون ہوتا ہے۔ زخم کے بہنے کی صورت میں رحم سے نہایت سخت، متعفن سبز یا نیلگوں یا زرد یا سیاہی مائل رطوبت خارج ہوتی ہے اور بے حد بدبو ہوتی ہے۔ گوشت گل گل کر سیاہ سڑے ہوئے ٹکڑوں کی صورت میں خارج ہوتا ہے۔ معمولی سی رگڑ سے زخم سے خون خارج ہوجاتا ہے جو بعض اوقات بہت زیادہ مقدار میں برآمد ہوتا ہے۔ سوئیوں کی سی چبھن جیسا درد ہوتا ہے، آخر میں اس قدر شدید درد متواتر لاحق رہتا ہے کہ مریضہ سخت بے چین ہوجاتی ہے نیند نہیں آتی۔ بھوک ختم ہوجاتی ہے، کھانا ہضم نہیں ہوتا، قے بار بار آتی ہے، شدت کی حالت میں مثانہ اور مقعد تک اثرات پہنچ جاتے ہیں۔ چہرہ زرد یا سیاہ ہوجاتا ہے، خون میں زہریلے اثرات پہنچ جانے کی وجہ سے بخار کی شکایت بھی ہوجاتی ہے۔

کینسر کی تولید بہت آہستہ آہستہ بھی ہوسکتی ہے، ممکن ہے اس میں سالوں لگ جائیں اور کچھ مدت

تک یہ بالکل ایک گلٹی کی صورت بنی رہے بس میں افزائش ہی نہ ہو۔ یہ اندر ہی اندر نشوونما پاتی رہتی ہے یہ بات قابل ذکر ہے کہ رحم کے کینسر میں تولید اور نشوونما کبھی نہیں رکتی بلکہ رحم کا کینسر بڑھتا ہی رہتا ہے۔

اس قسم کا ورم زیادہ تر رحم کے منہ سے شروع ہوکر نیچے کی طرف بڑھ کر اندام نہانی میں اور اوپر کی طرف بڑھ کر رحم کے اندرونی حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ایک عرصہ تک اسی حالت پر قائم رہ کر پھر سے گلنے سڑنے کا عمل جاری کردیتا ہے۔ متعفن رطوبت جاری ہوجاتی ہے جو زخم کی قرب و جوار میں سرعت کے ساتھ فساد پیدا کرتی ہے اس قسم کی شکایت اکثر تیس سال کی عمر ہوجانے کے بعد ان عورتوں کو لاحق ہوتی ہے جن کے بچے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔

اگر کینسر پستان میں یا جسم کے کھلے حصہ میں ہوتو اس کی تشخیص فوراً ہوجاتی ہے اور علاج بھی آسان ہوجاتا ہے لیکن کینسر آلات تناسل زنانہ کے اندر ہوں تو ان کی پہچان بہت مشکل ہوتی ہے اور نتیجہ عموماً موت ہوتا ہے۔

رحم کے کینسر میں سب سے زیادہ اور تمام نمود والا (Scirrhus) کینسر ہے۔

زخم والا کینسر
(Uleerated Cancer)

یہ سب سے عام قسم ہے اور بہت تیزی سے ترقی یافتہ ہونے والا کینسر ہے' اس کا علاج بہت مشکل ہے' جب تک کہ پہلے مرحلوں میں ہی اس کی تشخیص نہ ہوجائے اور اس کا باقاعدہ علاج جب تک نہ ہو اس وقت تک یہ کینسر درست نہیں ہوتا۔

رحم کا سخت اور بے زخم والا کینسر
(Non Weenated Cancer)

یہ رحم کا سخت قسم کا کینسر ہے یہ رحم کے منہ کے قریب رحم کی گردن سے شروع ہوتا ہے بعض اوقات رحم کے جسم یا رحم میں بذات خود اس کی ابتدائی نمو دیکھی گئی ہے۔ کینسر بذات خود ورم یا ورمی تکلیف کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا اثر طبیعت میں موجود ہوتا ہے اور جب اس طبعی اثر کو بیرونی اثرات سے تحریک ملتی ہے تو کینسر کی نمود ہوتی ہے اور جب یہ سختی والا کینسر ادھیڑ عمر کی عورت کو سن یاس کے زمانہ میں یا اس کے بعد حملہ آور ہوتا ہے تو اس کی نشوونما آہستہ ہوتی ہے لیکن نوجوان عورتوں میں یکایک شروع ہوجاتا ہے اور اس کی تکالیف اور علامتیں سخت ترین ہوتی ہیں۔

رحم کے اندر کینسر کے گومڑ یا نمودیں جب بغیر کسی زخم کے ہوتی ہیں تو مریضہ کو کسی قسم کا احساس یا تکلیف نہیں ہوتی اس لیے اس کی موجودگی کا علم اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ یہ کافی حد تک بڑھ نہ جائے۔ ماؤف جگر میں ورم' ورم میں سختی' درد کا نہ ہونا' سن یاس کے زمانہ میں اس سختی کا نمودار ہونا یہ کینسر کے آغاز کی علامت ہے۔

جن عورتوں کو ابھی حیض بند نہیں ہوئے ان کے اندر کینسر کی نشوونما اور تولید بہت تیزی کے ساتھ ہوتی ہے اور اس وقت تک اس کا پتا نہیں چلتا جب تک کہ کینسر کافی حد تک بڑھ نہ جائے اور گردونواحی کے حصوں کو ماؤف نہ کردے۔ یہ ضروری ہے کہ مریضہ کی عام طبعی کیفیت اور علامات سے کینسر کی موجودگی کو سمجھا جائے۔

(جاری ہے)

شوبز کی دنیا

دعا فاطمہ

گرم موسم اور محنت

کراچی میں شدید گرمی کے باوجود ہدایتکار سید نور اپنی فلم بھائی وانٹڈ اور ہدایتکار نبیل قریشی اپنی دوسری فلم ایکٹر ان لاء کی فلم بندی کورنگی کے اسٹوڈیو میں مکمل کررہے ہیں جبکہ ہدایتکار سید نور، معمر رانا، صائمہ اور عمر چیمہ سمیت دیگر اداکاروں کا کام تیزی سے عکس بند کرارہے ہیں۔ انہوں نے کراچی کے معروف ترین علاقے صدر، ایمپریس مارکیٹ، مزار قائد، ٹاور اور بعض مناظر سمندر پر عکس بند کیے ہیں۔ بھائی وانٹڈ ساٹھ فیصد مکمل ہوچکی ہے۔ مذکورہ فلم کی شوٹنگ آزاد کشمیر اور لاہور میں بھی کی جاچکی ہے۔ جبکہ ہدایتکار نبیل قریشی اپنی دوسری فلم ایکٹر ان لا کو تیزی سے مکمل کررہے ہیں اس شوٹنگ میں فہد مصطفیٰ، مہوش حیات، اسلم شیخ پر چند مناظر کی شوٹنگ کی گئی ایکٹر ان لاء عیدالاضحیٰ پر ریلیز کرنے کا عندیہ ملا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ گلوکار عاطف اسلم نے اس فلم کے لیے دو گانے ریکارڈ کرادیے ہیں اور شوٹنگ مکمل ہوتے ہی ہدایتکار نبیل قریشی فلم کی پروسیسنگ کے لیے ممبئی جائیں گے۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم

پاکستانی فلموں کی لگاتار ناکامی نے سینما اونرز اور فلمسازوں کو پریشانی میں مبتلا کردیا ہے اور اب مستقبل قریب میں پاکستانی فلموں کی کامیابی مشکوک نظر آرہی ہے حال ہی میں اداکارہ میرا کی ریلیز ہونے والی فلم ''ہوٹل'' باکس آفس پر ذرا بھی عوامی توجہ حاصل نہیں کرسکی۔ (میرا کی بہت کم فلمیں ہی کامیاب ٹھہری ہیں۔) پہلے روز پلیکسز سینماؤں میں ایک بکنگ اور دوسرے روز تمام سینماؤں میں ایک یا دو افراد موجود تھے۔ (یہ بھی غنیمت سمجھیں) فلمساز و ہدایتکار اب اپنی فلموں کی نمائش اور ان کی کامیابی کے لیے پریشان ہیں۔

تھری ڈی سینما......

ملک بھر میں مقبول سب سے بڑی سینما چین سینی پیکس نے مری شہر میں اپنے نویں سینما کے قیام کا اعلان کردیا، 296 نشستوں پر مشتمل تھری ڈی سینما کو مری شہر میں واقع جی پی او روڈ پر آرٹس کونسل کے احاطے میں قائم کیا گیا ہے۔ جس میں صارف دیگر تفریح کے ساتھ معیاری فلموں سے بھی لطف اندوز ہوسکیں گے۔ اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے سینی پیکس سینما کے چیف ایگزیکٹو آفیسر ہاشم رضا کا کہنا تھا کہ مری جیسے شہر میں تھری ڈی سینما کا قیام نہ صرف مقامی افراد کی تفریح کا باعث بنے گا بلکہ اس سے دور دراز سے آئے سیاح اپنے خاندان کے ہمراہ معیاری تفریح حاصل کرسکیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لاکھوں سیاح مری کا رخ کرتے ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ سینی پیکس سینما ایسے افراد کی تفریح کو یادگار بنانے میں اہم کردار ادا کرے گا، جہاں سیاح ملکی اور غیر ملکی فلموں سے اپنے سفر کو مزید دلچسپ بناسکیں گے۔

پاکستانی گلوکاروں سے متاثر

برطانیہ کی گلوکارہ تانیہ ویلز نے کہا ہے کہ میں پاکستان آنے کے لیے تیار ہوں پاکستانی گلوکاروں سے متاثر ہوں (ان سے کون متاثر نہیں) ان کے ملک میں جاکر پرفارم کرنا میرے لیے اعزاز کی بات ہوگی برٹش ایشن کلچر

(یوکے) اور ایشین پرفارمنگ آرٹ کراچی کے مشترکہ پروگراموں میں حصہ لوں گی۔ یہ بات انہوں نے کراچی پریس کلب میں لندن سے براہ راست ویڈیو لنک پر خطاب کرتے ہوئے کہی۔ اس موقع پر ایشین پرفارمنگ آرٹ اور برٹش ایشین کلچر کے روح رواں شہزاد عالم، آصف اقبال اور عامر شیخ نے بھی پریس کانفرنس سے خطاب کیا تانیہ نے کہا کہ میں نے بھارت میں میوزک کی تعلیم حاصل کی اور پاکستانی گلوکاروں میں مہدی حسن، عابدہ پروین، غلام علی اور نصرت فتح علی خان پسند ہیں اگست میں کراچی اسلام آباد، لاہور میں پرفارم کروں گی۔

فلم "سکندر"

اداکار ہدایتکار معمر رانا اپنی نئی فلم "سکندر" کی آخری فلمبندی دبئی میں اور باقی ماندہ مناظر کراچی میں فلمائیں گے۔ انہوں نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ فلم بناتے وقت ڈائریکشن، اسکرین پلے اور کہانی پر توخیال رکھا گیا ہے اور اداکاروں نے اپنی صلاحیتوں سے عمدہ پرفارمنس دی ہے۔ (کاش آپ بھی اپنی پرفارمنس پر توجہ دیتے تو یہ بات کہتے اچھے بھی لگتے) انہوں نے کہا کہ فلم ایک تفریح کا بہت بڑا ذریعہ ہے لیکن فلم کو بین الاقوامی معیار کے مطابق بنانے کی کوشش کی ہے۔
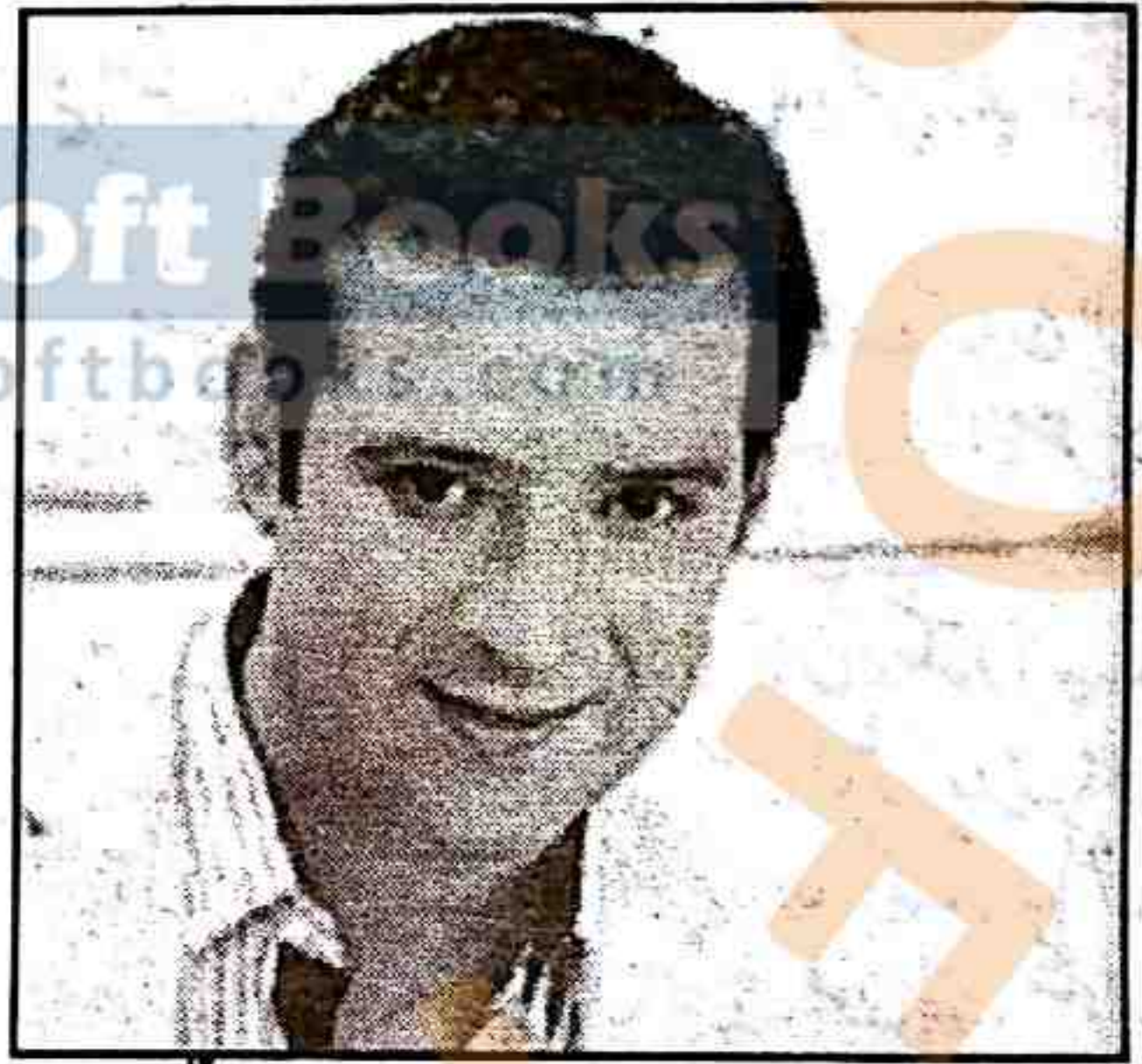
سوال 700 کروڑ ڈالر کا

ہدایتکار جمشید جان محمد کی عیدالفطر پر ریلیز ہونے والی فلم "سوال 700 کروڑ ڈالر کا" کی میوزک لانچنگ تقریب آئندہ ہفتے کراچی میں ہوگی۔ اس فلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بھارتی گلوکاروں شان، الکایاگنگ، محمد عرفان، کلپنا پوٹھاری سمیت متعدد گلوکاروں نے اپنی آواز کا جادو جگایا ہے۔ (جن کے بغیر یہ فلم ادھوری سمجھی جاتی) جن لوگوں نے فلم کی شوٹنگ دیکھی ان کے مطابق ملک اور بیرون ممالک فلم کو زبردست رسپانس ملنے کی توقع ہے۔ (کون لوگ کہتے ہیں ہمیں بھی تو بتائیں) فلم کی خصوصیت یہ ہے کہ ہدایتکار جمشید جان محمد نے اس میں اپنی ہدایتکاری کے خوب صورت مجز دیے ہیں۔ اداکار غلام محی الدین کے صاحبزادے علی محی الدین نے توقعات سے بڑھ کر اداکاری کی ہے۔

ریما کی واپسی

شادی کے بعد اداکاری کو خیرباد کہنے والی اداکارہ ریما نے فلم انڈسٹری دوبارہ جوائن کرنے اور مستقل طور پر فلم بننے تک کراچی میں قیام کا فیصلہ کرلیا ہے۔ (گھرداری سے فلم بنانا آسان ہوگا؟) ذرائع سے پتا چلا ہے کہ اداکارہ ریما نے حال ہی میں فلم ٹی وی کے معروف مصنف خلیل الرحمان قمر سے رابطہ کیا ہے اور انہوں نے خلیل الرحمان قمر سے امریکہ سے فون پر کہانی کے بارے میں طویل گفتگو بھی کی ان آئیڈیاز میں سے انہیں ایک کہانی کا آئیڈیا پسند آ گیا ہے اور ریما نے اسے اوکے کردیا ہے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پوری فلم کراچی میں بنائی جائے گی اور ریما مستقل

طور پر کراچی میں سکونت اختیار کریں گی۔

فلمی صنعت تنزلی کا شکار

سینئر اداکار مصطفیٰ قریشی نے ملکی فلموں کی مسلسل ناکامی پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے فلم انڈسٹری کا بڑا نقصان قرار دیا ہے۔ انہوں نے ایک انٹرویو میں کہا کہ فلمیں تواتر سے بننے سے فلم انڈسٹری کی بحرانی کیفیت تو ختم ہو رہی ہے لیکن فیچر فلموں کے بجائے ٹی وی ڈرامہ جیسی فلمیں فلمی صنعت کی ساکھ کو خراب کر رہی ہیں انہوں نے کہا کہ موجودہ دور کے فلمساز ہدایتکار اگر سینئرز پروڈیوسرز ڈائریکٹرز سے مشاورت کا عمل کریں تو وہ آئندہ بڑے نقصان سے بچ سکتے ہیں۔ حال ہی میں فلم "مالک" پر تین ہفتوں بعد پابندی مضحکہ خیز ہے۔ انہوں نے جوانی پھر نہیں آنی، میں ہوں شاہد آفریدی، نامعلوم افراد کے ریکارڈ توڑ بزنس کے حوالے سے کہا کہ فلمبین طبقہ آج کل سنجیدہ فلموں کے بجائے مزاحیہ اور اچھی میوزک کی فلمیں دیکھنا پسند کرتا ہے۔

ہوسکے تو میرا ایک کام کرو

مقبول گلوکار ارشد محمود کی گائیکی کے رواں ماہ چالیس سال مکمل ہوگئے۔ انہوں نے بطور گلوکار اپنے سفر کا آغاز 1976ء سے پی ٹی وی کراچی مرکز کے سندھی پروگرام روشن تارا اور پرکھ سے کیا تھا۔ انہوں نے ایک سندھی پروگرام "چھچھو" سے کافی مقبولیت حاصل کی تھی پھر بتدریج انہیں اردو گانوں میں بھی آزمایا گیا اور ارشد محمود نے یہاں بھی خوب صورت گانے گا کر نام بنایا۔ اپنے ایک انٹرویو میں ارشد محمود نے کہا کہ وہ اب تک پانچ ہزار سے زائد گانے گا چکے ہیں اور ان میں بیشتر نے بین الاقوامی شہرت بھی حاصل کی۔ ان کی شہرت فلم انڈسٹری تک جا پہنچی۔ انہوں نے یہاں بھی اپنی صلاحیتوں سے نام کمایا۔ ان کا مقبول گانا "ہوسکے تو میرا ایک کام کرو"۔ "دیکھا جو چہرہ تیرا" سمیت متعدد گانوں نے انہیں آسمان فلم پر پہنچا دیا۔

دہاڑی پر فلمیں

مصنف و ہدایتکار پرویز کلیم نے کہا ہے کہ آج کل یونیورسٹیز اور کالجز میں فیچر فلموں کے بجائے ڈاکومنٹریز کے بارے میں پڑھایا جا رہا ہے جو بالکل بے مقصد ہے اور اس سے کوئی بھی طالب علم استفادہ نہیں کرسکتا (آپ کا بس چلے تو کورس میں اپنی پوری فلمیں شامل کردیں) وہ لورز آف وحید مراد کے روح رواں مرزا وقار بیگ کی رہائش گاہ پر ایک تقریب "سہر ملاقات" میں صحافیوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ اس موقع پر پرویز کلیم نے موجودہ فلموں پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ آج جو فلمیں بنائی جا رہی ہیں وہ محض ایک ٹی وی ڈرامے ہیں اور بیشتر لوگوں نے انہیں مسترد کردیا ہے۔ (جس میں آپ بھی شامل ہیں) انہوں نے موجودہ دور کے فلمسازوں کو دہاڑی فلم ساز سے تشبیہہ دی اور کہا کہ اگر یہی حال رہا تو رہی سہی کسر یہ ٹی وی ڈراموں جیسی فلمیں پوری کردیں گی ہدایتکار پرویز کلیم نے کہا کہ میں نے 175 فلموں کی کہانیاں لکھیں ان میں بیشتر نے پلاٹینم، گولڈن اور سلور جوبلیاں منائیں۔ آج

بھی میں نے جو فلمیں تخلیق کیں ان میں کہانی ہدایتکاری اور اسکرین پلے پر کمانڈ رکھی اور ان فلموں کا نام اب تک باقی ہے۔

ایمان علی...... میں پنجاب نہیں جاؤں گی

اداکار، فلمساز ہمایوں سعید نے اپنی نئی فلم "میں پنجاب نہیں جاؤں گی" میں مرکزی کردار کے لیے ایمان علی کو کاسٹ کرلیا ہے۔ (پنجاب نہیں جاؤں گی کچھ سنا سنا سا نام ہے) فلم کی کاغذی تیاریاں مکمل کرلی گئی ہیں فلم کے مصنف خلیل الرحمان قمر اور ہدایتکار ندیم بیگ ہوں گے فلم کی کہانی خالصتاً رومانی اور مزاحیہ ہے۔ فلم میں پنجاب نہیں جاؤں گی جوانی پھر نہیں سے زیادہ کامیاب ہوگی۔

بالی ووڈ سے عمائمہ ملک کو آفرز

اداکارہ، ماڈل عمائمہ ملک فلمساز اداکار شان کی کثیر سرمائے سے بننے والی فلم ارتھ ٹو کی عکسبندی کے لیے عنقریب برطانیہ جائیں گی جہاں ان پر گانوں کی فلمبندی اور دیگر مناظر فلمائے جائیں گے عمائمہ ملک کو بالی ووڈ سے مزید فلموں میں کام کرنے کی آفرز ملی ہیں لیکن انہوں نے ان میں کام کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ (خواب میں آنے والی آفرز کا کیا فیصلہ کرنا ہے)

عدنان صدیقی' سری دیوی کے شوہر

ٹی وی اداکار عدنان صدیقی بالی ووڈ کی فلم "مم" میں سری دیوی کے شوہر کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ (عدنان اتنے پرانے لگتے تو نہیں ہو) جبکہ اسی فلم میں سجل علی سری دیوی کی سوتیلی بیٹی کا کردار ادا کرتی نظر آئیں گی مذکورہ فلم ہی سے سجل علی نے اپنے فلمی کیریئر کا آغاز کیا ہے عدنان صدیقی نے کہا کہ سری دیوی نے انہیں جو عزت دی ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ (شوہر کو عزت نہ دیتی تو پاپ نہ ہوتا) خصوصاً شوٹنگ اور قیام کے دوران جو احترام دیا وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا انہوں نے کہا کہ سری دیوی نے جب کردار کے بارے میں بتایا تو میں نے اس عظیم اداکارہ کی آفر قبول کرلی۔ (یعنی دو عظیم اداکار آمنے سامنے)

پی ٹی وی کا پروگرام

ایورریڈی پکچرز کے تحت پی ٹی وی کا معروف پروگرام بوکس آفس کئی دہائیوں سے کامیابی کا سفر جاری ہے۔ جس کے ڈائریکٹر انیس خان نے کہا کہ 90 کی دہائی میں پروگرام بوکس آفس شروع کیا گیا تھا جس کی پہلی میزبان نادیہ خان، عفت عمر، فرح حسین، وینا ملک، فرح شاہ، مہرین راحیل، سارہ خان تھیں۔ اور اب اس پروگرام کی کرن تعبیر میزبانی کررہی ہیں۔ انیس خان نے کہا کہ اس پروگرام کو شروع کرنے کا مقصد پاکستان کی فلم انڈسٹری کو مقامی اور بین الاقوامی سطح پر پروموٹ کرنے اور پاکستانی فنکاروں اور اداکاروں کی بین الاقوامی سطح پر پذیرائی تھا جو کہ تاحال کامیابی سے جاری ہے۔

طلعت حسین...... فلموں ڈراموں میں

سینئر اداکار طلعت حسین نے کہا ہے کہ فلم انڈسٹری بے شک ترقی کی جانب گامزن ہے لیکن یہاں تکنیک کاروں کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فلمیں عمدہ تکنیک نہ ہونے کے باعث ناکام ہو جاتی ہیں فلم انڈسٹری سے متعلق گفتگو میں انہوں نے کہا کہ نئے تکنیک کاروں کو فلم ٹی وی ڈراموں پر نہیں بلکہ فلم کی طرح بنانی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں فلموں کا نیا دور خوش آئند ہے اور اب کل سے زیادہ آج فنکار مصروف ہیں انہوں نے کہا کہ ہمارے ٹی وی ڈرامے معیاری بنائے جا رہے ہیں لیکن کہانیوں کے انتخاب پر ضرور توجہ دی جانی چاہیے، طلعت حسین نے کہا کہ وہ ان دنوں فلموں سمیت ٹی وی ڈراموں میں کام کر رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج کل کراچی سے باہر فلموں کی شوٹنگ کے لیے جانا پڑتا ہے۔

گلوکار مسکان جے

گلوکارہ، اداکارہ، ماڈل مسکان جے کے نئے ویڈیو البم چنہ نے دنیا بھر میں دھوم مچادی، مسکان نے اپنے نئے البم کی کامیابی پر اظہار تشکر کرتے ہوئے آئندہ نئے البم کی تیاری کا عندیہ ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جلد ہی نئے البم کی لوکیشن منتخب کرنے کے بعد اس کی عکسبندی شروع کردوں گی، انہوں نے البم پسند کرنے والوں کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ وہ کبھی معیار سے سمجھوتہ نہیں کریں گی۔

عروہ حسین اور ماورا حسین

فلم اور ٹی وی فنکارہ عروہ حسین نے کہا ہے کہ ہم دونوں بہنوں میں مثالی انڈراسٹینڈنگ ہے اور کبھی بھی ایک دوسرے کی شہرت سے نہیں جلتے۔ (پھر یہ بات کیوں کی؟) عروہ حسین نے ایک تقریب میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کئی جیلیس لوگوں نے مختلف باتوں کے ذریعے ہمیں لڑانے کی بھرپور کوشش کی لیکن ہم نے ان باتوں پر توجہ نہیں دی ہم دونوں بہنیں دراصل بچپن ہی سے ایک دوسرے کی پکی سہیلیاں بھی ہیں اور اللہ کا شکر ہے کہ اب تک بات بنی ہوئی ہے ماورا حسین کی فلم صنم تیری قسم کی کامیابی نے کافی حوصلہ دیا ہے۔ (حوصلہ کیسے دیا وضاحت بھی تو کریں) اور اب پہلے کے مقابلے میں شوبز کی مصروفیات میں کافی اضافہ ہو گیا ہے جس میں آنا جانا رہتا ہے اور وہاں ہمیں جو عزت ملی وہ کبھی بھول نہیں سکتے، عروا حسین نے کہا کہ ہمارے ٹی وی ڈراموں نے ملک اور بیرون ملک تہلکہ مچادیا ہے اور خاص کر پڑوسی ملک بھارت میں بے حد مقبول ہیں۔

رمضان المبارک کے پروگرام

پی ٹی وی کراچی مرکز کی جنرل منیجر اور ڈائریکٹر نیشنل زرتاج علی نے کہا ہے کہ چیئرمین پی ٹی وی کی ہدایت پر کراچی سینٹر سے ڈرامہ پروڈکشن کا جلد آغاز ہوگا۔ زرتاج علی نے کہا کہ حالیہ میٹنگ میں رمضان المبارک کے پروگراموں کو آخری شکل دے دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رنگ سخن کے عنوان سے پروگرام ترتیب دے دیا گیا ہے۔ اسے پروڈیوسر مہرین پیش کریں گی۔ پی ٹی وی پرائیویٹ پروڈکشن کے حوالے سے کہا کہ پی ٹی وی کی ذاتی پروڈکشنز کے ایشو پر بھی کام جاری ہے انہوں نے کراچی مرکز کی سربراہ ہونے کے ناطے کراچی مرکز کے تمام ملازمین بالخصوص پروڈیوسرز نے کہا کہ وہ افواہ سازوں پر کان نہ دھریں انہوں نے کہا کہ کراچی مرکز سے ہمیشہ معیاری پروگرام نشر ہوتے ہیں اس سے قبل بھی جب میں جنرل منیجر کے عہدے پر فائز تھی تو تب بھی پروگراموں کا معیار بہتر تھا اور خصوصاً کرنٹ افیئر کے پروگراموں پر بھرپور توجہ دی تھی، اب میری کوشش ہوگی ناظرین کی دلچسپی کا خیال رکھا جائے۔

ٹوٹکے

نیکی احمد

اجوائن
گرم خشک معدہ کی آگ کو بڑھانے والی۔ ہاضم بخار کو ہٹانے والی پیٹ کے درد اپھارہ جگر متلی دست ہیضہ اور پیٹ کے کیڑوں میں بہت مفید ہے۔ مختلف چورنوں میں اچاروں میں بیسن کے پکوانوں میں پڑتی ہے۔

ادرک
گرم خشک اپھارہ معدہ کی کمزوری اور بلغم کی زیادتی میں مفید ہے۔ کھانا کھانے سے پہلے نمک کے ساتھ ایک تولہ یا آدھ تولہ ادرک چبا لینا مقوی معدہ ہے اور بھوک کو تیز کرتا ہے۔ قابض ہے اور قبض کشا ہے۔ ادرک کا چھ ماشہ بھر رس تھوڑے شہد میں ملا کر چاٹنے سے بلغمی کھانسی دور ہوتی ہے۔ گوبھی ماش کی دال مٹر شلغم وغیرہ بادی سبزیوں میں ادرک ڈالنا بہت ضروری ہے۔

ارہر کی دال
گرم خشک بلغم کی شکایت کو دور کرتی ہے۔ نہ قابض نہ قبض کشا طاقت بخش ہے۔ اس میں کچھ گھی یا تیل ضرور ڈالنا چاہیے۔ دھنیا اور آملہ پڑی ہوئی یہ دال ہر قسم کے مزاج والوں کے لیے طاقت بخش ہے۔

اروی کچالو
معتدل تر طاقت بخش بھاری بلغم کو بڑھاتی ہے۔ ثقیل دیر سے ہضم ہوتی ہے گرم خشک طبیعت والوں کو جلد ہی ہضم ہو جاتی ہے۔ بھوک لگاتی ہے سوکھی کھانسی میں استعمال کرنے سے بلغم پتلی ہو کر باہر نکلنے لگتی ہے قدرے قابض ہے۔ گرم مصالحہ جس میں زیرہ موٹی الائچی کالی مرچ ہوں اروی میں ملانا بہت مفید ہے۔

آڑو
سرد ایک فرحت بخش میوہ ہے جن لوگوں کی بھوک گرمی سے بند ہو گئی ہو ان کے لیے مفید ہے۔ گرمی کے بخار میں مریض کو ایک ایک آڑو دینے سے اس کی طبیعت میں فرحت پہنچتی ہے۔ آڑو گرم اور بلغمی مزاجوں کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔

اسپغول ادرست اسپغول
سرد تر پیاس گرمی گرمی کے بخار اور خون کے جوش کو ٹھیک کرتا ہے آنتوں میں لیس کی وجہ سے پھسلن پیدا کرتا ہے اس کی تین چار ماشہ کی خوراک قابض ہے۔ سات ماشہ سے ایک تولہ کی خوراک قبض کشا ہے یہ گلے اور سینے کی خرخراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اسپغول کا چھلکا (بھوسی) بھی خاصیت رکھتی ہے۔ چھلکا ذرا زیادہ لذیذ ہوتا ہے اور مقابلتاً جلدی اثر کرتا ہے مقدار فی خوراک اوپر لکھے کے مطابق۔

بڑی الائچی
گرم قدرے قابض پسینہ اور فرحت بخش بادی کو ہٹاتی ہے۔ کھانے کو ہضم کر دیتی ہے۔ معدے کے لیے بہت طاقت بخش چیز ہے بھوک لگاتی ہے بلغم کو جذب کرتی ہے اس کے چھلکوں کا پانی ہیضہ اور عام بخاروں میں بہت مفید ہے۔ پیاس کو وہ پانی بہت جلد تسکین دیتا ہے چار لیٹر پانی میں دو تولے چھلکے ابال کر دو لیٹر رہنے پر ٹھنڈا کر کے پلائیں۔ کھانڈ ملا کر دو الائچی پھانکنے سے پسینہ آ کر طبیعت کھل جاتی ہے چھلکوں کا ماتھے پر لیپ سر درد کو دور کرتا ہے۔

چھوٹی الائچی
معتدل خوشبودار ہے۔ دل و دماغ معدہ اور پھیپھڑوں کو طاقت دیتی ہے۔ دمہ ہچکی اور کھانسی کو دور کرتی ہے طبیعت کو صاف کرتی ہے۔ بلغم چھانٹتی ہے۔ دل متلانے قے ابکائی اور کھانسی میں مفید ہے۔ چلم میں چھلکے سمیت رکھ کر اس کا دھواں پینے سے ہچکی ٹھیک ہو جاتی ہے۔

آلوچہ
سرد تر قبض کشا اور گرمی کو دور کرتا ہے۔ تھوڑی مقدار میں ہاضم ہے۔ کھٹا آلوچہ کھانسی زکام کا باعث ہوتا ہے۔ اس لیے پکے ہوئے کھانے چاہئیں لیکن دس بیس دانے سے زیادہ نہیں۔ زیادہ مقدار میں کھانے سے معدہ اور

چھاتی میں جلن پیدا کرتا ہے۔

آم کا مربہ

بہت اعلیٰ اور عمدہ چیز ہے۔ فرحت بخش ہے' دل ودماغ' معدہ' پھیپھڑا اور خون کو طاقت دیتا ہے' قبض کشا ہے۔

امرود

معتدل اور تر ہے' اسے تھوڑا سا نمک اور کالی مرچ لگا کر کھانا مفید ہے اور روٹی کھانے سے پہلے ہی اسے کھانا چاہیے کیونکہ روٹی کے بعد کھانے سے قبض کرتا ہے' امرود کے بیج بالکل ہضم نہیں ہوتے اس لیے کھاتے وقت جتنے نکل سکیں بہتر ہے۔ یہ فرحت بخش' طاقت بخش اور پیاس کو ہٹانے والا ہے۔ جسم کی گرمی کو کچھ کم کرتا دل ودماغ' معدہ کو طاقت دیتا ہے

املی

سرد خشک' قبض کشا' کھٹی ہونے کی وجہ سے گلے کو خراب کرتی ہے اور خون کو کمزور کرتی ہے۔ اس کا بہترین طریقہ استعمال یہ ہے کہ بھگو کر آہستہ سے اوپر کا پانی نتھار کر پیا جائے۔ گرمی کے بخار اور یرقان میں اس کے پانی کا استعمال بہت مفید ہے۔ ہیضہ طاعون کے دنوں میں بھی اس کا استعمال مفید رہتا ہے۔ املی' زکام' کھانسی' نزلہ لگاتی ہے اس لیے بلغمی طبیعت والے بالکل پرہیز کریں۔

انار

میٹھا انار سرد تر' کھٹا انار' سرد خشک' میٹھا انار ہی استعمال کرنا چاہیے۔ اس سے کمزوری معدہ' جگر' دست اور قے جلدی دور ہوجاتے ہیں۔ انار قدرے قابض ہے' جسم کو موٹا کرتا ہے' خون صاف کرتا ہے' پیاس اور بے چینی کو دور کرتا ہے۔ گرمی دور کرنے کے لیے دونوں قسم کے انار اچھے ہیں۔

شربت انار

قے' ابکائی' کھٹی ڈکار اور ہچکی کے لیے مفید ہے۔ پیاس کو روکتا ہے' پیشاب کی جلن اور دل کی بے چینی کو دور کرتا ہے۔

اونٹنی کا دودھ

گرم خشک' قدرے ہلکا اور زود ہضم ہے۔ بدن میں چستی لاتا ہے' دمہ' کھانسی میں مفید ہے۔ بواسیر' تلی' جگر اور بدہضمی کے لیے مفید ہے۔ بھسمک کی بیماری (بار بار بھوک لگنے) میں یہ دودھ صحت بخش ہے۔

انگور

گرم تر' قبض کشا' طاقت بخش ہے۔ دماغ اور آنکھوں کے لیے نایاب ہے۔ جو مریض بہت کمزور ہوگیا ہو اسے انگور کا تازہ رس دینا طاقت بخش ہے' خون بہت پیدا کرتا ہے۔

بادام

بھگو کر چھلکا اترا ہوا بادام معتدل تر ہے۔ بادام قدرے قابض ہے' چربی اور خون پیدا کرتا ہے۔ خشک کھانسی اور اعصاب (نروس سسٹم) کو مفید ہے۔ زبان کی لکنت میں' مکھن اور مصری کے ساتھ بادام ملا کر کھانے سے بدن موٹا ہوجاتا ہے۔ قوت حافظہ بڑھتی ہے۔ کڑوا بادام خون میں فساد پیدا کرتا ہے اور انتڑیوں کو طاقت دیتا ہے' جلدی ہضم ہوتا ہے۔

بکری کا دودھ

سرد تر اور لطیف' اس کا دودھ بیماریوں میں بہت مفید ہے' خون کو صاف کرتا ہے۔ خون کو طاقت دیتا ہے اور جلد ہضم ہوجاتا ہے۔

بھینس کا دودھ

جسمانی طاقت بڑھاتا ہے' خون پیدا کرتا ہے۔ دیر سے ہضم ہوتا ہے' بلغمی مزاج والے چٹکی بھر سونٹھ یا پیپلی (مگھ) پھانک کر اوپر سے دودھ پئیں تو یہ دودھ بلغم نہیں بڑھاتا' طاقت بڑھاتا ہے۔ بھینس کا دودھ گائے کے دودھ کے دوسرے درجے پر ہے' جن کا ہاضمہ کمزور ہو انہیں نہ دیں۔